كشف الباري

عما في صحيح البخاري

كتاب الاستيذان، كتاب الدعوات، كتاب الرقاق

شيخ الحديث مولانا سليم الله خان مدظلهم
مهتمم جامعه فاروقيه كراچی

مكتبة فاروقية
شاه فيصل كالونی نمبر ۴ كراچی

کتاب استیذان، کتاب الرقاق، کتاب الدعوات

کشف الباری (کتاب الاستیذان)

افادات

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان

ترتیب وتحقیق

ابن الحسن عباسی

1432ھ / 2011ء

مطبوعات مکتبہ فاروقیہ کراچی 75230 پاکستان

نزد جامعہ فاروقیہ، شاہ فیصل کالونی نمبر 4

کراچی 75230، پاکستان

فون: 021-4575763

m_farooqia@hotmail.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مرتب

صحیح بخاری جلد ثانی سے کشف الباری کی چھٹی جلد آپ کے سامنے ہے، یہ جلد کتاب الاستئذان، کتاب الدعوات اور کتاب الرقاق کی تشریح پر مشتمل ہے، کتاب الاستئذان میں ۵۳ ابواب، کتاب الدعوات میں ۶۹ ابواب اور کتاب الرقاق میں ۵۳ ابواب ہیں، اس طرح اس جلد میں کل ۱۷۵ ابواب کی شرح آ گئی ہے۔

اس چھٹی جلد میں تراجم ابواب اور احادیث کی تشریح و تحقیق کے سلسلے میں، وہی اسلوب اور نہج اختیار کیا گیا ہے جو سابقہ پانچ جلدوں میں تھا، پہلی بار جو حدیث آئی ہے، صحاح ستہ سے اس کی تخریج کردی گئی ہے، اسی طرح رجال بخاری میں سے جس راوی کا پہلی بار ذکر آیا، اس کا تعارف اور ترجمہ لکھنے کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔

مختلف مسائل اور مباحث میں احادیث اور عربی عبارتوں کے اردو ترجمے کا بھی اہتمام کیا گیا ہے اور ان سب میں زبان کی سلاست اور روانی کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم کے درس حدیث کی یہ وہ امتیازی خصوصیت ہے جو طالبان علوم نبوت کا دامنِ دل کھینچ کھینچ لیتی ہے!

کتاب الدعوات کے شروع میں "دعا اور اس کے آداب" کے عنوان سے اور کتاب الرقاق کے شروع میں "کتب زہد و رقاق پر ایک نظر" کے عنوان سے اس ناکارہ نے بطور مقدمہ وتمہید دو تحقیقی مضمون بھی لکھے......

☆☆☆

ہمارے ہاں درس میں اس حصے کو رواروی میں گزار دیا جاتا ہے، حالانکہ اس میں بہت سی احادیث، انتہائی تشریح طلب بھی ہیں اور انسانی زندگی کو صحیح رخ پر ڈالنے اور اس پر استقامت اختیار کرنے کے لئے غیر معمولی طور پر مؤثر بھی! حقیقت یہ ہے کہ احادیث نبویہ کا یہی وہ درخشاں ذخیرہ ہے جو دل کی ظلمتوں کو ختم کر کے

اسے ایمان اور اعمال کے جلوؤں سے منور کردیتا ہے!...... چونکہ ان ابواب کی یہ احادیث ایک عام آدمی کے مطالعے کے لئے بھی انتہائی مفید اور مؤثر ہیں اس لئے بطور خاص کتاب الدعوات اور کتاب الرقاق کی تمام احادیث کے اردو ترجمے کا اہتمام کیا گیا ہے، اگر چہ وہ کسی باب کے اندر مکرر ہی کیوں نہ آئی ہو!

☆☆☆

حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم کی براہ راست شفقت وہ قندیل ہے جس کی روشنی میں اس ناکارہ کا قلم دھیرے دھیرے اس عظیم الشان تحقیقی اور علمی کام کی تکمیل کے لئے محوسفر ہے، قارئین سے حضرت کی صحت اور درازیٔ عمر کے لئے خصوصی دعا کی درخواست ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ، اس ناکارہ کو بخاری جلد ثانی کی بقیہ جلدیں جلد از جلد مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

شعبۂ تصنیف کے لئے نئی اور جدید کتابوں کی فراہمی اور رفقائے تصنیف کے لئے سہولتیں فراہم کرنے کے سلسلے میں حضرت شیخ الحدیث صاحب کے صاحبزادے، حضرت مولانا عبید اللہ خالد صاحب بڑے فکرمند اور کوشاں رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی کوشش اور فکرمندی کو بارآور فرمائے۔

کتاب کی ترتیب وتحقیق کے مختلف مراحل میں میرے کئی مخلص ساتھیوں نے تعاون کیا، مولانا نور الرحمٰن، مولانا نور المتین، مفتی عصمت اللہ سنزرخیل، مفتی عبدالغنی اور مولانا ساجد صاحب نے حوالوں کی تخریج وغیرہ میں ہاتھ بٹایا، عرفان انور مغل صاحب نے کمپوزنگ میں محنت کی۔

قارئین سے اس سلسلے میں تعاون کرنے والے تمام حضرات کے لئے دعاؤں کی درخواست ہے۔

وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد وعلى آله وصحبه أجمعين.

ابن الحسن عباسی

۷ صفر ۱۴۲۹ھ

کتاب الاستئذان

باب: بدء الاسلام

باب: السلام اسم من أسماء اللّٰہ تعالیٰ

باب: تسلیم القلیل علی الکثیر

باب: إفشاء السّلام

باب: السلام للمعرفة وغير المعرفة

باب: آية الحجاب

باب: زنا الجوارح دون الفرج

باب: التسليم والاستئذان ثلاثاً

باب: إذا دُعي الرجل فجاء هل يستأذن

باب: من رد فقال: عليك السلام

باب: إذا قال: فلان يقرئك السّلام

باب: التسليم في مجلس فيه أخلاط من المسلمين والمشركين

باب: من لم يسلّم على من اقترف ذنباً، ولم يردّ سلامه

باب: كيف الرد على أهل الذمة بالسّلام

كتاب الدعوات

باب: الدعاء إذا انتبه بالليل

باب: التكبير والتسبيح عند المنام

باب: التعوّذ والقراءة عند النّوم

باب– بلا ترجمه

باب: الدعاء نصف الليل

باب: الدعاء عندالخلاء

باب: مايقول إذا أصبح

باب: الدعاء في الصلوة

باب: دعوة النبي ﷺ لخادمه بطول العمر وبكثرة ماله

باب: الدعاء عند الكرب

باب: التعوّذ من جَهد البلاء

باب: دعاء النبي ﷺ: "اللهم الرفيق الاعلى"

باب: الدعاء بالموت والحياة

باب الدعاء للصبيان

باب الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم

باب هل يصلى على غير النبي

باب قول النبي صلی اللہ علیہ وسلم ربنا آتنا فی الدنیا

باب تکریر الدعا

باب الدعاء علی المشرکین

باب الدعاء للمشرکین

باب قول النبیؐ اللھم اغفرلي

باب الدعاء في الساعة التی في یوم الجمعة

باب قول النبیؐ یستجاب لنا في الیھود

باب التامین

باب فضل التھلیل

باب: فضل التسبیح

باب: فضل ذکر الله عزوجلّ

باب: قول لا حول ولا قوة إلا بالله

باب: لله مائة اسمٍ غير واحدة

باب: الموعظة ساعةً بعد ساعة

كتاب الرقاق

باب: ماجاء في الصحة والفراغ، وأن لا عيش إلا عيش الآخرة

باب: مثل الدنيا في الآخرة

باب: قول النبي ﷺ: "كن في الدنيا كأنك غريب أو عابر سبيل"

باب: في الأمل وطوله

باب: من بلغ ستين سنة، فقد أعذر الله إليه في العمر

باب: العمل الذي يُبتغى به وجهُ الله

باب: الرجاء مع الخوف

باب: الصبر عن محارم الله

باب: ومن يتوكل على الله فهو حسبه

باب: مایکره من قیل وقال

باب: حفظ اللسان

باب: البكاء من خشية الله

باب: الخوف من الله

باب: الانتهاء عن المعاصي

باب: قول النبي ﷺ: بعثت أنا والساعة كهاتين

باب: طلوع الشمس من مغربها

باب: من أحب لقاء الله أحب الله لقاءه

باب: سكراتِ الموت

باب: نفخ الصور

باب: يقبض الله الأرض يوم القيامة

باب: كيف الحشر

ایک وضاحت

اس تقریر میں ہم نے صحیح بخاری کا جو نسخہ متن کے طور پر اختیار کیا ہے، اُس پر ڈاکٹر مصطفیٰ دیب البغا نے تحقیقی کام کیا ہے۔ ڈاکٹر مصطفیٰ دیب نے احادیث پر نمبر لگانے کے ساتھ ساتھ احادیث کے مواضع متکررہ کی نشاندہی کا بھی التزام کیا ہے۔ اگر کوئی حدیث بعد میں آنے والی ہے تو حدیث کے آخر میں نمبروں سے اُس کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اس نمبر پر حدیث آرہی ہے، اگر حدیث گزری ہے تو نمبر سے پہلے [ر] لگا دیتے ہیں، یعنی اس نمبر کی طرف رجوع کیا جائے۔

٨٢- كتاب الاستئذان

۸۲- کتاب الاستئذان

(الأحاديث : ۵۸۷۳-۵۹۴۴)

کتاب الاستئذان ۵۳......ابواب اور ۸۵......احادیث مرفوعہ پر مشتمل ہے، جن میں بارہ احادیث معلق ہیں اور باقی ۷۳...... احادیث موصول ہیں، ان میں ۶۵......احادیث مکرر ہیں یعنی صحیح بخاری میں وہ حدیثیں کتاب الاستئذان میں یا اس سے پہلے امام نے مکرر ذکر فرمائی ہیں اور بیس احادیث غیر مکرر ہیں، ان میں پانچ احادیث کے سوا سب متفق علیہ ہیں، یعنی امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی ان کی تخریج کی ہے...... کتاب الاستئذان میں حضرات صحابہ اور تابعین وغیرہ کے سات آثار بھی امام نے ذکر فرمائے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۸۲ - کتاب الاستئذان

۱ - باب : بَدْءِ السَّلَامِ.

کتاب الاستیذان اور کتاب الأدب کے درمیان مناسبت

امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الأدب کے بعد کتاب الاستئذان کو ذکر فرمایا، دونوں کے درمیان مناسبت ظاہر ہے، کسی کے پاس جا کر اس سے اندر داخل ہونے کی اجازت لینا استئذان کہلاتا ہے اور یہ بھی آدابِ معاشرت میں سے ایک اہم اسلامی ادب ہے، لیکن اس کے احکام میں چونکہ تفصیل ہے اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے لیے مستقل کتاب کا عنوان قائم کیا۔

استئذان کے معنی ہیں: طلب الإذن في الدخول لمحل لایملکه المستأذن (۱) یعنی جو جگہ انسان کی ملک نہ ہو وہاں داخل ہونے کی اجازت طلب کرنے کو استئذان کہتے ہیں۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کتاب میں سب سے پہلا ترجمۃ الباب "باب بدء السلام" کے الفاظ سے قائم کیا ہے۔ بَدْأ (باء کے فتحہ اور دال کے سکون کے ساتھ) ابتداء کے معنی میں ہے (۲) اس باب میں امام

(۱) فتح الباري: ۱۱/۳، إرشادالساوي: ۱۳/۲۲۸، عمدة القاري: ۲۲/۲۲۹

(۲) فتح الباري: ۱۱/۳، إرشادالساري: ۱۳/۲۲۸، عمدة القاري: ۲۲/۲۲۹

نے سلام کی ابتداء کا واقعہ بیان کیا ہے۔

استئذان کے متصل سلام ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ جو شخص سلام نہ کرے اسے داخل ہونے کی اجازت نہ دی جائے (۳) اس کی تفصیل آگے باب میں آ رہی ہے۔

۵۸۷۳ : حدّثنا يَحْيَى بْنُ جَعْفَرٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ ، عَنْ مَعْمَرٍ ، عَنْ هَمَّامٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (خَلَقَ ٱللهُ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ ، طُولُهُ سِتُّونَ ذِرَاعًا ، فَلَمَّا خَلَقَهُ قالَ : ٱذْهَبْ فَسَلِّمْ عَلَى أُولٰئِكَ ، نَفَرٍ مِنَ ٱلْمَلَائِكَةِ ، جُلُوسٌ ، فَٱسْتَمِعْ ما يُحَيُّونَكَ ، فَإِنَّهَا تَحِيَّتُكَ وَتَحِيَّةُ ذُرِّيَّتِكَ ، فَقَالَ : السَّلَامُ عَلَيْكُمْ ، فَقَالُوا : السَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ ٱللهِ ، فَزَادُوهُ : وَرَحْمَةُ ٱللهِ ، فَكُلُّ مَنْ يَدْخُلُ الجَنَّةَ عَلَى صُورَةِ آدَمَ ، فَلَمْ يَزَلِ الْخَلْقُ يَنْقُصُ بَعْدُ حَتَّى الآنَ) .
[ر : ۳۱٤۸]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا، ان کی لمبائی ساٹھ گز تھی، جب اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا تو کہا کہ جاؤ اور بیٹھے ہوئے ملائکہ کی اس جماعت کو سلام کرو اور سنو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں، یہی تمھارا اور تمھاری اولاد کا سلام ہوگا، تو انھوں نے جا کر ''السلام علیکم'' کہا، فرشتوں نے کہا ''السلام علیک ورحمۃ اللہ'' فرشتوں نے جواب میں ''ورحمۃ اللہ'' کا اضافہ کیا چنانچہ ہر وہ شخص جو جنت میں داخل ہوگا وہ حضرت آدم علیہ السلام کی صورت پر ہوگا، حضرت آدم علیہ السلام کے بعد سے لوگوں کے قد میں کمی ہونے لگی جواب تک جاری ہے۔

"خلق الله آدم على صورته" کی تشریح

خلق اللهُ آدمَ على صورته، طوله ستون ذراعاً:

اس جملے کی تشریح میں حضرات محدثین کے مختلف اقوال ہیں:

❶ ایک قول یہ ہے کہ "على صورته" میں ضمیر لفظ آدم کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ

(۳) فتح الباري: ۱۱/۳، إرشاد الساري: ۱۳/۲۲۸، عمدة القاري: ۲۲/۲۲۹

جل شانہ نے حضرت آدم کو ابتدائے آفرینش ہی سے انھی کی صورت اور شکل پر بنایا اور دوسرے انسانوں کی طرح ان کی تخلیق ان تدریجی مراحل پر نہیں ہوئی کہ جن میں ایک انسان پہلے نطفہ، پھر مضغہ، پھر جنین، پھر طفل، پھر صبی اور پھر جوان ہو کر خلقت کے مراحل طے کرتا ہے، بلکہ وہ ابتداء میں ہی تمام اعضاء وجوارح اور کامل شکل وصورت کے ساتھ ساٹھ گز قد کے پورے انسان بنائے گئے تھے۔(۴)

شارحِ صحیح بخاری علامہ ابن بطال رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس حدیث میں دہریہ کے عقیدے پر رد ہے کہ انسان کی خلقت روزِ اول ہی سے نطفہ، مضغہ کے تدریجی مراحل طے کرتی ہے، انسان نطفہ اور نطفہ انسان کی پیداوار ہے، اس حدیث میں صراحت آگئی کہ حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت نطفے سے نہیں ہوئی بلکہ وہ مٹی سے ابتداہی میں اپنی اصل صورت پر پیدا کیے گئے تھے۔(۵)

❷ دوسرا قول یہ ہے کہ ''علی صورتہ'' میں ضمیر لفظ ''اللہ'' کی طرف راجع ہے اور ''صورۃ'' سے صفت مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنی صفت پر پیدا کیا، یعنی ان کو ان صفات کے ساتھ موصوف کیا جو اللہ تعالیٰ کی صفات کا پرتو اور جھلک ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حیّ، عالم، قادر، مرید، متکلم، سمیع اور بصیر بنایا۔(۶)

❸ تیسرا قول یہ ہے کہ ضمیر لفظ ''اللہ'' کی طرف راجع ہے اور ''صورۃ'' سے صفت نہیں بلکہ صورت وہیئت ہی مراد ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی اضافت تشریف وتکریم کے لیے ہے۔(۷) جیسا کہ ''روح اللہ'' اور ''بیت اللہ'' میں روح اور بیت کی اضافت شرف اور عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے ہے، اس صورت میں حضرت آدم علیہ السلام کی شکل وصورت کی وجاہت ولطافت اور حسن وخوب صورتی کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اللہ

---

(٤) فتح الباري: ١١/٣، إرشادالساري: ١٣/٢٢٨، عمدة القاري: ٢٢/٢٢٩

(٥) شرح صحيح البخاري لابن بطال: ٩/٦، عمدة القاري: ٢٢/٢٢٩.

(٦) إرشادالساري: ١٣/٢٢٩، فتح الباري: ١١/٤، شرح صحيح البخاري لابن بطال: ٩/٧، عمدة القاري: ٢٢/٢٢٩

(٧) إرشادالساري: ٩/٢٢٩، مرقاة المفاتيح، كتاب الديات، باب مالايضمن من الجنايات: ٧/٨٥، عمدة القاري: ٢٢/٢٢٩

تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اس لطیف وجمیل صورت پر پیدا کیا جو اسرار ولطائف پر مشتمل ہے اور جس کو اس نے اپنی قدرتِ کاملہ کے ذریعہ اپنے پاس سے عطا کیا۔(۸)

فاستمع مايحيونك؛ فإنها تحيتك وتحية ذريتك:

یعنی آپ سلام کرنے کے بعد سنیں کہ وہ کس طرح جواب میں تحیہ پیش کرتے ہیں، وہی آپ کا اور آپ کی امت کا تحیہ ہوگا، ابوذر کی روایت میں "يجيبونك" ہے، یعنی وہ کیسے جواب دیتے ہیں (۹)۔

طوله ستون ذراعاً:

یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی لمبائی ان کی تخلیق کے وقت ساٹھ ذراع تھی۔

ذراع سے کیا مراد ہے، حضرت آدم علیہ السلام کا ذراع یا موجودہ لوگوں کا ذراع؟

زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ موجودہ لوگوں کا ذراع مراد ہے (۱)، حضرت آدم علیہ السلام کا ذراع مراد نہیں (۲)۔ اور مطلب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا قد لمبائی میں آج کے دور کے لوگوں کے ساٹھ ذراع کے بقدر تھا، یعنی ساٹھ گز تھا، کیونکہ اگر حضرت آدم علیہ السلام کا ذراع مراد لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کا ذراع ان کے قد کے صرف ساٹھویں حصہ کے برابر تھا، جو ان کے قد کی لمبائی اور تناسبِ اعضاء کے اعتبار سے بالکل بے جوڑ معلوم ہوتا ہوگا۔ کیونکہ ذراع عموماً انسان کے ربع اور چوتھائی حصے کے برابر ہوتا ہے اور مناسب اور خوبصورت بھی اسی وقت لگتا ہے جب وہ اس کے ربع کے بقدر ہو، ساٹھ گز لمبے انسان کے صرف ایک گز کے ہاتھ ٹھیک اسی طرح بے جوڑ معلوم ہوں گے جیسے آج کے دور کے چھ فٹ کے انسان کا چار انچ کا ہاتھ نامناسب

---

(۸) إرشادالساري: ۲۲۹/۱۳، شرح صحيح البخاري لابن بطال: ۸/۹، مرقاة المفاتيح، كتاب الديات، باب ما لايضمن من الجنايات: ۹۷/۷

(۹) إرشادالساري: ۲۲۹/۱۳، فتح الباري: ۴/۱۱، عمدة القاري: ۲۲۹/۲۲

(۱، ۲) عمدة القارى: ۲۸۷/۱۵، فتح البارى: ۴۴۲/۶، تحفة البارى: ۵۶/۴ الأبواب والتراجم للكاندلوي: ۲۱۲/۱، مرقاة شرح مشكاة: ۷۳۰/۹

معلوم ہوگا، اس لئے ذراع سے اس دور کے عام لوگوں کا ذراع مراد ہے(۳)۔

سلام امت محمدیہ کی خصوصیت

''ذرية'' سے حضرت آدم علیہ السلام کی عام ذریت مراد نہیں، بلکہ صرف امت محمدیہ کی مسلمان ذریت مراد ہے۔(۱۰)

وجہ یہ ہے کہ دوسری کئی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ''سلام'' کی مشروعیت امت محمدیہ کی خصوصیت ہے۔

چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ ''الأدب المفرد'' میں اور ابن ماجہ نے ''سنن'' میں حضرت عائشہؓ سے مرفوع روایت نقل کی ہے جس میں ہے ''ماحسدتكم اليهود على شيء ماحسدوكم على السلام والتأمين''(۱۱) یعنی یہودی جس طرح سلام اور آمین کہنے پر تم سے حسد کرتے ہیں، کسی اور چیز پر۔ اس طرح حسد نہیں کرتے۔

اسی طرح حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی ایک طویل مرفوع روایت امام مسلم رحمہ اللہ نے نقل کی ہے، اس میں ہے ''فكنت أول من جاء بتحية الإسلام''(۱۲) یعنی سب سے پہلے مجھے سلام کا تحفہ دیا گیا۔

بیہقی نے ''شعب الإيمان'' میں حضرت ابوامامہؓ سے مرفوع روایت نقل کی، اس میں ہے ''جعل الله

---

(۳) حوالہ جات بالا، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: مظاہر حق جدید (رقم الحديث: ٥٧٣٦)

(١٠) إرشادالساري: ٢٢٩/١٣، فتح الباري: ٥/١١

(١١) أخرجه الإمام البخاري في الأدب المفرد (مع فضل الله الصمد)، باب فضل السلام، رقم الحديث: ٩٨٨، ٤٤٩/٢، وأخرجه ابن ماجه، في كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب الجهر بآمين، رقم الحديث: ٨٥٦: ٢٧٨/١

(١٢) أخرجه مسلم، بتغيير في كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي ذرٍّ رضي الله عنه، رقم الحديث: ٢٤٧٣، ١٩٢١/٤

السلام تحية لأمتنا، وأماناً لأهل ذمتنا" (۱۳) یعنی سلام ہماری امت کے لیے تحفہ اور اہل ذمہ کے لیے امان ہے۔

سنن ابی داود میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے "كنا نقول في الجاهلية: أنعم الله بك عينًا، وأنعم صباحاً، فلما جاء الإسلام، نهيناعن ذلك" (١٤) یعنی ہم زمانہ جاہلیت میں "أنعم الله بك عينا" تمہارے ذریعہ آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور "أنعم صباحا" تمہاری صبح اچھی ہو (صبح بخیر) کے الفاظ کہا کرتے تھے، اسلام کے آنے کے بعد ہمیں اس سے روکا گیا۔

مقاتل بن حیان کی روایت میں ہے "كانوا في الجاهلية يقولون: حييت مساءً، حييت صباحًا، فغير الله ذلك بالسلام"۔ (۱۵) (یعنی زمانہ جاہلیت میں لوگ "حييت مساءً اورحييت صباحاً" کے الفاظ بطور تحیہ کہا کرتے تھے جس کے معنی ہیں تم صبح وشام زندہ وآباد رہو، اللہ نے اسے سلام سے بدل دیا۔)

فقال: السلام عليكم:

حضرت آدم علیہ السلام سے "سلّم" کہا گیا تھا، "السلام علیکم" کے الفاظ یا تو انھوں نے امر کے صیغے سے ازخود سمجھ لیے اور یا اللہ جل شانہ نے بذریعہ الہام یہ الفاظ انھیں سکھا دیئے۔ (۱۶)

"السلام علیکم" الف لام کے ساتھ بہتر اور افضل ہے، اگر کوئی بغیر الف لام کے "سلام علیکم" کہے تو بھی صحیح ہے (۱۷)، قرآن کریم میں ہے ﴿فقل سلام عليكم كتب ربكم على نفسه الرحمة﴾ (۱۸) ایک اور آیت میں ہے ﴿سلام على نوح في العالمين﴾ (۱۹) ان دونوں آیات میں سلام بغیر الف لام کے ہے۔

(١٣) أخرجه البيهقي في شعب الإيمان، باب في مقاربة وموادة أهل الدين، رقم الحديث: ٨٧٩٨، ٤٣٦/٦

(١٤) أخرجه أبوداود في الأدب، باب في الرجل يقول: أنعم الله بك عيناً، رقم الحديث: ٥٢٢٧

(١٥) فتح الباري: ٥/١١

(١٦) فتح الباري: ٥/١١

(١٧) فتح الباري: ٥/١١، إرشادالساري: ٢٣٠/١٣

(١٨) سورة الأنعام، الآية: ٥٤

(١٩) سورة الصّفت، الآية: ٧٩

علیکم السلام کہنے کا حکم

اگر کوئی شخص "علیکم السلام" کہے تو راجح قول کے مطابق یہ بھی سلام کا صیغہ ہے اور اس سے سلام ادا ہو جائے گا، البتہ قاضی عیاض اور امام غزالی نے اس کو مکروہ کہا ہے (۲۰) لیکن امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا "والمختار لایکره، ویجب الجواب؛ لأنه سلام "۔(۲۱) یعنی "قول مختار یہ ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے اور اس کا جواب دینا واجب ہے، اس لیے کہ یہ سلام ہے"۔

سنن ابی داود اور سنن ترمذی میں ابوجُرَي جابر بن سلیم الهُجَیمی سے روایت ہے "أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقلت: عليك السلام، يارسول الله! قال: لاتقل عليك السلام؛ فإن عليك السلام تحية الموتى"۔ (۲۲) یعنی "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا "عليك السلام، يارسول الله!" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "علیک السلام" مت کہو، کیونکہ "علیک السلام" مردوں کا تحیہ ہے"۔ اس روایت سے "علیک السلام" کی کراہت معلوم ہوتی ہے۔

فقالوا: السلام عليك ورحمة الله، فزادوه: ورحمة الله:

یعنی فرشتوں نے جواب میں "ورحمة الله" کا اضافہ کیا، یہ اضافہ کرنا بالاتفاق مستحب ہے، اگر سلام کرنے والے نے "ورحمة الله" کہا تو جواب میں "وبركاته" کا اضافہ مستحب ہے۔

ومغفرته ورضوانه کے اضافے کا حکم

"وبركاته" کے بعد سلام اور اس کے جواب میں "ومغفرته" "ورضوانه" کا اضافہ مشروع ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں:

---

(۲۰) إرشاد الساري: ۱۳/۲۳۰، فتح الباري: ۱۱/۵

(۲۱) فتح الباري: ۱۱/۵، شرح مسلم للنووي كتاب السلام: ۲/۲۱۲

(۲۲) أخرجه أبوداود في أبواب السلام، باب كراهية أن يقول: عليك السلام: ۲/۳۵۱، والترمذي في أبواب الاستيذان والآداب، باب ماجاء في كراهية أن يقول: عليك السلام مبتدءًا: ۲/۱۰۱

امام مالک رحمہ اللہ نے ''موطأ'' میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے، اس میں ہے "انتھی السلام إلی البرکة" یعنی "وبرکاته" پر سلام مکمل ہو جاتا ہے۔ (۲۳)

لیکن حضرت انسؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت زید بن ارقمؓ سے ایسی روایات منقول ہیں جن میں "وبرکاته" کے بعد اضافہ منقول ہے۔ (۲۴)

یہ روایات اگرچہ ضعیف ہیں، تاہم سب کو ملانے سے ''وبرکاتہ'' کے بعد اضافہ کی مشروعیت ثابت ہو جاتی ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وهذه الأحاديث الضعيفة، إذا انضمت قوي ما اجتمعت عليه من مشروعية الزيادة على "وبركاته"۔ (۲۵)

یہاں روایت میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ''السلام علیکم'' کہا اور فرشتوں نے جواب میں "السلام عليك..." کہا، اس سے معلوم ہوا کہ سلام کے جواب میں وہی صیغہ استعمال کر سکتے ہیں جو سلام کے لیے خاص ہے، کشمیہنی کی روایت میں "وعليك السلام" ہے۔ (۲۶)

جواب میں اگر کسی نے صرف "وعلیکم" کہہ دیا تو بھی کافی ہے، البتہ "علیکم" بغیر واؤ کے کہا تو جواب کے لیے کافی نہیں۔ (۲۷)

---

(۲۳) أخرجه الإمام مالك في الموطأ، كتاب السلام، باب العمل في السلام، رقم الحديث: ۲۰، ۹۵۹/۲، وأخرجه البيهقي في شعب الإيمان، باب في رد السلام، رقم الحديث: ۹۰۹٦، ٦/٥١٠

(۲٤) فتح الباري: ۷/۱۱، "عن يحيى بن سعيد، أن رجلاً سلّم على عبدالله بن عمر، فقال: السلام عليك ورحمة الله وبركاته، والغاديات والرائحات، فقال له عبدالله بن عمر: وعليك ألفاً، ثم كأنه كره ذلك، أخرجه الإمام مالك في الموطأ، كتاب السلام: ۹٦٦/۲

"عن زيد بن أرقم قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا سلم علينا نرددنا عليه السلام قلنا: وعليك ورحمة الله وبركاته ومغفرته" أخرجه البيهقي في شعب الإيمان، فصل في كيفية السلام وكيفية الرد، رقم الحديث: ۸۸۸۱: (٤٥٦/٦)

(۲٥) فتح الباري: ۷/۱۱

(۲٦) فتح الباري: ٦/۱۱، إرشادالساري: ۲۳۰/۱۳، عمدة القاري: ۲۳۰/۲۲

(۲۷) شرح صحيح مسلم للنووي: كتاب السلام: ۲۰۲/۲

سلام اوراس کے جواب سے متعلق مزید احکام

سلام کرنا مسنون اور جواب دینا واجب علی الکفایہ ہے، جماعت میں سے کسی ایک نے جواب دیدیا تو سب کی طرف سے کافی ہوجائے گا۔(۲۸)

سلام کرنے اوراس کا جواب دینے میں ضروری ہے کہ اس قدر آواز کے ساتھ ہو کہ ساتھ والا سن سکے، اس سے آہستہ اگر کہا ہے تو وہ شرعاً کافی نہیں ہے۔(۲۹)

سلام کا جواب فوراً دینا واجب ہے، اگراس میں تاخیر کردی گئی تو گناہگار ہوگا۔(۳۰)

غائب کا سلام اگر کوئی پہنچارہا ہے تو اس کے جواب میں "وعلیك وعلیه السلام" کے الفاظ کہنے چاہئیں(۳۱)۔

فلم یزل الخلق ینقص حتی الآن:

یہاں "حتی" بمعنی "إلی" اور مطلب یہ ہے کہ ساٹھ ذراع سے انسان کی قامت آہستہ آہستہ پست ہوتی گئی، اور تقریباً چھ فٹ تک آکر رہ گئی، نقص اور کمی کا یہ سلسلہ ہر صدی میں جاری رہا، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے پرآ کر رک گیا(۱)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے اس مقام میں ایک اشکال ہے جس کا صحیح جواب اب تک مجھ

(۲۸) شرح صحیح مسلم للنووي: کتاب السلام: ۲/۲۱۲، فتاوی هندیة، کتاب الکراهیة، الباب التاسع: ۵/۳۲۵، ردالمحتار، فصل في البیع: ۵/۲۹۳

(۲۹) شرح مسلم للنووي، کتاب السلام: ۲/۲۱۳، ردالمحتار: ۵/۲۹۳، فتاوی هندیة، کتاب الکراهیة: ۵/۳۲۶

(۳۰) ردالمحتار، فصل في البیع: ۵/۲۹۳

(۳۱) ردالمحتار، فصل في البیع: ۵/۲۹٤

(۱) فتح الباري: ٦/٤٤٣، عمدة القاري: ۱۵/۲۸۷، تحفة الباری: ٤/٥٦، مرقاة: ۹/۷۳۰

سے نہیں بنا۔ وہ یہ کہ نقص کا یہ سلسلہ جو ہر صدی میں تھا، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قوم ثمود تک، اس میں کوئی خاص کمی نہیں، اس لئے کہ قوم ثمود کے جو آثار ملے ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کمی نہایت کم ہوئی ہے، وہ لوگ نہایت بلند قد وقامت کے مالک تھے اور قوم ثمود کے بعد آج تک انسانی قامت میں جو کمی آئی ہے، وہ بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ قوم ثمود اور حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں بہت فاصلہ ہے۔ جب کہ قوم ثمود سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے تک فاصلہ نسبتاً کم ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ويشكل علىٰ هذا مايوجد الآن من آثار الأمم السالفة، ديار ثمود؛ فإن مساكنهم تدلّ علىٰ أن قاماتهم لم تكن مفرطة الطول علىٰ حسب مايقتضيه الترتيب السابق، ولاشك أن عهدهم قديم، وأن الزمان الذي بينهم وبين آدام دون الزمان الذي بينهم وبين أول هذه الأمة".

"ولم يظهر لي إلى الآن مايزيل هذا الإشكال".

اس کا یہ جواب ہوسکتا ہے کہ حدیث میں "نقص" کا ذکر مطلق ہے، زمانے کے کسی مخصوص مقدار اور کسی خاص تناسب سے نقص کا ذکر نہیں، لہٰذا اگر قوم ثمود تک نقص زیادہ نہیں بعد میں زیادہ ہو تو اشکال کی بات نہیں۔

۲ – باب :

قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى : «يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ . فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَإِنْ قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَى لَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ . لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ ما تُبْدُونَ وَما تَكْتُمُونَ» /النور: ٢٧ – ٢٩/ .

وَقالَ سَعِيدُ بْنُ أَبِي الحَسَنِ لِلْحَسَنِ : إِنَّ نِسَاءَ الْعَجَمِ يَكْشِفْنَ صُدُورَهُنَّ وَرُؤُوسَهُنَّ ؟ قالَ : اصْرِفْ بَصَرَكَ عَنْهُنَّ ، يَقُولُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ : «قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ» /النور: ٣٠/ . قالَ قَتَادَةُ : عَمَّا لَا يَحِلُّ لَهُمْ . «وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ» /النور: ٣١/ .

---

(۲) تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح الباري: ٦/٤٤٣

«خائِنَةَ الْأَعْيُنِ» /غافر : ١٩/ : مِنَ النَّظَرِ إِلَى ما نُهِيَ عَنْهُ .
وَقالَ الزُّهْرِيُّ : فِي النَّظَرِ إِلَى الَّتِي لَمْ تَحِضْ مِنَ النِّسَاءِ : لَا يَصْلُحُ النَّظَرُ إِلَى شَيْءٍ مِنْهُنَّ ، مِمَّنْ يُشْتَهى النَّظَرُ إِلَيْهِ ، وَإِنْ كانَتْ صَغِيرَةً .
وَكَرِهَ عَطَاءٌ النَّظَرَ إِلَى الجَوَارِي الَّتِي يُبَعْنَ بِمَكَّةَ إِلَّا أَنْ يُرِيدَ أَنْ يَشْتَرِيَ .

امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں سب سے پہلے سورۃ نور کی تین آیات ذکر فرمائی ہیں جن کا ترجمہ ہے:

''اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو، جب تک کہ اجازت حاصل نہ کرلو اور ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو، یہی تمہارے لیے بہتر ہے تا کہ تم نصیحت حاصل کرلو پھر اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو ان میں نہ جاؤ جب تک کہ تم کو اجازت نہ دی جائے اور اگر تم کو جواب ملے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ آیا کرو، یہی بات تمہارے لیے بہتر ہے اور اللہ کو تمہارے اعمال کی سب خبر ہے''۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یعنی خاص اپنے ہی رہنے کا جو گھر ہو اُس کے سوا کسی دوسرے کے رہنے کے گھر میں یونہی بے خبر نہ گھس جائے، کیا جانے وہ کس حال میں ہو اور اُس وقت کسی کا اندر آنا پسند کرتا ہے یا نہیں۔ لہٰذا اندر جانے سے پہلے آواز دیکر اجازت حاصل کرلے اور سب سے بہتر آواز سلام کی ہے، حدیث میں ہے کہ تین مرتبہ سلام کرلے اور اجازت داخل ہونے کی لے۔ اگر تین بار سلام کرنے کے بعد بھی اجازت نہ ملے تو واپس چلا جائے۔ فی الحقیقت یہ ایسی حکیمانہ تعلیم ہے کہ اگر اس کی پابندی کی جائے تو صاحب خانہ اور ملاقاتی دونوں کے حق میں بہتر ہے۔ مگر افسوس آج مسلمان ان مفید ہدایات کو ترک کرتے جاتے ہیں جن کو دوسری قومیں اُن ہی سے سیکھ کر ترقی کررہی ہیں'' (۳۱☆)۔

(۳۱☆) تفسیر عثمانی: ٤٧١، سورة النور، آیت: نمبر ٢٧

استیذان کا طریقہ وحکم

سورۂ نور کی ان آیات کریمہ میں استیذان کا طریقہ اور حکم نسبتاً تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ انسان جب کسی دوسرے کے گھر میں داخل ہونا چاہے تو وہ اجازت طلب کرے اور اجازت ملنے کے بعد پھر وہ داخل ہو۔

اجازت طلب کرنے کی کیفیت میں تھوڑا سا اختلاف ہے:

❶ بعض علماء کے نزدیک استیذان کی صحیح صورت یہ ہے کہ اولاً اجازت طلب کی جائے اور اجازت ملنے کے بعد سلام کیا جائے یعنی استیذان سلام پر مقدم ہے۔(۳۲)

یہ حضرات ایک تو قرآن کریم کی ذکر کردہ آیت سے استدلال کرتے ہیں، جس میں ہے ﴿یا ایھا الذین آمنوا لاتدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستأنسوا وتسلموا علی اھلھا﴾ ...اس آیت میں "تستأنسوا" کا ترجمہ حضرات مفسرین نے "تستأذنوا" سے کیا ہے(۳۳) مطلب یہ ہے کہ کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے دو کام کرنے چاہئیں ایک استیناس یعنی استیذان اور دوم سلام... ایت میں استیذان کو سلام پر مقدم کیا ہے۔

دوسرے یہ حضرات، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں جسے ابن ماجہ نے اپنی "سنن" میں نقل کیا ہے، اس میں ہے "قلنا: یارسول اللّٰہ ، ھذا السلام، فما الاستئذان؟ قال: یتکلم الرجل بتسبیحة وتکبیرة، ویتنحنح ویؤذن أھل البیت" (۳۴) یعنی "یارسول اللہ! یہ تو سلام ہوا، استیذان کا کیا طریقہ ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسے آدمی کو تسبیح وتکبیر کہہ کر اور کھنکار کر گھر والوں کو اپنی آمد کی خبر دینی چاہیے"...اس میں ہے کہ سلام سے پہلے تسبیح وغیرہ پڑھ لینا، کھنکارنا استیذان ہے۔

❷ لیکن جمہور علماء کے نزدیک استیذان کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ سلام کو استیذان پر مقدم کیا جائے،

---

(۳۲) تکملة فتح الملھم: ٤/۲۲۹، شرح صحیح مسلم للنووي: ۲/۲۱۰، لامع الدراری: ۱۰/٤۸

(۳۳) سورة النور آیة۲۷، تفسیر القرطبی: ۱۲/۲۱۳، روح المعاني: ۱۰/۱۳۳، ابن کثیر: ۳/۲۷۸

(۳٤) الحدیث أخرجه ابن ماجه في سننه فی کتاب الأدب باب الاستیذان: ۲٦۳

یعنی پہلے سلام کرکے پھر گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی جائے (۳۵)۔مثلاً پہلے کہا جائے ''السلام علیکم'' اس کے بعد کہا جائے ''کیا میں اندر آسکتا ہوں؟''

یہ حضرات ایک تو سنن ابی داود میں حضرت ربعی کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تھے، بنی عامر کے ایک شخص نے اندر داخل ہونے کی اجازت مانگی اور کہا ''أ ألج ''(کیا میں داخل ہوسکتا ہوں)...حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم سے فرمایا "اخرج إلى هذا، فعلمه الاستئذان، فقل له: قل: السلام عليكم، أ أدخل" یعنی نکل کر اس آدمی کو استئذان کا طریقہ بتلاؤ اور کہو کہ وہ یہ کہہ کر اجازت طلب کرلے ''السلام علیکم'' کیا میں داخل ہوسکتا ہوں؟'' وہ صاحب یہ ہدایت سن رہے تھے، چنانچہ انھوں نے کہا "السلام عليكم، أ أدخل" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اجازت دیدی۔(۳۶)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی ''شعب الایمان'' میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، اس میں ہے "لا تأذنوا لمن لم يبدأ بالسلام"۔(۳۷) یعنی ''جو سلام سے ابتداء نہ کرے اس کو اجازت مت دو''۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی "الأدب المفرد" میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح کی ایک روایت نقل کی ہے۔(۳۸)

ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سلام، استیذان پر مقدم ہے، جہاں تک تعلق ہے قرآن مجید کی آیت کا، اس کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ وہاں واؤ مطلق جمع کے لیے ہے، ترتیب کے لیے نہیں، جیسا کہ اصول فقہ میں قاعدہ مشہور ہے۔(۳۹)

---

(۳۵) دیکھیے تکملة فتح الملهم: ۲۲۹/۴، شرح مسلم للنووي: ۲۱۰/۲، لامع الدراري: ۴۸/۱۰

(۳۶) الحديث أخرجه ابوداود في كتاب الأدب باب الاستيذان: ۳۴۷/۲

(۳۷) الحديث أخرجه الإمام البيهقي في "شعب الإيمان" باب في مقاربة و موادة أهل الدين، رقم الحديث: ۸۸۱۶- ۴۴۱/۶

(۳۸) الحديث أخرجه الامام البخاري في "الأدب المفرد" مع شرحه: فضل الله الصمد، ۵۰۵/۲

(۳۹) كشف الأسرار: ۱۰۹/۲

اورحضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ضعیف قرار دیا ہے(۴۰)اس لیے وہ ذکر کردہ ان روایات کے مقابلے میں قابل حجت نہیں۔

بہر حال جمہور علماء کے نزدیک اجازت طلب کرنے کا مسنون طریقہ یہی ہے کہ پہلے سلام کیا جائے، اس کے بعد اپنا نام بتلا کر اجازت طلب کی جائے، ہاں ایسے مقامات، مکانات اور جگہیں جہاں کھلے عام ہر شخص کو آنے کی اجازت ہو، مثلاً مسافر خانے، ہسپتال وغیرہ تو وہاں استیذان کا مذکورہ حکم لاگو نہیں ہوگا، آیت کریمہ میں "بیوتا غیر مسکونة" سے ایسے ہی مقامات مراد ہیں(۴۱)۔

وقال سعيد بن أبي الحسن للحسن: إن نساء العجم يكشفن صدورهن ورؤوسهن قال: اصرف بصرك عنهن۔

سعید بن ابی الحسن، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے بھائی ہیں، انھوں نے اپنے بھائی حضرت حسن بصریؒ سے پوچھا کہ عجمی خواتین اپنا سینہ اور سر کھلا رکھتی ہیں؟ حضرت بصریؒ نے فرمایا آپ اپنی نظر ان سے بچائے رکھیں اور دلیل میں انھوں نے قرآن کریم کی آیت کریمہ ﴿قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم ويحفظوا فروجهم﴾ پیش کی، اس آیت میں مؤمنین کو نگاہ نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

"قول الله عزوجل" ترکیب میں مرفوع بھی ہوسکتا ہے، اس صورت میں یہ مبتدا محذوف کے لیے خبر ہوگا اور "اقرأ" فعل امر کے لیے مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب بھی ہوسکتا ہے۔(۴۲)

کشمیہنی کے علاوہ دوسرے نسخوں میں "وقـــول الله" واؤ کے ساتھ ہے، اس صورت مین یہ آیت مستقل ترجمۃ الباب کی حیثیت سے ہوگی، حضرت حسن بصریؒ کے قول کا حصہ نہیں ہوگی (۴۳)۔

وقال قتادة: عمالا يحل لهم

---

(٤٠)فتح الباري: ٩/١١، قال الحافظ: وأخرج ابن أبي حاتم بسند ضعيف من حديث أبي أيوب۔

(٤١) عمدة القاري: ٢٣١/٢٢، إرشاد الساري: ٢٣٢/١٣، تفصیل کے لیے دیکھیے: تفسير القرطبي: ٢٢١/١٢، و روح المعاني: ١٣٧/١٠

(٤٢)عمدة القاري: ٢٣١/٢٢

(٤٣) عمدة القاري: ٢٣١/٢٢، فتح الباري: ١٠/١١

﴿ویحفظوا فروجھم﴾ کی تفسیر حضرت قتادہ نے کی ہے کہ وہ مومنین اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، ان چیزوں سے جوان کے لیے جائز نہیں۔ ابن ابی حاتم نے قتادہ کی اس تعلیق کو موصولاً نقل کیا ہے۔(۴۴)

سورۃ غافر میں ہے ﴿یعلم خائنة الأعین﴾ خائنة الأعین نظرة کی صفت ہے(۴۵) اور اس سے ممنوعہ چیزوں کی طرف دیکھنا مراد ہے، یعنی جن چیزوں کی طرف دیکھنا شرعاً جائز نہیں، ان کی طرف نگاہ اٹھانا "خائنة الأعین" (نظروں کی خیانت) ہے۔

وقال الزهري: في النظر إلى التي لم تحض من النساء: لايصلح النظر إلى شيء منهن ممن يشتهي النظر إليه، وإن كانت صغيرة.

امام محمد بن شہاب زھری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن عورتوں کو کم عمری یا کبیر السن ہونے کی وجہ سے حیض نہیں آتا، ان کی طرف نظرِ شہوت سے دیکھنا جائز نہیں۔

اس تعلیق کو کس نے موصولاً نقل کیا ہے، یہ معلوم نہیں ہوسکا(۴۶)۔

وكره عطاء النظر إلى الجواري التي يبعن بمكة إلاأن يريد أن يشتري

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ مکہ میں فروخت کی جانے والی باندیوں کی طرف دیکھنے کو مکروہ کہتے تھے، البتہ جو شخص خریدنا چاہتا، اسے اس حکم سے مستثنیٰ سمجھتے۔

ابن ابی شیبہ نے عطاء کی اس تعلیق کو موصولاً نقل کیا ہے(۴۷)۔

تعلیقات کو آیات استیذان کے بعد ذکر کرنے کا مقصد

حضرت حسن بصری، حضرت امام زھری اور عطاء کی ان تعلیقات کو آیاتِ استیذان کے بعد ذکر کرنے

(٤٤) عمدة القاري: ٢٣١/٢٢، فتح الباري: ١٠/١١

(٤٥) روح المعاني، سورة غافر: ٥٩/١٣، عمدة القاري: ٢٣١/٢٢

(٤٦) تعليق التعليق میں بھی أماقول الزهري... کے بعد علامة الحذف ہے: ١٢٠/٥

(٤٧) عمدة القاري: ٢٣٢/٢٢

میں اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ استیذ ان کی مشروعیت کی غرض وغایت یہ ہے کہ بغیر اجازت داخل ہونے کی صورت میں گھر والا جن چیزوں کی طرف کسی کے دیکھنے کو پسند نہیں کرتا، ان کو دیکھنے سے بچایا جائے، اوران میں سب سے خطرناک امر اجنبی خواتین کو دیکھنا ہے، چنانچہ شارحین بخاری لکھتے ہیں:

"وجه ذكر المؤلف هذا عقب ذكر الآيات الثلاث المذكورة الإشارة إلى أن أصل مشروعية الاستئذان الاحتراز من وقع النظر إلى مالا يريد صاحب المنزل إليه، لودخل بلا إذن، وأعظم ذلك النظر إلى النساء الأجنبيات"(۴۸)

٥٨٧٤ : حدّثنا أَبُو الْيَمَانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قالَ : أَخْبَرَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ يَسَارٍ : أَخْبَرَنِي عَبْدُ ٱللَّهِ بْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُمَا قالَ : أَرْدَفَ رَسُولُ ٱللَّهِ ﷺ الْفَضْلَ بْنَ عَبَّاسٍ يَوْمَ النَّحْرِ خَلْفَهُ عَلَى عَجُزِ رَاحِلَتِهِ ، وَكانَ الْفَضْلُ رَجُلاً وَضِيئًا ، فَوَقَفَ النَّبِيُّ ﷺ لِلنَّاسِ يُفْتِيهِمْ ، وَأَقْبَلَتِ ٱمْرَأَةٌ مِنْ خَثْعَمَ وَضِيئَةٌ تَسْتَفْتِي رَسُولَ ٱللَّهِ ﷺ ، فَطَفِقَ الْفَضْلُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا ، وَأَعْجَبَهُ حُسْنُهَا ، فَٱلْتَفَتَ النَّبِيُّ ﷺ وَالْفَضْلُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا ، فَأَخْلَفَ بِيَدِهِ فَأَخَذَ بِذَقَنِ الْفَضْلِ ، فَعَدَلَ وَجْهَهُ عَنِ النَّظَرِ إِلَيْهَا ، فَقَالَتْ : يَا رَسُولَ ٱللَّهِ ، إِنَّ فَرِيضَةَ ٱللَّهِ فِي الْحَجِّ عَلَى عِبَادِهِ ، أَدْرَكَتْ أَبِي شَيْخًا كَبِيرًا ، لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَسْتَوِيَ عَلَى الرَّاحِلَةِ ، فَهَلْ يَقْضِي عَنْهُ أَنْ أَحُجَّ عَنْهُ ؟ قالَ : (نَعَمْ) . [ر : ١٤٤٢]

یہ روایت کتاب الحج میں گذر چکی ہے، اس میں حضرت فضل بن عباسؓ کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے، حجۃ الوداع کے موقع پر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سواری پر پیچھے بیٹھے تھے، ایک خاتون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مسئلہ پوچھنے آئی جو بڑی خوب صورت تھی، حضرت فضل اسے دیکھنے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ حضرت فضل اسے مسلسل دیکھ رہے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ پیچھے کی طرف لے جاکر فضل کی ٹھوڑی پکڑ کر اس عورت کی طرف سے ان کا منہ پھیرا۔

عَجُز راحلته: عَجُز (عین کے فتحہ اور جیم کے ضمہ کے ساتھ) سواری کا پچھلا حصہ۔

(٤٨) إرشاد الساري: ١٣/٢٣٢، فتح الباري: ١١/١٠، عمدة القاري: ٢٢/٢٣١

حدیث باب سے مستفاد چند احکام

اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

❶ ایک یہ کہ حالت احرام میں عورتوں کے لیے چہرے کا اس طرح پردہ نہیں کہ کپڑا چہرے کے ساتھ مل جائے۔(۴۹) ہاں اگر کپڑے کو چہرے سے الگ کرکے اس طرح لٹکایا جائے کہ چہرہ لوگوں سے مستور بھی رہے اور کپڑا بھی چہرے سے مس نہ ہو تو یہ جائز ہے بلکہ اسی میں احتیاط ہے۔(۵۰)

اجنبی عورت کی طرف دیکھنے کا حکم

❷ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اجنبی عورت کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا جائز نہیں، حضرت فضلؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح دیکھنے سے روکا۔

حضرات حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک اجنبی عورت کی طرف دیکھنا مطلقاً ناجائز اور حرام ہے چاہے فتنہ کا خوف ہو یا نہ ہو۔(۵۱)

---

(۴۹) فتح الباري: ۴۰۶/۳، (كتاب الحج، باب مايلبس المحرم من الثّياب والأردية والأزر) عمدة القاري: ۱۶۶/۹ (كتاب الحج باب مايلبس المحرم من الثياب والأردية والأزر)۔ ردالمحتار، كتاب الحج، فصل في الإحرام، مطلب فيما يحرم بالإحرام ومالا يحرم: ۱۷۶/۲ وبدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل: وأما بيان مايحظره الإحرام ومالا يحظره: ۱۸۶/۲

(۵۰) فتح الباري: ۴۰۶/۳، كتاب الحج، باب مايلبس المحرم من الثّياب، والأردية، والأزر.

(۵۱) المغني لابن قدامة: ۷۸/۷، مانصّه: "فأما نظر الرّجل إلى الأجنبية من غير سبب، فإنه محرمٌ إلىٰ جميعها في ظاهر كلام أحمد، وامّا مذهب الشّوافع: فمانقله النّووي في المنهاج مانصّه: "ويحرم نظر فحل بالغ إلىٰ عورة حرّةٍ كبيرةٍ أجنبيّة، وكذا وجهها وكفيها عند خوف فتنةٍ، وكذا عند الأمن على الصحيح" (وانظر تكملة الفتح: ۲۶۸/۴، والفتاوى الهندية: ۳۲۹/۵۔مانصّه: وأما النظر الى الأجنبيات فنقول: يجوز النّظر إلىٰ مواضع الزّينة الظاهرة منهنّ، وذلك الوجه والكف في ظاهر الرّواية وأمّاالمالكية، فمذهبهم ماذكره الخرشي في حاشيته على مختصر الخليل: ۳۴۷/۱: "وعورة الحرّة مع الرجل الأجنبي جميع بدنهاحتى دلاليها؟ وقصتها، ماعدالوجه والكفين ظاهرهما وباطنهما فيجوز النظر لهما بلالذّة ولاخشية فتنة من غير عذر، ولوشابة".

حضرات حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اجنبی عورت کے چہرے کی طرف دیکھنا جائز ہے، بشرطیکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔(۵۲)

فتنے کا اگر اندیشہ ہے تو پھر دیکھنا بالاتفاق ناجائز ہے اور چونکہ غالب احوال میں فتنے کا اندیشہ ہوتا ہے، اس لیے متاخرین حنفیہ نے بھی مطلقاً عدم جواز کا فتوی دیدیا ہے۔(۵۳)

---

(٥٢) وفي الدُّر المختار: ٢٦١/٥، فحلُّ النّظر مقيد بعدم الشهوة، وإلّا فحرامٌ، وهذا في زمانهم، وأمّا في زماننا فمنع من الشّابه، وانظر أحكام القرآن للجصّاص: ٥٤٦/٣. سورة الأحزاب.

(۵۳) ذیل میں چند اردو فتاوی سے اس مسئلہ سے متعلق عبارتیں نقل کی جاتی ہیں:

❶ مفتی اعظم ہند، حضرت مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "پردے اور حجاب کے حکم کا مدار خوف فتنہ پر ہے اور ظاہر ہے کہ چہرے پر نظر پڑنا فتنہ کے بارے میں زیادہ موثر ہے۔ اس لیے فقہائے کرام نے مومنہ حرہ (آزاد مسلمان عورت) کے لیے اجانب کے سامنے کشفِ وجہ کو ناجائز قرار دیا ہے۔ اشارات و دلالاتِ نصوص سے پردہ یعنی ستر وجہ کی ہی تائید ہے اور یہی احوط واسلم ہے۔ پس برقع اوڑھ کر نکلنا اوفق بالشرع والحکمۃ ہے"۔ (کفایت المفتی: ۳۹۲/۵، کتاب الحجاب)

❷ اور ایک ہے حجاب یعنی تمام اجنبی مردوں سے پردہ جو صرف عورتوں پر لازم ہے، مردوں پر نہیں۔ اس میں سر سے پاؤں تک بشمول چہرہ سارا حصہ ڈھانپنا ضروری ہے۔ (فتاویٰ حقانیہ: ۴۸۵/۲)

❸ حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں: "احادیث و آیات و روایاتِ فقہیہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے لیے حکم اصلی احتجاب و استتار بجمیع اعضائها و ارکانها ثابت ہے۔ البتہ جہاں ضرورت شدیدہ ہو یا بسبب کبرسن کے مطلق احتمال فتنہ واشتہا کا باقی نہیں، وہاں وجہ وکفین کا کشف جائز ہے، اور یہی مطلب ہے ان کے ستر نہ ہونے کا"۔ (امداد الفتاویٰ: ۱۸۱/۴)

صاحب احسن الفتاوی لکھتے ہیں:

❹ پردہ کے ثبوت میں اس وقت چند امور بالاختصار بیان کیے جاتے ہیں:

(۱) عورت کو بلاضرورت برقع میں بھی باہر نکلنا حرام ہے۔

(۲) کسی اہم ضرورت کے لیے پردہ میں باہر نکلنا جائز ہے۔ بشرطیکہ برقع وغیرہ مزین نہ ہو۔ کسی قسم کی خوشبو نہ لگائی ہو۔ کلام اور چال دلکش نہ ہو، فتنہ کا احتمال نہ ہو۔

(۳) بلا پردہ باہر نکلنا اور غیر محرم کے سامنے چہرہ کھولنا بلاضرورت شدیدہ حرام ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۲۲۹/۹)

❺ مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ لکھتے ہیں: "معلوم ہوا کہ عورتوں کو اصالۃً گھروں میں رہنے کا حکم ہے۔ اگر کسی حاجت کے لیے مجبوراً نکلیں تو چہرہ اور سر چھپا کر نکلیں، راستہ دیکھنے کے لیے ایک آنکھ کی مقدار کھولنے کی گنجائش ہے"۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۰/۱۲)

اور ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: "اجنبی سے چہرہ کا چھپانا بلا اندیشہ فساد بھی علاوہ مواقع مستثنیٰ کے ہر حال میں ضروری ہے"۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۹۹/۵)

ہاں ضرورت کے مواقع اس سے مستثنیٰ ہیں، مثلاً ڈاکٹر کے پاس علاج کے وقت یا قاضی کے پاس گواہی کے وقت اگر ضرورت ہو تو کشف وجہ کی گنجائش ہے لأن الضرورة تبيح المحظورة (۵۴) یعنی ''ضرورت کی وجہ سے ممنوع چیزیں جائز ہو جاتی ہیں''۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے آیات استیذان کے بعد، غضِ بصر کی آیات اور روایات کو ذکر کیا، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ استیذان کی ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ نظر ممنوعہ کا ارتکاب نہ ہو جائے چونکہ اجنبی عورت کو دیکھنا جائز نہیں اور گھر میں خواتین اکثر بے پردہ ہوتی ہیں، اس لیے اگر اجازت طلب کیے بغیر کوئی داخل ہوگا تو نظروں کی حفاظت نہیں ہو سکے گی۔

٥٨٧٥ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ : أَخْبَرَنَا أَبُو عامِرٍ : حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قالَ : (إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوسَ بِالطُّرُقاتِ). فَقَالُوا : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، ما لَنَا مِنْ مَجَالِسِنَا بُدٌّ نَتَحَدَّثُ فِيهَا ، فَقَالَ : (فَإِذَا أَبَيْتُمْ إِلَّا الْمَجْلِسَ ، فَأَعْطُوا الطَّرِيقَ حَقَّهُ). قالُوا : وَما حَقُّ الطَّرِيقِ يَا رَسُولَ ٱللهِ ؟ قالَ : (غَضُّ الْبَصَرِ ، وَكَفُّ الْأَذَى ، وَرَدُّ السَّلَامِ ، وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ ، وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ) . [ر : ٢٣٣٣]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم راستوں میں بیٹھنے سے پرہیز کرو، لوگوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہمارے لیے تو ایک دوسرے سے گفتگو کرنے کے لیے راستوں کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں، آپ نے فرمایا کہ جب تمہارا بیٹھنا ہی ضروری ہے تو راستے کو اس کا حق دے دیا کرو، لوگوں نے پوچھا، یا رسول اللہ! راستے کا کیا حق ہے، آپ نے فرمایا، نگاہیں نیچی رکھنا، تکلیف دہ امور سے رکنا، سلام کا جواب دینا، اچھی باتوں کا حکم کرنا اور بری باتوں سے روکنا۔

حدیث کی مناسبت ترجمۃ الباب سے ظاہر ہے۔

(٥٤) الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: ص٩٤، وقواعد الفقه: ص: ٨٩

٣ – باب : اَلسَّلَامُ اسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللّٰهِ تَعَالَى .

«وَإِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا» /النساء: ٨٦/ .

٥٨٧٦ : حدّثنا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ : حَدَّثَنَا أَبِي : حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قالَ : حَدَّثَنِي شَقِيقٌ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قالَ : كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ قُلْنَا : السَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ قَبْلَ عِبَادِهِ ، السَّلَامُ عَلَى جِبْرِيلَ ، السَّلَامُ عَلَى مِيكَائِيلَ ، السَّلَامُ عَلَى فُلَانٍ وَفُلَانٍ ، فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِيُّ ﷺ ، أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ ، فَقَالَ : (إِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ ، فَإِذَا جَلَسَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَقُلْ : التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ ، وَالصَّلَوَاتُ ، وَالطَّيِّبَاتُ ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ ، فَإِنَّهُ إِذَا قالَ ذٰلِكَ أَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ، ثُمَّ يَتَخَيَّرُ بَعْدُ مِنَ الْكَلَامِ ما شَاءَ) .
[ر : ٧٩٧]

لفظ "السلام" اللہ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے، اس کے معنی سلامتی کے ہیں، یہاں اس سے "ذوالسلامة" مراد ہے، یعنی اللہ جل شانہ نقص وعیوب سے سالم اور منزہ ہیں۔(۵۵) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ابن دقیق العید سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"السلام يطلق بإزاء معان: منها: السلامة، ومنها: التحية، ومنها أنه اسم من أسماء الله تعالىٰ، وقد يأتي بمعنى السلامة محضا، وقد يأتي بمعنى التحية محضا، وقد يأتي مترددا بين المعنيين، كقوله تعالى: ﴿ولا تقولوا لمن ألقى اليكم السلام﴾ فإنه يحتمل التحية والسلامة"۔(۵۶)

یعنی سلام کا اطلاق کئی معانی پر ہوتا ہے: سلامتی، تحیہ اور اللہ کے نام کے طور پر یہ استعمال ہوتا ہے، کبھی

(٥٥) عمدة القاري: ٢٣٣/٢٢، فتح الباري: ١٥/١١، إرشاد الساري: ٢٣٥/١٣، لسان العرب، فصل السين المهملة: ٢٩٠/١٢، وتاج العروس، باب الميم، فصل السين: ٣٣٨/٨

(٥٦) فتح الباري: ١٨/١١، عمدة القاري: ٢٣٣/٢٢

یہ محض سالم ہونے کے معنی میں آتا ہے اور کبھی محض تحیہ کے معنی میں آتا ہے، اور کبھی اس میں دونوں معنوں کا احتمال ہوتا ہے، جیسے قرآن کریم کی آیت میں ہے ﴿ولا تقولوا لمن ألقى إليكم السلام﴾ یہاں "سلام" تحیہ اور سلامتی دونوں معنوں کا احتمال رکھتا ہے۔

وإذا حييتم بتحية فحيوا بأحسن منها أوردوها

علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ سے اشارہ کیا کہ تحیہ کا جو عام حکم دیا گیا ہے، اس سے لفظ "سلام" مراد ہے۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ آیت کریمہ میں "تحية" سے سلام مراد ہے۔(۵۷) البتہ ابن التین نے بعض مالکی علماء سے نقل کیا ہے کہ "تحية" سے ہدیہ مراد ہے۔(۵۸) علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے حنفیہ کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی ہے (۵۹) لیکن علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس کی تردید کی اور فرمایا "نسبة هذا إلى الحنفية غير صحيحة" (۶۰) یعنی "حنفیہ کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں ہے" تاہم علامہ جصاص نے احکام القرآن میں اس کو ہدیہ پر ہی محمول کیا ہے۔(۶۱)

حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سلام کرتے ہوئے "السلام عليكم" کے الفاظ کہے تو جواب دینے والے کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ "وعليكم السلام ورحمة الله" اضافہ کے ساتھ جواب دے، فالزيادة مندوبة والمماثلة مفروضة۔(۶۲)

---

(٥٧) عمدة القاري: ٢٢/٢٣٣

(٥٨) عمدة القاري: ٢٢/٢٣٣، فتح الباري: ١١/١٦

(٥٩) سورة النساء/ ٨٦، تفسير القرطبي: ٥/٢٩٨ (سورة النساء)، عمدة القاري: ٢٢/٢٣٣، فتح الباري: ١١/١٦

(٦٠) عمدة القاري: ٢٢/٢٣٣

(٦١) أحكام القرآن للجصاص: ٢/٣٠٧ سورة النساء/٨٦، علامہ جصاص نے "هدية" کی تصریح تو نہیں کی ہے البتہ اسی آیت سے وہ "رجوع في الهبة" پر استدلال کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ استدلال تب درست ہوگا جب تحیہ کو ہدیہ قرار دیا جائے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: "فإذا حملنا قوله تعالىٰ ﴿وإذا حييتم بتحية......﴾ على حقيقة أفاد أن من ملك غيره شيئاً بغير بدل فله الرجوع فيه مالم يُثب منه، فهذا يدلّ على صحّة قول أصحابنا فيمن وهب لغير ذي رحم أن له الرّجوع فيها مالم يُثب منها".

(٦٢) تفسير ابن كثير: ١/٥٣١، عمدة القاري: ٢٢/٢٣٣

حضرت گنگوہیؒ کی توجیہ:

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے لامع الدراری میں ترجمۃ الباب میں آیت کریمہ ذکر کرنے کی ایک اور وجہ لکھی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"ولعل الوجه في إيراد الآية في هذا الباب أن المأمور به من التحية مافيه حسن، سواء كان الحسن قليلا أو كثيرا كما يدل عليه قوله تعالىٰ: ﴿بأحسن منها﴾ فإن صيغة التفضيل مشعرة بزيادة الحسن في هذا الرد، فكان دليلا على أصل الحسن في التحية، وليس في قولهم: السلام على الله حسن، لانقلاب المعنى، فلم يكن قائله آتيا بالمأمور به لأن المأمور به إنما يتأدى إذا تضمن الحسن ولو أقل مما في ردها" (۶۳)

یعنی "اس باب میں اس آیت کو لانے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ مامور بہ وہ تحیہ ہے جس میں حسن و خوبصورتی ہو، خواہ وہ حسن وخوبی تھوڑی ہو یا زیادہ۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: ﴿بأحسن منها﴾ سے یہی مفہوم ہوتا ہے، اس میں "أحسن" اسم تفضیل کا صیغہ ہے، جو جواب میں زیادتیِ حسن پر دلالت کرتا ہے تو یہ آیت تحیہ میں اصل حسن وخوبی پر دلیل ہوئی اور "السلام علی اللہ" کہنے میں کوئی حسن نہیں ہے، کیونکہ معنی بدل گئے ہیں تو اس کا کہنے والا مامور بہ پر عمل کرنے والا نہ ہوگا۔ کیونکہ مامور بہ اس وقت اداء ہوتا ہے جب وہ حسن و خوبی کو متضمن ہو، اگر چہ وہ اس حسن سے کم تر ہو جو اس کے جواب میں ہے"۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے "الابواب والتراجم" میں اس توجیہ کو لطیف اور قوی قرار دیا ہے۔ (۶۴)

حدیث باب کتاب الصلاۃ میں گذر چکی ہے (۶۵) اس میں ہے إنّ اللہ ھو السلام، قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں یہ لفظ آیا ہے، سورۃ حشر میں ہے ﴿الملك القدوس السلام المؤمن المهيمن﴾۔

---

(٦٣) لامع الدراري: ١٠/٤٩، ٥٠

(٦٤) الأبواب والتراجم لصحيح البخاري، كتاب الاستيذان، باب السلام اسم من أسماء الله: ص١٢١

(٦٥) الصحيح للبخاري، كتاب الصلاة، باب التشهد في الآخرة، رقم الحديث: ٨٣١

امام بخاری رحمہ اللہ نے "الأدب المفرد" میں حضرت انسؓ سے سند حسن کے ساتھ ایک روایت نقل کی ہے، اس میں ہے "السلام من أسماء اللّٰه وضعه اللّٰه في الأرض، فأفشوه بينكم"۔(٦٦) یعنی "سلام، اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے زمین میں رکھا، لہٰذا اسے آپس میں پھیلاؤ"۔

حضرت ابن عباسؓ سے بھی ایک روایت موقوفاً منقول ہے، اس میں ہے "السلام اسم اللّٰه، وهو تحية أهلِ الجنة"۔(٦٧) یعنی "سلام، اللہ تعالیٰ کا نام ہے، اور یہ جنت والوں کا تحیہ ہے"۔

٤ – باب : تَسْلِيمِ الْقَلِيلِ عَلَى الْكَثِيرِ.

٥٨٧٧ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الحَسَنِ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ : أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (يُسَلِّمُ الصَّغِيرُ عَلَى الْكَبِيرِ ، وَالْمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ ، وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ) . [٥٨٧٨ – ٥٨٨٠]

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں سے آگے چار بابوں میں امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ بیان کیا ہے کہ سلام کس کو کرنا چاہیے، چنانچہ باب کے اندر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھوٹا بڑے پر، گذرنے والا، بیٹھے ہوئے پر اور کم لوگ، زیادہ لوگوں پر سلام کریں۔

---

(٦٦) الأدب المفرد (مع فضل اللّٰه الصمد) باب السلام اسم من أسماء اللّٰه عزوجل، رقم الحديث: ٩٨٩: (٤٤٩/٢)

(٦٧) شعب الإيمان للبيهقي، فصل في سلام من دخل بيته أوبيتاً ليس فيه أحد، رقم الحديث: ٨٨٣٥: (٤٤٦/٦)

(٥٨٧٧) الحديث، أخرجه البخاري أيضاً في كتاب الاستئذان، باب يسلّم الراكب على الماشي (رقم الحديث: ٥٨٧٨)، وكذا باب يسلّم الصغير على الكبير، (رقم الحديث: ٥٨٨٠) وأخرجه مسلم في كتاب السلام، باب يسلم الراكب على الماشي والقليل على الكثير: ١٧٠٣/٤ (رقم الحديث: ٢١٦٠) وأخرجه الترمذي في كتاب الاستئذان، باب ماجاء في تسليم الراكب على الماشي: ٦٢/٥ (رقم الحديث: ٢٧٠٤) وأخرجه أبوداود في أبواب الاستئذان، باب من أولىٰ بالسلام؟ : ٣٥١/٤ (رقم الحديث: ٥١٩٨)

"یسلم" اگرچہ مضارع کا صیغہ ہے اور خبر ہے لیکن امر کے معنی میں ہے، چنانچہ مسند احمد کی روایت میں "لیسلم" صیغہ امر کے ساتھ بھی وارد ہے۔ (۶۸)

٥ – باب : يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِي .

٥٨٧٨ : حدّثنا محمّدٌ : أَخْبَرَنَا مَخْلَدٌ : أَخْبَرَنَا ٱبْنُ جُرَيْجٍ قالَ : أَخْبَرَنِي زِيَادٌ : أَنَّهُ سَمِعَ ثَابِتًا مَوْلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ زَيْدٍ : أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ : قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِي ، وَالْمَاشِي عَلَى الْقَاعِدِ ، وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ) . [ر : ٥٨٧٧]

سواری پر سوار شخص پیدل چلنے والے پر سلام کرے، سلام دراصل تواضع کی بھی علامت ہے اور سوار کی حالت تواضع کی زیادہ محتاج ہے کیونکہ سواری کی وجہ سے دل میں تکبر آسکتا ہے۔ (۶۹)

٦ – باب : يُسَلِّمُ الْمَاشِي عَلَى الْقَاعِدِ .

٥٨٧٩ : حدّثنا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ : أَخْبَرَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ : حَدَّثَنَا ٱبْنُ جُرَيْجٍ قالَ : أَخْبَرَنِي زِيَادٌ : أَنَّ ثَابِتًا أَخْبَرَهُ ، وَهُوَ مَوْلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ زَيْدٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ ، عَنْ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ أَنَّهُ قالَ : (يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِي ، وَالْمَاشِي عَلَى الْقَاعِدِ ، وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ) . [ر : ٥٨٧٧]

چلنے والا، بیٹھے ہوئے شخص پر سلام کہے گا، گویا سلام کرنا ماشی یعنی چلنے والے کا وظیفہ ہے۔

اگر چلنے والے زیادہ ہوں اور بیٹھنے والے کم ہوں تو اس صورت میں کیا کیا جائے؟ مشی کے اعتبار سے سلام ماشی کو کرنا چاہیے لیکن قلت کی حیثیت کو دیکھا جائے تو سلام قاعد کو کرنا چاہیے؟

اس کا جواب علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ایسی صورت میں دونوں برابر ہیں، جو بھی ابتداء بالسلام کرے گا، وہی بہتر ہوگا۔ (۷۰)

---

(٦٨) مسند الإمام أحمد بن حنبل، مرويات، أبي هريرة رضي الله عنه: ٣١٤/٢

(٦٩) إرشادالساري: ٢٨/١٣، فتح الباري، باب يسلم الصغير على الكبير: ١٨/١١

(٧٠) شرح الكرماني: ٧٨/٢٢، إرشادالساري: ٢٣٨/١٣، ٢٣٩

اس میں اتنی بات ملحوظ رہے کہ کسی جماعت پر سلام کیا گیا تو پوری جماعت کا جواب دینا ضروری نہیں، جماعت میں سے کسی ایک نے بھی جواب دیدیا تو سب کی طرف سے کافی ہو جائے گا۔(۷۱)

٧ – باب : يُسَلِّمُ الصَّغِيرُ عَلَى الْكَبِيرِ .

٥٨٨٠ : وَقالَ إِبْرَاهِيمُ ، عَنْ مُوسٰى بْنِ عُقْبَةَ ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قالَ : قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (يُسَلِّمُ الصَّغِيرُ عَلَى الْكَبِيرِ ، وَالمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ ، وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ) . [ر : ٥٨٧٧]

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ سلام کا یہ ادب بیان کرنا چاہتے ہیں کہ چھوٹا بڑے پر سلام کرے۔ گویا سلام میں چھوٹے کو ابتداء کرنی چاہیے۔

٨ – باب : إِفْشَاءِ السَّلَامِ .

٥٨٨١ : حدّثنا قُتَيْبَةُ : حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ، عَنِ الشَّيْبَانِيِّ ، عَنْ أَشْعَثَ بْنِ أَبِي الشَّعْثَاءِ ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عازِبٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا قالَ : أَمَرَنَا النَّبِيُّ ﷺ بِسَبْعٍ : بِعِيَادَةِ المَرِيضِ ، وَٱتِّبَاعِ الجَنَائِزِ ، وَتَشْمِيتِ الْعَاطِسِ ، وَنَصْرِ الضَّعِيفِ ، وَعَوْنِ المَظْلُومِ ، وَإِفْشَاءِ السَّلَامِ ، وَإِبْرَارِ المُقْسِمِ . وَنَهٰى عَنِ الشُّرْبِ فِي الْفِضَّةِ ، وَنَهٰى عَنْ تَخَتُّمِ ٱلذَّهَبِ ، وَعَنْ رُكُوبِ المَيَاثِرِ ، وَعَنْ لُبْسِ الحَرِيرِ ، وَٱلدِّيبَاجِ ، وَالْقَسِّيِّ ، وَالْإِسْتَبْرَقِ . [ر : ١١٨٢]

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے سلام پھیلانے کی فضیلت واہمیت کو بیان کیا ہے۔

حدیث باب اس سے پہلے کئی مقامات پر گذر چکی ہے(۷۲) اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

(٧١) فتح الباري: ١١/١٧

(٧٢) الحديث أخرجه البخاري في كتاب الجنائز، باب الأمر باتّباع الجنائز، رقم الحديث: ١٢٣٩ ،وأخرجهُ أيضاً في كتاب النكاح، باب حق إجابة الوليمة والدّعوة، ومن أولم سبعة أيّام ونحوه، رقم =

جن سات چیزوں کا حکم دیا، ان میں ایک سلام کا افشاء بھی ہے۔

سلام باہمی محبت پیدا کرنے کا ذریعہ ہے اور اسلامی معاشرے کا ایک یگانہ وصف ہے، سلام کی فضیلت پر کئی احادیث وارد ہیں۔(۷۳)

٩ - باب : السَّلَامِ لِلْمَعْرِفَةِ وَغَيْرِ الْمَعْرِفَةِ .

٥٨٨٢ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قالَ : حَدَّثَنِي يَزِيدُ ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ عَمْرٍو : أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ : أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ ؟ قالَ : (تُطْعِمُ الطَّعَامَ ، وَتَقْرَأُ السَّلَامَ ، عَلَى مَنْ عَرَفْتَ ، وَعَلَى مَنْ لَمْ تَعْرِفْ) . [ر : ١٢]

٥٨٨٣ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ ، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ ، يَلْتَقِيَانِ : فَيَصُدُّ هٰذَا وَيَصُدُّ هٰذَا ، وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ) . وَذَكَرَ سُفْيَانُ : أَنَّهُ سَمِعَهُ مِنْهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ . [ر : ٥٧٢٧]

= الحديث: ٥١٧٥، وأخرجه في كتاب الأشربة، باب آنية الفضّة، رقم الحديث: ٥٦٣٥، وأيضاً أخرجه في كتاب المرضى، باب وجوب عيادة المريض: رقم الحديث: ٥٦٤٩، وفي كتاب اللباس، باب الميثرة الحمراء، رقم الحديث: ٥٨٤٩، وباب خواتيم الذهب، رقم الحديث. ٥٨٦٣، وفي كتاب الأدب، باب تشميت العطاس إذاحمدالله، رقم الحديث:٦٣٢٢، وفي كتاب المظالم والغصب، باب نصر المظلوم، رقم الحديث:٢٤٤٥، و في كتاب اللبّاس، باب لبس القسي، رقم الحديث: ٥٨٣٨.

(۷۳)ان میں سے یہاں چند نقل کی جاتی ہیں:

❶عن عمران بن حصين قال كُنّا جُلوساً عند النّبي صلى الله عليه وسلم فجاء رجل، فقال: السلام عليكم، فردّ عليه النبي صلى الله عليه وسلم وقال. عشر، ثُمّ جاء آخر فقال: السلام عليكم ورحمة الله، فردّ رسول الله وقال: عشرون، ثمّ جاء آخر،فقال: السلام عليكم ورحمة الله وبركاته، فردّ النبي صلى الله عليه وسلم وقال ثلثون(شعب الإيمان للبيهقي: ٤٥٤/٦، باب فى موادة و مقاربة أهل الذين).

❷وقال عمّار: ثلاث من جمعهن فقد جمع الإيمان: الإنصاف من نفسك، وبذل السلام للعالم، والإنفاق من الإقتار، (صحيح البخاري: ٩/١، كتاب الإيمان، باب إفشاء السلام من الإسلام فوق رقم الحديث: ٢٨) =

سلام سے متعلق چند اُمور

سلام سے متعلق یہ چند امور ملحوظ رہیں:

❶ آنے والے اگر زیادہ ہیں تو ان میں سے کسی ایک نے سلام کیا تو سب کی طرف سے کافی ہو جائے گا، ورنہ سب گناہ گار ہوں گے، یہی حکم جواب دینے والوں کا بھی ہے۔(۷۴)

❷ سلام کرنا سنت اور اس کا جواب دینا واجب ہے، علامہ ابن عبدالبر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے(۷۵) اور یہ وہ سنت ہے جس کا اجر واجب سے زیادہ ہے۔

❸ سلام کرنے کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ سلام کرنے والے اور جواب دینے والے کی آواز سنائی دے،

=❸عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: والذي نفسي بيده لاتدخُلوا الجنّة حتى تؤمنوا، ولا تؤمنوا حتى تحابُو، ألا أدُلكم على أمرٍإذا أنتم فعلتُموه تحاببتُم: أفشُوالسلام بينكم، (الجامع الصحيح للترمذي: ٥٢/٥، كتاب الاستيذان، باب ماجاء في إفشاء السّلام، رقم الحديث: ٢٦٨٨)

❹عن مالك قال أخبرنا إسحق أن الطُّفيل بن أبي بن كعب أخبره انّه كان يأتي عبدالله بن عمر فيغدو معه إلى السوق، قال: وإذا غدونا إلى السّوق لم يمُرّ عبدالله بن عمر على سقّاطٍ، ولاصاحب بيعٍ ولامسكين، ولا أحدٍ إلاّسلّم عليه، قال الطّفيل بن أبي بن كعب: فجئت عبدالله بن عمر يوماً فاستتبعني إلى السوق قال: فقلت ماتصنع في السوق، ولاتقف على البيّع، ولاتسأل عن السلع ولاتساوم بها، ولاتجلس في مجلس السُّوق، اجلس بناههُنا نتحدّث فقال عبدالله بن عمر: يا أبابطن (وكان الطّفيل ذا بطن) إنّما نغدُو إلى السّوق لأجل السلام، نُسلّم على من لقينا(الموطأ للإمام محمد: ٣٨٤، ٣٨٥ باب ردالسلام)

❺عن عبدالله قال: إنّ السّلام اسم من أسماء الله وضعهُ الله في الأرض فأفشوهُ بينكُم (الأدب المفرد (مع فضل الله الصمد): ٤٨٧/٢.

❻عن ابن عمر رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن سرّكُمْ أن يخرُج الغلّ من صدوركم فأفشوا السّلام بينكم، (أحكام القرآن للجصاص: ٤٥٣/٣، سورة النور/ ٢٧)۔

(٧٤) شرح مسلم للنووي، كتاب الاستيذان: ٢١٢/٢

(٧٥) شرح مسلم للنووي، كتاب الاستيذان: ٢١٢/٢، وردالمحتار، كتاب الحظروالإباحة: ٢٩٣/٥

آواز کے بغیر صرف ہاتھ یا سر ہلا دینے سے سلام کی سنت ادا نہیں ہوگی (۷۶)...اسی طرح جواب فوراً دینا واجب ہے، اگر فوراً جواب نہیں دیا اور دوسرے اعمال سے فارغ ہونے کے بعد جواب دیا گیا تو واجب ادا نہیں ہوا۔(۷۷)

❹ کافر پر سلام کرنا جائز نہیں، اگر کسی کافر نے مسلمان پر سلام کیا تو جواب میں صرف "وعلیکم" کہا جائے "وعلیکم السلام" مکمل نہ کہا جائے۔(۷۸)

جمہور علماء کا یہی مسلک ہے کہ کافر اور ذمی پر سلام نہ کیا جائے، بعض علماء کے نزدیک ذمیوں پر سلام کرنا جائز ہے۔(۷۹)

❺ مرد، کسی اجنبی عورت پر سلام نہ کہے، اسی طرح عورت اجنبی مرد کو سلام نہ کرے (۸۰) بعض فاسقوں پر بھی سلام سے احتراز کرنے کے متعلق فقہاء نے تصریح کی ہے، مثلاً شرابی یا آوارہ شخص کو سلام نہ کرنا بہتر ہے۔(۸۱) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا قول ہے، لاتسلموا علی شَرّابة الخمر (۸۲)

بچوں پر سلام کرنا جائز ہے کیونکہ اس طرح ان کی تربیت ہوگی، ہاں اگر کوئی بچہ مراہق ہے اور سلام سے فتنے میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر ترک سلام کرنا چاہیے۔(۸۳)

---

(۷۶) شرح مسلم للنووي، كتاب الاستيذان: ۲/۲۱۳، ردالمحتار، كتاب الحظروالإباحة: ۵/۲۹۳، فتح الباري: ۱۱/۱٦

(۷۷) ردالمحتار، كتاب الحظروالإباحة: ۵/۲۹۳، شرح مسلم للنووي كتاب الاستيذان: ۲/۲۱۳، فتح الباري: ۱۱/۱٦

(۷۸) ردالمحتار، كتاب الحظروالإباحة: ۵/۲۹۲، شرح مسلم للنووي، باب النهي عن ابتداء أهل الكتاب بالسلام وكيف يردّ عليهم: ۲/۲۱۳

(۷۹) ردالمحتار، كتاب الحظروالإباحة: ۵/۲۹۲

(۸۰) ردالمحتار، كتاب الحظروالإباحة: ۵/۲٦۱، شرح مسلم للنووي، باب استحباب السلام على الصبيان: ۲/۲۱۵، مرقاة شرح مشكاة، كتاب الأدب: ۹/۵۰

(۸۱) ردالمحتار، كتاب الحظروالإباحة: ۵/۲۹٤

(۸۲) الأدب المفرد (مع فضل الله الصمد): ۲/٤۷۲

(۸۳) عمدة القاري: ۲۲/۲٤۳، فتح الباري، كتاب الاستيذان، باب التسليم على الصبيان: ۱۱/۳۹

❻ بعض صورتوں میں سلام کا حکم لاگو نہیں ہوتا، مثلاً کوئی کھانا کھا رہا ہے یا پانی پی رہا ہے یا بیت الخلا اور غسل خانے میں ہے، یا سو رہا ہے یا نماز میں مصروف ہے یا مطالعہ میں مشغول ہے تو ان صورتوں میں سلام نہیں کرنا چاہیے۔(۸۴)

ہاں اگر کوئی کھانے پر بیٹھا ہے لیکن لقمہ ابھی منہ میں نہیں ہے تو ایسی صورت میں سلام کیا جا سکتا ہے۔(۸۵)
حمام کے اندر اگر تہہ بند جسم پر ہے تو اس پر سلام کیا جا سکتا ہے لیکن تہہ بند کے بغیر ہے تو پھر سلام کرنا جائز نہیں۔(۸۶)

❼ سلام یقیناً باہمی محبت ومودت کا ذریعہ ووسیلہ ہے، خاص کر اس وقت جب سلام دل کی گہرائیوں سے کیا جائے اور اس کے معنی کی طرف دھیان رہے کہ آپ دنیا اور آخرت میں ہر بُرے شر اور ہر قسم کے شر سے سالم ومحفوظ رہیں اور اللہ کی سلامتی آپ کی شامل حال رہے، جب اس نیت اور اس جذبے کے ساتھ سلام کیا جائے گا تو اس کی برکتیں سامنے آئیں گی۔(۸۷)

---

(۸٤) ردالمحتار، كتاب الحظروالإباحة: ٢٩٥/٥، كتاب الصّلاة، باب مايفسدالصلاة ومايكره: ٤٥٦/١

(٨٥) ردالمحتار، كتاب الحظروالإباحة: ٢٩٥/٥، ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره: ٤٥٦/١

چنانچہ علامہ ابن عابدین نے اشعار کے اندر جن لوگوں پر سلام نہیں کرنا چاہیے، ان کا ذکر کیا ہے:

"ردّ السلام واجبٌ إلا علىٰ — من في الصلاة أو بأكلٍ شغلا
أو شُربٍ أو قراءةٍ أو أدعيَة — أو ذِكرٍ أو في خطبةٍ أو تلْبِيَة
أو في قضاءِ حاجةِ الإنسان — أو في إقامةٍ أوِ الْأذان
أو سلَّمَ الطفلُ أو السكران — أو شابّة يخشى بها افْتِتَان
أو فاسقٍ أو ناعسٍ أو نائم — أو حالة الجماع أو تَدَنّاكُم
أو كان في الحمّام أو مجنونا — فواحد من بعدها، عشرونا

(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ٤٥٧/١)

(٨٦) عمدة القاري: ٢٣٦/٢٢

(٨٧) عمدة القاري: ٢٣٦/٢٢، فتح الباري، كتاب الصلاة، باب التشهد في الآخرة: ٣١٢/٢، شرح مسلم للنووي: ٢١٣/٢

❽ ٹیلی فون وغیرہ پر جب گھنٹی بجتی ہے تو لوگ ریسیور اٹھا کر "ہیلو" کہتے ہیں، یہ اسلامی طریقہ نہیں، صحیح اسلامی طریقہ یہ ہے کہ "ہیلو" کے بجائے "السلام علیکم" کہا جائے۔

❾ سلام کے لیے ضروری نہیں کہ پہلے سے جان پہچان ہو، سلام اسلامی معاشرے کا ایک عام تحیہ ہے، امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے، اس کے الفاظ ہیں "إن من أشراط الساعة أن يمر الرجل بالمسجد لايصلي فيه ركعتين وأن لايسلم إلا على من يعرف" (۸۸) یعنی "قیامت کی ایک علامت یہ ہے کہ آدمی مسجد سے گذرے گا اور اس میں اس نے دو رکعتیں تک نہیں پڑھی ہوں گی اور یہ کہ وہ صرف شناخت والے پر سلام کہے گا"۔ امام طحاوی رحمہ اللہ نے یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے "إن من أشراط الساعة السلام للمعرفة" (۸۹) یعنی "قیامت کی ایک علامت یہ ہے کہ جان پہچان والے پر سلام کیا جائے گا"۔

چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں باب "السلام للمعرفة وغير المعرفة" اسی سلسلے میں قائم فرمایا ہے جس میں انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے، اس میں ہے "... تقرأ السلام على من عرفت، وعلى من لم تعرف"۔

١٠ – باب : آيَةِ الْحِجَابِ .

٥٨٨٥/٥٨٨٤ : حدّثنا يَحْيَىٰ بْنُ سُلَيْمانَ : حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ : أَخْبَرَنِي يُونُسُ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قالَ : أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ : أَنَّهُ كانَ ابْنَ عَشْرِ سِنِينَ ، مَقْدَمَ رَسُولِ اللهِ ﷺ المَدِينَةَ ، فَخَدَمْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَشْرًا حَيَاتَهُ ، وَكُنْتُ أَعْلَمَ النَّاسِ بِشَأْنِ الْحِجَابِ حِينَ أُنْزِلَ ، وَقَدْ كانَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ يَسْأَلُنِي عَنْهُ ، وَكانَ أَوَّلَ ما نَزَلَ فِي مُبْتَنَى رَسُولِ اللهِ ﷺ بِزَيْنَبَ ابْنَةِ جَحْشٍ ، أَصْبَحَ النَّبِيُّ ﷺ بِهَا عَرُوسًا ، فَدَعا الْقَوْمَ فَأَصَابُوا مِنَ الطَّعَامِ ثُمَّ خَرَجُوا ،

(۸۸) شعب الإيمان للبيهقي، باب في مقاربة وموادّة أهل الدين: ٤٣١/٦، (رقم الحديث: ٨٧٧٨)، فتح الباري: ٢٥/١١، عمدة القاري: ٢٣٧/٢٢

(۸۹) فتح الباري: ٢٥/١١، عمدة القاري: ٢٣٧/٢٢

وَبَقِيَ مِنْهُمْ رَهْطٌ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَأَطَالُوا الْمُكْثَ ، فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَخَرَجَ وَخَرَجْتُ مَعَهُ كَيْ يَخْرُجُوا ، فَمَشٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَمَشَيْتُ مَعَهُ ، حَتّٰى جَاءَ عَتَبَةَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ ، ثُمَّ ظَنَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُمْ خَرَجُوا ، فَرَجَعَ وَرَجَعْتُ مَعَهُ حَتّٰى دَخَلَ عَلٰى زَيْنَبَ ، فَإِذَا هُمْ جُلُوسٌ لَمْ يَتَفَرَّقُوا ، فَرَجَعَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَرَجَعْتُ مَعَهُ ، حَتّٰى بَلَغَ عَتَبَةَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ ، فَظَنَّ أَنَّ قَدْ خَرَجُوا ، فَرَجَعَ وَرَجَعْتُ مَعَهُ ، فَإِذَا هُمْ قَدْ خَرَجُوا ، فَأُنْزِلَ آيَةُ الْحِجَابِ ، فَضَرَبَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ سِتْرًا .

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے سورۃ احزاب کی آیتِ حجاب کی شان نزول والی روایت ذکر کی ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے وقت دس سال کا تھا، میں آپ کی خدمت میں دس سال تک رہا، میں پردہ کے حکم کے متعلق لوگوں سے زیادہ واقف ہوں جب وہ نازل ہوا، ابی بن کعب (جیسے قاری قرآن) مجھ سے اس کے متعلق پوچھتے تھے، آیت حجاب سب سے پہلے جس وقت آپ نے زینت بنت جحش کے ساتھ زفاف کیا تھا، اس وقت نازل ہوئی، صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دولہا بنے تھے، آپ نے لوگوں کی دعوت کی، اکثر لوگ دعوت کھا کر چلے گئے، لیکن کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہ گئے اور بہت دیر تک ٹھہرے رہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے اور باہر نکل گئے، تاکہ یہ لوگ چلے جائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلے، میں بھی آپ کے ساتھ چلا، یہاں تک کہ حضرت عائشہ کے دروازے کی چوکھٹ تک پہنچے، پھر آپ کو خیال آیا کہ لوگ چلے گئے ہوں گے تو آپ واپس ہوئے، میں بھی آپ کے ساتھ واپس ہوا یہاں تک کہ حضرت زینب کے مکان میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ابھی وہ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں، گئے نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوٹ گئے، میں بھی آپ کے ساتھ لوٹا، یہاں تک کہ حجرۂ عائشہ کی چوکھٹ کے پاس پہنچے، پھر آپ نے خیال کیا کہ لوگ چلے گئے ہوں گے پھر آپ لوٹے، میں بھی آپ کے ساتھ لوٹا تو دیکھا کہ لوگ چلے گئے تھے، تب آیت حجاب (پردہ کی آیت) نازل ہوئی تو آپ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال دیا۔

(۵۸۸۵) : حدّثنا أَبُو النُّعْمَانِ : حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ : قَالَ أَبِي : حَدَّثَنَا أَبُو مِجْلَزٍ ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قَالَ : لَمَّا تَزَوَّجَ النَّبِيُّ ﷺ زَيْنَبَ ، دَخَلَ الْقَوْمُ فَطَعِمُوا ، ثُمَّ جَلَسُوا يَتَحَدَّثُونَ ، فَأَخَذَ كَأَنَّهُ يَتَهَيَّأُ لِلْقِيَامِ فَلَمْ يَقُومُوا ، فَلَمَّا رَأَى ذٰلِكَ قَامَ ، فَلَمَّا قَامَ قَامَ مَنْ قَامَ مِنَ الْقَوْمِ وَقَعَدَ بَقِيَّةُ الْقَوْمِ ، وَإِنَّ النَّبِيَّ ﷺ جَاءَ لِيَدْخُلَ ، فَإِذَا الْقَوْمُ جُلُوسٌ ، ثُمَّ إِنَّهُمْ قَامُوا فَانْطَلَقُوا ، فَأَخْبَرْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَجَاءَ حَتَّى دَخَلَ ، فَذَهَبْتُ أَدْخُلُ فَأَلْقَى الْحِجَابَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ ، وَأَنْزَلَ ٱللهُ تَعَالَى : «يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ» . الآيَةَ .

قَالَ أَبُو عَبْدِ ٱللهِ : فِيهِ مِنَ الْفِقْهِ : أَنَّهُ لَمْ يَسْتَأْذِنْهُمْ حِينَ قَامَ وَخَرَجَ ، وَفِيهِ : أَنَّهُ تَهَيَّأَ لِلْقِيَامِ وَهُوَ يُرِيدُ أَنْ يَقُومُوا . [ر : ۴۵۱۳]

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت زینب سے نکاح کیا تو لوگوں نے آ کر کھانا کھایا اور بیٹھ کر باتیں کرنے لگے تو آپ نے یوں ظاہر کیا کہ گویا اٹھنا چاہ رہے ہیں لیکن لوگ نہ اٹھے، جب آپ نے یہ صورت حال دیکھی تو اُٹھ گئے، جب آپ اُٹھے تو ان میں کچھ لوگ تو چلے گئے لیکن کچھ لوگ بیٹھے رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کے پاس جانا چاہا لیکن دیکھا کہ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں، پھر وہ لوگ اُٹھے اور چلے گئے تو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی (کہ لوگ چلے گئے ہیں) آپ تشریف لائے اور اندر داخل ہوئے، میں بھی اندر جانے لگا کہ آپ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال دیا اور اللہ تعالیٰ نے آیتِ حجاب ﴿یاأیها الذین آمنوا لاتدخلوا بیوت النبي﴾ نازل فرمائی۔

سورۃ احزاب کی یہ آیت حکمِ حجاب کے متعلق سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت ہے، یہ آیت سن تین ہجری یا پانچ ہجری کو نازل ہوئی ہے۔(۱) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے پانچ ہجری کے قول کو ترجیح دی ہے۔(۲)

قرآن کریم میں پردۂ نسواں سے متعلق سات آیتیں نازل ہوئی ہیں، چار سورۂ احزاب میں اور تین

---

(۱) الإصابة في تمييز الصحابة، حرف الزاي، القسم الأوّل: ۴/۳۱۳، ترجمة زينب بنت جحش، و الاستيعاب لابن عبدالبر (على هامش الإصابة): ۴/۳۱۴، ترجمة زينب بنت جحش، والأدب المفرد (مع فضل الله الصمد)، باب كيف نزلت آية الحجاب: ۲/۴۹۵

(۲) التفسير للحافظ بن كثير رحمه الله: ۳/۵۰۳، (سورة الأحزاب)

سورۂ نور میں ہیں۔(۳)

پردہ کے مراتب

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے ''احکام القرآن'' میں پردہ کے تین مراتب لکھے ہیں:

❶ حجاب الأشخاص بالبیوت ...یعنی گھروں میں رہا جائے اور عورتیں بلاضرورت باہر نہ نکلیں، قرآن کریم کی آیت ﴿وقرن في بیوتکن﴾ ...میں اس کا حکم بیان کیا گیا ہے۔(۴)

❷ حجاب بالبرقع ...ضرورت کے مواقع پر کوئی عورت باہر نکلے تو وہ سر سے پاؤں تک برقع یا لمبی چادر میں مستور ہو اور جسم کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہو۔(۵)

❸ تیسرا درجہ یہ ہے کہ سر سے پیر تک سارا بدن مستور ہو، مگر چہرہ اور ہتھیلیاں کھلی ہوں، جن حضرات نے سورہ نور کی آیت ﴿إلا ما ظهر منها﴾ کی تفسیر چہرے اور ہتھیلیوں سے کی ہے ان کے نزدیک وجہ اور کفین عورت نہیں، حضرات حنفیہ کا اصل مسلک یہی ہے، جیسا کہ پہلے نقل کیا جا چکا ہے، بشرطیکہ خوفِ فتنہ اور لذت حاصل کرنے کا قصد نہ ہو اور چونکہ غالب احوال میں فتنے کا اندیشہ ہوتا ہے، اس لیے متأخرین حنفیہ نے مطلقاً عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے۔(۶)

امام بخاری کا مقصد

حضراتِ شراح کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد آیت حجاب کا شانِ نزول بیان کرنا ہے۔(۷) شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میرے نزدیک وجہ یہ ہے کہ امام بخاری

(۳) سورۂ أحزاب میں آیت نمبر: ۳۳، ۵۳، ۵۵، ۵۹ اور سورۂ نور میں آیت نمبر: ۳۰، ۳۱ اور ۶۰ نازل ہوئی ہیں۔

(٤) أحکام القرآن: ۳/٤٥٤، سورة الأحزاب

(٥) أحکام القرآن: ۳/٤٥٨، سورة الأحزاب

(٦) أحکام القرآن: ۳/٤٦٠، سورة الأحزاب

(٧) الأبواب والتراجم، باب آیة الحجاب: ۲/۱۲۲

آیتِ حجاب کا مصداق بیان کرنا چاہتے ہیں۔(۸)

چونکہ استیذ ان کے ابواب چل رہے ہیں اور استیذ ان کا ایک مقصد اور مصلحت بے پردگی سے بچنا بھی ہے، اس لیے پردہ اور حجاب کی آیت پر امام بخاری رحمہ اللہ نے باب قائم کیا۔(۹)

٥٨٨٦ : حدّثنا إسْحٰقُ : أَخْبَرَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ : حَدَّثَنَا أَبِي ، عَنْ صَالِحٍ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ قالَ : أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ : أَنَّ عائِشَةَ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهَا ، زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ ، قالَتْ : كانَ عُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ يَقُولُ لِرَسُولِ ٱللّٰهِ ﷺ : ٱحْجُبْ نِساءَكَ ، قالَتْ : فَلَمْ يَفْعَلْ ، وَكانَ أَزْوَاجُ النَّبِيِّ ﷺ يَخْرُجْنَ لَيْلاً إِلَى لَيْلٍ قِبَلَ المَنَاصِعِ ، فَخَرَجَتْ سَوْدَةُ بِنْتُ زَمْعَةَ ، وَكانَتْ ٱمْرَأَةً طَوِيلَةً ، فَرَآهَا عُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ وَهُوَ فِي الْمَجْلِسِ ، فَقَالَ : عَرَفْنَاكِ يَا سَوْدَةُ ، حِرْصًا عَلَى أَنْ يُنْزَلَ ٱلْحِجَابُ ، قالَتْ : فَأَنْزَلَ ٱللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ آيَةَ ٱلْحِجَابِ . [ر : ١٤٦]

حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتے تھے کہ اپنی بیویوں کو پردہ میں رکھیے، حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ آپ نے ایسا نہیں کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں، رفع حاجت کے لیے رات ہی کو نکلتی تھیں، چنانچہ حضرت سودہ بنت زمعہ باہر نکل کر گئیں، وہ ایک دراز قد خاتون تھیں، حضرت عمرؓ اس وقت ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے دیکھ لیا اور کہا کہ ''اے سودہ! میں نے تمھیں پہچان لیا''......صرف اس شوق میں ایسا کہا کہ حجاب کا حکم نازل ہو، حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آیتِ حجاب نازل فرمائی۔

قال أبوعبداللّٰه: فيه من الفقه أنه لم يستأذنهم حين قام وخرج...

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیتِ حجاب کی شان نزول والی حدیث سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ میزبان کو باہر جانے اور مجلس سے کھڑے ہونے میں مہمانوں سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں جیسا کہ حضور ﷺ بغیر اجازت کے باہر گئے اور دوم یہ کہ مہمانوں کو اپنے کسی عمل اور حرکت سے جانے کے لیے اشارہ دیدینا جائز ہے، جیسا کہ حضور ﷺ کھڑے ہوکر باہر گئے لیکن مقصود مہمانوں کو تنبیہ کرنا تھا کہ وہ چلے جائیں، امام

(۸) الأبواب والتراجم، باب آية الحجاب: ۱۲۲/۲

(۹) أيضا

بخاری کا یہ قول ابوذر اور ابوالوقت کے نسخوں کے علاوہ باقی نسخوں میں نہیں ہے۔(١٠)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کا یہاں نہ ہونا ہی بہتر ہے کیونکہ امام نے آگے اس پر مستقل باب قائم کیا ہے۔

باب کے اندر امام بخاریؒ نے آیت حجاب کی شان نزول کے طور پر حضرت زینب اور حضرت سودہ دونوں کے واقعات ذکر کیے، یہ دونوں جمع ہو سکتے ہیں، اس طرح کہ پہلے حضرت سودہ کا واقعہ پیش آیا اور اس کے بعد حضرت زینبؓ کے ولیمے کا واقعہ پیش آیا۔(١١)

١١ – باب : الِاسْتِئْذَانُ مِنْ أَجْلِ الْبَصَرِ.

٥٨٨٧ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ : قالَ الزُّهْرِيُّ : حَفِظْتُهُ كَمَا أَنَّكَ هَا هُنَا ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قالَ : اطَّلَعَ رَجُلٌ مِنْ جُحْرٍ فِي حُجَرِ النَّبِيِّ ﷺ ، وَمَعَ النَّبِيِّ ﷺ مِدْرًى يَحُكُّ بِهِ رَأْسَهُ ، فَقَالَ : (لَوْ أَعْلَمُ أَنَّكَ تَنْتَظِرُ ، لَطَعَنْتُ بِهِ فِي عَيْنِكَ ، إِنَّمَا جُعِلَ الِاسْتِئْذَانُ مِنْ أَجْلِ الْبَصَرِ) . [ر : ٥٥٨٠]

یعنی استیذان کا حکم نظر پڑ جانے کی وجہ سے ہے، مقصد یہ ہے کہ اجازت طلب کیے بغیر اگر کوئی شخص کسی کے گھر میں داخل ہوگا تو گھر کی خواتین پر نظر پڑ سکتی ہے، اس حکمت کی بناء پر استیذان کا حکم مشروع کیا گیا ہے۔

روایت میں ہے کہ ایک شخص نے سوراخ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجروں میں سے کسی ایک حجرے میں جھانک کر دیکھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں سر کھجلانے کا آلہ تھا جس سے آپ اپنا سر کھجلا رہے تھے، آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تو جھانک کر دیکھے گا تو میں اسے تری آنکھ میں مارتا، اجازت لینے کا حکم تو دیکھنے ہی کی وجہ سے مقرر کیا گیا ہے۔

مِـــــدْرَی : سر کھجلانے کے آلے کو کہتے ہیں، یہ روایت کتاب اللباس میں باب الامتشاط کے تحت گذر چکی ہے۔

---

(١٠) إرشاد الساري: ١٣/٢٤٤، فتح الباري: ١١/٢٧، عمدة القاري: ٢٢/٢٣٨

(١١) فتح الباري: ١١/٢٨، إرشاد الساري: ١٣/٢٤٤، ٢٤٥

٥٨٨٨ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ، عَنْ عُبَيْدِ ٱللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ ، عَنْ أَنَسِ ٱبْنِ مالِكٍ : أَنَّ رَجُلاً ٱطَّلَعَ مِنْ بَعْضِ حُجَرِ النَّبِيِّ ﷺ ، فَقَامَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ بِمِشْقَصٍ ، أَوْ : بِمَشَاقِصَ ، فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ يَخْتِلُ الرَّجُلَ لِيَطْعُنَهُ . [٦٤٩٤ ، ٦٥٠٤]

باب کی اس دوسری روایت میں حضرت انس فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حجرے میں جھانک کر دیکھا، حضور ﷺ تیر کا پھل لے کر کھڑے ہوگئے، وہ منظر مری نگاہوں کے سامنے ہے کہ حضور ﷺ اس آدمی کو وہ پھل مارنے کے لیے تلاش کر رہے تھے۔

مشقص (میم کے کسرہ، شین کے سکون اور قاف کے فتحہ کے ساتھ) نصل السهم کو کہتے ہیں یعنی تیر کا پھل۔

یختل الرجل: یأتیه من حیث لایشعر: آدمی کے پاس ایسی جہت سے آنا جہاں اس کا خیال نہ ہو۔ لیطعنه: طعن کے ایک معنی نیزہ اور دھاری دھار چیز مارنے کے بھی آتے ہیں، یہاں یہی معنی مراد ہیں۔

١٢ - باب : زِنَا الجوَارِحِ دُونَ الْفَرْجِ .

٥٨٨٩ : حدّثني الحُمَيْدِيُّ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنِ ٱبْنِ طَاوُسٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنِ ٱبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا قالَ : لَمْ أَرَ شَيْئًا أَشْبَهَ بِاللَّمَمِ مِنْ قَوْلِ أَبِي هُرَيْرَةَ .

وَحَدَّثَنِي مَحْمُودٌ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ : أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ ، عَنِ ٱبْنِ طَاوُسٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنِ ٱبْنِ عَبَّاسٍ قالَ : ما رَأَيْتُ شَيْئًا أَشْبَهَ بِاللَّمَمِ مِمَّا قالَ أَبُو هُرَيْرَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : (إِنَّ ٱللهَ كَتَبَ عَلَى ٱبْنِ آدَمَ حَظَّهُ مِنَ الزِّنَا ، أَدْرَكَ ذٰلِكَ لَا مَحَالَةَ ، فَزِنَا الْعَيْنِ النَّظَرُ ، وَزِنَا اللِّسَانِ الْمَنْطِقُ ، وَالنَّفْسُ تَمَنَّى وَتَشْتَهِي ، وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذٰلِكَ كُلَّهُ أَوْ يُكَذِّبُهُ) . [٦٢٣٨]

(٥٨٨٨) الحديث أخرجه البخاري أيضاً في كتاب الديات، باب من أخذ حقّه ،أواقتصّ دُون السلطان (رقم الحديث: ٦٨٨٩)، وفي باب من اطّلع في بَيتِ قومٍ ففقؤُا عينه، فلادية له (رقم الحديث: ٦٩٠٠)، وأخرجه مسلم في كتاب الأداب، باب تحريم النظر في بيت غيره(رقم الحديث: ٢١٥٧)، وأخرجه أبوداود في كتاب الأدب، باب كم مرة يسلم الرجل في الاستئذان: ٣٤٣/٤ (رقم الحديث: ٥١٧١)، وأخرجه الترمذي في كتاب الاستئذان، باب من اطلع في دار قوم بغير إذنهم (رقم الحديث: ٢٧٠٨)

(٥٨٨٩) الحديث أخرجه البخاري أيضاً في كتاب القدر: ٩/٩ باب: (وحرام على قرية أهلكناها أنهم لايرجعون) [الأنبياء: ٩٥] (رقم الحديث: ٦٦١٢)، وأخرجه مسلم في كتاب القدر، باب: قدر على ابن آدم حظّه من الزنا وغيره (رقم الحديث: ٦٢٤٣)، وأخرجه أبوداود في كتاب النكاح، باب مايؤمر به من غضّ =

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ شرم گاہ کے علاوہ دوسرے اعضائے جسم سے بھی زنا کا ارتکاب ہوسکتا ہے، البتہ اس کی نوعیت مختلف ہوتی ہے، مثلاً شہوت کے ساتھ دیکھنا آنکھ کا زنا ہے، شہوت کی باتیں کرنا زبان کا زنا ہے، شہوت کے ساتھ بوسہ لینا ہونٹوں کا زنا ہے، شہوت کے ساتھ پکڑنا ہاتھوں کا زنا ہے، زنا کے قصد سے چلنا پاؤں کا زنا ہے۔ چنانچہ ابن جریر کی ایک روایت میں ہے "زنا العينين النظر، وزنا الشفتين التقبيل، و زنا اليدين البطش، وزنا الرجلين المشي"(۱۲)

باب کے اندر امام بخاری رحمہ اللہ نے جو روایت نقل کی ہے، وہ اولاً حضرت ابن عباس سے موقوفاً نقل کی اور یہ ناقص ہے، اس کے بعد معمر کے طریق سے اس کو مرفوعاً نقل کیا اور وہ کامل ہے۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: "ما رأيت شيأ أشبه باللمم من قولِ أبي هريرة ..." حضرت ابن عباس اصل میں قرآن کریم کی آیت میں واقع لفظ "اللمم" کی تشریح کرنا چاہتے ہیں، آیت کریمہ میں ہے ﴿الذين يجتنبون كبائر الاثم والفواحش إلا اللمم﴾...... (۱۳) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ کا ایک قول جس قدر "لمم" کے مشابہ اور موافق ہے، اس طرح کوئی چیز میں نے نہیں دیکھی یعنی حضرت ابوہریرہ نے اپنی ایک روایت میں جو چیزیں بیان کی ہیں، مجھے وہی چیزیں "لمم" کا مصداق معلوم ہوتی ہیں، حضرت ابوہریرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کے لیے زنا کا ایک حصہ لکھ دیا ہے جو اسے ضرور ملے گا، چنانچہ آنکھ کا زنا دیکھنا ہے، زبان کا زنا بولنا ہے اور نفس خواہش اور تمنا کرتا ہے اور شرم گاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔

لمم نفسانی خواہشات اور چھوٹے گناہوں کو کہتے ہیں (۱۴) مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ "فیض الباری" میں فرماتے ہیں:

= البصر: ۲۴۷/۲ (رقم الحديث: ۲۱۵۳)

(۱۲) إرشاد الساري: ۲۴۷/۱۳

(۱۳) سورۃ النجم، آیت/ ۳۲

(۱٤) إرشاد الساري: ۲٤٦/۱۳، عمدة القاري: ۲۴۰/۲۲، فتح الباري: ۶۱٦/۱۱

يـريد ابن عباس أن يستفيد من حديث أبي هريرة هذا: تفسير قوله تـعـالـىٰ: ﴿إلا الـلـمم﴾" فجعل دواعي الزنا، وما يقع من الرجل في سلسلة الـزنـا مـن الـمعاصي كلها صغائر ولمما، فإن غشي الزنا تحسب كلها من الـزنـا، وتـنـقـلـب كـبـائـر، وإلافهـي صغائر تصلح أن تغفرله، ويعفى عنها، فاستفاد منه بعضهم تعريف الصغيرة، وقال: إن المعاصي على نحوين: منها مـاتـقـع تـمـهـيـداً، ومـنـهـا ماتكون مقصداً، فاللتي تقع في السلسلة، وتكون وسيلة لتحصيل منتهاها: هي الصغائر، وذلك المنتهى هو الكبيرة، قلت:ولا بـدفيـه مـن تـنبيـه، وهـو أن الـسـمع والبصر والنظر قد تصير مقصودة أيضا، وذلك حيـن يـعجز عن المنتهى، أعني الزنا، فيرضى بتلك الأمور، ويجعلها مـقصودة لحظ نفسه، وحينئذ لاريب في كونها كبيرة، نعم! إنْ أتى بها في سلسلة الزنا ثم امتنع عنه مخافة ربه جلّ وعلا، فينزل امتناعه عن الزنا منزلة التـوبة، ويـرجـى له أن تغفرله تلك السلسلة بأسرها، إذا أتبعها بحسنة، فإن الحسنات يذهبن السيئات...(١٥)

یعنی "حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث سے چند باتیں مستنبط کرنا چاہتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے قول: (إلا الـلـمـم) کی تفسیر، چنانچہ انہوں نے اسباب زنا اور زنا کے سلسلہ میں آدمی جن گناہوں میں واقع ہوتا ہے، ان سب کو صغائر اور "لمم" قرار دیا ہے۔ پس اگر وہ شخص زنا میں پڑ گیا تو یہ سب گناہ زنا شمار ہوں گے اور پلٹ کر کبائر ہو جائیں گے۔ ورنہ تو یہ صغائر ہی رہیں گے، جن کی معافی و مغفرت ہو سکتی ہے۔ بعض حضرات نے اس سے صغیرہ گناہ کی تعریف بھی مستنبط کی ہے، چنانچہ انھوں نے کہا ہے کہ معاصی دو قسم کے ہیں، ایک وہ ہیں جو تمہید کے طور پر ہوتے ہیں، دوسرے وہ جو مقصد ہوتے ہیں۔ پس جو گناہ اپنے منتہیٰ کے حصول کا ذریعہ ہوتے ہیں وہ صغائر ہیں اور وہ منتہیٰ کبیرہ ہے۔ لیکن اس میں ایک تنبیہ ضروری ہے اور وہ یہ کہ کان، آنکھ اور نظر بھی کبھی مقصود

(١٥) فيض الباري: ٤/٤١٠

بن جاتے ہیں اور یہ اس وقت جب آدمی منتہی یعنی زنا سے عاجز آجائے تو وہ انہی امور پر آمادہ اور قانع ہوجاتا ہے اور اپنے حظ نفس کے لیے انہی کو مقصود بنا دیتا ہے۔ ایسی صورت میں ان کے کبیرہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، ہاں اگر اس نے یہ گناہ زنا کے لیے کیے پھر اللہ تعالیٰ کے ڈر سے وہ گناہ سے رک گیا تو اس کا زنا سے رکنا توبہ کے قائم مقام ہوجائے گا اور رحمت خداوندی سے امید ہے کہ یہ تمام ذرائع اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے، چونکہ خداوند قدوس کے خوف کی بدولت زنا سے باز رہنا توبہ کے قائم مقام ہے، اور توبہ نیکی ہے اور نیکیاں برائیوں کو ختم کردیتی ہیں"۔

والفرج يصدق ذلك كله ويكذبه

یعنی آنکھ کا زنا دیکھنا اور زبان کا زنا بات کرنا ہے۔ نفس خواہش وتمنا کرتا ہے اور شرم گاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے یعنی اگر وہ واقعتاً زنا میں مبتلا ہوتا ہے تو شرم گاہ کی طرف سے اس تمنا اور خواہش کی تصدیق ہوجاتی ہے اور اگر وہ مبتلا نہ ہو تو اس کی تکذیب ہوجاتی ہے۔(۱۶)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے اس کے ایک اور معنی بھی بیان کیے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

"معنى تصديق الفرج وتكذيبه أن الفرج إن كان يتأثر بزنا العين كالقبلة، وبزنا اليد كاللمس ونحوهما بأن يحصل في الفرج شيئ من الحس والحركة والانتشار، تكون هذه الأمور أي: زنى الجوارح المذكور في الحديث في حكم الزنا، وإن لم يتأثر الفرج، ولم ينتشر الآلة، فلاتكون هذه الأمور في حكم الزنا بل أدنٰى منه جريمة" والله أعلم.(۱۷)

یعنی "شرمگاہ کی جانب سے تصدیق وتکذیب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ شرمگاہ اگر آنکھ کے زنا مثلاً دیکھنے سے یا ہاتھ کے زنا مثلاً چھونے وغیرہ سے متاثر ہوئی، بایں طور کہ شرمگاہ میں حرکت وانتشار وغیرہ محسوس ہوا تو یہ تمام امور یعنی حدیث میں مذکور جوارح کا زنا، زنا کے حکم میں ہوگا اور اگر شرمگاہ متاثر نہ ہوئی اور آلہ منتشر نہ ہوا تو یہ امور زنا کے حکم میں نہیں ہوں گے، بلکہ یہ اس سے کم تر جرم وگناہ ہوں گے"۔

(۱٦) لامع الدراري: ۱۰/۵۲، فتح الباري: ۱۱/٦۱٦

(۱۷) الأبواب والتراجم: ۲/۱۲۲، كتاب الاستيذان، باب زنى الجوارح دون الفرج اور لامع الدراري: ۱۰/۵۲ پر بھی یہ عبارت معمولی سے تغیر کے ساتھ موجود ہے۔

۱۳ – باب : التَّسْلِيمِ وَالِاسْتِئْذَانِ ثَلَاثًا .

۵۸۹۰ : حدّثنا إسحٰقُ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُثَنَّى : حَدَّثَنَا ثُمَامَةُ ابْنُ عَبْدِ اللهِ ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ : أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كانَ إِذَا سَلَّمَ سَلَّمَ ثَلَاثًا ، وَإِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَعَادَهَا ثَلَاثًا . [ر : ۹٤]

۵۸۹۱ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ : حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ خُصَيْفَةَ ، عَنْ بُسْرِ ابْنِ سَعِيدٍ ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخدْرِيِّ قالَ : كُنْتُ فِي مَجْلِسٍ مِنْ مَجَالِسِ الْأَنْصَارِ ، إِذْ جَاءَ أَبُو مُوسَى كَأَنَّهُ مَذْعُورٌ ، فَقَالَ : اسْتَأْذَنْتُ عَلَى عُمَرَ ثَلَاثًا ، فَلَمْ يُؤْذَنْ لِي فَرَجَعْتُ ، فَقَالَ : ما مَنَعَكَ ؟ قُلْتُ : اسْتَأْذَنْتُ ثَلَاثًا فَلَمْ يُؤْذَنْ لِي فَرَجَعْتُ ، وَقالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : (إِذَا اسْتَأْذَنَ أَحَدُكُمْ ثَلَاثًا فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهُ فَلْيَرْجِعْ) . فَقَالَ : وَاللهِ لَتُقِيمَنَّ عَلَيْهِ بَيِّنَةً ، أَمِنْكُمْ أَحَدٌ سَمِعَهُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ ؟ فَقَالَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ : وَاللهِ لَا يَقُومُ مَعَكَ إِلَّا أَصْغَرُ الْقَوْمِ ، فَكُنْتُ أَصْغَرَ الْقَوْمِ فَقُمْتُ مَعَهُ ، فَأَخْبَرْتُ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قالَ ذٰلِكَ .

وَقالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ : أَخْبَرَنِي ابْنُ عُيَيْنَةَ : حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ خُصَيْفَةَ ، عَنْ بُسْرٍ : سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ : بِهٰذَا . [ر : ۱۹۵٦]

ترجمۃ الباب کا مقصد

استیذان اور سلام تین مرتبہ مشروع ہیں، سلام سے مراد سلام استیذان ہے، عام سلام ایک ہی مرتبہ ہوتا ہے، اس میں تکرار نہیں ہوتا، ہاں اگر مجمع بڑا ہے اور ایک بار سب کو سلام پہنچانا مشکل ہے تو ایسی صورت میں مکرر سلام کیا جاسکتا ہے، اسی طرح اگر مخاطب نے سلام سنا نہیں تو بھی اسے سنانے کے لیے دوبارہ سلام کیا جاسکتا ہے۔(۱۸)

باب کی پہلی حدیث کتاب العلم میں باب من أعاد الحدیث ثلاثا لیفهم کے تحت گذر چکی ہے۔(۱۹)

باب کی دوسری حدیث میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں انصار کی ایک مجلس

(۱۸) فتح الباري: ۳۲/۱۱، إرشادالساري: ۲٤۸/۱۳

(۱۹) صحيح البخاري، كتاب العلم، باب من أعادالحديث ثلاثاً ليفهم عنه، رقم الحديث: ۹٤

میں بیٹھا تھا کہ ابوموسی اشعریؓ آئے، وہ خوف زدہ تھے، کہنے لگے میں نے حضرت فاروق اعظم سے تین مرتبہ اجازت طلب کی، انھوں نے اجازت نہیں دی تو میں واپس ہوا، انھوں نے پوچھا تمہیں اندر آنے سے کس نے روکا، میں نے کہا میں نے تین مرتبہ اجازت طلب کی، لیکن مجھے اجازت نہیں ملی، اس لیے میں واپس ہوا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''إذااستأذن أحدکم ثلاثا، فلم یؤذن له، فلیرجع''۔ یعنی ''تم میں سے کوئی شخص اگر تین بار اجازت طلب کرے اور اس کو اجازت نہ دی گئی تو وہ واپس ہو جائے''۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے کہا، واللہ! تمہیں اس پر گواہ پیش کرنا ہوگا، ابوموسیٰ نے پوچھا تم میں سے کسی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو سنا ہے، حضرت ابی بن کعبؓ نے کہا کہ بخدا! تیری گواہی کے لیے قوم کا کمسن شخص کھڑا ہوگا، حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت سب سے کم سن تھا، میں ابوموسیؓ کے ساتھ کھڑا ہوا اور حضرت عمرؓ کو بتلایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔

فقال: واللّٰه، لتقیمن علیه بینة:

صحیح مسلم کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے ''وإلا أوجعتك'' (۲۰) اور بکیر بن الأشج کی روایت میں ہے ''فواللّٰه، لأوجعن ظهرك وبطنك، أولتأتيني بمن يشهد لك على هذا'' (۲۱) (یعنی گواہ پیش کردیں ورنہ آپ کو سزا دیتا ہوں)۔

فأخبرت عمر أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال ذلك:

حضرت فاروق اعظمؓ کی خدمت میں حضرت ابوموسی اشعریؓ کے لیے گواہی دینے والے حضرت ابوسعید خدریؓ تھے جو اس وقت سب سے زیادہ کم سن تھے۔

مسلم شریف میں حضرت ابو بردہؓ کی ایک روایت ہے کہ یہ گواہی حضرت ابی بن کعبؓ نے دی تھی۔ (۲۲) لیکن ان دونوں میں یوں تطبیق ہوسکتی ہے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ کی گواہی کے بعد حضرت ابی بن کعبؓ نے بھی گواہی دی ہو۔ (۲۳)

---

(۲۰) صحیح مسلم، کتاب الآداب، باب الاستیذان: ۲/۲۱۰

(۲۱) صحیح مسلم، کتاب الآداب، باب الاستیذان: ۲/۲۱۱

(۲۲) صحیح مسلم، کتاب الآداب، باب الاستیذان: ۲/۲۱۱

(۲۳) فتح الباري: ۱۱/۳٤

وقال ابن المبارك: أخبرني ابن عيينة، حدثني يزيد عن بسر، سمعت أبا سعيد بهذا۔

اوپر روایتِ موصولہ میں عنعنہ ہے، "بسر عن أبي سعيد" ہے، اس تعلیق میں سماع کی تصریح ہے، اس تصریح کی وجہ سے امام بخاری نے یہ تعلیق یہاں ذکر فرمائی (۲۴) ابونعیم نے اس تعلیق کو موصولاً نقل کیا ہے۔ (۲۵)

حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت ابوموسی اشعریؓ سے گواہ پیش کرنے کے لیے کہا، حالانکہ وہ ایک عادل اور ثقہ صحابی تھے، اس کی وجہ ایک روایت میں ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے "أما إني لم أتهمك، ولكني أردت أن لايتجرّأ الناس على الحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم "(۲۶) اور موطأ کی روایت میں ہے "فقال عمر لأبي موسى: أما إني لم أتهمك، ولكني خشيت أن يتقوّل الناس على رسول الله صلى الله عليه وسلم "(۲۷) یعنی "میں نے تمہیں متہم نہیں سمجھا، (آپ کے صدق وسچائی میں مجھے شک نہیں) البتہ میرا مقصد یہ تھا کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حدیث کا افتراء نہ کریں"۔

اس حدیث سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ صاحبِ منزل کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر وہ کسی کام میں مشغول ہے تو سلامِ استیذان کا جواب نہ دے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ بسا اوقات کسی بڑے عالم اور بڑے آدمی کو ایک مسئلہ اور حکم معلوم نہیں ہوتا اور چھوٹے کو معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت فاروق اعظمؓ کو یہ حکم معلوم نہیں تھا۔ (۲۸)

فائدہ

یہاں باب کی پہلی حدیث میں ایک راوی عبداللہ بن مثنی ہیں جو مختلف فیہ ہیں، عجلی نے ان کی توثیق کی

(۲٤) عمدة القاري: ۲۲/۲٤۲، فتح الباري: ۱۱/۳٤، إرشادالساري: ۱۳/۲٤۹

(۲٥) عمدة القاري: ۲۲/۲٤۲، فتح الباري: ۱۱/۳٤، إرشادالساري: ۱۳/۲٤۹

(۲٦) شرح صحيح البخاري لابن بطال: ۹/۲٥

(۲۷) الموطأ للإمام مالك: ۲/۹٦۳، كتاب الاستيذان

(۲۸) فتح الباري: كتاب الاستيذان: ۱۱/۳۷

ہے۔(۲۹) جب کہ ابوزرعہ اور ابن معین نے انھیں "لیس بشيء" کہا ہے(۳۰)، امام نسائی رحمہ اللہ نے فرمایا لیس بالقوي، (۳۱) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الهدی الساری میں ان کا دفاع کیا ہے۔(۳۲)

ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے اور کہا کہ یہ ان روایات میں غلطی کرتے ہیں جو انھوں نے اپنے چچا ثمامہ بن عبداللہ کے علاوہ دوسرے لوگوں سے نقل کی ہوں، ثمامہ سے ان کی روایات صحیح ہیں(۳۳) اور یہاں بخاری کی روایت ثمامہ سے ہے۔

١٤ - باب : إِذَا دُعِيَ الرَّجُلُ فَجَاءَ هَلْ يَسْتَأْذِنُ .

قَالَ سَعِيدٌ ، عَنْ قَتَادَةَ ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : (هُوَ إِذْنُهُ) .

٥٨٩٢ : حدّثنا أَبُو نُعَيْمٍ : حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ ذَرٍّ . وَحَدَّثَنَا محمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ ٱللهِ : أَخْبَرَنَا عُمَرُ بْنُ ذَرٍّ : أَخْبَرَنَا مُجَاهِدٌ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قَالَ : دَخَلْتُ مَعَ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ فَوَجَدَ لَبَنًا فِي قَدَحٍ ، فَقَالَ : (أَبَا هِرٍّ ، ٱلْحَقْ أَهْلَ الصُّفَّةِ فَٱدْعُهُمْ إِلَيَّ) . قَالَ : فَأَتَيْتُهُمْ فَدَعَوْتُهُمْ ، فَأَقْبَلُوا فَٱسْتَأْذَنُوا ، فَأُذِنَ لَهُمْ فَدَخَلُوا . [٦٠٨٧]

---

(۲۹) تهذيب التهذيب: ٣٨٨/٥، الترجمة: ٦٥٩، الرفع والتكميل في الجرح والتعديل: ٢١٤

(۳۰) إرشادالساري: ٢٤٧/١٣، مگر تهذيب التهذيب: ٣٨٨/٥ اور تعليقات الرفع والتكميل لعبد الفتاح أبي غده: ٢١٤ میں ليس بشيء کا قول صرف ابن معین کی طرف منسوب ہے اگرچہ ارشاد الساری میں ابن معین اور ابوزرعہ دونوں کی طرف نسبت کی گئی ہے، البتہ "صالح" کہنے میں ابوزرعہ ابن معین کے ساتھ ہیں۔

(۳۱) تهذيب التهذيب: ٣٨٨/٥، الترجمة: ٦٥٩، تهذيب الكمال: ٢٧/١٧، الرفع والتكميل في الجرح والتعديل: ٢١٤، الترجمة: ٥٣٢١

(۳۲) هدي الساري مقدمة فتح الباري: ٤١٦، الفصل التاسع نیز تهذيب التهذيب: ٣٨٨/٥ میں بھی ابن معین اور ابوزرعہ کی توثیق منقول ہے۔

(۳۳) إرشاد الساري: ٢٤٧/١٣، اور امام بخاری بھی عبداللہ بن المثنی کی ان روایتوں سے استدلال کرتے ہیں جو انھوں نے ثمامہ سے نقل کی ہو، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: "قلت: لم أر البخاري احتج به إلافي روايته عن عمه ثمامة فعنده عنه أحاديث" (هدي الساري مقدمة فتح الباري:٤١٦)

(٥٨٩٢) الحديث أخرجه البخاري أيضا في كتاب الرقاق، باب كيف كان عيش النبي صلى الله عليه وسلم =

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ کسی نے کسی شخص کو مدعو کیا ہے اور وہ آ گیا تو کیا اسے اجازت لینے کی ضرورت ہوگی؟ اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے حدیث مرفوع نقل کی کہ ھو إذنہ یعنی نئے سرے سے اجازت کی ضرورت نہیں، دعوت دینا اور بلانا ہی اجازت ہے۔ یہ تعلیق امام بخاری نے الادب المفرد میں اور امام ابوداود نے سنن میں موصولاً نقل کی ہے۔(۳۴)

حدیث باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اہل صفہ کو بلاؤ، چنانچہ انھوں نے بلایا، وہ آئے اور اجازت طلب کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دیدی۔

اس پر اشکال ہوسکتا ہے کہ اس سے پہلے تعلیق میں "ھو إذنہ" کہا گیا تھا کہ دعوت دینا اجازت ہے اور یہاں حدیث میں اجازت طلب کی گئی ہے بظاہر دونوں میں تعارض ہے۔ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

"و أجيب: بأنه يختلف بطول العهد وقصره فإن طال العهد بين الطلب والمجيئ احتاج إلى استئناف الإذن، وإلافلا... والاستئذان علي كل حال أحوط".(۳۵)

یعنی "اس کا جواب یہ ہے کہ استیذان کا حکم وقت کے طویل اور کم ہونے کے اعتبار سے مختلف ہے، اگر دعوت دینے اور حاضر ہونے کے درمیان وقت طویل ہو تو نئے سرے سے اجازت لینا پڑے گی ورنہ تو نہیں......احتیاط اسی میں ہے کہ ہر حال میں اجازت طلب کی جائے"۔

١٥ – باب : التَّسْلِيمِ عَلَى الصِّبْيَانِ.

٥٨٩٣ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ الجَعْدِ : أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ سَيَّارٍ ، عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ ، عَنْ أَنَسٍ

= وأصحابه، وتخليهم من الدنيا (رقم الحديث: ٦٠٨٧): ٥/٢٣٧٠ وكذا أخرجه الترمذي في كتاب الزهد والنسائي في الرقاق

(٣٤) الأدب المفرد (مع فضل الله الصمد): ٢/٥١١، رقم الحديث: ١٠٧٦، باب دعاء الرّجل إذنه، وسنن أبي داود: ٢/٣٤٩، كتاب الأدب، باب في الرّجل يدعي أن يكون ذلك إذنه

(٣٥) إرشاد الساري: ١٣/٢٥٠

(٥٨٩٣) الحديث أخرجه مسلم في كتاب السلام، باب استحباب السلام على الصبيان عن أنس ابن مالكؓ: =

ٱبْنِ مالِكٍ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ : أَنَّهُ مَرَّ عَلَى صِبْيَانٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ ، وَقالَ : كانَ النَّبِيُّ ﷺ يَفْعَلُهُ .

جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ بچوں پر سلام کرنا جائز ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کیا کرتے تھے، ہاں اگر کوئی بچہ ایسا ہے کہ سلام کرنے سے خوف فتنہ ہو تو سلام نہیں کرنا چاہیے۔

١٦ - باب : تَسْلِيمِ الرِّجالِ عَلَى النِّساءِ ، وَالنِّساءِ عَلَى الرِّجالِ .

٥٨٩٤ : حدّثنا عَبْدُ ٱللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ : حَدَّثَنَا ٱبْنُ أَبِي حازِمٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ سَهْلٍ قالَ : كُنَّا نَفْرَحُ يَوْمَ الجُمُعَةِ ، قُلْتُ : وَلِمَ ؟ قالَ : كانَتْ لَنَا عَجُوزٌ ، تُرْسِلُ إِلَى بُضَاعَةَ - قالَ ٱبْنُ مَسْلَمَةَ : نَخْلٍ بِالْمَدِينَةِ - فَتَأْخُذُ مِنْ أُصُولِ السِّلْقِ ، فَتَطْرَحُهُ فِي قِدْرٍ ، وَتُكَرْكِرُ حَبَّاتٍ مِنْ شَعِيرٍ ، فَإِذَا صَلَّيْنَا الْجُمُعَةَ ٱنْصَرَفْنَا ، وَنُسَلِّمُ عَلَيْهَا فَتُقَدِّمُهُ إِلَيْنَا ، فَنَفْرَحُ مِنْ أَجْلِهِ ، وَما كُنَّا نَقِيلُ وَلَا نَتَغَدَّى إِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ . [ر : ٨٩٦]

٥٨٩٥ : حدّثنا ٱبْنُ مُقَاتِلٍ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ ٱللّٰهِ : أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ ٱبْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ، عَنْ عائِشَةَ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهَا قالَتْ : قالَ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ : (يَا عائِشَةُ هٰذَا جِبْرِيلُ يَقْرَأُ عَلَيْكِ السَّلَامَ) . قالَتْ : قُلْتُ : وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ ٱللّٰهِ ، تَرَى ما لَا نَرَى ، تُرِيدُ رَسُولَ ٱللّٰهِ ﷺ .

تَابَعَهُ شُعَيْبٌ . وَقالَ يُونُسُ وَالنُّعْمانُ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ : وَبَرَكَاتُهُ . [ر : ٣٠٤٥]

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ مرد عورتوں پر اور عورت مردوں پر سلام کرسکتی ہے، بشرطیکہ فتنہ کا خوف نہ ہو۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام بخاری اس ترجمہ سے اس روایت کی تردید کرنا چاہتے ہیں جس میں مردوں کے عورتوں پر اور عورتوں کے مردوں پر سلام کو مکروہ کہا ہے۔

اسماء بنت یزید کی روایت میں اس کی تصریح ہے جس میں ہے "مر علینا النبي صلى الله عليه

= ١٧٠٨/٤ (رقم الحديث: ٢١٦٨)، وكذا أخرجه الترمذي في كتاب الإستئذان، باب ماجاء في التسليم على الصبيان: ٥٧/٥ (رقم الحديث: ٢٦٩٦) وأخرجه في السنن الكبرىٰ في كتاب عمل اليوم والليلة، باب التسليم على الصبيان ومما زحتهم: ٩٠/٦ (رقم الحديث: ١٠١٦٢) وأخرجه أبوداؤد في كتاب الاستئذان، باب في السلام علىٰ الصبيان: ٣٥٢/٤ (رقم الحديث: ٥٢٠٢)

وسلم في نسوة فسلم علينا'' یعنی ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ہم خواتین پر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر سلام کیا''۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس روایت کی تحسین کی ہے۔(۳۶) لیکن چونکہ یہ روایت امام بخاری کی شرط پر نہیں تھی، اس لیے اسے ذکر نہیں کیا۔

حضرات حنفیہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک غیر محرم اجنبی جوان عورت پر سلام کرنا جائز نہیں، اسی طرح بوڑھی مشتہاۃ پر بھی سلام کرنا درست نہیں، ہاں کوئی بوڑھی عورت غیر مشتہاۃ ہے تو اس پر سلام کیا جاسکتا ہے۔(۳۷)

باب کی دوسری روایت میں حضرت جبریل علیہ السلام کا حضرت عائشہ پر سلام کا ذکر ہے، علامہ قسطلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''وقد كان جبريل عليه السلام يأتي النبي صلى الله عليه وسلم في صورة دِحية، وحينئذ فتحصل المطابقة بين الترجمة والحديث، ويزول الإشكال''(۳۸)

یعنی ''حضرت جبریل علیہ السلام، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت دحیہ کلبیؓ کی شکل میں آتے تھے، یوں ترجمہ اور حدیث میں مطابقت حاصل ہو جاتی ہے اور اشکال ختم ہو جاتا ہے''۔

باب کے آخر میں معمر کی متابعت کو امام بخاری نے کتاب الرقاق میں، یونس کی تعلیق کو مناقب میں موصولاً نقل کیا ہے، نعمان بن راشد کی تعلیق کو طبرانی نے موصولاً نقل کیا ہے۔(۳۹)

۱۷ - باب : إِذَا قَالَ : مَنْ ذَا ؟ فَقَالَ : أَنَا .

۵۸۹۶ : حدّثنا أَبُو الْوَلِيدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ المَلِكِ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ : سَمِعْتُ جابِرًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ : أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ في دَيْنٍ كانَ عَلَى أَبِي ، فَدَقَقْتُ الْبَابَ ، فَقَالَ : (مَنْ ذَا) . فَقُلْتُ : أَنَا ، فَقَالَ : (أَنَا أَنَا) . كَأَنَّهُ كَرِهَهَا .

(۳٦)الجامع للترمذي، كتاب الأدب: ۹۹/۲ باب ماجاء في التسليم على النساء

(۳۷) أوجز المسالك: ۱۰۵/۱۵، جامع السلام، العمل في السلام، وشرح صحيح مسلم للنووي: ۲۱۵/۲، كتاب السلام، باب استحباب السلام على الصّبيان

(۳۸) إرشادالساري: ۲۵۲/۱۳

(۳۹)إرشادالساري: ۲۵۲/۱۳، عمدة القاري: ۲٤۲/۲۲، فتح الباري: ٤۱/۱۱

روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد کے قرض کے سلسلے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے؟ میں نے کہا ''میں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں میں'' گویا کہ آپ نے اس کو ناپسند کیا۔

چنانچہ ادب یہی ہے کہ استیذان کے وقت اپنا نام بتایا جائے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں اسی ادب کو بیان کیا ہے۔

١٨ – باب : مَنْ رَدَّ فَقَالَ : عَلَيْكَ السَّلَامُ .

قَالَ سَعِيدٌ ، عَنْ قَتَادَةَ ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : (هُوَ إِذْنُهُ) وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (رَدَّ الْمَلَائِكَةُ عَلَى آدَمَ : السَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ) . [ر : ٥٨٧٣]

٥٨٩٧ : حدّثنا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ : حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ ، وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ جَالِسٌ فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ ، فَصَلَّى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : (وَعَلَيْكَ السَّلَامُ ، ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ) . فَرَجَعَ فَصَلَّى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ ، فَقَالَ : (وَعَلَيْكَ السَّلَامُ ، فَارْجِعْ فَصَلِّ ، فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ) . فَقَالَ فِي الثَّانِيَةِ ، أَوْ فِي الَّتِي بَعْدَهَا : عَلِّمْنِي يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، فَقَالَ : (إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوءَ ، ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ ، ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ، ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَسْتَوِيَ قَائِمًا ، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ، ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا) . وَقَالَ أَبُو أُسَامَةَ فِي الْأَخِيرِ : (حَتَّى تَسْتَوِيَ قَائِمًا) .

حَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ قَالَ : حَدَّثَنِي يَحْيٰى ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ : حَدَّثَنِي سَعِيدٌ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا) . [ر : ٧٢٤]

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ کا اس ترجمۃ الباب سے مقصد یہ ہے کہ سلام کا جواب دیتے ہوئے ''عـــــليك

السلام ‘‘بھی کہہ سکتے ہیں اور’’السلام علیک‘‘ بھی کہہ سکتے ہیں، لفظ’’علی ‘‘ کو مقدم بھی کر سکتے ہیں اور مؤخر بھی اور اس بات کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ واؤ کے بغیر جواب دے سکتے ہیں، مفرد کا صیغہ استعمال کر سکتے ہیں۔(۱)

افضل یہی ہے کہ جواب میں ’’وعلیکم السلام‘‘ صیغہ جمع کے ساتھ جواب دیا جائے، اگرچہ مخاطب ایک ہو۔(۲)

وقالت عائشة : وعليه السلام ورحمة الله وبركاته

یہ حدیث ابھی موصولاً گذر چکی ہے، اس میں ’’علیه‘‘ جار مجرور ’’السلام‘‘ پر مقدم ہے، وقال النبي صلى الله عليه وسلم: ردالملائكة على آدم: السلام عليك ورحمة الله ـ یعنی ’’ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جواب میں کہا تھا: السلام علیک ورحمۃ اللہ‘‘۔ اس میں ’’السلام‘‘ مقدم ہے، یہ تعلیق بھی کتاب الاستئذان کے شروع میں موصولاً گذر چکی ہے۔

حدیث باب میں ’’وعليك السلام ‘‘ کے الفاظ آئے ہیں، اس میں بھی ’’عليك ‘‘ مقدم ہے، یہ حدیث کتاب الصلاۃ میں تفصیل کے ساتھ گذر چکی ہے۔(۳)

ابو اسامہ کی تعلیق کتاب الأیمان والنذور میں موصولاً ذکر کی گئی ہے۔(۴)

---

(۱) عمدة القاري: ۲۲/۲٤٥، إرشادالساري: ۱۳/۲٥٤، فتح الباري: ۱۱/٤٤

(۲)وفي ردالمحتار: ٥/۲۹۳: والأفضل للمسلم أن يقول: السلام عليكم ورحمة الله وبركاته والمجيب كذالك يرد، وإرشادالساري: ۱۳/۲٥٦، وكما أخرج البخاري من طريق معاوية بن قرّة قال: قال لي أبي: يابُنيّ إذا مرّبك الرّجل فقال: السلام عليكم، فلاتقل وعليك، كأنك تخصُّه بذلك وحدهٔ ولكن قل: السلام عليكم، الأدب المفرد (مع فضل الله الصمد): ۲/٤٨٥، ٤٨٦ (رقم الحديث: ۱۰۳۷)، باب كيف ردُّ السّلام۔

(۳) صحيح البخاري: ۱/۱٦۷، كتاب الصلوٰة، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم في الصّلوٰة كُلّها في الحضر والسفر، رقم الحديث: ۷٥۷

(٤) صحيح البخاري، كتاب الأيمان والنّذور، باب إذا حنث ناسيًا في الأيمان، رقم الحديث: ٦٦٦۷

١٩ – باب : إِذَا قَالَ : فُلَانٌ يُقْرِئُكَ السَّلَامَ .

٥٨٩٨ : حدّثنا أَبُو نُعَيْمٍ : حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ قَالَ : سَمِعْتُ عامِرًا يَقُولُ : حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ ٱبْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ : أَنَّ عائِشَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهَا حَدَّثَتْهُ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قالَ لَهَا : (إِنَّ جِبْرِيلَ يُقْرِئُكِ السَّلَامَ) . قالَتْ : وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ ٱللهِ . [ر : ٣٠٤٥]

ترجمۃ الباب کی غرض

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ شاید اختلافِ روایات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں، امام ابوداود رحمہ اللہ نے بھی بعینہٖ یہی ترجمہ قائم کیا (۵) اور اس کے تحت دو حدیثیں ذکر کیں، ایک حدیث جو بنی تمیم کے ایک شخص سے مروی ہے۔ جس کا نام ذکر نہیں کیا گیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے اور ان سے میرے دادا نے یہ حدیث بیان کی کہ میرے والد نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ انہیں سلام کہہ آؤ۔ "فأتيته، فقلت: إن أبي يقرئك السلام، فقال: عليك وعلى أبيك السلام" یعنی "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے والد آپ کو سلام کر رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عليك وعلى أبيك السلام"

اس کے بعد امام ابوداود نے مذکورہ حدیث عائشہؓ ذکر کی ہے، اس میں صرف "وعليه السلام" ہے، مبلّغ پر یعنی سلام پہنچانے والے پر سلام نہیں۔ (٦)

مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ دونوں طریقوں سے جواب دینا جائز ہے۔ (۷) امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد بھی شاید اسی طرف اشارہ کرنا ہے کہ روایتوں میں دونوں طریقے وارد ہیں۔ (۸) امام

(٥) سنن أبي داود: ٣٥٨/٤، كتاب الأدب، باب في الرجل يقول: فلان يقرئك السلام۔

(٦) سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في الرجل يقول: فلان يقرئك السلام: ٣٥٩/٤ (رقم الحديث: ٥٢٣٢)

(٧) بذل المجهود، باب في الرجل يقول للرجل فلان يقرئك السلام فكيف يرد؟ : ١٧١/٢٠

(٨) فتح الباري: ٣٨/١١

نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''في هذا الحديث مشروعية إرسال السلام، ويجب على الرسول تبليغه؛ لأنه أمانة، وتعقّب بأنه بالوديعة أشبه، والتحقيق: أن الرسول إن التزمه أشبه بالأمانة وإلا فوديعة، والودائع إذا لم تقبل لم يلزمه شيء''(۹)

یعنی ''اس حدیث میں سلام بھیجنے کی مشروعیت کا ذکر ہے اور قاصد پر اس کا پہنچانا واجب ہے کیونکہ یہ امانت ہے، بعض نے اس کا تعاقب کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ودیعت کے زیادہ مشابہ ہے۔ تحقیقی بات یہ ہے کہ قاصد نے اگر اس کا التزام کیا تو وہ امانت کے ساتھ زیادہ مشابہ ہوگا ورنہ تو ودیعت ہوگا اور ودائع کا حکم یہ ہے کہ اگر انہیں قبول نہ کیا گیا تو اس پر کچھ بھی لازم نہیں ہے''۔

۲۰ – باب: التَّسْلِيمِ فِي مَجْلِسٍ فِيهِ أَخْلَاطٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُشْرِكِينَ.

۵۸۹۹: حدّثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ ابْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ: أَخْبَرَنِي أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَكِبَ حِمَارًا، عَلَيْهِ إِكَافٌ تَحْتَهُ قَطِيفَةٌ فَدَكِيَّةٌ، وَأَرْدَفَ وَرَاءَهُ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ، وَهُوَ يَعُودُ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ فِي بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ، وَذٰلِكَ قَبْلَ وَقْعَةِ بَدْرٍ، حَتَّى مَرَّ فِي مَجْلِسٍ فِيهِ أَخْلَاطٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُشْرِكِينَ عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ وَالْيَهُودِ، وَفِيهِمْ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ ابْنُ سَلُولَ، وَفِي الْمَجْلِسِ عَبْدُ اللهِ بْنُ رَوَاحَةَ، فَلَمَّا غَشِيَتِ الْمَجْلِسَ عَجَاجَةُ الدَّابَّةِ، خَمَّرَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ أَنْفَهُ بِرِدَائِهِ، ثُمَّ قَالَ: لَا تُغَبِّرُوا عَلَيْنَا، فَسَلَّمَ عَلَيْهِمُ النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ وَقَفَ، فَنَزَلَ فَدَعَاهُمْ إِلَى اللهِ، وَقَرَأَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنَ، فَقَالَ عَبْدُ اللهِ ابْنُ أُبَيٍّ ابْنُ سَلُولَ: أَيُّهَا الْمَرْءُ، لَا أَحْسَنَ مِنْ هٰذَا إِنْ كَانَ مَا تَقُولُ حَقًّا، فَلَا تُؤْذِنَا فِي مَجَالِسِنَا، وَارْجِعْ إِلَى رَحْلِكَ، فَمَنْ جَاءَكَ مِنَّا فَاقْصُصْ عَلَيْهِ، قَالَ ابْنُ رَوَاحَةَ: اغْشَنَا فِي مَجَالِسِنَا فَإِنَّا نُحِبُّ ذٰلِكَ، فَاسْتَبَّ الْمُسْلِمُونَ وَالْمُشْرِكُونَ وَالْيَهُودُ، حَتَّى هَمُّوا أَنْ يَتَوَاثَبُوا، فَلَمْ يَزَلِ النَّبِيُّ ﷺ يُخَفِّضُهُمْ، ثُمَّ رَكِبَ دَابَّتَهُ حَتَّى دَخَلَ عَلَى سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ، فَقَالَ: (أَيْ سَعْدُ، أَلَمْ تَسْمَعْ

(۹) إرشاد الساري: ۱۳/۲۵۷، لامع الدراري، كتاب الاستيذان، باب إذا قال: فلان يقرئك السلام: ۱۰/۵۵

ما قالَ أَبُو حُبَابٍ – يُرِيدُ عَبْدَ ٱللهِ بْنَ أُبَيٍّ – قالَ كَذَا وَكَذَا) . قالَ : اَعْفُ عَنْهُ يَا رَسُولَ ٱللهِ وَٱصْفَحْ ، فَوَٱللهِ لَقَدْ أَعْطَاكَ ٱللهُ الَّذِي أَعْطَاكَ ، وَلَقَدِ اصْطَلَحَ أَهْلُ هٰذِهِ الْبَحْرَةِ عَلَى أَنْ يُتَوِّجُوهُ ، فَيُعَصِّبُوهُ بِالْعِصَابَةِ ، فَلَمَّا رَدَّ ٱللهُ ذٰلِكَ بِالحَقِّ الَّذِي أَعْطَاكَ شَرِقَ بِذٰلِكَ ، فَذٰلِكَ فَعَلَ بِهِ ما رَأَيْتَ ، فَعَفَا عَنْهُ النَّبِيُّ ﷺ . [ر : ٢٨٢٥]

مسلمانوں اور کفار کی مخلوط مجلس پر سلام کا حکم

کسی ایسی مجلس سے گذر ہو، جہاں مسلمان اور کافر دونوں ہوں، وہاں سلام کر لینا چاہیے، امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ جب کسی ایسی مجلس سے گذر ہو تو سلام تو علی العموم کر لینا چاہیے اور قصد مسلمانوں کا کرنا چاہیے۔(۱۰) ابن العربی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہی حکم ایسی مجلس کا ہے جس میں اہل سنت واہل بدعت ہوں، عادل وظالم ہوں، نیک و فاجر ہوں، تو سلام عام کرنا چاہیے لیکن ارادہ نیک لوگوں کا کرنا چاہیے۔(۱۱)

حدیث باب میں ہے حتی مرفي مجلس فيه أخلاط من المسلمين والمشركين عَبدَةِ الأوثان واليهود... فسلم عليهم النبي صلى الله عليه وسلم۔ یعنی ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایسی مجلس پر ہوا، جس میں مسلمانوں کے علاوہ بت پرست اور یہودی بھی تھے.....تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر سلام کیا''۔

٢١ – باب : مَنْ لَمْ يُسَلِّمْ عَلَى مَنِ اقْتَرَفَ ذَنْبًا ، وَلَمْ يَرُدَّ سَلَامَهُ ، حَتَّى تَتَبَيَّنَ تَوْبَتُهُ ، وَإِلَى مَتَى تَتَبَيَّنُ تَوْبَةُ الْعَاصِي .

وَقالَ عَبْدُ ٱللهِ بْنُ عَمْرٍو : لَا تُسَلِّمُوا عَلَى شَرَبَةِ الخَمْرِ .

---

(١٠) فتح الباري: ٤٧/١١، والأبواب والتراجم، كتاب الاستيذان، باب التسليم في مجلس فيه أخلاط من المسلمين والمشركين: ١٢٣/٢

(١١) فتح الباري: ٤٧/١١، شرح سنن الترمذي للإمام أبي بكر ابن العربي المالكي: ١٧٣/١٠، أبواب الاستيذان، باب ماجاء في السلام قبل الكلام۔

٥٩٠٠ : حدّثنا ٱبْنُ بُكَيْرٍ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ ، عَنْ عُقَيْلٍ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ٱبْنِ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ كَعْبٍ : أَنَّ عَبْدَ ٱللهِ بْنَ كَعْبٍ قالَ : سَمِعْتُ كَعْبَ بْنَ مالِكٍ : يُحَدِّثُ حِينَ تَخَلَّفَ عَنْ تَبُوكَ ، وَنَهٰى رَسُولُ ٱللهِ ﷺ عَنْ كَلَامِنَا ، وَآتِي رَسُولَ ٱللهِ ﷺ فَأُسَلِّمُ عَلَيْهِ ، فَأَقُولُ فِي نَفْسِي : هَلْ حَرَّكَ شَفَتَيْهِ بِرَدِّ السَّلَامِ أَمْ لَا ؟ حَتَّى كَمَلَتْ خَمْسُونَ لَيْلَةً ، وَآذَنَ النَّبِيُّ ﷺ بِتَوْبَةِ ٱللهِ عَلَيْنَا حِينَ صَلَّى الْفَجْرَ . [ر : ٢٦٠٦]

ترجمۃ الباب کا مقصد

ترجمۃ الباب کے دو جزء ہیں:

❶ پہلا جزء ہے کہ فاسق اور گناہ کرنے والے پر سلام نہیں کرنا چاہیے یہاں تک کہ وہ توبہ کرلے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام نے اس مسئلہ کے حکم میں اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے (۱۲)۔

فاسق اور مبتدع پر سلام کرنے کا حکم

چنانچہ جمہور علماء کے نزدیک فساق اور مبتدعین پر سلام نہیں کرنا چاہیے، البتہ اگر اس کی طرف سے سلام نہ کرنے کی صورت میں نقصان پہنچانے کا اندیشہ ہوتو پھر سلام کی گنجائش ہے (۱۳) امام نووی رحمہ اللہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ (۱۴)

ابن العربی نے اس پر اتنا اضافہ کیا کہ ایسی صورت میں سلام کرتے ہوئے یہ نیت کی جائے کہ سلام اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے، تو گویا ''السلام علیکم'' کے معنی ہیں ''اللہ رقیب علیکم'' (۱۵)

لیکن بعض علماء کے نزدیک فاسق اور مبتدع پر سلام کرنا جائز ہے، ابن وہب نے فرمایا کہ کافر پر بھی

---

(١٢) فتح الباري: ٤٨/١١

(١٣) فتح الباري: ٤٨/١١، إرشادالساري: ٢٦٠/١٣، عمدة القاري: ٢٤٧/٢٢

(١٤) شرح صحيح مسلم للنووي: ٢١٤/٢، كتاب السلام، باب النهي عن ابتداء أهل الكتاب بالسلام وكيف يُرد عليهم

(١٥) شرح الإمام أبي بكر ابن العربي المالكي للترمذي: ١٧٤/١٠، أبواب الاستيذان

سلام کیا جاسکتا ہے۔(۱۶)

درمختار میں ہے کہ فاسق پر سلام کرنا مکروہ ہے، بشرطیکہ وہ اپنے فسق کا اعلان کرنے والا ہو، لیکن اگر کوئی شخص فاسقِ معلن نہیں تو پھر سلام بلا کراہت جائز ہے۔(۱۷)

ترجمۃ الباب کا دوسرا جزء ہے إلی متی تتبین توبة العاصي یعنی گناہ کرنے والے کی توبہ کی صحت کب تک معلوم ہوگی، یعنی ایسے قرائن کے لیے کتنی مدت درکار ہے جس میں اس کی توبہ کی صحت معلوم ہوسکے، اس میں ایک سال، چھ ماہ اور پچاس دن کا عرصہ ذکر کیا گیا ہے کہ اتنی مدت میں اس کی حالت واضح ہوجاتی ہے۔(۱۸)

ابن بطال رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس میں کوئی مدت متعین نہیں کی جاسکتی۔(۱۹)

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی وغیرہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں دو جزء ذکر کیے ہیں، ایک سلام اور اس کا جواب، دوم صحتِ توبہ کی مدت۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی رائے

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ فقہائے حنفیہ کی کتابوں کی تفصیلات کو اگر دیکھا جائے تو دو کے بجائے ترجمۃ الباب تین اجزاء پر مشتمل ہے، ایک سلام، دوم اس کا جواب اور سوم صحتِ توبہ کی مدت، سلام اور جواب دونوں الگ الگ حکم رکھتے ہیں، جہاں سلام کرنا شرعاً جائز نہیں، وہاں جواب بھی مشروع نہیں، البتہ فاسق نے اگر سلام کیا ہے تو اس کا جواب دینا واجب ہوجاتا ہے۔(۲۰) صاحب البحر الرائق نے اس کی

(١٦) فتح الباري: ١١/٤٨، عمدة القاري: ٢٢/٢٤٧

(١٧) ردّالمحتار: ٥/٢٩٤

(١٨) فتح الباري: ١١/٤٨، الأبواب والتراجم، كتاب الاستيذان، باب من لم يسلم على من اقترف ذنبا ولم يرد سلامه حتى تتبين توبته: ٢/١٢٣

(١٩) شرح صحيح البخاري لابن بطال: ٩/٣٦

(٢٠) الأبواب والتراجم، كتاب الاستيذان باب من لم يسلم على من اقترف ذنبا ولم يرد سلامه حتى تتبين توبته: ٢/١٢٣

طرف اشارہ کیا ہے۔(۲۱)

وقال عبدالله بن عمرو: لاتسلموا على شَرَبة الخمر

شَرَبَة : شارب کی جمع ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا، شراب پینے والوں پر سلام نہ کرو، اس اثر کو امام بخاری رحمہ اللہ نے ''الأدب المفرد''میں موصولاً نقل کیا ہے۔(۲۲)

اس کے بعد باب کے اندر امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے ساتھ ترکِ سلام وکلام کا قصہ ذکر کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ معصیت کی وجہ سے ترکِ سلام کیا جا سکتا ہے۔

٢٢ - باب : كَيْفَ الرَّدُّ عَلَى أَهْلِ ٱلذِّمَّةِ بِالسَّلَامِ .

٥٩٠١ : حدّثنا أَبُو الْيَمَانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قالَ : أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ : أَنَّ عائِشَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهَا قالَتْ : دَخَلَ رَهْطٌ مِنَ الْيَهُودِ عَلَى رَسُولِ ٱللهِ ﷺ فَقَالُوا : السَّامُ عَلَيْكُمْ ، فَفَهِمْتُهَا فَقُلْتُ : عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ ، فَقَالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (مَهْلاً يَا عائِشَةُ ، فَإِنَّ ٱللهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ) . فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، أَوَ لَمْ تَسْمَعْ ما قالُوا ؟ قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (فَقَدْ قُلْتُ : وَعَلَيْكُمْ) . [ر : ٢٧٧٧]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ یہود کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا السام علیك (یعنی تم پر لعنت ہو)۔ میں نے اس کو سمجھ لیا تو کہا علیکم السام واللعنة (تمہی پر ہلاکت اور لعنت ہو) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ ٹھہرو! اللہ تعالیٰ تمام معاملات میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول!

---

(۲۱) ثم اعلم أنه يكره السلام على المصلي، والقارئ، والجالس للقضاء، أوالبحث في الفقه، أو التخلي، ولو سلم عليهم لايجب عليهم الردّ لأنه في غير محله، باب مايفسد الصلوٰة ومايكره فيها: البحر الرائق: ۲/۹، وقال في ردالمحتار: وينبغي وجوب الردّ على الفاسق؛ لأن كراهة السلام عليه للزجر، فلا تنافي الوجوب عليه، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۴۵۷

(۲۲) الأدب المفرد مع فضل الله الصمّد: ۲/۴۷۲، باب لايسلم علىٰ فاسقٍ، البتہ الأدب المفرد میں ''شربة الخمر'' کے بجائے ''شُرَّاب الخمر'' ہے۔

کیا آپ نے نہیں سنا جو ان لوگوں نے کہا؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے بھی تو "وعلیکم" کہا۔

٥٩٠٢ : حدّثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ : أَخْبَرَنَا مالِكٌ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ٱبْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُمَا : أَنَّ رَسُولَ ٱللّٰهِ ﷺ قالَ : (إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمُ الْيَهُودُ ، فَإِنَّمَا يَقُولُ أَحَدُهُمْ : السَّامُ عَلَيْكَ ، فَقُلْ : وَعَلَيْكَ) . [٦٥٢٩]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب یہود تم کو سلام کریں اور ان میں سے کوئی شخص "السام عليك" کہے تو تم "و عليك" کہو۔

٥٩٠٣ : حدّثنا عُثْمانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ : حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ : أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَنَسٍ : حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مالِكٍ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ قالَ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ فَقُولُوا : وَعَلَيْكُمْ) .

(٥٩٠٢) الحديث أخرجه البخاري أيضاً في كتاب استتابة المرتدين والمعاندين وقتالهم، باب إذا عرَّض الذمي وغيره بسَبِّ النبي صلى الله عليه وسلم ولم يُصرّح نحوَ قوله: السَّام عليك (رقم الحديث: ٦٩٢٨) وأخرجه مسلم في كتاب السلام، باب النهي عن ابتداء أهل الكتاب بالسلام وكيف يردّ عليهم (رقم الحديث: ٢١٦٣)، وأخرجه أبوداؤد في كتاب الأدب، باب في السلام على أهل الذمة (رقم الحديث: ٥٢٠٦)، وأخرجه الترمذي في كتاب الاستئذان، باب ماجاء في التسليم على أهل الذمة (رقم الحديث: ٢٧٠١)، وأخرجه ابن ماجه في كتاب الأدب، باب ردّ السلام على أهل الذمة (رقم الحديث: ٣٦٩٨)

(٥٩٠٣) الحديث أخرجه البخاري أيضاً في كتاب استتابة المرتدين والمعاندين وقتالهم، باب إذا عرَّض الذمّي وغيره بسبِّ النبى صلى الله عليه وسلم ولم يصرّح نحوَ قوله: السّامُ عليك (رقم الحديث: ٦٩٢٦)، وأخرجه مسلم في كتاب السلام، باب النهي عن ابتداء أهل الكتاب بالسلام وكيف يردّ عليهم (رقم الحديث: ٢١٦٣)، وفي رواية أبي داود: "إن أصحاب النبي -ﷺ- قالوا للنبي ﷺ: "إن أهل الكتاب يسلمون علينا، فكيف نَرُدُّ عليهم؟ قال: قولوا: وعليكم" كتاب الأدب، باب في السلام على أهل الذمة (رقم الحديث: ٥٢٠٦)، وأخرجه ابن ماجه في كتاب الأدب، باب ردّ السلام على أهل الذمة (رقم الحديث: ٣٦٩٧)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کو اہل کتاب سلام کریں تو تم "وعليك" کہو۔

ترجمۃ الباب کی غرض

ذمیوں نے اگر سلام کیا تو انھیں کیسے جواب دیا جائے گا؟ ''كيف يرد...'' کہہ کر، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ سلام کا جواب دینا ممنوع نہیں، البتہ جواب کی کیفیت اس میں مختلف ہے۔

بعض علماء کے نزدیک انھیں پورا جواب دینا فرض ہے، حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ من سلم عليك فردّه، ولو كان مجوسيًا۔ یعنی ''جو سلام کرے اس کا جواب دے دیا کرو، اگر چہ وہ مجوسی ہو''۔ قتادہ اور شعبی کا یہی مسلک ہے۔ (۲۳)

جمہور علماء کے نزدیک ان کے سلام کے جواب میں صرف ''وعلیکم...'' کہا جائے گا، ''سلام'' کے ساتھ جواب نہیں دیا جائے گا۔ (۲۴)

درمختار میں ہے "ولو سلم يهودي أو نصراني أو مجوسي على مسلم فلا بأس بالرد ولكن لا يزيد على قوله: "وعليك" (۲۵) یعنی ''اگر کسی یہودی، نصرانی، یا مجوسی نے مسلمانوں پر سلام کیا تو جواب دینے میں کوئی حرج نہیں، البتہ جواب میں صرف ''وعليك'' کہا جائے گا، اس سے زیادہ نہیں''۔

باب کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے جو حدیث ذکر کی ہے، اس کی مناسبت باب سے ظاہر ہے۔

۲۳ – باب: مَنْ نَظَرَ فِي كِتَابِ مَنْ يُحْذَرُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ لِيَسْتَبِينَ أَمْرُهُ.

۵۹۰٤: حدّثنا يُوسُفُ بْنُ بُهْلُولٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ إِدْرِيسَ قالَ: حَدَّثَنِي حُصَيْنُ بْنُ

---

(۲۳) فتح الباري: ۱۱/۵۰، عمدة القاري: ۲۲/۲٤۸

(۲٤) شرح صحيح مسلم للنووي: ۲/۲۱۳، كتاب السلام، باب النهي عن البداء أهل الكتاب بالسلام وكيف يرد عليهم، وفتح الباري: ۱۱/۳۰

(۲۵) درمختار: ۵/۲۹۲

عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ قالَ : بَعَثَنِي رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ وَالزُّبَيْرَ بْنَ الْعَوَّامِ وَأَبَا مَرْثَدٍ الْغَنَوِيَّ ، وَكُلُّنَا فارِسٌ ، فَقَالَ : (ٱنْطَلِقُوا حَتَّى تَأْتُوا رَوْضَةَ خاخٍ ، فَإِنَّ بِهَا ٱمْرَأَةً مِنَ الْمُشْرِكِينَ ، مَعَهَا صَحِيفَةٌ مِنْ حاطِبِ بْنِ أَبِي بَلْتَعَةَ إِلَى الْمُشْرِكِينَ) . قالَ : فَأَدْرَكْنَاهَا تَسِيرُ عَلَى جَمَلٍ لَهَا حَيْثُ قالَ لَنَا رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ ، قالَ : قُلْنَا : أَيْنَ الْكِتَابُ الَّذِي مَعَكِ ؟ قالَتْ : ما مَعِي كِتَابٌ ، فَأَنَخْنَا بِهَا ، فَٱبْتَغَيْنَا فِي رَحْلِهَا فَمَا وَجَدْنَا شَيْئًا ، قالَ صَاحِبَايَ : ما نَرَى كِتَابًا ، قالَ : قُلْتُ : لَقَدْ عَلِمْتُ ما كَذَبَ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ ، وَالَّذِي يُحْلَفُ بِهِ ، لَتُخْرِجِنَّ الْكِتَابَ أَوْ لَأُجَرِّدَنَّكِ . قالَ : فَلَمَّا رَأَتِ ٱلْجِدَّ مِنِّي أَهْوَتْ بِيَدِهَا إِلَى حُجْزَتِهَا ، وَهْيَ مُحْتَجِزَةٌ بِكِسَاءٍ ، فَأَخْرَجَتِ الْكِتَابَ ، قالَ : فَٱنْطَلَقْنَا بِهِ إِلَى رَسُولِ ٱللّٰهِ ﷺ ، فَقَالَ : (ما حَمَلَكَ يَا حاطِبُ عَلَى ما صَنَعْتَ) . قالَ : مَا بِي إِلَّا أَنْ أَكُونَ مُؤْمِنًا بِٱللّٰهِ وَرَسُولِهِ ، وَما غَيَّرْتُ وَلَا بَدَّلْتُ ، أَرَدْتُ أَنْ تَكُونَ لِي عِنْدَ الْقَوْمِ يَدٌ يَدْفَعُ ٱللّٰهُ بِهَا عَنْ أَهْلِي وَمَالِي ، وَلَيْسَ مِنْ أَصْحَابِكَ هُنَاكَ إِلَّا وَلَهُ مَنْ يَدْفَعُ ٱللّٰهُ بِهِ عَنْ أَهْلِهِ وَمالِهِ ، قالَ : (صَدَقَ ، فَلَا تَقُولُوا لَهُ إِلَّا خَيْرًا) . قالَ : فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ : إِنَّهُ قَدْ خانَ ٱللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالْمُؤْمِنِينَ ، فَدَعْنِي فَأَضْرِبَ عُنُقَهُ ، قالَ : فَقَالَ : (يَا عُمَرُ ، وَما يُدْرِيكَ ، لَعَلَّ ٱللّٰهَ قَدِ ٱطَّلَعَ عَلَى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ : ٱعْمَلُوا ما شِئْتُمْ ، فَقَدْ وَجَبَتْ لَكُمُ الْجَنَّةُ) . قالَ : فَدَمَعَتْ عَيْنَا عُمَرَ وَقالَ : ٱللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ . [ر : ٢٨٤٥]

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے، زبیر بن عوام اور ابو مرثد غنوی کو بھیجا اور ہم میں سے ہر ایک گھوڑے پر سوار تھا اور حکم دیا کہ ''روضۂ خاخ'' جاؤ، وہاں ایک مشرک عورت ہے، اس کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ کا خط ہے جو مشرکین کے نام ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کو اونٹ پر جاتے ہوئے اس جگہ پالیا جہاں پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ہم نے کہا وہ خط جو تیرے پاس ہے کہاں ہے؟ اس نے کہا: میرے پاس تو کوئی خط نہیں ہے۔ ہم نے اس کے اونٹ کو بٹھایا اور اس کے پالان وغیرہ کی تلاشی لی لیکن وہ خط ہمیں نہیں ملا۔ میرے دونوں ساتھیوں نے بھی یہی کہا کہ خط نہیں ہے۔ پھر میں

نے کہا میں جانتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جھوٹ نہیں فرمایا ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کی قسم کھائی جاتی ہے خط نکال دو ورنہ تجھے ننگا کر دوں گا، جب اس نے ہماری سختی دیکھی تو اس چادر میں سے جس کا تہ بند بنا رکھا تھا، خط نکال کر دے دیا، ہم لوگ وہ خط لے کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے فرمایا: حاطب! تو نے ایسا کیوں کیا؟ حاطب نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں، میں بدلا نہیں ہوں (یعنی مرتد نہیں ہوا) میں نے چاہا کہ ان پر احسان کروں تا کہ وہ میرے اہل وعیال کا دفاع اور نگرانی کریں اور دوسرے صحابہ کے رشتہ دار وہاں موجود ہیں جو ان کے اہل وعیال کی نگرانی کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: حاطب نے ٹھیک کہا، اب اسے کچھ نہ کہو۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اس نے اللہ، اس کے رسول اور مومنین سے خیانت کی ہے۔ آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں۔ حضورؐ نے فرمایا: اے عمر! تجھے معلوم ہے کہ اللہ نے اہل بدر کے متعلق اطلاع دی ہے کہ جو چاہو کرو، تمہارے لئے جنت واجب ہوگئی۔ راوی کا بیان ہے کہ عمر کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور عرض کیا، اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

بغیر اجازت کے کسی کا خط پڑھنا جائز نہیں، امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے، اس میں ہے "من نظر في كتاب أخيه بغير إذنه، فإنما ينظر في النار "یعنی" جس نے اپنے بھائی کی اجازت کے بغیر اس کے خط کو دیکھا تو گویا وہ آگ کو دیکھ رہا ہے۔" (۲۶) امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب سے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ عدم اجازت کا یہ حکم اس وقت ہے جب وہ خط مسلمانوں کے لیے مضر اور نقصان دہ نہ ہو، اگر کوئی مشکوک خط ہے یا کسی متہم آدمی کا خط ہے تو اسے کھول کر بغیر اجازت کے پڑھا جا سکتا ہے، چنانچہ سنن ابی داؤد کی حدیث کے متعلق علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے فرمایا" إنما هو في حق من لم يكن

---

(۲٦) سنن أبي داود، كتاب الصلوٰة، باب الدعاء: ۲/ ۷۸ (رقم الحديث: ۱٤۸۵)

متّهماً علی المسلمین، وأما من کان متّهماً فلاحرمة له..." (۲۷) بغیر اجازت کے کسی کا خط پڑھنا گو عام حالات میں صحیح نہیں لیکن مشکوک خط میں چونکہ زیادہ خطرے اور فساد کا اندیشہ ہوتا ہے، اس لئے اس کے پڑھنے کی گنجائش ہے۔

حدیث باب کے اندر حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے خط کا واقعہ ذکر کیا ہے جو کتاب التفسیر میں سورۃ ممتحنہ کے تحت گذر چکا ہے اور کتاب المغازی میں باب فضل من شهد بدرا کے تحت بھی یہ حدیث گذر چکی ہے، وہیں کشف الباری میں اس کی تفصیل آ چکی ہے۔ (۲۸)

٢٤ – باب : كَيْفَ يُكْتَبُ الْكِتَابُ إِلَى أَهْلِ الْكِتَابِ .

٥٩٠٥ : حدّثنا محمّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبو الحَسَنِ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ ٱللهِ : أَخْبَرَنَا يُونُسُ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قالَ : أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ ٱللهِ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ عُتْبَةَ : أَنَّ ٱبْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ : أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ ٱبْنَ حَرْبٍ أَخْبَرَهُ : أَنَّ هِرَقْلَ أَرْسَلَ إِلَيْهِ فِي نَفَرٍ مِنْ قُرَيْشٍ ، وَكَانُوا تِجَارًا بِالشَّأْمِ ، فَأَتَوْهُ ، فَذَكَرَ الحَدِيثَ ، قالَ : ثُمَّ دَعَا بِكِتَابِ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ فَقُرِئَ ، فَإِذَا فِيهِ : (بِسْمِ ٱللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ، مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ ٱللهِ وَرَسُولِهِ ، إِلَى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ ، السَّلَامُ عَلَى مَنِ ٱتَّبَعَ الْهُدَى ، أَمَّا بَعْدُ) . [ر : ٧]

ترجمۃ الباب کا مقصد

اہل کتاب کو کیسے خط لکھا جائے؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے باب کے اندر حدیث ہرقل ذکر کر کے بتلا دیا کہ اس کا طریقہ کیا ہونا چاہیے، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والأوجه عندي أن الإمام البخاري أشار بهذه الترجمة إلى هذا، بأن يكتب إليهم: "السلام على من اتبع الهدى" لا بلفظه المعروف: بلفظ الخطاب: "السلام عليكم" (۲۹)

(۲۷) إرشاد الساري: ۱۳/۲۶۵

(۲۸) كشف الباري، كتاب المغازي، باب فضل من شهد بدرًا: ۱۲۹، ۱۳۶

(۲۹) الأبواب والتراجم، كتاب الاستيذان، باب كيف يكتب الكتاب إلى أهل الكتاب: ۲/۱۲۳

یعنی ''میرے نزدیک زیادہ مناسب یہ ہے کہ امام بخاریؒ اس ترجمہ سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اہل کتاب کو خط لکھتے وقت یوں سلام لکھنا چاہیے: ''السلام علی من اتبع الهدی''۔معروف لفظ یعنی لفظ خطاب ''السلام علیکم،'' نہیں لکھنا چاہیے۔''

حدیث ہرقل اور اس سے اخذ شدہ فوائد وآداب کی مکمل تفصیل کشف الباری، جلد اول میں گذر چکی ہے۔(۳۰)

٢٥ – باب : بِمَنْ يُبْدَأُ فِي الْكِتَابِ .

٥٩٠٦ : وَقَالَ اللَّيْثُ : حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ : أَنَّهُ ذَكَرَ رَجُلاً مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ ، أَخَذَ خَشَبَةً فَنَقَرَهَا ، فَأَدْخَلَ فِيهَا أَلْفَ دِينَارٍ ، وَصَحِيفَةً مِنْهُ إِلَى صَاحِبِهِ .

وَقَالَ عُمَرُ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ ، عَنْ أَبِيهِ : عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (نَجَرَ خَشَبَةً ، فَجَعَلَ الْمَالَ فِي جَوْفِهَا ، وَكَتَبَ إِلَيْهِ صَحِيفَةً : مِنْ فُلَانٍ إِلَى فُلَانٍ) . [ر : ١٤٢٧]

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے خط لکھنے کے ایک اور ادب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ خط کی ابتدا میں کس کا نام لکھا جائے، خط لکھنے والے کا یا مکتوب الیہ کا؟ عام حالات میں تو مناسب یہ ہے کہ کاتب اپنا نام پہلے لکھے اور اس کے بعد مکتوب الیہ کا نام ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط میں آپ کا اسم مبارک پہلے ہوتا تھا، سنن ابی داود میں حضرت علاء حضرمی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھتے تو اپنا نام پہلے لکھتے (۳۱) چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا، اس لیے اتباع سنت میں وہ بھی ایسا ہی کرتے۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر کوئی چھوٹا کسی بڑے کو خط لکھ رہا ہے، مثلاً مرید اپنے

(٣٠) كشف الباري: باب كيف كان بدء الوحي: ١/٥٥٥

(٣١) سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب فيمن يبدأ بنفسه في الكتاب: ٤/٣٣٥، (رقم الحديث: ٥١٣٤)

شیخ کو یا شاگرد اپنے استاذ کو تو ایسی صورت میں ادب کا تقاضا یہ ہے کہ کاتب اپنا نام مکتوب الیہ کے بعد لکھے (۳۲) امام نووی رحمہ اللہ نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ (۳۳)

امام بخاری رحمہ اللہ کو اپنی شرط کے مطابق چونکہ کوئی حدیث نہیں مل سکی، اس لیے لیث کی تعلیق یہاں ذکر کی جس میں ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے لکڑی کو اندر سے خالی کر کے اس میں ہزار دینار رکھے اور اپنے ساتھی کو خط لکھا من فلان إلى فلان... اس خط میں کاتب کا نام مقدم تھا۔

یہ اگرچہ بنی اسرائیل کا واقعہ ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ ماقبل شریعتوں کے غیر منسوخ واقعات سے بھی استدلال کر لیتے ہیں۔ (۳۴)

لیث کی یہ تعلیق امام بخاری رحمہ اللہ نے "الأدب المفرد" میں موصولاً نقل کی ہے۔ (۳۵)

٢٦ – باب : قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ : (قُومُوا إِلَى سَيِّدِكُمْ) .

٥٩٠٧ : حدّثنا أَبُو الْوَلِيدِ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ ابْنِ حُنَيْفٍ ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ : أَنَّ أَهْلَ قُرَيْظَةَ نَزَلُوا عَلَى حُكْمِ سَعْدٍ ، فَأَرْسَلَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَيْهِ فَجَاءَ ، فَقَالَ : (قُومُوا إِلَى سَيِّدِكُمْ ، أَوْ قَالَ : خَيْرِكُمْ) . فَقَعَدَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ : (هٰؤُلَاءِ نَزَلُوا عَلَى حُكْمِكَ) . قَالَ : فَإِنِّي أَحْكُمُ أَنْ تُقْتَلَ مُقَاتِلَتُهُمْ ، وَتُسْبَى ذَرَارِيُّهُمْ ، فَقَالَ : (لَقَدْ حَكَمْتَ بِمَا حَكَمَ بِهِ الْمَلِكُ) .

قَالَ أَبُو عَبْدِ ٱللهِ : أَفْهَمَنِي بَعْضُ أَصْحَابِي ، عَنْ أَبِي الْوَلِيدِ ، مِنْ قَوْلِ أَبِي سَعِيدٍ : (إِلَى حُكْمِكَ) . [ر : ٢٨٧٨]

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اہل قریظہ سعد کے حکم پر اترے (یعنی کہا کہ

(٣٢) بذل المجهود، كتاب الأدب، باب كيف يكتب إلى الذمي: ٢٠/ ٧١

(٣٣) شرح مسلم للنووي: باب كتب النبي صلى الله عليه وسلم إلى هرقل ملك الشام يدعوه إلى الإسلام: ٢/ ٩٨

(٣٤) فتح الباري: ١١/ ٤٨

(٣٥) الأدب المفرد مع فضل الله الصمد: ٢/ ٥٤٥، باب بمن يبدأ في الكتاب (رقم الحديث: ١١٢٨)

سعد کا فیصلہ ہمیں منظور ہوگا) تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سعد کو بلا بھیجا، وہ آئے تو آپ نے فرمایا کہ اپنے سردار کے لئے کھڑے ہوجاؤ (راوی کو شک ہے کہ آپ نے قوموا إلى سيدكم فرمایا یا قوموا إلى خيركم) سعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا یہ تمہارے فیصلے پر راضی ہوگئے ہیں۔ سعد نے کہا میں فیصلہ کرتا ہوں کہ ان میں سے جنگ کرنے والے قتل کردیئے جائیں اور ان کی اولاد قید کرلی جائے۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے وہی فیصلہ کیا ہے جو اللہ کا حکم ہے۔ ابوعبداللہ (بخاری) کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے بعض ساتھیوں نے بواسطہ ابوالولید ابوسعید کا قول (بجائے نزلوا على حكمك کے) نزلوا إلى حكمك نقل کیا ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

علامہ عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”وغرضه من هذه الترجمة بيان حكم قيام القاعد للداخل، ولكن لم يجزم بالحكم لمكان الاختلاف فيه“(۳۶)۔

اس ترجمہ کا مقصد داخل ہونے والے کے لیے بیٹھنے والے کے کھڑے ہونا کا حکم بیان کرنا ہے، مگر چونکہ اس میں اختلاف ہے اس لیے امام بخاری نے اس پر جزم نہیں کیا۔

قیام کی مختلف صورتیں اور ان کا حکم

کسی کے لیے قیام کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں، ان میں اکثر صورتیں متفق علیہ ہیں اور ان کا حکم واضح ہے، سردار بیٹھا ہے اور حاضرین تعظیم وتکریم میں مسلسل کھڑے ہیں، یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے، یا آنے والے کے دل میں تکبر وبڑائی ہو اور وہ چاہتا ہو کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوں، یہ صورت بھی بالاتفاق ناجائز ہے، آنے

---

(۳۶) عمدة القاري، الأبواب والتراجم: كتاب الاستيذان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: قوموا إلى سيدكم: ۱۲۳/۲، : ۲۵۱/۲۲

والے کے دل میں تکبر پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کے لیے قیام مکروہ ہے، کسی کی آمد پر خوشی کی وجہ سے استقبال کے لیے کھڑا ہونا بالاتفاق مستحب ہے، مبارکباد دینے کے لیے کھڑا ہونا بھی مستحب ہے۔ کسی مصیبت زدہ کو تسلی دینے کے لیے کھڑا ہونا بھی بالاتفاق مستحب ہے۔ ان تمام صورتوں کے حکم میں اختلاف نہیں (۳۷)۔

قیامِ تعظیمی کے حکم میں اختلاف

صرف ایک صورت قیامِ تعظیمی کے حکم میں اختلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ آنے والے کے اکرام میں کوئی آدمی کھڑا ہوتا ہے اور آنے والے کے دل میں نہ اپنے لیے اس قیامِ تعظیمی کی خواہش ہے اور نہ تمنا، اس صورت میں علماء کا اختلاف ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ جائز ہے لیکن یہ اجازت دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے۔ ایک یہ کہ جس کے لیے کھڑے ہو رہے ہیں، اس کے دل میں یہ طلب نہ ہو کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ کھڑے ہونے والے کے دل میں اس قیام کا داعیہ ہو، اگر دل میں اس کے اکرام کا داعیہ نہیں، محض ریاء اور تملق کی بناء پر کھڑا ہو رہا ہے تو جائز نہیں۔ (۳۸)

بعض حضرات اس قیام کو ناجائز کہتے ہیں اور وہ مندرجہ ذیل احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔

طبرانی میں حضرت انسؓ کی حدیث ہے "إنما هلك من كان قبلكم؛ فإنهم عظموا ملوكهم بأن قاموا، وهم قعود "(۳۹) یعنی "تم سے پہلے لوگ صرف اس لیے ہلاک ہوئے کہ وہ اپنے بادشاہوں کی اس طرح تعظیم کرتے تھے کہ لوگ کھڑے رہتے اور بادشاہ بیٹھے رہتے"۔

سنن ابی داود میں حضرت معاویہؓ کی حدیث ہے "سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "من أحب أن يمثّل له الرجال فليتبوأ مقعده من النار "(۴۰) یعنی "میں نے رسول اللہ صلی

---

(۳۷) فتح الباري: ۵۲/۱۱، عمدة القاري: ۲۵۲/۲۲

(۳۸) كشف الباري، كتاب المغازي، باب مرجع النبي صلى الله عليه وسلم من الأحزاب ومخرجه إلى بني قريظة ومحاصرته إياهم: ۳۰۵

(۳۹) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، كتاب الأدب، باب ماجاء في القيام: ۴۰/۸

(۴۰) سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في قيام الرجل للرجل: ۳۵۸/۴، (رقم الحديث: ۵۲۲۹)

اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اس بات کا خواہاں ہو کہ لوگ اس کے لیے کھڑے رہیں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے''۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ''خرج علينا النبي صلى الله عليه وسلم متوكئاً على عصاً فقمنا له، فقال: لاتقوموا كماتقوم الأعاجم بعضهم لبعض''(۴۱) یعنی ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم عصا کے سہارے ہماری طرف باہر نکلے تو ہم آپ کے لئے کھڑے ہوگئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کھڑے مت ہوا کرو جس طرح عجمی ایک دوسرے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔''

لیکن جمہور کہتے ہیں کہ ان احادیث سے قیامِ تعظیمی کی جواز والی صورت مراد نہیں، دوسری صورتیں مراد ہیں، حدیث باب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے قوموا إلى سيدكم اس سے صاف جواز معلوم ہوتا ہے۔

مانعین اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ قیام کا یہ حکم تعظیم واکرام کے لیے نہیں تھا بلکہ اعانت کے لیے تھا، چونکہ حضرت سعد بن معاذؓ زخمی تھے تو انھیں سواری سے اترنے میں مدد دینے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام کا حکم دیا۔ چنانچہ مسند احمد میں حضرت عائشہؓ کی حدیث میں اس کی صراحت ہے، اس میں ہے ''قوموا إلى سيدكم فأنزلوه''(۴۲) علامہ قسطلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وعن أبي الوليد بن رشد: أن القيام يكون على أربعة أوجه: محظور لمن يريد أن يقام له تكبراً وتعظيماً على القائمين له، ومكروه لمن لايتكبر، ولايتعاظم، ولكن يخشى أن يدخل نفسه بسبب ذلك مايحذر، ولما فيه من التشبّه بالجبابرة، وجائز على سبيل الاحترام والإكرام لمن لايريد ذلك ويؤمن معه التشبّه بالجبابرة، ومندوب لمن

---

(٤١) وفي معناه روى مسلم في "صحيحه": إن كدتم تفعلون فعل فارس والروم، يقومون على ملوكهم وهم قعود فلاتفعلوا: ٣٠٩/١ (رقم الحديث: ٤١٣)، وأبوداود، في كتاب الأدب، باب في قيام الرجل للرجل: ٣٥٨/٤ (رقم الحديث: ٥٢٣٠)

(٤٢) مسندالإمام أحمد بن حنبل: ١٤٢/٦

قدم من سفره فرحاً بقدومه ليسلم عليه، أو إلى من تجددت له نعمة فيهنئه بحصولها، أومصيبة فيعزيه بسببها، أولحاكم في محل ولايته، كما دلّ عليه قصة سعد فإنه لما استقدمه النبي صلى الله عليه وسلم حاكماً في بني قريظة، فرآه مقبلاً، قال: "قوموا إلى سيدكم" وما ذاك إلّاليكونَ أنفذ لحكمه، فأما اتخاذه دَيْدَنًا فمن شعار العجم؛ وقدجاء في السنن أنه لم يكن أحب إليهم من رسول الله صلى الله عليه وسلم، وكان إذا جاء لايقومون له، لما يعلمون من كراهيته لذلك"۔(۴۳)

یعنی "ابوالولید بن رشد کہتے ہیں کہ قیام چار طرح کا ہوتا ہے:

۱-ممنوع: وہ متکبر شخص جو یہ چاہتا ہو کہ لوگ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں۔ اس کے لیے کھڑا ہونا ممنوع ہے۔

۲-مکروہ: وہ شخص جو متکبر تو نہیں ہے البتہ اسے یہ خدشہ ہو کہ اس سے اس کے دل میں بڑائی وغیرہ کی برائی پیدا ہو جائے گی تو اس کے لیے کھڑا ہونا مکروہ ہے، نیز یہ اس وقت بھی مکروہ ہے جب متکبرین کے ساتھ مشابہت کا اندیشہ ہو۔

۳-جائز: جو شخص تعظیم واکرام کا خواہاں نہ ہو، نیز متکبرین کے ساتھ مشابہت کا اندیشہ بھی نہ ہو تو اس کے لیے کھڑا ہونا جائز ہے۔

۴-مندوب: جیسے کوئی شخص سفر سے آئے تو اس کے آنے کی خوشی میں کھڑا ہونا تاکہ اسے سلام کیا جائے یا جس کو کوئی نئی نعمت حاصل ہوگئی ہو تو اس کے حصول پر اسے مبارکباد دینے کے لیے کھڑا ہونا، یا کسی مصیبت وآفت پر تعزیت کرنے کے لیے کھڑا ہونا یا حاکم کے لیے اس کے محل ولایت میں کھڑا ہونا...... یہ مندوب ہے، جیسا کہ حضرت سعدؓ کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بنی قریظہ میں حاکم مقرر کیا اور بلایا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں آتے دیکھا تو فرمایا: "اپنے سردار کے

(٤٣)إرشادالساري: ١٣/ ٢٦٨

لیے کھڑے ہوجاؤ'' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا صرف اس لیے کیا تا کہ ان کی حاکمیت نافذ ہو جائے۔ رہا اس کو عادت اور طور طریقہ بنالینا تو یہ عجمیوں کا شعار ہے۔ سنن کی حدیث ہے کہ صحابہ کرامؓ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب کوئی نہیں تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لاتے تو صحابہ کرامؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھڑے نہ ہوتے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پسند نہیں فرماتے''۔

اس مسئلے کی کچھ تفصیل کتاب المغازی میں غزوہ بنی قریظہ کے تحت بھی گذر چکی ہے۔(۴۴)

قال أبوعبدالله : أفهمني بعض أصحابي:

یہ امام بخاری رحمہ اللہ کا قول ہے، علامہ کرمانیؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میں نے ابوالولید سے ''علی حکمك'' کے الفاظ سنے ہیں، جب کہ میرے بعض شیوخ نے انہی سے ''إلی حکمك'' کے الفاظ نقل کیے ہیں، یعنی انہوں نے ''علی'' حرف استعلاء کی جگہ ''إلی'' استعمال کیا ہے(۴۴☆)۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ''بعض أصحابي'' سے یا تو امام محمد بن سعد مراد ہیں جنہوں نے اپنی ''طبقات'' میں یہ حدیث ابوالولید سے اسی سند کے ساتھ ذکر کی ہے۔ اور یا اس سے مراد ''ابن ضریس'' ہیں(۴۵)۔

۲۷ – باب : المُصَافَحَةِ .

وَقالَ ٱبْنُ مَسْعُودٍ : عَلَّمَنِي النَّبِيُّ ﷺ التَّشَهُّدَ ، وَكَفِّي بَيْنَ كَفَّيْهِ . [ر : ٥٩١٠]

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ مجھے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تشہد سکھایا اور میرا ہاتھ آپ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا۔

(٤٤) كشف الباري، كتاب المغازي، باب مرجع النبي صلى الله عليه وسلم من الأحزاب ومخرجه إلىٰ بني قريظة ومحاصرته إيّاهم، ص٢٩٦

(٤٤☆) شرح الكرماني: ٩٨/٢٢

(٤٥) فتح الباری: ٦٠/١١

وَقالَ كَعْبُ بْنُ مالِكٍ : دَخَلْتُ المَسْجِدَ ، فَإِذَا بِرَسُولِ اللهِ ﷺ ، فَقَامَ إِلَيَّ طَلْحَةُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ يُهَرْوِلُ حَتَّى صَافَحَنِي وَهَنَّأَنِي . [ر : ٤١٥٦]

اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، طلحہ بن عبید جلدی سے اٹھ کر میری طرف آئے، یہاں تک کہ مجھ سے مصافحہ کیا اور مجھے مبارکباد دی۔

٥٩٠٨ : حدّثنا عَمْرُو بْنُ عاصِمٍ : حَدَّثَنَا هَمَّامٌ ، عَنْ قَتَادَةَ قالَ : قُلْتُ لِأَنَسٍ : أَكَانَتِ المُصَافَحَةُ فِي أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ ؟ قالَ : نَعَمْ .

قتادہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے انس (رضی اللہ عنہ) سے پوچھا کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ میں مصافحہ کا رواج تھا؟ انہوں نے کہا: ہاں۔

٥٩٠٩ : حدّثنا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمانَ قالَ : حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قالَ : أَخْبَرَنِي حَيْوَةُ قالَ : حَدَّثَنِي أَبُو عَقِيلٍ زُهْرَةُ بْنُ مَعْبَدٍ : سَمِعَ جَدَّهُ عَبْدَ اللهِ بْنَ هِشَامٍ قالَ : كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ، وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ . [ر : ٣٤٩١]

ابوعقیل زہرہ بن معبد روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے دادا عبدالرحمٰن بن ہشام سے سنا انہوں نے کہا کہ (ایک مرتبہ) ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپ نے عمر بن خطاب کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں مصافحہ کی مشروعیت کو بیان کیا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے سنن ترمذی میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی ہے "تمام تحيتكم بينكم المصافحة" یعنی

(٥٩٠٨-٥٩٠٩) الحديث أخرجه الترمذي في كتاب الاستئذان، باب ماجاء في المصافحة: ٥/٨٤ (رقم الحديث: ٢٧٢٩)

''تمہارے تحیہ کا تکملہ مصافحہ ہے''۔(۴۶)

امام بخاری رحمہ اللہ نے ''الأدب المفرد''میں سند صحیح کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث بیان کی ہے''قد أقبل أهل اليمن، وهم أول من جاء بالمصافحة ''(۴۷)یعنی''اہل یمن آئے اور سب سے پہلے مصافحہ انھوں نے ہی کیا''۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث نقل کی ہے جس میں ہے، ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا: "يارسول الله! الرجل يلقى أخاه أينحني له؟ قال: لا، قال: فيأخذه بيده ويصافحه؟ قال: نعم!" ۔(۴۸)یعنی''یارسول اللہ! اگر کوئی اپنے مسلمان بھائی سے ملے تو اس کے لیے جھکے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نہیں۔ اس نے کہا اس کا ہاتھ پکڑ کر اس سے مصافحہ کرے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جی ہاں!''

سنن ابی داود میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے''ما من مسلمَيْنِ يلتقيان، فيتصافحان إلا غفرلهما قبل أن يتفرقا ''(۴۹)یعنی''دو مسلمان جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے جدا ہونے سے پہلے ہی ان کی مغفرت کردی جاتی ہے''۔

مصافحہ کا حکم اور طریقہ

ان احادیث کی بناء پر امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مصافحہ کے سنت ہونے پر اجماع ہے۔(۵۰)

---

(٤٦) الحديث أخرجه الترمذي في سننه: كتاب الاستيذان، باب ماجاء في المصافحة: ٧٤/٥، رقم الحديث: ٢٧٣١

(٤٧) الأدب المفرد (مع فضل الله الصمد) باب المصافحة: ٤٣٢/٢، رقم الحديث: ٩٦٧

(٤٨) جامع الترمذي، كتاب الاستيذان باب ماجاء في المصافحة: ٧٥/٥، رقم الحديث: ٢٧٢٨

(٤٩) سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في المصافحة: ٣٥٤/٤، رقم الحديث: ٥٢١٢

(٥٠) اعلم! أنها سنة مجمعة عليها عند التلاقي، الفتوحات الربانية على الأذكار النووية: ٣٩٢/٥

امام مالک رحمہ اللہ سے کراہت کا قول منقول ہے لیکن انھوں نے بعد میں اس سے رجوع کرلیا تھا۔(۵۱)

مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے ''فیض الباری'' میں فرمایا کہ مصافحہ کا عام طریقہ تو یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا جائے تاہم اگر کسی نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا تو بھی سنت ادا ہو جائے گی۔(۵۲)

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے ''الکوکب الدری'' میں فرمایا کہ مصافحہ ایک ہاتھ سے بھی ثابت ہے اور دونوں ہاتھوں سے بھی ثابت ہے لیکن ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا چونکہ فرنگیوں کا شعار بن چکا ہے، اس لیے واجب الترک ہے۔(۵۳)

ایک غلط رواج

آج کل بعض غیر مقلدین ایک ہاتھ سے مصافحہ کو سنت قرار دیتے ہیں اور باب میں ذکر کردہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے قول سے استدلال کرتے ہیں ''علمني النبي صلى الله عليه وسلم التشهد وكفي بين كفيه'' یعنی ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تشہد سکھایا اور میرا ہاتھ آپ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا''۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے ایک غیر مقلد سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا اور اس نے ایک ہاتھ سے، اور استدلال میں ''وكفي بين كفيه'' پیش کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میرا ایک ہاتھ آپ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا۔ مولانا نے فرمایا کہ پھر سنت پر کس نے عمل کیا؟ میں نے یا آپ نے؟ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو دونوں ہاتھ ملائے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل پر عمل کرنا سنت کہلاتی ہے، تب وہ لاجواب ہو کر خاموش ہوا۔(۵۴)

---

(٥١) فتح الباري: ١١/٥٥، الكوكب الدري، كتاب الاستيذان، باب في المصافحة: ٣/٣٩٣، والمدونة الكبرىٰ

(٥٢) فيض الباري، كتاب الاستيذان، باب المصافحة: ٤/٤١١

(٥٣) الكوكب الدري، كتاب الاستيذان، باب في المصافحة: ٣/٣٩٢، لامع الدراري، كتاب الاستيذان، باب المصافحة: ١٠/٥٦

(٥٤) تذكرة الخليل، دونوں ہاتھوں سے مصافحہ: ص٢٩٨

پھر ''و كفي بين كفيه'' سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک ہی ہاتھ ملایا ہو، کیونکہ بظاہر ایسا نہیں ہوسکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ ملائے ہوں اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک ہاتھ۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بھی بظاہر دونوں ہاتھ ہی ملائے تھے لیکن ایک ہاتھ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھ کے درمیان ڈھکا ہوا تھا، اس لیے اس کا ذکر کیا، دوسرا ہاتھ درمیان میں نہیں، بلکہ اوپر تھا۔

بہرحال ایک ہاتھ یا دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا مستحب ومسنون ہے، البتہ اجنبی عورت اور ایسے امرد لڑکوں سے مصافحہ کرنا درست نہیں جہاں فتنے کا اندیشہ ہو۔ (۵۵)

باب کے ساتھ دوسری حدیث کی مناسبت بیان کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

''وجه إدخال هذا الحديث في المصافحة: أن الأخذ باليد يستلزم التقاء صفحة اليد بصفحة اليد غالباً''۔ (۵٦) یعنی ''اس حدیث کو مصافحہ میں داخل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ہاتھ پکڑنا عموماً ایک ہاتھ کی ہتھیلی کے دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی کے ساتھ ملنے کو مستلزم ہوتا ہے''۔

۲۸ – باب : الْأَخْذِ بِالْيَدَيْنِ .

وَصَافَحَ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ٱبْنَ الْمُبَارَكِ بِيَدَيْهِ .

۵۹۱۰ : حدّثنا أَبُو نُعَيْمٍ : حَدَّثَنَا سَيْفٌ قالَ : سَمِعْتُ مُجَاهِدًا يَقُولُ : حَدَّثَنِي عَبْدُ ٱللهِ ٱبْنُ سَخْبَرَةَ أَبُو مَعْمَرٍ قالَ : سَمِعْتُ ٱبْنَ مَسْعُودٍ يَقُولُ : عَلَّمَنِي رَسُولُ ٱللهِ ﷺ ، وَكَفِّي بَيْنَ كَفَّيْهِ ، التَّشَهُّدَ ، كَمَا يُعَلِّمُنِي السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ : (التَّحِيَّاتُ لِلهِ ، وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ ٱللهِ وَبَرَكَاتُهُ ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ ٱللهِ الصَّالِحِينَ ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا ٱللهُ ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ) . وَهُوَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْنَا ، فَلَمَّا قُبِضَ قُلْنَا : السَّلَامُ – يَعْنِي – عَلَى النَّبِيِّ ﷺ . [ر : ۷۹۷]

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا جاسکتا ہے، باب کے اندر دو

---

(۵۵) ويستثنى من عموم الأمر بالمصافحة المرأة الأجنبية والأمرد الحسن، فتح الباري: ۱۱/۲۵

(۵٦) فتح الباري: ۱۱/۲۵، ۲٦

روایتیں ذکر فرمائی ہیں، پہلی روایت میں ہے کہ حماد بن زید نے حضرت عبداللہ بن المبارک کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا اور دوسری روایت وہی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ والی ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سابقہ ترجمۃ الباب اور اس ترجمۃ الباب میں تکرار کا وہم نہیں ہونا چاہیے، دونوں ترجموں کا مقصد الگ الگ ہے، پہلے ترجمۃ الباب کا مقصد مصافحہ کی مشروعیت کو بیان کرنا ہے اور اس ترجمۃ الباب سے مصافحے کی کیفیت کو بیان کرنا مقصود ہے۔(۵۷)

وصافح حَمَّاد بن زيد ابن المبارك بيديه:

غنجار نے "تاریخ بخاری" میں اسے اسحاق بن احمد بن خلف کے طریق سے موصولاً ذکر کیا ہے(۱)۔

وهو بين ظهرانينا:

علامہ عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وأصله: ظهرينا: بالتثنية، أي: ظهري المتقدم والمتأخر، أي: بيننا، فزيد الألف والنون للتأكيد۔(۵۸) یعنی: "ظَهُرانينا" اصل میں ظَهُرَيْنَا تھا۔ جو کہ ظَهُر کا تثنیہ ہے۔ یعنی اگلے اور پچھلے شخص کی پیٹھ کے درمیان، یعنی ہمارے درمیان۔ پھر تاکید کی غرض سے (راء کے بعد) الف ونون کا اضافہ کردیا گیا تو ظَهُرانَيْنَا ہوگیا۔

فلما قبض، قلنا: السلام، يعني: على النبي صلى الله عليه وسلم:

یعنی جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیات تھے ہم "السلام عليك أيها النبي" پڑھا کرتے تھے، لیکن جب آپ کی وفات ہوگئی تو پھر ہم نے "السلام يعني: على النبي صلى الله عليه وسلم۔ "السلام عليك أيها النبي" کے بجائے "السلام على النبي" پڑھنے لگے یہ تشریح امام بخاری رحمہ اللہ نے کی، یہ بات صرف اس روایت میں ہے باقی روایات میں نہیں۔(۵۹)

---

(۵۷) الأبواب والتراجم، كتاب الاستيذان، باب الأخذ باليدين وصافح حماد: ۲/۱۲٤

(۱) (فتح الباري: ۱۱/٦٧)

(۵۸) عمدة القاري: ۲۲/۲۵۳، ۲۵٤

(۵۹) عمدة القاري: ۲۲/ ۲۵٤

٢٩ – باب : المُعَانَقَةِ ، وَقَوْلِ الرَّجُلِ كَيْفَ أَصْبَحْتَ .

٥٩١١ : حدّثنا إسْحٰقُ : أَخْبَرَنَا بِشْرُ بْنُ شُعَيْبٍ : حَدَّثَنِي أَبِي ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قالَ : أَخْبَرَنِي عَبْدُ ٱللهِ بْنُ كَعْبٍ : أَنَّ عَبْدَ ٱللهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ : أَنَّ عَلِيًّا – يَعْنِي – ٱبْنَ أَبِي طَالِبٍ خَرَجَ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ ﷺ . وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ : حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ : حَدَّثَنَا يُونُسُ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ قالَ : أَخْبَرَنِي عَبْدُ ٱللهِ بْنُ كَعْبِ بْنِ مالِكٍ : أَنَّ عَبْدَ ٱللهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ : أَنَّ عَلِيَّ ٱبْنَ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ خَرَجَ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ ﷺ في وَجَعِهِ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ ، فَقَالَ النَّاسُ : يَا أَبَا حَسَنٍ ، كَيْفَ أَصْبَحَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ ؟ قالَ : أَصْبَحَ بِحَمْدِ ٱللهِ بَارِئًا ، فَأَخَذَ بِيَدِهِ الْعَبَّاسُ فَقَالَ : أَلَا تَرَاهُ ، أَنْتَ وَٱللهِ بَعْدَ ثَلَاثٍ عَبْدُ الْعَصَا ، وَٱللهِ إِنِّي لَأُرَى رَسُولَ ٱللهِ ﷺ سَيُتَوَفَّى فِي وَجَعِهِ ، وَإِنِّي لَأَعْرِفُ فِي وُجُوهِ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ الْمَوْتَ ، فَاذْهَبْ بِنَا إِلَى رَسُولِ ٱللهِ ﷺ فَنَسْأَلَهُ : فِيمَنْ يَكُونُ الْأَمْرُ ، فَإِنْ كانَ فِينَا عَلِمْنَا ذٰلِكَ ، وَإِنْ كانَ فِي غَيْرِنَا أَمَرْنَاهُ فَأَوْصٰى بِنَا ، قالَ عَلِيٌّ : وَٱللهِ لَئِنْ سَأَلْنَاهَا رَسُولَ ٱللهِ ﷺ فَمَنَعَنَاهَا لَا يُعْطِينَاهَا النَّاسُ أَبَدًا ، وَإِنِّي لَا أَسْأَلُهَا رَسُولَ ٱللهِ ﷺ أَبَدًا . [ر : ٤١٨٢]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ علی یعنی ابوطالب کے بیٹے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس سے آئے۔

اور احمد بن صالح کی روایت میں ہے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آپ کے مرض الموت میں جا کر واپس ہوئے تو لوگوں نے پوچھا: ابوالحسن! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طبیعت صبح کو کیسی رہی؟ انہوں نے کہا: الحمدللہ اچھے ہیں۔ عباس نے ان کا ہاتھ پکڑا اور کہا کیا تم نہیں دیکھتے ہو، خدا کی قسم تین دن کے بعد تم ڈنڈے کے غلام ہو جاؤ گے، میرا خیال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس مرض میں وفات پا جائیں گے، میں بنی عبدالمطلب کے چہرے سے ان کی موت کے آثار پہچان لیتا ہوں، اس لئے میرے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں چلو تاکہ ہم آپ سے پوچھ لیں کہ خلافت کس خاندان میں ہوگی، اگر ہمارے خاندان میں ہوگی تو ہمیں یہ معلوم ہو جائے گا اور اگر ہمارے علاوہ کسی دوسرے کے ہاتھ میں ہوگی تو ہم کہیں گے کہ ہمارے لئے وصیت کیجئے۔ حضرت علی نے کہا کہ خدا کی قسم! اگر ہم نے آپ سے

پوچھا اور آپ نے منع کر دیا تو پھر لوگ ہمیں کبھی نہ دیں گے، میں اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کبھی سوال نہ کروں گا۔

ترجمۃ الباب کے دو جزء ہیں، پہلا جزء المعانقة ہے اور دوسرا جزء ''کیف أصبحت'' ہے۔

❶ امام بخاری رحمہ اللہ نے باب کے اندر جو حدیث ذکر فرمائی ہے، اس کا بظاہر معانقہ سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی اس میں معانقہ کا کوئی ذکر ہے۔

بعض حضرات نے کہا کہ اصل میں یہ مستقل ترجمۃ الباب تھا، امام بخاری رحمہ اللہ اس کے تحت وہ حدیث ذکر کرنا چاہ رہے تھے جس میں حضرت حسن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معانقے کا تذکرہ ہے، یہ حدیث امام بخاریؒ نے کتاب البیوع میں باب ماذکر في الأسواق کے تحت اور کتاب اللباس میں باب السخاب للصبيان کے تحت ذکر کر چکے ہیں (٦٠) امام بخاریؒ نے اس حدیث کے لیے بیاض چھوڑا تھا، کاتب نے بیاض ختم کر کے دونوں ترجموں المعانقة اور کیف أصبحت کو ملا دیا۔(٦١)

بعض شارحین نے یہ بھی لکھا کہ امام بخاری کسی جدید سند سے حضرت حسن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معانقے کا ذکر نقل کرنا چاہتے تھے، کیونکہ امام عموماً ایک سند کا اعادہ نہیں کرتے لیکن انھیں کوئی نئی سند نہیں ملی، اس لیے بیاض چھوڑ دیا تھا۔(٦٢)

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے معانقہ کو حدیث باب سے بطریق مقایسہ ثابت کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''الجزء ان من الترجمة يتوقف إثباتهما على نوع مقايسة؛ فإن المعانقة غاية في المواجهة، وأثر يترتب على المخالة، فإذا جازت المواجهة وكانت الخلّة باعثةً عليها، لربما أدّت إلى المعانقة''(٦٣)

(٦٠) (رقم الحديث: ٢١٢٢)، (رقم الحديث: ٥٨٨٤)

(٦١) الأبواب والتراجم، كتاب الاسئيذان، باب المعانقة وقول الرجل: كيف أصبحت؟:٢/١٢٤؛

(٦٢) الأبواب والتراجم، كتاب الاستيذان، باب المعانقة وقول الرجل: كيف أصبحت؟: ٢/١٢٤؛

(٦٣) لامع الدراري، كتاب الاستيذان، باب المعانقة وقول الرجل: كيف أصبحت؟: ١٠/٥٨

یعنی ''ترجمہ کے دونوں اجزاء کا اثبات ایک نوع کے قیاس پر موقوف ہے۔اس طور پر کہ معانقہ انتہائی درجہ کا چہرہ کے ساتھ استقبال کرنا ہے اور مواجہہ ایک اثر ہے جو باہمی دوستی پر مرتب ہوتا ہے۔پس جب مواجہہ جائز ہے اور دوستی اس پر باعث ہے تو یہ بسا اوقات معانقہ کی طرف لے جانے والا ہوگا''۔

بہر حال امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود معانقہ کا حکم بیان کرنا ہے۔

معانقہ کا حکم

جمہور علماء کے نزدیک معانقہ جائز ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ سے کراہت کا قول منقول ہے۔

ابن عساکر نے ''تاریخ دمشق'' میں ایک قصہ نقل کیا ہے کہ سفیان بن عیینہ امام مالکؒ کے پاس آئے، سلام کیا تو امام مالکؒ نے فرمایا: لو لا أنها بدعة، لعانقتك تو سفیان نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر طیار سے معانقہ کیا تھا، امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا، یہ ان کی خصوصیت تھی، سفیان نے کہا خصوصیت کے لیے دلیل کی ضرورت ہے تو امام مالک رحمہ اللہ خاموش ہو گئے۔(٦٤)

قاضی عیاض نے کہا امام مالکؒ کی خاموشی، تسلیم کرنے کی دلیل ہے۔(٦٥)

ہدایہ میں معانقہ کو مکروہ لکھا ہے لیکن یہ اس صورت پر محمول ہے جب ایک کپڑے میں دو آدمی معانقہ کریں(٦٦) ایک روایت میں ہے ''نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن المكامعة وهي المعانقة ''(٦٧) یعنی ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکامعہ یعنی معانقہ سے منع فرمایا ہے۔'' یہ حدیث بھی اسی صورت پر محمول ہے۔

---

(٦٤) شرح صحيح البخاري لابن بطّال، كتاب الاستيذان، باب المعانقة وقول الرجل: كيف أصبحت؟: ٤٨/٩، فتح الباري: ٧٠/١١

(٦٥) الأبواب والتراجم: كتاب الاستيذان، باب المعانقة وقول الرجل: كيف أصبحت؟ :١٢٤/٢

(٦٦) الهداية، كتاب الكراهية: ٤٦٥/٤، الأبواب والتراجم، كتاب الاستيذان، باب المعانقة وقول الرجل: كيف أصبحت؟: ١٢٤/٢

(٦٧) الدراية في تخريج أحاديث الهداية: ص٢٣٢

علامہ ابن عابدینؒ نے معانقہ کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے۔(۶۸)

ترجمۃ الباب کا دوسرا جزء ہے کیف أصبحت، روایت باب میں ''کیف أصبح'' صیغہ غائب کے ساتھ ہے، مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ لامع الدراری میں فرماتے ہیں:

''وأما قولهم: أصبحت، فإن السؤال لما ثبت عن حال الغائب، كان سؤاله عن حال الحاضر المخاطب أظهر في الجواز، وأيضا، فإن السؤال عن حاله صلى الله عليه وسلم كان يتضمن المسألة عن حال أهل البيت بأسرهم، ومنهم: علي رضي الله عنه، وهو المخاطب في هذا الكلام فثبت بالسؤال عن حاله عليه الصلاة والسلام جواز المسألة عن حال المخاطب، وإن كانت دلالته عليه تضمنيةً''(۶۹)

یعنی ''رہا عرب کا یہ قول ''أصبحت'' تو جب حالِ غائب کے متعلق سوال ثابت ہو چکا تو حاضر مخاطب کے متعلق اس کا سوال جواز کے بارے میں ظاہر تر ہوگا۔ نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حال کے بارے میں سوال تمام اہل بیت کے حال کی بابت سوال کو متضمن ہے، جن میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ہیں، جو اس کلام میں قائل کے مخاطب ہیں، پس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حال کے بارے میں سوال سے یہ ثابت ہوا کہ مخاطب کے حال کی بابت سوال کرنا جائز ہے، اگرچہ یہ دلالت تضمنی ہے''۔

معانقہ کے بارے میں حضرت انسؓ کی ایک حدیث بھی طبرانی میں ہے، اس میں ہے ''كانوا إذا تلاقوا تصافحوا، وإذا قدموا من سفر تعانقوا''(۷۰) یعنی ''حضرات صحابۂ کرامؓ جب ایک دوسرے سے ملتے تو مصافحہ کرتے اور جب سفر سے آتے تو معانقہ کرتے''۔

---

(۶۸) ردالمختار، كتاب الحظر والإباحة: باب الاستبراء وغيره: ۲۶۹/۵

(۶۹) لامع الدراري، كتاب الاستيذان، باب المعانقة وقول الرجل: كيف أصبحت؟: ۵۹/۱۰

(۷۰) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، كتاب الأدب، باب المصافحة والسلام ونحو ذلك: ۳۶/۸

اسی طرح حضرت زید بن حارثہؓ کے بارے میں حضرت عائشہؓ کی روایت میں آتا ہے کہ جب وہ مدینہ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے در پر حاضر ہوئے تو آپ نے کھڑے ہو کر انہیں گلے لگایا۔(۷۱)

ابوالہیثم بن التیہان سے بھی معانقہ ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب وہ ملے تو آپ نے انھیں گلے لگایا۔(۷۲)

حدیث باب، کتاب المغازی میں باب مرض النبي صلى الله عليه وسلم کے تحت گذر چکی ہے۔(۷۳)

۳۰ – باب : مَنْ أَجابَ بِلَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ .

۵۹۱۲ : حدّثنا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ : حَدَّثَنَا هَمَّامٌ ، عَنْ قَتَادَةَ ، عَنْ أَنَسٍ ، عَنْ مُعَاذٍ قالَ : أَنَا رَدِيفُ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ : (يَا مُعَاذُ) . قُلْتُ : لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ ، ثُمَّ قالَ مِثْلَهُ ثَلَاثًا : (هَلْ تَدْرِي ما حَقُّ ٱللهِ عَلَى الْعِبَادِ) . قُلْتُ : لَا ، قالَ : (حَقُّ ٱللهِ على الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا) . ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ، فَقَالَ : (يَا مُعَاذُ) . قُلْتُ : لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ ، قالَ : (هَلْ تَدْرِي ما حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى ٱللهِ إِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ : أَنْ لَا يُعَذِّبَهُمْ) .

حدّثنا هُدْبَةُ : حَدَّثَنَا هَمَّامٌ : حَدَّثَنَا قَتَادَةُ ، عَنْ أَنَسٍ ، عَنْ مُعَاذٍ : بِهٰذَا . [ر : ۲۷۰۱]

حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا، آپ نے فرمایا: اے معاذ! میں نے کہا: لبيك وسعديك، پھر اسی طرح آپ نے تین بار فرمایا (پھر فرمایا) کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا بندے پر کیا حق ہے؟ (اس کا حق یہ ہے کہ) اس کی عبادت کرے اور اس کا کسی کو شریک نہ بنائے، پھر تھوڑی دیر چلے اور فرمایا:

---

(۷۱) إرشاد الساري: ۲۷۳/۱۳، فتح الباري: ۶۲/۱۱

(۷۲) فتح الباري: ۷۲/۱۱، شرح صحيح البخاري لابن بطّال، كتاب الاستيذان، باب المعانقة وقول الرجل: كيف أصبحت؟: ۴۹/۹

(۷۳) كشف الباري، كتاب المغازي، باب مرض النبي صلى الله عليه وسلم، ص: ۶۸، رقم الحديث: ۴۱۸۲

اے معاذ! میں نے کہا: لبيك وسعديك۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ بندوں کا حق اللہ پر کیا ہے جب کہ بندے اس کو کرلیں؟ وہ یہ ہے کہ اللہ ان کو عذاب نہ دے گا۔

٥٩١٣ : حدّثنا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ : حَدَّثَنَا أَبِي : حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ : حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ وَهْبٍ : حَدَّثَنَا وَاللَّهِ أَبُو ذَرٍّ بِالرَّبَذَةِ قالَ : كُنْتُ أَمْشِي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي حَرَّةِ الْمَدِينَةِ عِشَاءً ، اسْتَقْبَلَنَا أُحُدٌ ، فَقَالَ : (يَا أَبَا ذَرٍّ ، ما أُحِبُّ أَنَّ أُحُدًا لِي ذَهَبًا ، يَأْتِي عَلَيَّ لَيْلَةٌ أَوْ ثَلَاثٌ ، عِنْدِي مِنْهُ دِينَارٌ إِلَّا أَرْصُدُهُ لِدَيْنٍ ، إِلَّا أَنْ أَقُولَ بِهِ فِي عِبَادِ اللَّهِ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا) . وَأَرَانَا بِيَدِهِ ، ثُمَّ قالَ : (يَا أَبَا ذَرٍّ) . قُلْتُ : لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ، قالَ : (الْأَكْثَرُونَ هُمُ الْأَقَلُّونَ ، إِلَّا مَنْ قالَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا) . ثُمَّ قالَ لِي : (مَكَانَكَ لَا تَبْرَحْ يَا أَبَا ذَرٍّ حَتَّى أَرْجِعَ) . فَانْطَلَقَ حَتَّى غَابَ عَنِّي ، فَسَمِعْتُ صَوْتًا ، فَخَشِيتُ أَنْ يَكُونَ عُرِضَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ ، فَأَرَدْتُ أَنْ أَذْهَبَ ، ثُمَّ ذَكَرْتُ قَوْلَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ : (لَا تَبْرَحْ) . فَمَكُثْتُ ، قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ، سَمِعْتُ صَوْتًا ، خَشِيتُ أَنْ يَكُونَ عُرِضَ لَكَ ، ثُمَّ ذَكَرْتُ قَوْلَكَ فَقُمْتُ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (ذَاكَ جِبْرِيلُ ، أَتَانِي فَأَخْبَرَنِي أَنَّهُ مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِي لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ) . قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ، وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ ، قالَ : (وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ) . قُلْتُ لِزَيْدٍ : إِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّهُ أَبُو الدَّرْدَاءِ ، فَقَالَ : أَشْهَدُ لَحَدَّثَنِيهِ أَبُو ذَرٍّ بِالرَّبَذَةِ .

قالَ الْأَعْمَشُ : وَحَدَّثَنِي أَبُو صَالِحٍ ، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ نَحْوَهُ . وَقالَ أَبُو شِهَابٍ ، عَنِ الْأَعْمَشِ : (يَمْكُثُ عِنْدِي فَوْقَ ثَلَاثٍ) . [ر : ٢٢٥٨]

زید بن وہب فرماتے ہیں: خدا کی قسم، ابوذر (رضی اللہ عنہ) نے ''ربذة'' میں ہمیں بتایا کہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کے وقت حرہ سے گزر رہا تھا ہمارے سامنے احد کی پہاڑی آئی تو آپ نے فرمایا کہ اے ابوذر! مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میرے پاس احد کے برابر سونا ہو اور مجھ پر ایک رات یا تین راتیں گزر جائیں اس حال میں کہ میرے پاس اس میں سے قرض کے علاوہ ایک دینار بھی ہو مگر یہ کہ اس کو اللہ کے بندوں پر اس طرح اور اس طرح خرچ کروں اور اپنے دست مبارک سے اشارہ کیا اور فرمایا: اے ابوذر! میں نے کہا: لبيك وسعديك يارسول الله۔ آپ نے فرمایا: (دنیا میں) زیادہ مال والے (آخرت میں) تنگدست ہوں گے مگر جو لوگ اس

طرح اوراس طرح خرچ کریں پھر مجھ سے فرمایا کہ اے ابوذر! تم اس جگہ ٹھہرے رہو جب تک میں نہ آؤں تم اسی جگہ رہو چنانچہ آپ روانہ ہو گئے، یہاں تک کہ میری نظر سے اوجھل ہو گئے، میں نے ایک آواز سنی مجھے خوف ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کوئی حادثہ نہ پیش آ گیا ہو، اس لئے میں نے چلنا چاہا پھر مجھے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قول یاد آیا کہ یہیں ٹھہرے رہو چنانچہ میں رک گیا (جب آپ تشریف لائے تو) میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میں نے ایک آواز سنی، اس لئے مجھے خوف ہوا کہ کہیں آپ کو کوئی حادثہ پیش نہ آ گیا ہو (میں نے آنا چاہا) پھر مجھے آپ کا حکم یاد آیا کہ یہیں ٹھہرے رہو چنانچہ میں ٹھہرا رہا۔

آپ نے فرمایا وہ جبریل تھے، انہوں نے مجھے خبر دی کہ میری امت میں سے جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائے اور وہ مر جائے تو جنت میں داخل ہوگا میں نے عرض کیا یارسول اللہ! اگرچہ وہ زنا اور چوری کرے، آپ نے فرمایا اگرچہ وہ زنا اور چوری کرے، راوی کا بیان ہے میں نے زید سے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ ابوالدرداء تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ مجھ سے ابوذر نے ربذۃ میں بیان کیا۔ اعمش نے کہا مجھ سے ابوصالح نے انہوں نے ابوالدرداء سے اسی طرح کی حدیث نقل کی اور ابوشہاب نے اعمش سے "یمکث عندی فوق ثلاث" کے الفاظ نقل کئے ہیں۔

لبیک اور سعدیک کی لغوی تحقیق علامہ عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"أي: هذا باب في بيان من أجاب لمن يسأله بقوله: لبيك، ومعناه: أنا مقيم على طاعتك، من قولهم: لبّ فلان بالمكان: إذا أقام به، وقيل: معناه إجابة بعد إجابة، وهذا من المصادر التي حذف فعلها لكونه وقع مثنًّى، وذلك يوجب حذفَ فعلِه قياساً؛ لأنهم لماثنَّوْه

صار كأنهم ذكروه مرتين، فكأنه قال: لبًّالبًّا، ولا يستعمل إلا مضافاً، ومعنى لبيك: الدوام والملازمة، فكأنه إذا قال: لبيك، قال: أدوم على طاعتك، وأقيمها مرةً بعد أخرى، أي: شأني الإقامة والملازمة. وأما سعديك، فمعناه في العبادة: أنا متّبع أمرَك غير مخالف لك فأَسْعِدْ ني على متابعتك إسعاداً بعد إسعادٍ، وأما في إجابة المخلوق، فمعناه: أسعدك إسعاداً بعد إسعاد، أي: مرةً بعد أخرىٰ"(۷۴)

یعنی ''یہ باب اس شخص کے بیان میں ہے جو کسی کے طلب کرنے پر جواب میں ''لبيك'' کہے، اس کے معنی ہیں: میں تمھاری طاعت پر قائم اور برقرار ہوں۔ یہ ''لب فلان بالمكان'' سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں کسی جگہ مقیم ہونا۔ بعض نے اس کے معنی ''إجابة بعد إجابة'' کے ساتھ کیے ہیں، یعنی میں مسلسل تمھاری پکار سن رہا ہوں۔ یہ ان مصادر میں سے ہے جن کا فعل اس لیے حذف کیا گیا ہے کہ وہ تثنیہ واقع ہوئے ہیں، اور مصدر کا تثنیہ واقع ہونا قیاساً حذف فعل کو واجب کرتا ہے۔ کیونکہ عرب نے جب اس کو تثنیہ بنایا تو گویا انھوں نے اسے دوبار ذکر کیا تو گویا انھوں نے یوں کہا: ''لبًّا لبًّا''۔ اور یہ لفظ صرف مضاف ہی استعمال ہوتا ہے۔ اور ''لبيك'' کے معنی میں دوام و ملازمت ہے۔ گویا ''لبيك'' کہہ کر قائل نے یوں کہا میں تیری اطاعت میں مسلسل رہوں گا اور اسے بار بار قائم کروں گا۔ یعنی میری حالت اقامت وملازمت ہے۔ رہا ''سعديك'' تو عبادت کے باب میں اس کے معنی ہیں ''اے اللہ! میں تیرا حکم مانوں گا اور تیری مخالفت نہیں کروں گا۔ پس تو مجھے اپنی اتباع پر بار بار سعادت مند فرما۔ اور اجابت مخلوق میں اس کے معنی ہیں کہ میں تجھے بار بار خوش کروں گا''۔

(٧٤) عمدة القاري: ٢٢/٢٥٥

ترجمۃ الباب کا مقصد

ترجمۃ الباب کا مقصد بتاتے ہوئے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ولعل الغرض منه الردّ لما حكي عن مالك من كراهة ذلك، كما في "الشرح الكبير" وأوّله بأن مراده استعمال تلبية الحج، لامطلق لبيك، وترجم الإمام أبوداود في سننه على هذا المعنى بقوله: باب الرجل ينادي الرجل، فيقول: لبيك''(۷۵)

یعنی ترجمۃ الباب کا مقصد امام مالکؒ پر رد ہوسکتا ہے، جن سے ان الفاظ کے کہنے کی کراہت منقول ہے جیسا کہ ''الشرح الکبیر'' میں ہے۔ صاحب شرح کبیر نے امام مالک کے اس قول کی یہ تاویل کی ہے کہ ان کی مراد مطلقاً لبیک نہیں ہے، بلکہ حج کے تلبیہ کا استعمال ہے۔ امام ابوداوُدؒ نے ''سنن'' میں اس معنی پر ان الفاظ کے ساتھ ترجمۃ الباب قائم کیا ہے: باب الرجل ينادي الرجل، فيقول: لبيك۔ یعنی ''یہ باب اس بیان میں ہے کہ ایک شخص دوسرے کو پکارے تو دوسرا جواب میں ''لبیك'' کہے''۔

باب کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے جو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، ان دونوں میں "لبيك وسعديك" کے الفاظ ہیں، پہلی روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پکارنے پر حضرت معاذ بن جبلؓ نے اور دوسری روایت میں حضرت ابوذرؓ نے یہ الفاظ کہے ہیں۔

باب کی دوسری روایت کتاب الجنائز اور کتاب اللباس وغیرہ میں گذر چکی ہے۔(۷۶)

قال الأعمش: وحدّثني أبو صالح عن أبي الدرداء نحوه. وقال أبوشهاب عن

(۷۵) الأبواب والتراجم، كتاب الاستئذان، باب من أجاب بلبيك وسعديك : ۱۲۳/۲، وسنن أبي داود، كتاب الأدب، باب فى الرجل ينادى الرجل فيقول: لبيك: ۳۵۹/٤

(۷٦) كتاب فى الاستقراض وأداءِ الديون والحجر والتفليس، باب أداء الديون، رقم الحديث: (۲۳۸۸)

الأعمش: يمكث عندي فوق ثلاث:

امام بخاریؒ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اعمش نے یہ حدیث ابوصالح عن ابی الدرداء کے طریق سے بھی انہی الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے۔ جب کہ ابوشہاب نے "أعمش عن زيد بن وهب عن أبي ذر". کے طریق سے اسے نقل کیا ہے، مگر اس میں حدیث الباب کے الفاظ "يأتي عليّ ليلةٌ أو ثلاثٌ عندي منه دينار" کی بجائے یہ الفاظ ہیں: "يمكث عندي فوق ثلاث" جب کہ باقی حدیث ایک جیسی ہے، البتہ حدیث باب کے اخیر میں اعمش اور ابو ذر کے درمیان سوال و جواب کا جو تبادلہ ہوا ہے، وہ اس میں نہیں ہے(۷۷)۔

۳۱ – باب: لَا يُقِيمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهِ.

۵۹۱۴: حدّثنا إسْماعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قالَ: حَدَّثَني مالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ: (لَا يُقِيمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيهِ).
[ر: ۸۶۹]

کسی کو اپنی جگہ سے اٹھانے کا حکم

کوئی آدمی پہلے سے اگر کسی جگہ بیٹھ چکا ہے تو اس کو اس کی جگہ سے اٹھانا درست نہیں، "لا يقيم" اگرچہ مضارع کا صیغہ بصورت خبر ہے لیکن معنوی اعتبار سے یہ نہی ہے(۷۷☆) بعض روایتوں میں "لا يقم" صیغہ نہی کے ساتھ بھی وارد ہے اور صحیح مسلم کی روایت میں "لا يقيمنّ" نہی بانون

(۷۷) فتح الباري: ۱۱/۷٤

(۵۹۱٤) الحديث أخرجه مسلم في كتاب السلام، باب تحريم إقامة الإنسان من موضعه المباح (رقم الحديث: ۲۱۷۷)، وأخرجه الترمذي في كتاب الأدب، باب ماجاء في كراهية أن يقام الرجل من مجلسه ثم يجلس فيه (رقم الحديث: ۲۷٤۹، ۲۷۵۰)، وأخرجه أبوداؤد في كتاب الأدب، باب في الرجل يقوم للرجل من مجلسه (رقم الحديث: ٤۸۲۸)

(۷۷☆) وهو خبر معناه النهي، عمدة القاري: ۲۲/۲۵٦، فتح الباري: ۱۱/۷۳

تاکید ہے۔(۷۸)

یہ نہی بعض علماء کے نزدیک تحریم کے لیے اور بعض کے نزدیک تنزیہہ کے لیے ہے۔علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نہی بظاہر تحریم کے لیے آتی ہے اور دلیل کے بغیر اس کو کسی اور معنی کے لیے نہیں لے سکتے۔(۷۹)

حدیث کے الفاظ اگرچہ عام ہیں تاہم عموم مراد نہیں بلکہ حدیث میں بیان کردہ حکم ان مجالس سے متعلق ہیں جو ہر ایک کے لیے عام اور مباح ہوتی ہیں جیسے مسجد، پارک وغیرہ، اگر کوئی جگہ کسی کی ملکیت ہے تو ظاہر ہے وہاں اس کی اجازت کے بغیر بیٹھنا جائز نہیں۔(۸۰)

٣٢ – باب : «إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجْلِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ ٱللَّهُ لَكُمْ وَإِذَا قِيلَ ٱنْشُزُوا فَٱنْشُزُوا» . الآيَةَ /المجادلة: ١١/ .

٥٩١٥ : حدّثنا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ عُبَيْدِ ٱللَّهِ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : أَنَّهُ نَهَى أَنْ يُقَامَ الرَّجُلُ مِنْ مَجْلِسِهِ وَيَجْلِسَ فِيهِ آخَرُ ، وَلٰكِنْ تَفَسَّحُوا وَتَوَسَّعُوا . وَكَانَ ٱبْنُ عمَرَ يَكْرَهُ أَنْ يَقُومَ الرَّجُلُ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ يُجْلَسَ مَكَانَهُ . [ر : ٨٦٩]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہے کہ آپ نے اس بات سے منع فرمایا کہ کسی شخص کو اس کی جگہ سے اٹھا دیا جائے اور اس کی جگہ دوسرا آدمی بیٹھ جائے تاہم گنجائش نکالا کرو اور کشادگی پیدا کرو۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس بات کو مکروہ سمجھتے تھے کہ کسی شخص کو اس کی جگہ سے اٹھایا جائے پھر اس کی جگہ پر خود بیٹھ جائے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

کرمانی کے نسخے کے علاوہ باقی نسخوں میں ''المجلس''مفرد ہے،کرمانی کے نسخے میں

(۷۸)صحيح مسلم، كتاب السلام، باب تحريم إقامة الإنسان من موضعه المباح الذي سبق إليه: ١٧١٤/٤، رقم الحديث: ٢١٧٧

(۷۹) إرشادالساري: ٢٧٦/١٣

(۸۰) إرشادالساري: ٢٧٦/١٣

''المجالس'' صیغہ جمع کے ساتھ ہے، آیت کریمہ میں دونوں قرأتیں ہیں، عاصم کی قرأت جمع کی ہے۔(۸۱)

مجلس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس بھی مراد لی گئی ہے لیکن یہ آپ کی مجلس کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر مجلس طاعت اس سے مراد ہوسکتی ہے اوراس میں یہ ادب بیان کیا گیا ہے کہ مجلس سے کسی کو اٹھانے کے بجائے، اس میں سمٹ کر کشادگی پیدا کی جائے۔(۸۲)

حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت یہ بھی منقول ہے کہ اس سے مجالسِ قتال مراد ہیں، شہادت کے شوق میں حضرات صحابہ قتال کی صفِ اول میں جگہ پانے کے لیے آپس میں ایک دوسرے سے سبقت لے جایا کرتے تھے، اس کے بارے میں اس آیت کے اندر حکم بیان کیا گیا ہے۔(۸۳)

يفسح الله لكم أي: توسّعوا يوسّع الله عليكم منازلكم في الجنة...(۸۴)

اللہ تمہارے لئے کشادگی کرے گا یعنی تم کشادگی پیدا کرو، اللہ تمہارے جنت کے گھروں میں کشادگی پیدا کرے گا۔

روایتِ باب کے آخر میں حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں ہے کہ وہ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ کوئی شخص اپنی مجلس سے اٹھے اور دوسرا آدمی آکر اس کی جگہ پر قبضہ کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''إذا قام أحدكم من مجلسه، ثم رجع إليه فهو أحقّ به'' (۸۵) یعنی ''اگر تم میں سے کوئی شخص اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا پھر وہ اپنی جگہ لوٹ آیا تو وہ اس جگہ کا زیادہ حق دار ہے۔''

---

(٨١) صحيح البخاري بشرح الكرماني، كتاب الاستيذان، باب إذا قيل لكم تفسحوا في المجالس: ١٠٤/٢٢، إرشادالساري: ٢٧٦/١٣

(٨٢) وذهب الجمهور إلىٰ أنها عامة في كل مجلس من مجالس الخير، فتح الباري: ٧٤/١١

(٨٣) إرشادالساري: ٢٧٧/١٣

(٨٤) عمدة القاري: ٢٥٧/٢٢

(٨٥) أخرجه مسلم في كتاب السلام: باب إذا قام من مجلسه ثم عاد فهو أحقّ به: ١٧١٥/٤٠، رقم الحديث: ٢١٧٩، وأخرجه أبوداود في كتاب الأدب، باب إذا قام من مجلسه ثم رَجع: ٢٦٤/٤، رقم الحديث: ٤٨٥٣

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے، اس میں ہے "جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقام له رجل عن مجلسه، فذهب ليجلس، فنهاه رسول الله صلى الله عليه وسلم" (۸۶) یعنی "ایک شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، ایک شخص اس کے لیے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا، جس پر وہ اس کی جگہ پر بیٹھنے کے لیے جانے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منع فرمایا"۔

حاصل یہ کہ ایک شخص جب پہلے کسی جگہ بیٹھ گیا اور کسی عارض کی وجہ سے وہ اٹھ گیا تو اس کا حقِ جلوس زائل نہیں ہوگا، دوسرے شخص کو اس کی جگہ پر نہیں بیٹھنا چاہیے۔ (۸۷)

یہی حکم اس صورت کا بھی ہے جب کوئی عالم یا مفتی مسجد وغیرہ میں درس دیتا ہو اور اس کی جگہ متعین ہو تو اس متعین جگہ پر درس کے وقت دوسرے شخص کو نہیں بیٹھنا چاہیے، بعضوں نے عدمِ جلوس کے اس حکم کو واجب کہا ہے لیکن جمہور کے نزدیک یہ مستحب ہے۔ (۸۸)

۳۳ – باب : مَنْ قَامَ مِنْ مَجْلِسِهِ أَوْ بَيْتِهِ وَلَمْ يَسْتَأْذِنْ أَصْحَابَهُ ، أَوْ تَهَيَّأَ لِلْقِيَامِ لِيَقُومَ النَّاسُ .

٥٩١٦ : حدّثنا الحَسَنُ بْنُ عُمَرَ : حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ : سَمِعْتُ أَبِي يَذْكُرُ عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قالَ : لَمَّا تَزَوَّجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ زَيْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ دَعا النَّاسَ ، طَعِمُوا ثُمَّ جَلَسُوا يَتَحَدَّثُونَ ، قالَ : فَأَخَذَ كَأَنَّهُ يَتَهَيَّأُ لِلْقِيَامِ فَلَمْ يَقُومُوا ، فَلَمَّا رَأَى ذٰلِكَ قامَ ، فَلَمَّا قامَ قامَ مَنْ قامَ مَعَهُ مِنَ النَّاسِ وَبَقِيَ ثَلَاثَةٌ ، وَإِنَّ النَّبِيَّ ﷺ جاءَ لِيَدْخُلَ فَإِذَا الْقَوْمُ جُلُوسٌ ، ثُمَّ إِنَّهُمْ قامُوا فَانْطَلَقُوا ، قالَ : فَجِئْتُ فَأَخْبَرْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَنَّهُمْ قَدِ انْطَلَقُوا ، فَجاءَ حَتَّى دَخَلَ ، فَذَهَبْتُ أَدْخُلُ فَأَرْخَى الْحِجابَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ ، وَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى : «يا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ – إِلَى قَوْلِهِ – إِنَّ ذٰلِكُمْ كانَ عِنْدَ اللهِ عَظِيمًا» .
[ر : ٤٥١٣]

(٨٦) أخرجه أبوداود في كتاب الأدب، باب في الرجل يقوم للرجل من مجلسه: ٤/٢٥٨، رقم الحديث: ٤٨٢٨

(٨٧) فصار كأنه ملك منفعة فلا يزاحمه غيره عليه، فتح الباري: ١١/٧٥

(٨٨) فتح الباري: ١١/٧٥

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش سے نکاح کیا تو لوگوں کی دعوت کی، کھانا کھا کر وہ بیٹھ کر باتیں کرتے رہے۔ راوی کا بیان ہے کہ آپ نے یہ ظاہر کیا کہ گویا کھڑا ہونا چاہیے، لیکن لوگ کھڑے نہیں ہوئے جب آپ نے یہ دیکھا تو کھڑے ہوگئے جب آپ کھڑے ہوئے تو آپ کے ساتھ جو لوگ تھے، وہ بھی کھڑے ہوگئے اور تین آدمی رہ گئے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آئے تو دیکھا کہ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں، پھر وہ لوگ بھی اٹھے اور چلے گئے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آکر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر دی کہ وہ چلے گئے ہیں یہ سن کر آپ آئے۔ یہاں تک کہ گھر میں داخل ہوئے، میں بھی داخل ہونے لگا تو آپ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال دیا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: (یا أیها الذین آمنوا لاتدخلوا بیوت النبي ...... اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو، مگر یہ کہ تمہیں اجازت دی جائے ......) إن ذلك كان عند الله عظيما. تک۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اس ترجمۃ الباب سے یہ ہے کہ اگر کوئی مہمان زیادہ دیر تک ٹھہرنے لگے جو میزبان کے لیے باعث اذیت ہو تو میزبان اپنے عمل کے کسی بھی انداز سے اس کو جانے کا پیغام دے سکتا ہے اور یہ تنبیہ کرنا "اکرام ضیف" کے خلاف نہیں۔(۸۹)

وجہ اس کی یہ ہے کہ مہمان کو میزبان کی رعایت سے اسی قدر ٹھہرنا چاہیے جس سے اس کو تکلیف واذیت نہ پہنچتی ہو، اگر مہمان اس کی رعایت نہیں کرتا تو میزبان بھی اس کی اجازت کے بغیر مجلس سے اٹھ کر اسے جانے کی تنبیہ کرسکتا ہے۔(۹۰)

(۵۹۱۷) الحديث أخرجه البخاري في كتاب التوحيد، والحديث من إفراده، عمدة القاري: ۲۲/۲۵۹

(۸۹)الأبواب والتراجم: كتاب الاستيذان، باب من قام من مجلسه أوبيته: ۲/۱۲٤

(۹۰) فتح الباري: ۱۱/۷٦

٣٤ – باب : الْاحْتِبَاءِ بِالْيَدِ ، وَهُوَ الْقُرْفُصَاءُ .

٥٩١٧ : حدّثني مُحمَّدُ بْنُ أَبِي غالِبٍ : أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ الْحِزَامِيُّ : حَدَّثَنَا مُحمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قالَ : رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ بِفِنَاءِ الْكَعْبَةِ ، مُحْتَبِيًا بِيَدِهِ هٰكَذَا .

احتباء گوٹ مار کر بیٹھنے کو کہتے ہیں، جس کی تفصیل کشف الباری، کتاب اللباس میں باب اشتمال الصماء کے تحت گذر چکی ہے۔(۹۱)

قرفصاء ہاتھ سے گوٹ مار کر بیٹھنے کو کہتے ہیں، جب کہ احتباء عام ہے، چاہے ہاتھ سے ہو یا چادر وغیرہ سے ہو۔(۹۲)

٣٥ – باب : مَنِ اتَّكَأَ بَيْنَ يَدَيْ أَصْحَابِهِ .

قالَ خَبَّابٌ : أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً ، قُلْتُ : أَلَا تَدْعُو اللهَ ، فَقَعَدَ .[ر : ٣٤١٦]

حضرت خباب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ چادر کا تکیہ بنا کر ٹیک لگائے ہوئے تھے، میں نے عرض کیا: کیا آپ اللہ سے دعا نہیں فرمائیں گے؟(یہ سن کر) آپ بیٹھ گئے۔

٥٩١٨ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ : حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ : حَدَّثَنَا الْجُرَيْرِيُّ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ ، عَنْ أَبِيهِ قالَ : قالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : (أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ) . قالُوا : بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ ، قالَ : (الْإِشْرَاكُ بِاللهِ ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ) .

حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا بِشْرٌ مِثْلَهُ ، وَكانَ مُتَّكِئًا فَجَلَسَ ، فَقَالَ : (أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ) . فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتَّى قُلْنَا لَيْتَهُ سَكَتَ . [ر : ٢٥١١]

عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ

(۹۱) كشف الباري، كتاب اللباس، باب اشتمال الصماء، ص١٨٢

(۹۲) الأبواب والتراجم: كتاب الاستيذان، باب الاحتباء باليد، وهو القُرْفُصاء: ١٢٤/٢

تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تم کو سب سے بڑے گناہ نہ بتلا دوں؟ لوگوں نے عرض کیا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک اور والدین کی نافرمانی۔

مسدد نے بواسطہ بشر اسی طرح حدیث بیان کی کہ آپ تکیہ لگائے ہوئے تھے پھر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ: سن لو! جھوٹ سے بچو، اور اس کو بار بار فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے (دل میں) کہا کہ کاش! آپ خاموش ہو جائیں۔

ترجمۃ الباب کی غرض

"اتکا" کے معنی اضطجاع یعنی لیٹنے کے بھی آتے ہیں اور مشہور معنی ٹیک لگانے کے ہیں (۱)۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے اصحاب کی مجلس میں ٹیک لگاتا، یا پہلو کے بل لیٹتا ہے تو سنت میں اس کی اصل موجود ہے (۲)۔

حدیث باب کو امام بخاری رحمہ اللہ نے دو طریق سے ذکر کیا، دوسرے طریق میں تصریح ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگاتے ہوئے ارشاد فرما رہے تھے اور بڑے گناہوں کا ذکر کر رہے تھے، لیکن "قول الزور" کا ذکر کرتے ہوئے بیٹھ گئے۔

٣٦ – باب : مَنْ أَسْرَعَ فِي مَشْيِهِ لِحَاجَةٍ أَوْ قَصْدٍ .

٥٩١٩ : حدّثنا أَبُو عاصِمٍ ، عَنْ عُمَرَ بْنِ سَعِيدٍ ، عَنِ ٱبْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ : أَنَّ عُقْبَةَ بْنَ الحَارِثِ حَدَّثَهُ قالَ : صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ الْعَصْرَ فَأَسْرَعَ ، ثُمَّ دَخَلَ الْبَيْتَ . [ر : ٨١٣]

ترجمۃ الباب کا مقصد

کسی ضرورت کی وجہ سے اگر کوئی شخص اپنی عام چال سے ہٹ کر تیز رفتاری کے ساتھ جائے تو یہ وقار کے

---

(۱) فتح الباري: ۸۰/۱۱، عمدة القاري: ۲۵۹/۲۲، تحفة الباري: ۱۵۷/٦، إرشاد الساري: ۲۷۹/۱۳

(۲) قال المهلب: إنه يجوز للعالم والإمام الاتكاء في مجلسه بحضرة جلسائه لاستراحة أو ألم في بعض أعضائه. إرشاد الساري: ۲۸۰/۱۳

خلاف نہیں، جیسا کہ حدیث باب میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی اور تیزی کے ساتھ گھر چلے گئے، کتاب الصلاۃ اور کتاب الزکاۃ کی روایات میں تصریح ہے کہ صدقہ کا کچھ مال گھر میں رہ گیا تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو تقسیم کرنے کے لیے تیزی کے ساتھ گئے کہ کہیں وہ رات تک رہ نہ جائے (۳)۔

یہ معمول کی رفتار سے ہٹ کر تیزی کے ساتھ چلنے کی بات ہے، باقی عام رفتار تیز ہونی چاہیے یا آہستہ؟

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تیز چلا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے، تیز چال تکبر سے دوری اور ضرورت جلد پوری کرنے کا ذریعہ ہے (۴)۔

۳۷ – باب : السَّرِيرِ .

۵۹۲۰ : حدّثنا قُتَيْبَةُ : حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ، عَنِ الْأَعْمَشِ ، عَنْ أَبِي الضُّحَى ، عَنْ مَسْرُوقٍ ، عَنْ عائِشَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهَا قالَتْ : كانَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ يُصَلِّي وَسْطَ السَّرِيرِ ، وَأَنَا مُضْطَجِعَةٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ ، تكونُ لِي الحَاجَةُ ، فَأَكْرَهُ أَنْ أَقُومَ فَأَسْتَقْبِلَهُ ، فَأَنْسَلُّ ٱنْسِلَالاً . [ر : ٤٨٦]

ترجمۃ الباب کی غرض

سریر چارپائی اور تخت کو کہتے ہیں، ترجمۃ الباب کا مقصد یہ ہے کہ تخت وغیرہ استعمال کرنا زہد کے خلاف نہیں (۵)، حدیث باب میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تخت کے بیچ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے اور میں آپ کے اور قبلہ کے درمیان میں لیٹی ہوئی ہوتی، اگر مجھے کوئی ضرورت ہوتی تو میں ناپسند کرتی کہ اٹھ کر آپ کے سامنے آؤں، اس لیے میں آہستہ سے (لیٹے لیٹے ہی) سرک جاتی تھی۔

۳۸ – باب : مَنْ أُلْقِيَ لَهُ وِسَادَةٌ .

۵۹۲۱ : حدّثنا إِسْحٰقُ : حَدَّثَنَا خالِدٌ . وَحَدَّثَنِي عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا عَمْرُو ٱبْنُ عَوْنٍ : حَدَّثَنَا خالِدٌ ، عَنْ خالِدٍ ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ قالَ : أَخْبَرَنِي أَبُو الْمَلِيحِ قالَ : دَخَلْتُ مَعَ أَبِيكَ زَيْدٍ عَلَى عَبْدِ ٱللهِ بْنِ عَمْرٍو فَحَدَّثَنَا : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ذُكِرَ لَهُ صَوْمِي ، فَدَخَلَ عَلَيَّ ،

(۳) صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب من أحب، تعجيل الصدقه من يومها: ۲۰۳، رقم الحديث: ۱۴۳۰

(٤) فتح الباري: ۸۱/۱۱، إرشادالساري: ۲۸۱/۱۳، عمدة القاري: ۲۶۰/۲۲

(۵) الأبواب والتراجم، كتاب الاستئذان، باب السرير: ۱۲۵/۲

فَأَلْقَيْتُ لَهُ وِسَادَةً مِنْ أَدَمٍ حَشْوُهَا لِيفٌ ، فَجَلَسَ عَلَى الْأَرْضِ وَصَارَتِ الْوِسَادَةُ بَيْنِي وَبَيْنَهُ ، فَقَالَ لِي : (أَمَا يَكْفِيكَ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ) . قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللهِ ، قَالَ : (خَمْسًا) . قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللهِ ، قَالَ : (سَبْعًا) . قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللهِ ، قَالَ : (تِسْعًا) . قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللهِ ، قَالَ : (إِحْدَى عَشْرَةَ) . قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللهِ ، قَالَ : (لَا صَوْمَ فَوْقَ صَوْمِ دَاوُدَ ، شَطْرَ الدَّهْرِ : صِيَامُ يَوْمٍ ، وَإِفْطَارُ يَوْمٍ) . [ر : ۱۰۷۹]

ابو قلابہ، ابوالملیح سے روایت کرتے ہیں کہ میں تیرے والد زید کے ساتھ عبداللہ بن عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہما) کے پاس گیا انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے میرے روزے کا تذکرہ ہوا تو آپ میرے پاس تشریف لائے میں نے آپ کے سامنے ایک تکیہ ڈال دیا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، آپ زمین پر بیٹھ گئے اور تکیہ میرے اور آپ کے درمیان تھا، پھر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تجھ کو مہینے میں تین روزے کافی نہیں ہیں؟ میں نے کہا یارسول اللہ! (مجھے اس سے زیادہ کی طاقت ہے) آپ نے فرمایا تو پانچ؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! (مجھے اس سے زیادہ کی طاقت ہے) آپ نے فرمایا تو سات؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! (مجھے اس سے زیادہ طاقت ہے)۔ آپ نے فرمایا تو نو؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! (مجھے اس سے زیادہ طاقت ہے) آپ نے فرمایا گیارہ؟ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! (مجھے اس سے زیادہ کی طاقت ہے) آپ نے فرمایا کہ داؤد علیہ السلام کے روزوں سے بڑھ کر کوئی روزہ نہیں اس طور پر کہ برابر ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن افطار کرے۔

۵۹۲۲ : حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ جَعْفَرٍ : حَدَّثَنَا يَزِيدُ ، عَنْ شُعْبَةَ ، عَنْ مُغِيرَةَ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، عَنْ عَلْقَمَةَ : أَنَّهُ قَدِمَ الشَّأْمَ .

وَحَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ مُغِيرَةَ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ : ذَهَبَ عَلْقَمَةُ إِلَى الشَّأْمِ ، فَأَتَى الْمَسْجِدَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ، فَقَالَ : اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي جَلِيسًا ، فَقَعَدَ إِلَى أَبِي الدَّرْدَاءِ ، فَقَالَ : مِمَّنْ أَنْتَ؟ قَالَ : مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ ، قَالَ : أَلَيْسَ فِيكُمْ صَاحِبُ السِّرِّ الَّذِي كَانَ لَا يَعْلَمُهُ غَيْرُهُ ، يَعْنِي حُذَيْفَةَ ، أَلَيْسَ فِيكُمْ ، أَوْ كَانَ فِيكُمْ ، الَّذِي أَجَارَهُ اللهُ عَلَى لِسَانِ

رَسُولِهِ ﷺ مِنَ الشَّيْطَانِ ، يَعْنِي عَمَّارًا ، أَوَ لَيْسَ فِيكُمْ صَاحِبُ السِّوَاكِ وَالْوِسَادِ ، يَعْنِي ابْنَ مَسْعُودٍ ، كَيْفَ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ يَقْرَأُ : «وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى» . قَالَ : «وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثَى» . فَقَالَ : مَا زَالَ هَؤُلَاءِ حَتَّى كَادُوا يُشَكِّكُونَنِي ، وَقَدْ سَمِعْتُهَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ . [ر : ۳۱۱۳]

ابراہیم، علقمہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ شام پہنچے تو ایک مسجد میں آئے اور دعا کی یا اللہ! مجھے کوئی ہم نشین عطا کر۔ پھر ابوالدرداء کے پاس بیٹھ گئے اور پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے کہا کوفہ کا رہنے والا ہوں۔ علقمہ نے کہا کیا تم میں وہ شخص نہیں ہے جو اس راز کا جاننے والا ہے جسے اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا یعنی حذیفہ۔ کیا تم میں وہ شخص نہیں ہے یا یہ کہا کیا تم میں وہ شخص نہیں تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان پر شیطان سے پناہ دی ہے یعنی عمار اور کیا تم میں تکیہ اور مسواک والے یعنی ابن مسعود نہیں ہیں۔ عبداللہ "والليل إذا يغشى" کس طرح پڑھتے تھے؟ کہا "والذكر والأنثى" پڑھتے تھے۔ ابوالدرداء نے کہا لوگ مجھے شک میں ڈالتے تھے، حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس طرح سنا ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے کسی کو تکیہ دینے کا ذکر کیا ہے، ایک حدیث میں تین چیزوں کے بارے میں آیا ہے کہ وہ اگر پیش کی جائیں تو رد نہیں کرنی چاہییں، ان تین میں تکیہ بھی ہے(٦)۔

باب کی پہلی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تکیہ پیش کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اصلاً زمین پر بیٹھے اور تکیہ دونوں کے درمیان رہا، آپ نے ان سے پوچھا کہ مہینہ میں تین دن کے روزے آپ کے لیے کافی نہیں ہیں؟ قلت: يارسول الله!...... حضرت عبداللہ بن

---

(٦)رواه الترمذي في الشمائل، باب ماجاء في تعطّر رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولفظه: ثلث لاتردّ: الوسائد، والدهن، والطيب، واللّبن(ص ١٤)

عمرو نے کہا یا رسول اللہ! آگے جملہ محذوف ہے یعنی میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں، حضورؐ نے فرمایا ''خَمْسًا''، یعنی صُمْ خَمْسًا پانچ دن روزہ رکھیں......

آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' لاصوم فوق صوم داود، شَطْر الدهر، صيام يوم، وإفطار يوم'' یعنی صوم داودی سے بڑھ کر کوئی روزہ نہیں، نصف زمانہ روزہ رکھا جائے، اس طرح کہ ایک دن روزہ ہو اور ایک دن افطار۔

شطرَ الدهر منصوب علی الاختصاص ہے اور صيام يوم منصوب علی الاختصاص بھی ہو سکتا ہے اور ''ھو'' محذوف کے لیے خبر بھی بن سکتا ہے، اس صورت میں یہ مرفوع ہوگا(۷)۔

دوسری حدیث مناقب میں گذر چکی ہے(۸)، اس میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مسواک اور تکیہ وغیرہ سنبھالا کرتے تھے، اسی جملے کی مناسبت سے یہ حدیث یہاں ذکر کی ہے۔

فائدہ

باب کی دونوں حدیثوں میں امام بخاریؒ نے دو دو سندیں ذکر کی ہیں۔ جو نکتہ سے خالی نہیں۔ پہلی حدیث میں امام بخاریؒ نے جو دو سندیں ذکر کی ہیں، ان میں پہلی سند میں ان کے اور خالد بن عبداللہ طحان کے درمیان ایک راوی اسحٰق بن شاہین کا واسطہ ہے۔ جب کہ دوسری سند میں دو دو واسطے ہیں، ایک عبداللہ بن محمد کا اور دوسرا عمرو بن عون کا۔ گویا دوسری سند ایک واسطے کے بڑھ جانے کی وجہ سے نازل ہے۔ چونکہ سند عالی جس میں اسحٰق بن شاہین مذکور ہیں، کے الفاظ کے ساتھ یہ حدیث کتاب الصلوۃ میں گزر چکی ہے اس لئے یہاں سند نازل جس میں عمرو بن عون مذکور ہیں، کے الفاظ کے ساتھ یہ حدیث ذکر کی گئی۔ اور سند نازل کے لانے میں یہی

(۷) إرشادالساري: ۱۳/۲۸۲، عمدة القاري: ۲۲/۲٦۲

(۸) صحيح البخاري، كتاب الاستئذان، باب من ألقي له وسادة /۱۳٤۱، رقم الحديث: ٦۲۷۸

نکتہ ہے تا کہ محض ایک ہی سند کے ساتھ اور ایک ہی طریقہ پر حدیث کا اعادہ لازم نہ آئے۔ چند مقامات کے علاوہ باقی پوری صحیح میں امام بخاریؒ کا یہی طریقہ کار ہے(۹)۔

دوسری حدیث کے شروع میں بھی امام بخاریؒ نے دوسندیں ذکر کی ہیں، پہلی سند میں ان کے اور شعبہ کے درمیان دو راویوں یحییٰ بن جعفر بیکندی اور یزید بن ہارون کا واسطہ ہے۔ جب کہ دوسری سند میں واسطہ ایک ہے یعنی ابوالولید کا۔ گویا پہلی سند نازل ہوئی۔ شاید دوسندیں لاکر امام بخاریؒ اس بات پر تنبیہ کرنا چاہتے ہوں کہ اس کی ایک سند نازل ہے اور ایک عالی۔

نیز ایک نکتہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پہلی سند میں شعبہ سے روایت کرنے والے راوی یزید نے عنعنہ کیا ہے جب کہ دوسری سند میں شعبہ سے روایت کرنے والے راوی ابوالولید کی تحدیث کی تصریح ہے۔

٣٩ – باب : الْقَائِلَةِ بَعْدَ الجُمُعَةِ .

٥٩٢٣ : حدَّثنا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ أَبِي حازِمٍ ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قالَ : كُنَّا نَقِيلُ وَنَتَغَدَّى بَعْدَ الجُمُعَةِ . [ر : ٨٩٦]

قیلولہ کی فضیلت

قائلة اور قیلولہ دوپہر کے وقت آرام کرنے کو کہتے ہیں(۹☆)......امام ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک مرفوع روایت نقل کی ہے، اس کے الفاظ ہیں ”استعينوا بطعام السحر على صيام النهار وبالقيلولة على قيام الليل“ (۱۰)۔ یعنی ”دن کے روزے کے لیے سحری کے کھانے سے اور تہجد کے لیے قیلولہ سے مدد لیا کرو“۔

اسی طرح طبرانی نے حضرت انس کی ایک مرفوع روایت نقل کی ہے، اس میں ہے ”قيلوا؛ فإن

(٩) فتح الباري: ٨٢/١١

(٩☆)تحفة الباري: ١٥٨/٦، عمدة القاري: ٢٦٣/٢٢، فتح الباري: ٨٣/١١، إرشادالساري: ٢٨٣/١٣

(١٠)سنن ابن ماجه، كتاب الصيام، باب ماجاء في السحور: ٥٤٠/١، رقم الحديث: ١٦٩٣

الشياطين لا تقيل''(۱۱)۔یعنی''قیلولہ کیا کرو، کیونکہ شیاطین قیلولہ نہیں کیا کرتے''۔

حضرت خوات بن جبیرؓ سے بھی ایک روایت موقوفاً مروی ہے انھوں نے فرمایا''نوم أول النهار حرق، وأوسطه خلق، وآخره حمق'' (۱۲)۔یعنی''دن کے ابتدائی حصہ میں نیند آگ ہے، درمیانی حصہ میں موافق فطرت ہے اور آخری حصہ میں حماقت ہے''۔

٤٠ - باب : الْقَائِلَةِ فِي الْمَسْجِدِ.

٥٩٢٤ : حدّثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حازِمٍ ، عَنْ أَبِي حازِمٍ ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قالَ : ما كانَ لِعَلِيٍّ اسْمٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَبِي تُرَابٍ ، وَإِنْ كانَ لَيَفْرَحُ بِهِ إِذَا دُعِيَ بِهَا ، جاءَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَيْتَ فاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ ، فَلَمْ يَجِدْ عَلِيًّا فِي الْبَيْتِ ، فَقَالَ : (أَيْنَ ابْنُ عَمِّكِ) . فَقالَتْ : كانَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ شَيْءٌ ، فَغَاضَبَنِي فَخَرَجَ فَلَمْ يَقِلْ عِنْدِي ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِإِنْسَانٍ : (انْظُرْ أَيْنَ هُوَ) . فَجاءَ فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللهِ هُوَ فِي الْمَسْجِدِ رَاقِدٌ ، فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهُوَ مُضْطَجِعٌ ، قَدْ سَقَطَ رِدَاؤُهُ عَنْ شِقِّهِ فَأَصَابَهُ تُرَابٌ ، فَجَعَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَمْسَحُهُ عَنْهُ وَهُوَ يَقُولُ : (قُمْ أَبَا تُرَابٍ ، قُمْ أَبَا تُرَابٍ) . [ر : ٤٣٠]

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو''ابوتراب'' سے زیادہ پسند کوئی نام نہ تھا اور جب اس نام سے پکارے جاتے تو بہت خوش ہوتے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے گھر تشریف لائے، حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو گھر نہ پایا تو پوچھا کہ تمہارا چچازاد بھائی کہاں ہے؟ حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا کہ میرے اوران کے درمیان کچھ بات ہوگئی تھی، اس لئے وہ ناراض ہوکر باہر چلے گئے اور میرے یہاں قیلولہ نہیں کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی آدمی سے فرمایا کہ دیکھو وہ کہاں ہے؟ اس شخص نے

---

(١١) أحكام القرآن: ٢٣/١٣، ومجمع الزوائد، كتاب الأدب، باب القيلولة: ١١٢/٨، قال الهيثمي: فيه كثير بن مروان وهو كذّاب.

(١٢) المستدرك للحاكم، كتاب الأدب، أدب العطاس: ٢٩٣/٤، وفي تنزيه الشريعة المرفوعة للكتاني: ١٩٨/٢، النوم أول النهار حرق، والنوم في وسط النهار خلق، والنوم بعد المغرب يقطع الرزق.

واپس آکر کہا، یارسول اللہ! وہ مسجد میں لیٹے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے، اس وقت وہ لیٹے ہوئے تھے اور چادر ان کے پہلو سے سرک گئی تھی اس لئے مٹی ان کے جسم سے لگ گئی تھی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مٹی ان کے جسم سے پونچھتے جاتے اور فرماتے جاتے کہ اٹھ اے ابوتراب! اٹھ اے ابوتراب!۔

مسجد میں سونے کا حکم

مسجد میں سونا جائز ہے یا نہیں، اس میں تفصیل ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقاً جائز ہے (۱۳)۔

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مسافر کے لیے جائز ہے اور مقامی شخص کے لیے نہیں (۱۴)۔

امام احمد رحمہ اللہ کا مسلک بھی امام مالک کی طرح ہے (۱۵)۔

حضرات حنفیہ کے نزدیک معتکف اور مسافر کے لیے جائز ہے اور عام لوگوں کے لیے مکروہ (۱۶)۔

حدیث باب سے جواز معلوم ہورہا ہے، حنفیہ کی طرف سے یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ممکن ہے اعتکاف کی نیت کی ہو۔

مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ دونوں کے لیے مسجد کے بعض احکام خاص تھے، مثلاً وہ دونوں جنبی حالت میں مسجد سے گزر سکتے تھے لیکن دوسرے لوگوں کے لیے اس کی اجازت نہیں تھی، اس کا حاصل یہ ہے کہ مسجد کے اندر حضرت علیؓ کا یہ سونا ان کی خصوصیت ہے، عام امت کے لیے اس سے استدلال کرنا درست نہیں (۱۷)۔

---

(١٣) عمدة القاري، كتاب الصلاة، باب نوم الرجال في المسجد: ١٩٨/٤

(١٤) فتح الباري، كتاب الصلاة، باب نوم الرجال في المسجد: ١/٦٩٣

(١٥) عمدة القاري، كتاب الصلاة، باب نوم الرجال: ١٩٨/٤

(١٦) ردالمحتار، مطلب في الغرس في المسجد: ١/٤٨٩

(١٧) فيض الباري، كتاب الصلاة، باب نوم الرجال: ٢/٤٩

٤١ – باب : مَنْ زَارَ قَوْمًا فَقَالَ عِنْدَهُمْ .

٥٩٢٥ : حدّثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ : حَدَّثَنَا محمَّدُ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ الْأَنْصَارِيُّ قالَ : حَدَّثَنِي أَبِي ، عَنْ ثُمَامَةَ ، عَنْ أَنَسٍ : أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ كَانَتْ تَبْسُطُ لِلنَّبِيِّ ﷺ نِطَعًا ، فَيَقِيلُ عِنْدَهَا عَلَى ذٰلِكَ النِّطَعِ ، قالَ : فَإِذَا نَامَ النَّبِيُّ ﷺ أَخَذَتْ مِنْ عَرَقِهِ وَشَعَرِهِ ، فَجَمَعَتْهُ فِي قارُورَةٍ ، ثُمَّ جَمَعَتْهُ فِي سُكٍّ ، قالَ : فَلَمَّا حَضَرَ أَنَسَ بْنَ مالِكٍ الْوَفَاةُ ، أَوْصَى إِلَيَّ أَنْ يُجْعَلَ فِي حَنُوطِهِ مِنْ ذٰلِكَ السُّكِّ ، قالَ : فَجُعِلَ فِي حَنُوطِهِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

علامہ سندھی رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ قرآن کریم کی آیت ﴿إذا دعيتم فادخلوا فإذا طعمتم فانتشروا﴾ (۱۸) اگرچہ بظاہر مطلق ہے کہ کھانا کھانے کے بعد چلا جانا چاہیے لیکن معنوی اعتبار سے یہ مقید ہے اور نکلنے کا یہ حکم صرف اس صورت میں ہے جب کوئی داعی نہ ہو(۱۹)، لیکن اگر گھر میں رہنے کی ضرورت ہے اور گھر والوں کی طرف سے اس کی اجازت بھی ہے تو ایسی صورت ''فانتشروا'' کے حکم سے مستثنیٰ ہے(۲۰)۔

باب کی پہلی حدیث حضرت انسؓ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ حضرت ام سلیمؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چمڑے کا بچھونا بچھایا کرتی تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر قیلولہ فرماتے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوجاتے تو وہ آپ کا پسینہ اور بال لے کر ایک شیشی میں جمع کرلیتیں، پھر اس کو خوشبو میں جمع کرتیں۔ راوی کا بیان ہے، جب حضرت انسؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے وصیت کی کہ اس خوشبو میں سے میرے حنوط

(٥٩٢٥) أخرجه مسلم في الفضائل، باب: طيب عرق النبي صلى الله عليه وسلم، والتبرك به: ١٨١٥/٤، رقم الحديث: (٢٣٣١، ٢٣٣٢)

(١٨) سورة الأحزاب: ٥٣

(١٩) حاشية صحيح البخاري للسندي: ٩٢٩/٢

(٢٠) روح المعاني، المجلد الثاني عشر، الجزء الأول: ٧٠

میں ملا دینا، چنانچہ ان کے حنوط میں وہ ملائی گئی۔

نِطَع (نون کے کسرہ اور طاء کے فتحہ کے ساتھ) چمڑے کے دسترخوان اور بچھونے کو کہتے ہیں۔

سُك: (سین کے ضمہ کے ساتھ) علامہ ابن اثیر النهاية میں لکھتے ہیں: "هو طيب معروف يضاف إلى غيره من الطيب، ويستعمل" (۲۱) یعنی سک ایک معروف خوشبو ہے جو کسی اور چیز کے ساتھ ملا کر استعمال کی جاتی ہے، علامہ پٹنی نے اس کا ترجمہ "دھاگے" سے بھی کیا ہے (۲۲)۔

حَنُوط (حاء کے فتحہ کے ساتھ) میت کو جو خوشبو، تجہیز و تکفین کے وقت لگائی جاتی ہے، اس کو حنوط کہتے ہیں (۲۳)۔

أخذَتْ من عَرَقه وشَعره:

اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام سلیمؓ سوتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیلولے کے موقعہ پر پسینہ اور بال دونوں کو جمع کرتیں...... حالانکہ حقیقت اس طرح نہیں، سوتے ہوئے صرف پسینہ مبارک جمع کرتیں، بال مبارک ان کے پاس پہلے سے موجود تھے، چنانچہ امام ابن سعد نے حضرت انسؓ کی ایک روایت سند صحیح کے ساتھ نقل کی ہے، اس میں تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب منٰی میں بال حلق کرائے تو حضرت ابوطلحہؓ نے وہ محفوظ کیے اور حضرت ام سلیمؓ کے پاس لائے (۲۴)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ بال انھوں نے ایک شیشی کے اندر رکھے اور پسینہ مبارک بھی اس شیشی میں جمع کیا اور اسے ایک سفوف نما خوشبو کے ساتھ ملایا...... علامہ عینی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سک یعنی سفوف والی خوشبو کے ساتھ پسینہ مبارک کو اسی لیے ملایا کہ کہیں وہ خشک ہو کر ختم نہ ہو جائے (۲۵)۔

---

(۲۱) النهاية لابن الأثير: ۲/۳۸٤، عمدة القاري: ۲۲/۲٦٤

(۲۲) مجمع بحار الأنوار: ۳/۹۳

(۲۳) عمدة القاري: ۲۲/۲٦٤

(۲٤) طبقات ابن سعد، أبوطلحه: ۳/۵۰٦، ۵۰۵

(۲۵) عمدة القاري: ۲۲/۲٦٤

اس حدیث سے تبرک بآثار الصالحین کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

٥٩٢٦ : حدّثنا إسْماعِيلُ قالَ : حَدَّثَنِي مالِكٌ ، عَنْ إِسْحٰقَ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ ، عَنْ أَنَس بْنِ مالِكٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ : كانَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ إِذَا ذَهَبَ إِلَى قُبَاءٍ ، يَدْخُلُ عَلَى أُمِّ حَرَامٍ بِنْتِ مِلْحَانَ فَتُطْعِمُهُ ، وَكانَتْ تَحْتَ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ ، فَدَخَلَ يَوْمًا فَأَطْعَمَتْهُ ، فَنَامَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ ، ثُمَّ ٱسْتَيْقَظَ يَضْحَكُ ، قالَتْ : فَقُلْتُ : ما يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ ٱللهِ ؟ فَقَالَ : (نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُزَاةً في سَبِيلِ ٱللهِ ، يَرْكَبُونَ ثَبَجَ هٰذَا الْبَحْرِ ، مُلُوكًا عَلَى الْأَسِرَّةِ ، أَوْ قالَ : مِثْلَ الْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِرَّةِ) . يَشُكُّ إِسْحٰقُ . فَقُلْتُ : ٱدْعُ ٱللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ ، فَدَعَا ، ثُمَّ وَضَعَ رَأْسَهُ فَنَامَ ، ثُمَّ ٱسْتَيْقَظَ يَضْحَكُ ، فَقُلْتُ : ما يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ ٱللهِ ، قالَ : (نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُزَاةً في سَبِيلِ ٱللهِ ، يَرْكَبُونَ ثَبَجَ هٰذَا الْبَحْرِ ، مُلُوكًا عَلَى الْأَسِرَّةِ ، أَوْ : مِثْلَ الْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِرَّةِ) . فَقُلْتُ : ٱدْعُ ٱللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ ، قالَ : (أَنْتِ مِنَ الْأَوَّلِينَ) . فَرَكِبَتِ الْبَحْرَ في زَمانِ مُعَاوِيَةَ ، فَصُرِعَتْ عَنْ دَابَّتِهَا حِينَ خَرَجَتْ مِنَ الْبَحْرِ ، فَهَلَكَتْ . [ر : ٢٦٣٦]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب قباء کی طرف تشریف لے جاتے تو ام حرام بنت ملحان (رضی اللہ عنہا) کے گھر جاتے وہ آپ کو کھانا کھلاتیں، ام حرام (رضی اللہ عنہا) عبادہ بن صامت (رضی اللہ عنہ) کی بیوی تھیں، ایک دن آپ تشریف لائے تو ام حرام نے آپ کو کھانا کھلایا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہیں سو گئے پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے، ام حرام نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ کو کس چیز نے ہنسایا؟ آپ نے فرمایا کہ میری امت میں سے کچھ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے میرے سامنے اس طرح پیش کئے گئے کہ دریا کے وسط میں بادشاہ کی طرح وہ اپنے تخت پر سوار ہیں (راوی کو شک ہے کہ ملوکاً علی الأسرة یا مثل الملوك على الأسرة فرمایا) میں نے عرض کیا یارسول اللہ! اللہ سے دعا کیجئے کہ مجھے بھی ان میں سے بنادے، چنانچہ آپ نے دعا فرمائی۔ پھر آپ سر رکھ کر سو گئے اور ہنستے ہوئے اٹھے، میں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ کیوں ہنس رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا میری امت کے

غازی میرے سامنے پیش کئے گئے جو اس دریا کے بیچ میں سوار ہیں، بادشاہوں کی طرح تخت پر ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ دعا کیجئے کہ میں بھی ان میں سے ہو جاؤں، آپ نے فرمایا کہ تو پہلوں میں سے ہے۔ چنانچہ ام حرام امیر معاویہ کے زمانے میں دریا میں سوار ہوئیں، جب دریا سے نکلیں تو جانور پر سواری سے گر پڑیں اور وفات پا گئیں۔

یہ حدیث کتاب الجہاد میں گذر چکی ہے (۲۶)۔ ثَبَج هذا البحر: ثبج پشت اور ظہر کے معنی میں ہے، علامہ قسطلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وفي الحديث جواز ركوب البحر الملح ومشروعية القائلة...... وفيه عَلَم من أعلام نبوته، وهو الإخبار بما سيقع، فوقع كماقال (۲۷)۔

یعنی ”اس حدیث سے کھارے سمندر میں سفر کرنے کا جواز اور قیلولہ کی مشروعیت معلوم ہوتی ہے...... نیز اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی علامات میں سے ایک دلیل وعلامت بھی ہے اور وہ یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ زمانہ میں وقوع پذیر ہونے والے ایک واقعہ کی خبر دی جو بعد میں بالکل اسی طرح وقوع پذیر ہوا جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی تھی“۔

٤٢ – باب : الْجُلُوس كَيْفَمَا تَيَسَّرَ .

٥٩٢٧ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ لِبْسَتَيْنِ وَعَنْ بَيْعَتَيْنِ : اشْتِمَالِ الصَّمَّاءِ ، وَالِٱحْتِبَاءِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ لَيْسَ عَلَى فَرْجِ الْإِنْسَانِ مِنْهُ شَيْءٌ ، وَالْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ .
تَابَعَهُ مَعْمَرٌ وَمُحَمَّدُ بْنُ أَبِي حَفْصَةَ ، وَعَبْدُ ٱللهِ بْنُ بُدَيْلٍ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ . [ر : ٣٦٠]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو قسم کے لباس اور دو قسم کی بیع سے منع فرمایا ہے، (یعنی) اشتمال صماء اور ایک ہی کپڑے میں اس

(٢٦) كشف الباري، كتاب الجهاد، باب الدعاء بالجهاد والشهادة للرجال والنساء: ٧١

(٢٧) إرشادالساري: ١٣/ ٢٨٧

طرح گوٹ مار کر بیٹھنے سے کہ شرمگاہ پر کچھ بھی نہ ہو اور ملامسہ اور منابذہ سے منع فرمایا۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ انسان جس طرح چاہے، اپنی سہولت کے مطابق بیٹھ سکتا ہے، اس کے تحت جو حدیثِ امام نے ذکر کی ہے، اس کے ساتھ مطابقت بیان کرتے ہوئے علامہ قسطلانی لکھتے ہیں:

"ومطابقة الحديث لما ترجم من حيث إنه خص النهي بحالتين، فيفهم منه أن ماعداهما ليس منهيًا عنه؛ لأن الأصل عدم النهي، فالأصل الجواز"(۲۸)۔

یعنی "حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں نہی کو دو حالتوں کے ساتھ خاص فرمایا، تو اس سے معلوم ہوا کہ ان کے علاوہ باقی حالتیں ممنوع نہیں ہیں، کیونکہ عدمِ نہی اور جواز اصل ہے"۔

علامہ سندھیؒ نے اس مطابقت پر اعتراض کیا اور فرمایا کہ حدیث میں لباس کا ذکر ہے، بیٹھنے کا نہیں (۲۹)۔

ابن بطال نے شرح بخاری میں ابن طاؤس سے تربعاً یعنی چوکور بیٹھنے کو مکروہ نقل کیا ہے (۳۰)۔

لیکن امام مسلم رحمہ اللہ اور امام ابوداودؒ نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھنے کے بعد طلوع شمس تک اپنی جگہ پر تربعاً تشریف فرما ہوتے (۳۱)۔

تابعه معمر، ومحمد بن أبي حفص وعبدالله بن بُديل عن الزهري:

یعنی سفیان بن عیینہ کی متابعت ان تین راویوں نے کی ہے، معمر بن راشد کی متابعت کو امام بخاری نے

---

(۲۸)إرشادالساري: ۱۳/۲۸۸

(۲۹)حاشية صحيح البخاري:۲/۹۳۰

(۳۰)شرح صحيح البخاري لابن بطال: ۹/۵۹

(۳۱) سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في الرجل يجلس متربعًا: ٤/٢٦٣، رقم الحديث: ٤٨٥٠

کتاب البیوع میں، محمد کی متابعت کو ابن عدی نے اور عبداللہ کی متابعت کو امام ذہلی نے موصولاً نقل کیا ہے(۳۲)۔

٤٣ - باب : مَنْ نَاجَى بَيْنَ يَدَيِ النَّاسِ ، وَمَنْ لَمْ يُخْبِرْ بِسِرِّ صَاحِبِهِ ، فَإِذَا مَاتَ أَخْبَرَ بِهِ .

٥٩٢٨ : حدّثنا مُوسَى ، عَنْ أَبِي عَوَانَةَ : حَدَّثَنَا فِرَاسٌ ، عَنْ عامِرٍ ، عَنْ مَسْرُوقٍ : حَدَّثَتْنِي عائِشَةُ أُمُّ الْمُؤْمِنِينَ قالَتْ : إِنَّا كُنَّا أَزْوَاجَ النَّبِيِّ ﷺ عِنْدَهُ جَمِيعًا ، لَمْ تُغَادَرْ مِنَّا وَاحِدَةٌ ، فَأَقْبَلَتْ فاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلَامُ تَمْشِي ، وَلَا وَاللهِ مَا تَخْفَى مِشْيَتُهَا مِنْ مِشْيَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ ، فَلَمَّا رَآهَا رَحَّبَ وَقالَ : (مَرْحَبًا بِابْنَتِي) . ثُمَّ أَجْلَسَهَا عَنْ يَمِينِهِ أَوْ عَنْ شِمالِهِ ، ثُمَّ سَارَّهَا ، فَبَكَتْ بُكَاءً شَدِيدًا ، فَلَمَّا رَأَى حُزْنَهَا سَارَّهَا الثَّانِيَةَ ، فَإِذَا هِيَ تَضْحَكُ ، فَقُلْتُ لَهَا أَنَا مِنْ بَيْنِ نِسَائِهِ : خَصَّكِ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِالسِّرِّ مِنْ بَيْنِنَا ، ثُمَّ أَنْتِ تَبْكِينَ ، فَلَمَّا قامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ سَأَلْتُهَا : عَمَّ سَارَّكِ ؟ قالَتْ : ما كُنْتُ لِأُفْشِيَ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ سِرَّهُ ، فَلَمَّا تُوُفِّيَ ، قُلْتُ لَهَا : عَزَمْتُ عَلَيْكِ بِمَا لِي عَلَيْكِ مِنَ الحَقِّ لَمَّا أَخْبَرْتِنِي ، قالَتْ : أَمَّا الآنَ فَنَعَمْ ، فَأَخْبَرَتْنِي ، قالَتْ : أَمَّا حِينَ سَارَّنِي فِي الْأَمْرِ الْأَوَّلِ ، فَإِنَّهُ أَخْبَرَنِي : أَنَّ جِبْرِيلَ كانَ يُعَارِضُهُ بِالْقُرْآنِ كُلَّ سَنَةٍ مَرَّةً . (وَإِنَّهُ قَدْ عارَضَنِي بِهِ الْعَامَ مَرَّتَيْنِ ، وَلَا أَرَى الْأَجَلَ إِلَّا قَدِ اقْتَرَبَ ، فَاتَّقِي اللهَ وَاصْبِرِي ، فَإِنِّي نِعْمَ السَّلَفُ أَنَا لَكِ) . قالَتْ : فَبَكَيْتُ بُكَائِي الَّذِي رَأَيْتِ ، فَلَمَّا رَأَى جَزَعِي سَارَّنِي الثَّانِيَةَ ، قالَ : (يَا فَاطِمَةُ ، أَلَا تَرْضَيْنَ أَنْ تَكُونِي سَيِّدَةَ نِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ ، أَوْ سَيِّدَةَ نِسَاءِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ) .

[ر : ٣٤٢٦]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم سب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیویاں آپ کے پاس جمع تھیں، ہم میں سے کوئی غائب نہ تھی۔ حضرت فاطمہ چلتی ہوئی آئیں اوران کی چال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چال سے بہت زیادہ مشابہ تھی، آپ نے ان کو دیکھ کر خوش آمدید کہا اور فرمایا کہ خوب آئیں، پھر اپنے دائیں یا بائیں ان کو بٹھلایا پھر ان سے چپکے سے بات کی تو وہ زور سے رونے لگیں، جب حضور نے ان کو غمگین ہوتے ہوئے دیکھا تو دوبارہ چپکے سے بات کی تو وہ ہنسنے لگیں۔ میں نے ان سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم میں سے

(٣٢) فتح الباري: ١١/٩٥، إرشادالساري: ١٣/٢٨٨

صرف تم سے خاص راز کی بات فرمائی پھر بھی تم روتی ہو۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو میں نے ان سے پوچھا کیا بات کہی؟ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے راز کو ظاہر نہیں کرتی۔ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو میں نے ان سے کہا کہ میں تمہیں قسم دیتی ہوں کہ اس حق کے عوض جو میرا تم پر ہے، تم مجھے وہ بات بتادو۔ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) نے کہا کہ ہاں اب بتادوں گی چنانچہ انہوں نے بتلاتے ہوئے کہا کہ پہلی دفعہ چپکے سے جو بات آپ نے فرمائی (وہ یہ تھی) کہ آپ نے مجھ سے بیان کیا کہ جبریل ہر سال قرآن کا ایک دفعہ دور کرتے تھے اور اس سال دو دفعہ دور کیا، اب موت مجھے قریب نظر آرہی ہے اس لئے اللہ سے ڈرو اور صبر کرو میں تمہارے لئے اچھا آگے جانے والا ہوں چنانچہ میں رونے لگی جیسا کہ آپ نے دیکھا، جب آپ نے میری گھبراہٹ دیکھی تو دوسری بار آپ نے چپکے سے فرمایا کہ اے فاطمہ! کیا تو یہ پسند نہیں کرتی کہ مومنین کی عورتوں کی سردار ہو جائے یا یہ فرمایا کہ اس امت کی عورتوں کی سردار ہو جائے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

ترجمۃ الباب کے دو جزء ہیں، پہلے جزء کا حاصل یہ ہے کہ تین سے زیادہ آدمیوں کی جماعت ہو تو اس میں کسی کے ساتھ سرگوشی کرنا جائز ہے، حدیث میں جو ممانعت آئی ہے، وہ اس صورت کے ساتھ خاص ہے جب صرف تین آدمی ہوں، کیونکہ ایسی صورت میں اگر دو آدمی سرگوشی کریں گے تو تیسرے کو شک ہوگا لیکن آدمیوں کی کثرت کی صورت میں اس کا جواز ہے کیونکہ کثرت کی صورت میں، دو کی سرگوشی کسی کے لیے عموماً باعثِ شک نہیں ہوتی۔

ترجمۃ الباب کے دوسرے جزء سے امام کا مقصد یہ ہے کہ راز افشاء کرنے میں اگر کوئی نقصان نہیں، تو اسے صاحبِ راز کے مرنے کے بعد افشاء کر سکتے ہیں۔ اکثر شراحِ بخاری نے ترجمۃ الباب کا یہ مقصد بیان کیا ہے (۳۳)۔

---

(۳۳)عمدة القاري: ۲۲/۲٦٥، فتح الباري: ۱۱/۹۷

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی رائے

لیکن شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میرے نزدیک پہلے جزء کا مقصد یہ ہے کہ بہت سارے لوگوں کی موجودگی میں کسی ایک شخص کے ساتھ اگر سرگوشی کی جائے تو یہ مجلس اور لوگوں کے آداب واکرام کے خلاف نہیں (۳۴)۔ کیونکہ عام شراح نے جو غرضِ ترجمہ بیان کی ہے، اس پر دو تین باب آگے امام بخاری نے مستقل ترجمۃ الباب ''باب إذا كانوا أكثر من ثلاثة، فلابأس بالمسارّة والمُناجاة" قائم کیا ہے اگر اس ترجمۃ الباب کا بھی وہی مقصد لیا جائے جس پر آگے مستقل باب آرہا ہے تو تکرار لازم آئے گا (۳۵)۔

٤٤ – باب : الِاسْتِلْقَاءِ .

٥٩٢٩ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ : حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ قالَ : أَخْبَرَنِي عَبَّادُ ٱبْنُ تَمِيمٍ ، عَنْ عَمِّهِ قالَ : رَأَيْتُ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ في المَسْجِدِ مُسْتَلْقِيًا ، وَاضِعًا إِحْدَى رِجْلَيْهِ عَلَى الأُخْرَى . [ر : ٤٦٣]

حدیث کی مناسبت باب کے ساتھ واضح ہے۔

تکرارِ ترجمہ کا وہم اور اس کا دفعیہ

بعینہ یہی ترجمہ اور حدیث کتاب اللباس میں بھی گذر چکی ہے (۳۶)، بظاہر تکرار ہے، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے فرمایا:

وعندي يمكن أن يقال في وجه الفرق بينهما: أن المصنف ذكره سابقًا لمناسبة اللباس؛ لاحتمال الكشف في هذه الصورة، وههنا ذكره لبيان

(٣٤) الأبواب والتراجم، كتاب الاستئذان، باب: من ناجىٰ بين يدى الناس: ١٢٥

(٣٥) إرشاد الساري: ١٣/٢٩٣، فتح الباري: ١١/٩٩، عمدة القاري: ٢٢/٢٦٨

(٣٦) صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب الاستلقاء ووضع الرجل على الأخرىٰ: ١٢٧١، رقم الحديث: ٥٩٦٩

الجواز؛ لورود النهي عنه......، ويمكن أيضًا أن يقال: إن المقصود في الترجمة السابقة هو الجزء الثاني من الترجمة، وهو وضع الرِجل على الأخرى والمقصود ههنا نفس الاستلقاء(۳۷)۔

یعنی "میرے نزدیک دونوں میں اس طرح فرق بیان کیا جاسکتا ہے کہ امام بخاریؒ نے پہلے اسے "کتاب اللباس" کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے ذکر کیا ہے، کیونکہ استلقاء کی صورت ہی میں کشفِ عورت کا احتمال ہوتا ہے۔ جب کہ یہاں استلقاء کے جواز کو بیان کرنے کے لیے ذکر کیا ہے کیونکہ اس کے متعلق نہی وارد ہوئی ہے...... اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ سابقہ ترجمہ میں ترجمہ کا جزءِ ثانی مقصود تھا یعنی ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر رکھنا، جب کہ یہاں نفسِ استلقاء کا بیان مقصود ہے"۔

٤٥ – باب : لَا يَتَنَاجَى اثْنَان دُونَ الثَّالِثِ .

وَقَوْلُهُ تَعَالَى : «يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ . إِنَّمَا النَّجْوَى مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْزُنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيْسَ بِضَارِّهِمْ شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ» /المجادلة : ٩ ، ١٠/ .

وَقَوْلُهُ : «يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً ذٰلِكَ خَيْرٌ لَكُمْ وَأَطْهَرُ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ . أَأَشْفَقْتُمْ أَنْ تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَاتٍ فَإِذْ لَمْ تَفْعَلُوا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَاللّٰهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ» /المجادلة : ١٢ ، ١٣/ .

٥٩٣٠ : حدّثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ : أَخْبَرَنَا مالِكٌ . وَحَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قالَ : حَدَّثَنِي مالِكٌ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قالَ : (إِذَا كَانُوا ثَلَاثَةً ،

(٣٧) الأبواب والتراجم، كتاب الاستئذان، باب: الاستلقاء: ٢/١٢٥

(٥٩٣٠) أخرجه مسلم في السلام، باب: تحريم مناجاة الاثنين دون الثالث بغير رضاه: ٤/١٧١٧، (رقم الحديث: ٢١٨٣)، وأبوداود في الأدب، باب في التناجي: ٤/٢٦٣ (رقم الحديث: ٤٨٥١)، وابن ماجه في الأدب باب: لايتناجى اثنان دون الثالث: ٢/١٢٤١ (رقم الحديث: ٣٧٧٥)، وأخرجه الترمذي في كتاب الأدب، باب ماجاء: لايتناجى اثنان دون الثالث (رقم الحديث: ٢٨٢٥)

فَلَا يَتَنَاجَى اثْنَانِ دُونَ الثَّالِثِ).

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب میں ایک ادب بیان کیا گیا ہے کہ اگر تین آدمی کسی مجلس میں ہیں تو ان میں دو آدمیوں کو آپس میں سرگوشی نہیں کرنی چاہیے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے قرآن کریم کی سورۂ مجادلہ کی دو آیتیں نقل فرمائی ہیں، پہلی آیتِ کریمہ نمبر نو ہے، جس کا ترجمہ ہے:

> ''اے ایمان والو! جب تم آپس میں سرگوشی کرو تو گناہ، ظلم اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشی نہ کرو، نیکی اور تقویٰ کی سرگوشی کرو''

یعنی سچے مسلمانوں کو منافقین کی خو سے بچنا چاہیے، ان کی سرگوشیاں اور مشورے ظلم وعدوان اور اللہ و رسول کی نافرمانی کے لیے نہیں، بلکہ نیکی تقوی اور معقول باتوں کی اشاعت کے لیے ہونے چاہئیں۔

دوسری آیتِ کریمہ نمبر گیارہ ہے، جس میں مؤمنین کو حکم دیا گیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گفتگو کرنے سے پہلے صدقہ دیا کریں۔ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> ''منافق بے فائدہ باتیں حضورؐ سے کان میں کرتے تا کہ لوگوں میں اپنی بڑائی جتائیں اور بعض مسلمان غیر مبہم باتوں کی سرگوشی کر کے اتنا وقت لے لیتے تھے کہ دوسروں کو حضورؐ سے مستفید ہونے کا موقع نہ ملتا تھا، یا کسی وقت آپ خلوت چاہتے تو اس میں بھی تنگی ہوتی تھی لیکن مروت واخلاق کے سبب کسی کو منع نہ فرماتے، اس وقت یہ حکم ہوا کہ جو قدرت والا آدمی حضورؐ سے سرگوشی کرنا چاہے، وہ اس سے پہلے کچھ خیرات کر کے آیا کرے، اس میں کئی فائدے ہیں، غریبوں کی خدمت، صدقہ کرنے والے کے نفس کا تزکیہ، مخلص ومنافق کی تمیز، سرگوشی کرنے والوں کی تقلیل وغیر ذلک۔ ہاں جس کے پاس خیرات کرنے کو کچھ نہ ہو، اس سے یہ قید معاف ہے۔ جب یہ حکم اترا تو منافقین نے مارے بخل کے وہ عادت چھوڑ دی اور مسلمان بھی سمجھ گئے کہ زیادہ سرگوشیاں کرنا اللہ کو پسند نہیں، اس لیے یہ قید لگائی گئی ہے، آخر یہ حکم اگلی آیت سے منسوخ فرمادیا'' (۳۸)

---

(۳۸) تفسير عثماني، سورة المجادلة: ۷۲۱

مفسرین نے لکھا ہے کہ اس آیت پر صرف حضرت علیؓ نے عمل کیا تھا (۳۹)

دونوں آیات کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

پہلی دو آیتوں کی ترجمۃ الباب سے مناسبت اکثر شراح نے لکھی ہے اور وہ یہ کہ تیسرے شخص کی موجودگی میں دو آدمیوں کی آپس میں سرگوشی جائز نہیں، ہاں تین سے اگر زائد ہوں تو پھر جائز ہے، لیکن جواز اس وقت ہے جب وہ سرگوشی گناہ، ظلم اور اللہ اور رسول کی نافرمانی پر مشتمل نہ ہو۔

اور آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ تین آدمیوں کی موجودگی میں دو کی سرگوشی گناہ ہے، جس سے آیتِ کریمہ میں منع کیا گیا ہے۔

البتہ ترجمۃ الباب میں ذکر کردہ تیسری آیت کی مناسبت حضرات شراح نے بیان نہیں کی ہے، حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے یہ مناسبت بیان کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

''ومناسبة الآيتين بالترجمة خفية، إلا أن يقال: إن تناجي اثنين إذا كان سبباً لمساءة الثالث، كان ذلك تناجياً بالإثم والعدوان، وهو منهي عنه، فكان إيراد الآية تغميماً لها حتى يدخل فيه تلك الجزئية، وأن التناجي لابد وأن يكون على حسب قواعده المقررة وآدابه المعلومة، دل عليه الآية الثانية؛ فإن خصوص تقديم الصدقة، وإن كان منسوخا، غير أن ما تضمّنَهُ هذه الآية من كون النجوى على حسب الآداب غير منسوخ، سواء كان النجوى بالرسول صلى الله عليه وسلم، أو غيره''(۴۰)۔

---

(۳۹) الجامع لأحكام القرآن: ۳۰۲/۱۷، والتفسير الكبير: ۲۷۱/۲۹، وروح المعاني، المجلد الرابع عشر، الجزء الثاني: ۳۱

(٤٠) لامع الدراري، كتاب الاستئذان، باب: لايتناجى اثنان......: ۶۱/۱۰، الأبواب والتراجم، كتاب الاستئذان، باب: لايتناجى اثنان دون الثالث: ۱۲۵/۲

یعنی ''دونوں آیتوں کی ترجمۃ الباب سے مناسبت میں کچھ خفا ہے، البتہ یوں مناسبت پیدا کی جاسکتی ہے کہ دو آدمیوں کی سرگوشی اگر تیسرے کی دل آزاری کا سبب ہو تو یہ گناہ اور عدوان کی سرگوشی ہوگی جس سے آیت کریمہ میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔تو آیت کے ذکر کرنے کا مقصد اس ممنوعہ صورت کو شامل کرنے کے لیے ہے، تاکہ یہ مخصوص جزئیہ (تیسرے کی موجودگی میں دو کی سرگوشی) بھی اس میں داخل ہو جائے اور دوسرے اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ سرگوشی اس کے مقرر کردہ ضابطوں اور معروف آداب کے ساتھ ہونی چاہیے، اس مقصد پر دوسری آیت دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ سرگوشی سے پہلے صدقہ کرنے کی نص اگرچہ منسوخ ہے، مگر آیت کا یہ مضمون کہ سرگوشی آداب کے مطابق ہونی چاہیے، منسوخ نہیں ہے۔خواہ سرگوشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو یا کسی اور کے ساتھ''۔

٤٦ – باب : حِفْظِ السِّرِّ.

٥٩٣١ : حدّثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَبَّاحٍ : حَدَّثَنَا مُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمانَ قالَ : سَمِعْتُ أَبِي قالَ : سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مالِكٍ : أَسَرَّ إِلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ سِرًّا ، فَمَا أَخْبَرْتُ بِهِ أَحَدًا بَعْدَهُ ، وَلَقَدْ سَأَلَتْنِي أُمُّ سُلَيْمٍ فَمَا أَخْبَرْتُهَا بِهِ .

ترجمۃ الباب کی غرض

راز کا افشاء جائز نہیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ابن ابی شیبہ نے نقل کی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"إذا حدث الرجل بالحديث ثم التفت فهي أمانة"(۴۱)۔یعنی ''کسی شخص نے اگر کوئی بات کہی اور بات کرتے وقت اس نے ادھر ادھر دیکھا کہ کوئی سن تو نہیں رہا، تو وہ بات امانت ہے''۔

اسی طرح مصنف عبدالرزاق میں ایک مرسل روایت ہے"إنما يتجالس المتجالسان بالأمانة

(٥٩٣١) أخرجه مسلم في فضائل الصحابة، باب: من فضائل أنس ابن مالك رضى الله تعالىٰ عنه: ١٩٢٨/٤ (رقم الحديث: ٢٤٨٢)

(٤١) إرشادالساري: ٢٩٢/١٣، فتح الباري: ٩٩/١١

فلايحل لأحد أن يفشي على صاحبه مايكره" (۴۲)۔ یعنی "دوہم جلیس امانت کی رعایت کے ساتھ بیٹھا کریں، پس کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے ساتھی کی ایسی بات کا افشاء کرے جس کا افشاء اسے برا لگے"۔

روایت باب حضرت انسؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے راز کی ایک بات کہی جو میں نے کسی کو نہیں بتلائی ہے۔

مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسی کام کے لیے بھیجا، اس میں دیر لگ گئی، جب میں گھر آیا تو میری والدہ ام سلیم نے مجھ سے تاخیر کی وجہ پوچھی، میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسی کام سے بھیجا تھا، انھوں نے کہا، کیا کام تھا، میں نے کہا، وہ راز ہے، انھوں نے کہا کہ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راز کسی کو نہ بتلائیں (۴۳)۔

بعض حضرات نے کہا کہ یہ راز شاید حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے متعلق تھا، علم و عمل سے متعلق کوئی بات نہ تھی، ورنہ حضرت انسؓ اسے کیسے چھپاتے (۴۴)۔

راز افشاء کرنا اس وقت ناجائز ہے جب اس کے افشاء کرنے میں صاحب راز یا کسی اور شخص کو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہو (۴۵)۔

٤٧ – باب : إِذَا كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثَةٍ فَلَا بَأْسَ بِالْمُسَارَّةِ وَالْمُنَاجَاةِ .

٥٩٣٢ : حدّثنا عُثْمانُ : حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ، عَنْ مَنْصُورٍ ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ رَضِيَ

(٤٢)فتح الباري: ٩٩/١١

(٤٣) صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب: من فضائل أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه: ١٩٢٩/٤، رقم الحديث: ٢٤٨٢

(٤٤) فتح الباري: ٩٩/١١، عمدة القاري: ٢٦٨/٢٢

(٤٥)فتح الباري: ٩٩/١١، عمدة القاري: ٢٦٨/٢٢، شرح صحيح البخاري لابن بطال: ٦٤/٩

(٥٩٣٢) أخرجه مسلم في السلام، باب: تحريم مناجاة الاثنين دون الثالث بغير رضاه. ١٧١٨/٤ (رقم =

اَللّٰهُ عَنْهُ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (إِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً ، فَلَا يَتَنَاجَى رَجُلَانِ دُونَ الآخَرِ حَتَّى تَخْتَلِطُوا بِالنَّاسِ ، أَجْلَ أَنْ يُحْزِنَهُ) .

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم تین آدمی ہو تو دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر سرگوشی نہ کریں، جب تک کہ بہت سے آدمی نہ ہوں، اس لئے کہ یہ اسے رنجیدہ کرے گا۔

۵۹۳۳ : حدّثنا عَبْدَانُ ، عَنْ أَبِي حَمْزَةَ ، عَنِ الْأَعْمَشِ ، عَنْ شَقِيقٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ : قَسَمَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمًا قِسْمَةً ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ : إِنَّ هٰذِهِ لَقِسْمَةٌ ما أُرِيدَ بِهَا وَجْهُ اللّٰهِ ، قُلْتُ : أَمَا وَاللّٰهِ لَآتِيَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ، فَأَتَيْتُهُ وَهُوَ فِي مَلَإٍ فَسَارَرْتُهُ ، فَغَضِبَ حَتَّى احْمَرَّ وَجْهُهُ ، ثُمَّ قَالَ : (رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَى مُوسَى ، أُوذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ) . [ر : ۲۹۸۱]

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دن کچھ مال تقسیم کیا تو ایک انصاری نے کہا کہ یہ وہ تقسیم ہے جس سے خدا کی خوشنودی پیش نظر نہیں ہے۔ میں نے کہا بخدا میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس جاؤں گا (اور آپ سے بیان کروں گا) چنانچہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ جماعت کے ساتھ تھے، میں نے چپکے سے آپ سے بات کی تو آپ غصہ ہوئے، یہاں تک کہ آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ موسیٰ پر خدا کی رحمت ہو، ان کو اس سے زیادہ تکلیف دی گئی، لیکن انہوں نے صبر کیا۔

جب مجلس میں آدمی، تین سے زیادہ ہوں تو دو آدمیوں کی آپس کی سرگوشی جائز ہے، باب کے اندر ذکر کردہ دونوں حدیثوں کی مناسبت ترجمۃ الباب سے ظاہر ہے۔

باب کی پہلی حدیث میں "أَجْلَ ......" مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔[1] اور یہ اپنے مابعد "أَنْ

= الحديث: ٢١٨٤)، وأبوداؤد في الأدب، باب في التناجي (رقم الحديث: ٤٨٥١)، والترمذي في الأدب، باب ماجاء: لا يتناجى اثنان دون الثالث (رقم الحديث: ٢٨٢٥)، وابن ماجه في كتاب الأدب، باب: لايتناجى اثنان دون الثالث (رقم الحديث: ٣٧٧٥)

يُحْزِنه" کی طرف مضاف ہے۔

٤٨ – باب : طولِ النَّجْوَى .

وَقَوْلُهُ : «وَإِذْ هُمْ نَجْوَى» /الإسراء: ٤٧/ : مَصْدَرٌ مِنْ نَاجَيْتُ ، فَوَصَفَهُمْ بِهَا ، وَالْمَعْنَى : يَتَنَاجَوْنَ .

٥٩٣٤ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ : حَدَّثَنَا مُحمدُ بْنُ جَعْفَرٍ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قالَ : أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ ، وَرَجُلٌ يُنَاجِي رَسُولَ اللهِ ﷺ ، فَمَا زَالَ يُنَاجِيهِ حَتَّى نَامَ أَصْحَابُهُ ، ثُمَّ قامَ فَصَلَّى . [ر : ٦١٦]

ترجمة الباب کا مقصد

ترجمة الباب کا مقصد یہ ہے کہ ضرورت کے وقت لمبی سرگوشی بھی کی جاسکتی ہے۔ قرآنِ کریم کی سورۃ مجادلہ میں ہے ﴿وإذ هم نجوى﴾ نجوی مصدر ہے، مصدر کا حمل ذات پر مبالغۃً ہوسکتا ہے، مقصد یہ ہے کہ وہ آپس میں بکثرت سرگوشیاں کرتے ہیں۔

روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طویل سرگوشی کی۔ شراح نے لکھا ہے کہ اس آدمی کا نام معلوم نہیں ہوسکا (۴۶)۔

٤٩ – باب : لَا تُتْرَكُ النَّارُ فِي الْبَيْتِ عِنْدَ النَّوْمِ .

٥٩٣٥ : حدّثنا أَبُو نُعَيْمٍ : حَدَّثَنَا ٱبْنُ عُيَيْنَةَ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ سَالِمٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (لَا تَتْرُكُوا النَّارَ فِي بُيُوتِكُمْ حِينَ تَنَامُونَ) .

---

(٤٦) فتح الباري في الأذان، باب الإمام تعرض له الحاجة بعد الإقامة: ٢/ ١٦٣

(٥٩٣٥) الحديث أخرجه مسلم في كتاب الأشربة، باب الأمر بتغطية الإناء وإيكاء السقاء (رقم الحديث: ٢٠١٥)، وأخرجه أبوداود في كتاب الأدب، باب: في إطفاء النار بالليل: ٤/ ٣٦٣ (رقم الحديث: ٥٢٤٦)، وأخرجه الترمذي في كتاب الأطعمة، باب ماجاء في تخمير الإناء وإطفاء السراج والنار عندالمنام: ٤/ ٢٦٣ (رقم الحديث: ١٨١٣)، وأخرجه ابن ماجه في كتاب الأدب، باب إطفاء النار عند المبيت (رقم الحديث: ٣٧٦٩)

سالم اپنے والد سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب تم سونے لگو تو اپنے گھروں میں آگ نہ رہنے دو۔

۵۹۳۶ : حدثنا محمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ : حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ ، عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ ، عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : ٱحْتَرَقَ بَيْتٌ بِالْمَدِينَةِ عَلَى أَهْلِهِ مِنَ اللَّيْلِ ، فَحُدِّثَ بِشَأْنِهِمُ النَّبِيُّ ﷺ ، قالَ : (إِنَّ هٰذِهِ النَّارَ إِنَّمَا هِيَ عَدُوٌّ لَكُمْ ، فَإِذَا نِمْتُمْ فَأَطْفِئُوهَا عَنْكُمْ) .

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ میں ایک گھر، رات کو گھر والوں سمیت جل گیا، ان لوگوں کا واقعہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیان کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ آگ تمہاری دشمن ہے، اس لئے جب تم سونے لگو تو اس کو بجھا دیا کرو۔

۵۹۳۷ : حدثنا قُتَيْبَةُ : حَدَّثَنَا حَمَّادٌ ، عَنْ كَثِيرٍ ، عَنْ عَطَاءٍ ، عَنْ جابِرِ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا قالَ : قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (خَمِّرُوا الآنِيَةَ ، وَأَجِيفُوا الْأَبْوَابَ ، وَأَطْفِئُوا الْمَصَابِيحَ ، فَإِنَّ الْفُوَيْسِقَةَ رُبَّمَا جَرَّتِ الْفَتِيلَةَ فَأَحْرَقَتْ أَهْلَ الْبَيْتِ) . [ر : ۳۱۰۶]

اس باب کے اندر بتلایا گیا ہے کہ سوتے ہوئے گھر میں آگ نہیں چھوڑنی چاہیے کیونکہ بسا اوقات وہ پھیل جاتی ہے اور نقصان ہوجاتا ہے۔ باب کے اندر دوسری حدیث میں ہے کہ یہ آگ تمہاری دشمن ہے، ابن العربی نے شرح ترمذی میں فرمایا "معنى كون النار عدوًّا لنا أنها تنافي أبداننا وأموالنا منافاة العدوّ، وإن كانت لنا بها منفعة لكن لا يحصل لنا منها إلا بواسطة" یعنی آگ میں اگرچہ فائدہ بھی ہے لیکن براہ راست چونکہ وہ آدمی کے مال اور بدن کو جلادیتی ہے، اس لیے اس پر دشمن کا اطلاق کیا گیا (۴۷)۔

باب کی تیسری حدیث میں ہے (سونے سے پہلے) برتن ڈھانک لیا کرو، دروازے بند کرلیا کرو،

(۵۹۳٦)الحديث أخرجه مسلم في كتاب الأشربة، باب الأمر بتغطية الإناء وإيكاء السقاء...... (رقم الحديث: ۲۱۰٦)، وأخرجه ابن ماجه في كتاب الأدب، باب إطفاء النار عندالمبيت: ۱۲۳۹/۲ (رقم الحديث: ۳۷۷۰)

(۴۷) فتح الباري: ۱۰۳/۱۱، عمدة القاري: ۲۷۰/۲۲

چراغ بجھادیا کرو، کیونکہ بسااوقات چوہا بتی کو کھینچ کرلے جاتا ہےاور گھر والوں کو جلادیتا ہے۔

أجيفوا: بند کرو۔

فويسقة کا مصداق اور وجہ تسمیہ

فُوَيْسِقة سے چوہا مراد ہے، طحاوی کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے اس کی وجہ پوچھی گئی کہ چوہے کو فـــويسـقة کیوں کہا جاتا ہے؟ انھوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات جاگ رہے تھے، چوہے نے آ کر بتی کھینچی تاکہ گھر کو جلادے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر اسے قتل کردیا اوراس کے مارنے کو محرم، غیر محرم سب کے لیے جائز قرار دیا (۴۸)۔

فائدہ

آگ کے اندر اللہ جل شانہ نے حرکت، حرارت، خشکی، لطافت اور روشنی پانچ اوصاف جمع کیے ہیں، حرکت کی وجہ سے وہ اُبالتی، حرارت سے گرم کرتی، خشکی سے سکھاتی، لطافت سے جسم کے اندر داخل ہوتی اور روشنی سے آس پاس کو روشن کرتی ہے، یہ انسان کے لیے مفید بھی ہے اور مضر بھی (۴۹)۔

٥٠ - باب : غَلْقِ الْأَبْوَابِ بِاللَّيْلِ .

٥٩٣٨ : حدّثنا حَسَّانُ بْنُ أَبِي عَبَّادٍ : حَدَّثَنَا هَمَّامٌ ، عَنْ عَطَاءٍ ، عَنْ جابِرٍ قالَ : قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (أَطْفِئُوا الْمَصَابِيحَ بِاللَّيْلِ إِذَا رَقَدْتُمْ ، وَأَغْلِقُوا الْأَبْوَابَ ، وَأَوْكُوا الْأَسْقِيَةَ ، وَخَمِّرُوا الطَّعَامَ وَالشَّرَابَ - قالَ هَمَّامٌ : وَأَحْسِبُهُ قالَ - وَلَوْ بِعُودٍ يَعْرُضُهُ) . [ر : ٣١٠٦]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات کو جب تم سونے لگو تو چراغوں کو بجھادیا کرو، دروازے بند کرلیا کرو، مشک کا منہ باندھ دیا کرو اور کھانے

(٤٨) شرح معاني الآثار، كتاب مناسك الحج، باب مايقتل المحرم من الدواب: ١/ ٤١١

(٤٩) إرشاد الساري: ١٣/ ٢٩٧، ٢٩٦

پینے کی چیزیں ڈھک کر رکھو۔

اور ھمام کا بیان ہے میرا خیال ہے، کہ آپ نے یہ بھی فرمایا "ولـو بـعـود" یعنی اگر چہ ایک لکڑی سے ہی کیوں نہ ہو۔

رات کو دروازے بند کر کے سونا چاہیے۔

وأوكئوا الأسقية یعنی مشکیزوں کو کسی چیز سے باندھو۔

قال همام: وأحسبه قال: ولوبعود

ہمام بن یحییٰ کہتے ہیں کہ میرے شیخ عطاء نے "ولـوبـعـود" کا اضافہ بھی کیا تھا۔ یعنی کھانے پینے کی چیزوں کو ڈھانپو، اگرچہ لکڑی سے ہو۔

٥١ – باب : اَلْخِتَانِ بَعْدَ الْكِبَرِ وَنَتْفِ الْإِبْطِ .

٥٩٣٩ : حدّثنا يَحْيَىٰ بْنُ قَزَعَةَ : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ ، عَنْ سَعِيدِ ٱبْنِ الْمُسَيَّبِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (الْفِطْرَةُ خَمْسٌ : ٱلْخِتَانُ ، وَالِاسْتِحْدَادُ ، وَنَتْفُ الْإِبْطِ ، وَقَصُّ الشَّارِبِ ، وَتَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ) . [ر : ٥٥٥٢]

٥٩٤٠ : حدّثنا أَبُو الْيَمَانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبُ بْنُ أَبِي حَمْزَةَ : حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ ، عَنِ الْأَعْرَجِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ : أَنَّ رَسُولَ ٱللّٰهِ ﷺ قالَ : (ٱخْتَتَنَ إِبْرَاهِيمُ بَعْدَ ثَمَانِينَ سَنَةً ، وَٱخْتَتَنَ بِالْقَدُومِ) . مُخَفَّفَةً .

قالَ أَبُو عَبْدِ ٱللّٰهِ : حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ : حَدَّثَنَا الْمُغِيرَةُ ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ وَقالَ : بِالْقَدُّومِ .

[ر : ٣١٧٨]

٥٩٤١ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ : أَخْبَرَنَا عَبَّادُ بْنُ مُوسَىٰ : حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ ، عَنْ إِسْرَائِيلَ ، عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قالَ : سُئِلَ ٱبْنُ عَبَّاسٍ : مِثْلُ مَنْ أَنْتَ حِينَ قُبِضَ النَّبِيُّ ﷺ ؟ قالَ : أَنَا يَوْمَئِذٍ مَخْتُونٌ ، قالَ : وَكَانُوا لَا يَخْتِنُونَ الرَّجُلَ حَتَّى يُدْرِكَ .

(٥٩٤١) الحديث أخرجه البخاري أيضاً في كتاب الاستئذان في هذا الباب (رقم الحديث: ٦٣٠٠)، والحديث من إفراده. انظر: عمدة القاري (٢٢/٤٢٣)

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ اس باب میں ختنہ کی اہمیت کو بیان کرنا چاہتے ہیں، مقصد یہ ہے کہ ختنہ ابتدائی عمر ہی میں کرنا چاہیے، لیکن اگر کسی کا ختنہ نہیں ہوا تو بڑے ہونے کے بعد بھی کرنا چاہیے، جس سے اس کی اہمیت معلوم ہوتی ہے جیسا کہ روایت باب میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسّی سال کے بعد ختنہ کیا تھا۔

ختنے کا حکم

ختنہ امام شافعیؒ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک واجب ہے(۵۰)۔ بعض مالکیہ کا بھی یہی مسلک ہے(۵۱) اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت وجوب کی منقول ہے(۵۲)۔

امام مالک رحمہ اللہ کی مشہور روایت اور حضرات حنفیہ کے نزدیک ختنہ مسنون ہے(۵۳)۔

ونتف الإبط:

بغل کے بالوں کے اندر سنت تو یہ ہے کہ اسے نوچ کر اکھیڑا جائے اور حلق کرانا بھی جائز ہے، اگر ہاتھ سے نکالتے ہوئے کسی کو تکلیف ہوتی ہو تو وہ حلق کرا سکتا ہے(۵۴)۔

اختتن إبراهيم بعد ثمانين سنة:

موطا کے اندر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک موقوف روایت ہے، اس میں ہے کہ حضرت ابراہیم

---

(٥٠) ردالمحتار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ٥/٥٣٠، والمغني لابن قدامة، باب ماتكون الطهارة من الماء: ٦٣/١

(٥١) أوجز المسالك: ٢٦٩/١٦

(٥٢) فتح الباري: ٤١٩/١٠

(٥٣) ردالمحتار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ٥/٥٣٠، والمنتقى للباجي كتاب: ٢٣٢/٧

(٥٤) المغني لابن قدامة، باب ماتكون الطهارة من الماء: ٦٤/١

علیہ السلام نے سب سے پہلے ختنہ کیا تھا، اس وقت ان کی عمر ایک سو بیس سال تھی (۵۵)۔

لیکن اکثر اور مشہور روایات اسّی سال کی ہیں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے دونوں طرح کی روایات میں تطبیق دی ہے کہ اسّی سال اپنی قوم سے جدائی کے وقت سے اور ایک سو بیس سال کی مدت ولادت کے وقت سے ہے (۵٦)۔

واختتن بالقَدُوم:

قَــدُوم: دال کی تخفیف کے ساتھ آلہ کا نام بھی ہے اور ایک بستی کا نام بھی ہے، جو شام کے شہر حلب کے قریب واقع ہے۔

اور ایک روایت ''قَــدُّوم'' دال کی تشدید کے ساتھ ہے، مہلب نے فرمایا کہ تشدید کے ساتھ جگہ کا اور دال کی تخفیف کے ساتھ آلے کا نام ہے (۵۷)۔

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مقامِ قدوم میں ختنہ کیا یا قدوم آلہ استعمال کر کے ختنہ کیا۔

ایک روایت میں قدوم کی تفسیر کلہاڑی سے کی گئی ہے (۵۸)۔

باب کی آخری روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کس عمر کے آدمی کی طرح تھے؟ (آپ کی کیا عمر تھی؟) انھوں نے جواب دیا کہ اس وقت میرا ختنہ ہو چکا تھا، راوی کہتا ہے کہ لوگ بالغ ہونے سے پہلے ختنہ نہیں کراتے تھے گویا کہ آپ کی وفات کے وقت حضرت ابن عباسؓ بالغ تھے۔

---

(۵۵) وتعقبه الشيخ الإمام محمد زكريا الكاندهلويّ في "أوجز المسالك": بأن ماحكى الحافظ من رواية "الموطأ" ليست ههنا في النسخ المصرية، ولا الهندية. كتاب صفة النبي صلى الله عليه وسلم، باب ماجاء في السنة في الفطرة: ۲۸۳/۱٦

(۵٦) فتح الباري: ۱۰۷/۱۱

(۵۷) فتح الباري: ۱۰۷/۱۱

(۵۸) فتح الباري: ۱۰۷/۱۱، إرشاد الساري: ۲۹۸/۱۳

ختنہ کرنے کی عمر

ختنہ کس عمر میں کرنا چاہیے، اس میں اختلاف ہے۔ درمختار میں ہے "وقتہ غیر معلوم" یعنی "اس کا وقت معلوم نہیں ہے"۔(٥٩) امام ابوحنیفہؒ اور حضرات صاحبینؒ سے بھی کوئی وقت مروی نہیں، امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا "لاعلم لي بوقته" یعنی "مجھے اس کا وقت معلوم نہیں" (٦٠)۔

البحر الرائق میں ہے کہ ایک قول کے مطابق اس کا اول وقت سات سال اور انتہائی وقت بارہ سال ہے اور ایک قول میں انتہائی وقت دس سال ہے (٦١)۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ ولادت کے ساتویں دن ختنہ کرانا مستحب ہے، لیکن ابن المنذرؒ نے امام مالکؒ سے اس کی کراہت نقل کی ہے، انھوں نے کہا یہ یہودیوں کا فعل ہے (٦٢)۔

باب کی کتاب الاستیذان سے مناسبت

ختان کی مناسبت بیان کرتے ہوئے علامہ کرمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

إن الختان يستدعي الاجتماع في المنازل غالبًا یعنی ختنے کے وقت چونکہ عموماً لوگ گھروں کے اندر جمع ہوتے ہیں، اس مناسبت سے اس کو کتاب الاستیذان میں ذکر کیا۔ کیونکہ جہاں لوگ جمع ہوں گے وہاں اجازت لینے کی ضرورت ہوگی۔

٥٢ - باب : كُلُّ لَهْوٍ بَاطِلٌ إِذَا شَغَلَهُ عَنْ طَاعَةِ ٱللهِ ، وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِهِ : تَعَالَ أُقَامِرْكَ .

وَقَوْلُهُ تَعَالَى : «وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ ٱللهِ» /لقمان : ٦/ .

---

(٥٩) الدر المختار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ٥/٥٣٠

(٦٠) قال في الدر المختار: "وقته غير معلوم، وقيل: سبع سنين، كذا في الملتقى، وقيل: عشر، وقيل: أقصاه اثنتا عشرة سنة، وقيل: العبرة بطاقته، وهو الأشبه. كتاب الخنثى، مسائل شتى: ٥/٥٣٠، والبحر الرائق، مسائل شتى: ٨/٤٨٥

(٦١) البحر الرائق، مسائل شتى: ٨/٤٨٥

(٦٢) أوجز المسالك، كتاب صفة النبي صلى الله عليه وسلم، باب ماجاء في السنة في الفطرة: ١٦/٢٧٣

٥٩٤٢ : حدّثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ ، عَنْ عُقَيْلٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ : أَخْبَرَنِي حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ : أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : (مَنْ حَلَفَ مِنْكُمْ فَقَالَ فِي حَلِفِهِ : بِاللَّاتِ وَالْعُزَّى ، فَلْيَقُلْ : لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ ، وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِهِ : تَعَالَ أُقَامِرْكَ ، فَلْيَتَصَدَّقْ) . [ر : ٤٥٧٩]

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام ابوداود اور امام احمد نے عقبہ بن عامر سے ایک مرفوع روایت نقل کی ہے، اس کے الفاظ ہیں "كل مايلهو به المرء المسلم باطل، إلا رميه بقوسه، وتأديبه فرسه، وملاعبته أهله" (۶۴) چونکہ یہ روایت امام بخاریؒ کی شرط پر نہیں تھی، اس لیے اسے ترجمۃ الباب میں ذکر کر دیا، حاصل یہ ہے کہ ہر وہ کھیل کود، جو انسان کو اللہ کی طاعت اور دوسری ذمہ داریوں سے غافل کرے، وہ جائز نہیں۔

ترجمۃ الباب کا دوسرا جزء ہے ومن قال لصاحبه: تعال، أقامرك ۔ یہ بھی حدیث مرفوع کا حصہ ہے جو کتاب الادب میں گذر چکی ہے، اس میں ہے من قال لصاحبه: تعال، أقامرك فليتصدق۔

اس کی تشریح کشف الباری، کتاب التفسیر میں گذر چکی ہے (۶۵)۔

ترجمۃ الباب کا تیسرا جزء قرآن کریم کی آیت کریمہ ہے ﴿ومن الناس من يشتري لهو الحديث ليضل عن سبيل الله﴾

اس آیت کریمہ میں "لهو الحديث" کی تفسیر حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے کی ہے۔ "كل ماشغلك عن عبادة الله وذكره من السمر والأضاحيك والخرافات والغناء ونحوها"۔ (یعنی

---

(٦٣) إرشادالساري: ١٣/٣٠، نیز دیکھیے: شرح الكرماني: ٢٢/١٢٠

(٦٤) سنن الترمذي، كتاب فضائل الجهاد، باب ماجاء في فضل الرمي في سبيل الله: ٤/١٧٤، رقم الحديث: ١٦٣٨، ورواه أبوداود في سننه بلفظ: "ليس من اللهو إلا ثلث: تأديب الرجل فرسه، وملاعبته أهله، ورميه بقوسه ونبله"، كتاب الجهاد، باب في الرمي: ٣/١٣، رقم الحديث: ٢٥١٣

(٦٥) كشف الباري، كتاب التفسير، باب: أفرأيتم اللات والعزى: ٦٣٩

''لہوالحدیث'' سے ہر وہ چیز مراد ہے، جو اللہ تعالیٰ کی یاد اور طاعت سے ہٹانے والی ہو، مثلاً فضول قصہ گوئی، ہنسی مذاق کی باتیں، واہیات مشغلے اور گانا بجانا وغیرہ)

حدیث کی باب اور باب کی کتاب سے مناسبت

حدیث باب کی مناسبت ترجمۃ الباب سے اور ترجمۃ الباب کی مناسبت کتاب الاستیذان سے بیان کرتے ہوئے علامہ قسطلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''إن الداعي إلى القمار لاينبغي أن يؤذن له في دخول المنزل، ثم لكونه يتضمن اجتماع الناس، ومناسبة بقية حديث الباب للترجمة أن الحلف باللات لهو يشغل عن الحق بالخلق فهو باطل''(٦٧)۔

یعنی ''قمار کی دعوت دینے والے کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی جائے، پھر قمار لوگوں کے اجتماع کو بھی متضمن ہے...... اور حدیث باب کی ترجمۃ الباب سے مناسبت یہ ہے کہ ''لات'' کی قسم کھانا ایسا لہو ہے جو حق تعالیٰ سے غافل کر کے مخلوق کی طرف متوجہ کرنے والا ہے، لہٰذا یہ باطل ہے''۔

٥٣ - باب : مَا جَاءَ فِي الْبِنَاءِ .

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : (مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ إِذَا تَطَاوَلَ رُعَاةُ الْبَهْمِ فِي الْبُنْيَانِ) .
[ر : ٥٠]

ترجمۃ الباب کی غرض

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے تعمیرات سے متعلق حکم بیان کیا ہے کہ بلاضرورت اونچی بڑی عمارتیں بنانا پسندیدہ اور جائز نہیں۔

استدلال میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ایک حصہ یہاں تعلیقاً ذکر کیا ہے ''من أشراط

(٦٧) إرشاد الساري: ٣١/١٣

الساعة إذا تطاول رِعاء البهم في البنيان ''یعنی قیامت کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہوگی کہ چرواہے بڑی تعمیرات بنا کر باہمی فخر کریں گے، مقصد یہ ہے کہ ذلیل اور رذیل لوگوں کے ہاتھ میں دولت کی فراوانی ہوگی اور وہ بلاضرورت بڑی بڑی عمارتیں بنا کر فخر وتقابل کریں گے۔

رِعَـاء (راء کے کسرہ کے ساتھ) راعی کی جمع ہے بمعنی چرواہا۔ البَهْـم (باء کے فتحہ اور ہاء کے سکون کے ساتھ) بَہْـمة کی جمع ہے بھیڑ بکری کے بچے کو کہتے ہیں اور یا یہ بُهْـم (باء کے ضمہ اور ھاء کے سکون کے ساتھ) أبْهَم کی جمع ہے۔ علامہ عینی اس کی تشریح میں فرماتے ہیں الأبهم: هوالذي يخلط لونه شيئ سوى لـونـه (۶۸) یعنی ''وہ چیز جس کے رنگ کے ساتھ کوئی اور چیز مل گئی ہو اور اس کا رنگ اس کے رنگ سے مختلف ہو''۔ بہرحال رعاۃ البھم سے بھیڑ بکریوں وغیرہ کے چرواہے مراد ہیں۔

بے فائدہ بلند وبالا تعمیرات کی مذمت

امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کا یہ حصہ اونچی اور بلند وبالا بے فائدہ تعمیرات کی مذمت میں پیش کیا ہے کہ اس طرح کرنا علاماتِ قیامت میں سے ہے۔ اس کی مذمت میں دوسری کئی صریح احادیث بھی وارد ہیں۔

حضرت خبابؓ کی مرفوع روایت ہے ''يؤجر الرجل في نفقته كلها إلا التراب'' یعنی ''آدمی کو اس کے پورے نفقہ اور خرچ پر اجر دیا جاتا ہے، سوائے مٹی (تعمیرات) کے'' (۶۹)۔

---

(۶۸) عمدة القاري: ۲۲/۲۷۱

(۶۹) قال الإمام أنور شاه الكاشميري رحمه الله تعالیٰ: واعلم أنك لاتجد الشرع إلّاوهو يذم البناء، حتى أنه ذم تزخرف المساجد أيضاً، وجعل التباهي فيها من أمارات الساعة، وذلك وهو منصبه؛ فإنه لايقول لنا إلّانصحاً نصيحاً، ولايبين لنا إلّا حقاً حقيقاً، فَسَدَّ علينا سبل الشياطين من كل جانب، فلوكان وسع فيه من أول الأمر، لبلغ اليوم حالهم إلى حدّ لايقاس؛ فإنهم إذا فعلوا بعد هذا التضييق مافعلوا، فلوكان الأمر موسعاً مصرحاً، لرأيت الحال ماكان. فلذاً لم يردالشرع فيه بالتوسيع، إلّا أنه يجب علينا أن لانهدر المصالح الشرعية، فقد رأينا اليوم أن المساجد لوكانت على حالها في السلف، ونحن في دارالكفر، لانهدمت ألوف منها، ولَمّا وجدت لها اليوم رسمًا ولااسمًا، فالأنسب لنا اليوم أن نجصّص المساجد؛ لتكون شعائر الله هي =

ایک اور روایت ہے ”إذا أراد الله بعبدٍ سوءاً أنفق ماله في البنیان“ (۷۰) یعنی ”اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کے ساتھ برا معاملہ کرنا چاہتے ہیں تو وہ اپنا مال تعمیرات میں خرچ کرنے لگتا ہے“۔

اسی طرح ابن ابی الدنیا نے عمارہ بن عامر سے ایک موقوف روایت نقل کی ہے ”إذا رفع الرجل بناءً فوق سبعة أذرع، نودي: یافاسق! إلی أین“؟ (۷۱) یعنی ”جب کوئی شخص سات ذراع سے اونچا مکان بناتا ہے تو اسے آواز دی جاتی ہے: اے فاسق، تو کہاں جا رہا ہے؟“

٥٩٤٣ : حدثنا أَبُو نُعَيْمٍ : حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ ، هُوَ ٱبْنُ سَعِيدٍ ، عَنْ سَعِيدٍ ، عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُمَا قالَ : رَأَيْتُنِي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بَنَيْتُ بِيَدِي بَيْتًا يُكِنُّنِي مِنَ المَطَرِ ، وَيُظِلُّنِي مِنَ الشَّمْسِ ، ما أَعانَنِي عَلَيْهِ أَحَدٌ مِنْ خَلْقِ ٱللّٰهِ .

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں خود اپنے ہاتھ سے اپنا مکان بنایا تھا جو مجھے بارش سے پناہ دیتا اور دھوپ سے سایہ فراہم کرتا، اس کے بنانے میں خلقِ خدا میں کسی نے بھی میری مدد نہیں کی، اس میں اشارہ تھا کہ وہ گھر معمولی اور چھوٹا سا تھا۔

٥٩٤٤ : حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللّٰهِ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ : قالَ عَمْرٌو : قالَ ٱبْنُ عُمَرَ : وَٱللّٰهِ مَا وَضَعْتُ لَبِنَةً عَلَى لَبِنَةٍ ، وَلَا غَرَسْتُ نَخْلَةً ، مُنْذُ قُبِضَ النَّبِيُّ ﷺ . قالَ سُفْيَانُ : فَذَكَرْتُهُ لِبَعْضِ أَهْلِهِ ، قالَ : وَٱللّٰهِ لَقَدْ بَنَى بَيْتًا . قالَ سُفْيَانُ : قُلْتُ : فَلَعَلَّهُ قالَ قَبْلَ أَنْ يَبْنِيَ .

= العليا، ولاتندرس بمرور الأيام، فيغصبها الكفار، ويجعلوها نسيًا منسيًا، والله تعالى أعلم. فيض الباري، كتاب الاستيذان، باب ماجاء في البناء: ٤/٤١٤

(٧٠) فتح الباري: ١١/١١١

(٧١) فتح الباري: ١١/١١١

(٥٩٤٣) الحديث أخرجه ابن ماجه في كتاب الزهد، باب في البناء والخراب: ٢/١٣٩٣ (رقم الحديث: ٤١٦٢)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ واللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سے نہ تو میں نے کوئی اینٹ کسی اینٹ پر رکھی اور نہ کوئی پودا لگایا۔

سفیان نے کہا کہ میں نے یہ حدیث ان کے بعض اہل خانہ سے بیان کی تو انھوں نے کہا کہ حضرت ابن عمرؓ نے تو مکان بنایا...... سفیان نے کہا میں نے جواب دیا، کہ شاید مکان بنانے سے پہلے ایسے کہا ہوگا۔

کتاب الاستئذان کے ابواب پر ایک نظر

امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الاستئذان میں کل مندرجہ ذیل ۵۳ ابواب قائم فرمائے ہیں:

١- باب بدء السلام
٢- باب سورة النور : [الآيات: ٢٧-٢٩]
٣- باب السلام اسم من أسماء الله تعالىٰ
٤- باب تسليم القليل على الكثير
٥- باب تسليم الراكب على الماشي
٦- باب تسليم الماشي على القاعد
٧- باب تسليم الصغير على الكبير
٨- باب إفشاء السلام
٩- باب السلام للمعرفة وغير المعرفة
١٠- باب آية الحجاب
١١- باب الاستئذان من أجل البصر
١٢- باب زنا الجوارح دون الفرج
١٣- باب التسليم والاستئذان ثلاثاً
١٤- باب إذا دعي الرجل فجاء هل يستأذن؟
١٥- باب التسليم على الصبيان
١٦- باب تسليم الرجال على النساء، والنساء على الرجال
١٧- باب إذا قال: مَن ذا؟ فقال: أنا
١٨- باب مَن ردّ فقال: عليك السلام
١٩- باب إذا قال فلان يقرئك السلام
٢٠- باب التسليم في مجلس فيه أخلاط من المسلمين والمشركين
٢١- باب مَن لم يسلم على مَن اقترف ذنبا ومَن لم يرد سلامه حتى تتبين توبته وإلى متى تتبين توبة العاصي؟
٢٢- باب كيف يرد على أهل الذمة السلام؟
٢٣- باب مَن نظر في كتاب مَن بحذر على المسلمين ليستبين أمره
٢٤- باب كيف يكتب الكتاب إلى أهل الكتاب؟
٢٥- باب بمن يبدأ في الكتاب

٢٦– باب قول النبي ﷺ: "قوموا إلى سيدكم"
٢٧– باب المصافحة
٢٨– باب الأخذ باليدين
٢٩– باب المعانقة وقول الرجل كيف أصبحت؟
٣٠– باب مَن أجاب بلبيك وسعديك
٣١– باب لايقيم الرجل الرجل من مجلسه
٣٢– باب سورة المجادلة [الآية: ١١]
٣٣– باب مَن قام من مجلسه أو بيته
٣٤– باب الاحتباء باليد وهو القرفصاء
٣٥– باب من اتكأ بين يدي أصحابه
٣٦– باب مَن أسرع في مشيه لحاجة أو قصد
٣٧– باب السرير
٣٨– باب مَن ألقي له وسادة
٣٩– باب القائلة بعد الجمعة
٤٠– باب القائلة في المسجد
٤١– باب مَن زاد قوماً فقال عندهم
٤٢– باب الجلوس كيفما تيسر
٤٣– باب مَن ناجى بين يدي الناس
٤٤– باب الاستلقاء
٤٥– باب لايتناجى اثنان دون الثالث
٤٦– باب حفظ السر
٤٧– باب إذا كانوا أكثر من ثلاثة فلا بأس بالمسارة
٤٨– باب طول النجوى،
٤٩– باب لاتترك النار في البيت عند النوم
٥٠– باب إغلاق الأبواب بالليل
٥١– باب الختان بعد الكبر ونتف الإبط
٥٢– باب كل لهو باطل إذا شغله عن طاعة الله
٥٣– باب ماجاء في البناء

ان میں بعض ابواب ایسے ہیں کہ ان کا استئذان کے ساتھ تعلق واضح نہیں ہے، جیسا کہ امام بخاری ؒ کا صنیع ہے کہ وہ معمولی مناسبتوں سے بھی ابواب اور احادیث لے آتے ہیں اور بسا اوقات وہ نسبت بڑی خفی اور دقیق ہوتی ہے، مثلاً آخری باب تعمیرات سے متعلق ہے، اس باب کا بظاہر استئذان سے تعلق نظر نہیں آتا کیونکہ اس باب میں بلا فائدہ بلند وبالا عمارتوں کی کراہت بیان کی گئی ہے لیکن چونکہ استئذان، کسی کے پاس جانے اور داخل ہونے کے لئے اجازت طلب کرنے کو کہتے ہیں اور آدمی کی ملاقات کے لئے کسی گھر یا مکان ہی میں عموماً جانا پڑتا ہے، اس مناسبت سے عمارت سے متعلق باب بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الاستئذان میں ذکر فرمایا۔

اس سے پہلے ایک باب رات کے وقت دروازوں کے بند کرنے سے متعلق ہے اور اس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ راتے کے وقت دروازوں کو بند کر دینا چاہیے...... چونکہ استئذان میں آدمی دروازے کے پاس آتا ہے، اس مناسبت سے امام نے "غلق الابواب" کا باب کتاب الاستئذان کے تحت ذکر فرمایا۔

اسی طرح "باب آیۃ الحجاب" امام بخاری رحمہ اللہ نے قائم فرمایا ہے، استئذان کی مشروعیت کے بہت سارے مصالح ہیں، ان میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ بے پردگی نہ ہو اور کسی اجنبی غیر محرم پر نگاہ نہ پڑ جائے، اس مناسبت سے حجاب کی آیت پر مستقل باب قائم کر کے امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے کتاب الاستئذان کے تحت ذکر فرمایا ہے۔

اسی طرح کتاب الاستئذان میں امام نے باب قائم کیا ہے باب الختان بعد الکبر ونتف الإبط...... بظاہر ختنہ کرنے کی مناسبت استئذان سے نہیں، لیکن چونکہ ختنہ کے موقع پر عموماً لوگ گھروں میں جمع ہوتے ہیں اور استئذان کی ضرورت پڑتی ہے، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے کتاب الاستئذان میں ذکر فرمایا۔ واللہ اعلم!

٨٣ - كتاب الدعوات

كشف الباري عما في صحيح البخاري

۸۳- کتابُ الدّعوات

(الأحادیث: ۵۹۴۵-۶۰۴۸)

کتاب الدعوات ۶۹......ابواب اور ۱۴۵......احادیث مرفوعہ پر مشتمل ہے، جن میں ۱۴......احادیث معلق ہیں اور بقیہ ۱۰۴......احادیث موصول ہیں، جن میں ۱۲۱......احادیث مکرر ہیں اور بقیہ ۲۴......احادیث غیر مکرر ہیں، یعنی کتاب الدعوات یا اس سے پہلے امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کو مکرر ذکر نہیں کیا، ان میں آٹھ حدیثوں کے سوا بقیہ سب احادیث کی تخریج امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی کی ہے اور وہ متفق علیہ ہیں...... کتاب الدعوات میں حضرات صحابہ اور تابعین کے نو آثار امام نے ذکر فرمائے ہیں۔

دعا اور اس کے آداب

دعا مومن کا ہتھیار، عبادت و بندگی کا نچوڑ، دلِ دردمند کا درماں اور قلبِ مضطرب کا سہارا ہے...... جب سارے ظاہری سہارے جواب دے جائیں، توقعات کے روزن اور امیدوں کے دریچے بند ہوجائیں...... تمنا کی ہری شاخ، حسرتوں کے بے رنگ کانٹے کا روپ دھار لے، ہر سمت اندھیرا چھا جائے...... مایوسی کے عالم میں بندۂ مومن کے پاس ایک دعا ہی کی قندیل رہ جاتی ہے، وہ ہاتھ اٹھاتا ہے، رب کی بارگاہ میں جاتا ہے، لجاجت کے ساتھ گڑگڑاتا ہے...... فلک سے رحم لانے اور بخشش پانے کے لئے اس کے والہانہ نالے اٹھتے، اس کی آہیں بلند ہوتی، اس کی اشکیں رواں ہوتی اور اس کی فریادی نوائیں نکلتی ہیں...... اس کے من میں اپنے کرتوتوں، شیطان کے چرکوں، نفس کے زخموں کی کسک کا احساس تازہ ہوجاتا ہے...... اس کے دل میں جھوٹے خداؤں سے توقعات کی حماقتوں، زمانے کی بے وفائیوں، راستہ کی صعوبتوں، منزل کی دشواریوں اور زندگی کی شکایتوں کا درد جاگ اٹھتا ہے...... جذبات کے تلاطم میں اس کی لڑکھڑاتی زبان ''ربی ربی'' (میرے رب، میرے اللہ) سے آگے بڑھنے نہیں پاتی...... احساسات کا ریلہ لفظوں کی شکل اختیار کرنے کی بجائے ہچکیوں کا رخ کرلیتا ہے اور سرکشی کی منہ زور موجیں، شکستگی کے ساحل سے ٹکرا کر فنا ہوجاتی ہیں، وہ ڈرتا بھی ہے اور مانگتا بھی ہے، کپکپاتا بھی ہے اور پکارتا بھی ہے، اسے خوف بھی رہتا ہے اور امید بھی کہ خوف ورجا اور امید وبیم کی یہ کیفیت ایمان کی نشانی ہے، اسے یقین ہوتا ہے کہ اس در کا بھکاری بننے میں قسمت کی سکندری اور بے نوائی کی یاوری ہے، شکستگی کی یہی ادا بندگی کی معراج، بندہ وخالق کے درمیان عجز ونیاز اور نصرت خداوندی وصول کرنے کا موثر ذریعہ ہے، حدیث قدسی ہے، اللہ کہتا ہے: ''میں ٹوٹے دلوں کے ساتھ ہوں'' (۱)...... دل ٹوٹتا ہے، آرزو شکست

(۱) ولفظه "أنا عند المنكسرة قلوبهم من أجلي" ذكره السخاوي في المقاصد الحسنة، ص: ۱۰۶.

قال العجلوني: "قال في المقاصد: ذكره في البداية للغزالي، وقال القاري عقبه: ولا يخفى أن الكلام في هذا المقام لم يبلغ الغاية، قلت: وتمامه "وأنا عند المندرسة قلوبهم لأجلي"، ولا أصل لهما في المرفوع انتهى". كشف الخفا (۱/۲۰۳)، رقم ۶۱۴

کھاتی ہے اور تمناؤں کا آئینہ ریزہ ریزہ ہو کر بکھرتا ہے تو عجز وبندگی کا جوہر چمکنے لگتا ہے:

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ

گر شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

ویسے تو ہر شخص اپنی زبان میں اپنی فہم اور اپنی ضرورت کے مطابق اللہ کی ذات سے دعائیں کرتا ہے لیکن احادیث کے مبارک ذخیرے میں جو دعائیں پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منقول ہیں، ان کی فصاحت وبلاغت، ان کی سلاست وروانی، ان کی جامعیت وشیرینی اور ان کی برجستگی وبے ساختگی کو دیکھ کر بلاشبہ کہا جاسکتا ہے کہ آسمانی کتابوں اور صحیفوں کے علاوہ اس قدر خوب صورت کلام کی کوئی اور نظیر نہیں، دنیا کی کوئی خیر وبھلائی ایسی نہیں جو ان میں مانگی نہ گئی ہو، کوئی ایسا شر نہیں جس سے پناہ طلب نہ کی گئی ہو...... ان دعاؤں میں ہر ضرورت اور ہر بھلائی کا احاطہ کیا گیا ہے، ہر طرح کی پریشانی سے نجات کے لئے وظیفہ سکھایا گیا ہے، ہر مقام کی مناسبت سے ذکر کی تلقین کی گئی ہے، یہ اس قدر مؤثر اور بابرکت دعائیں ہیں کہ اگر آدمی ان کا اہتمام کرلے تو اس کے شب وروز کی ساری ساعتیں اللہ کے ذکر ومناجات سے معطر معطر ہو جائیں گی...... بقول مولانا ابوالحسن علی ندوی:

”یہ دعائیں مستقل معجزات اور دلائل نبوت ہیں، ان کے الفاظ شہادت دیتے ہیں کہ ایک پیغمبر ہی کی زبان سے نکلے ہیں، ان میں نبوت کا نور ہے، پیغمبر کا یقین ہے ”عبد کامل“ کا نیاز ہے، محبوب رب العالمین کا اعتماد وناز ہے، فطرتِ نبوت کی معصومیت وسادگی ہے، دل دردمند وقلب مضطر کی بے تکلفی وبے ساختگی ہے، صاحب عرض وحاجت مند کا اصرار واضطرار بھی ہے اور بارگاہ الوہیت کے ادب شناس کی احتیاط بھی، دل کی جراحت اور درد کی کسک بھی ہے اور چارہ ساز کی چارہ سازی اور دل نوازی کا یقین وسرور بھی“۔

ذرا دیکھئے، زبانِ رسالت سے لرز لرز کر ادا شدہ یہ بلیغ دعا کس عالم میں کہی گئی ہے اور دریائے رحمت میں اس نے کس قدر ہلچل پیدا کی ہوگی:

”أللهم إنك تَسمَعُ كلامي، وتَرى مكاني، وتَعلمُ سِرّي وعلانيتي، لا يَـخفَى عليك شيءٌ من أمري، أنا البائسُ الفقيرُ، المُستغيثُ المُستجِيرُ، الوَجِلُ

الـمُشـفِـقُ، الـمُـقِرُّ المعترف بذنوبي، أسألك مسألةَ المسكينِ، وأبتهِلُ إليك ابتِهالَ المُذنِبِ الذليلِ، وأدعوك دعاءَ الخائفِ الضَّرِيرِ، ودعاءَ من خَضعَتْ لك رَقبتُـهُ، وفـاضتـه لك عينـاه، وذَلَّ لك جسمُـه، وَرغِمَ لك أنفُـه ...... اللهم لاتَجعلْني بدعائك شقياً، وكن بي رؤوفاً رحيماً، يا أرحمَ الراحمين، يا أرحمَ الراحمين، يا أرحمَ الراحمين!"(۲).

''میرے اللہ! تو میری نواسن رہا ہے اور میرا مقام دیکھ رہا ہے، میرا باطن وظاہر جانتا ہے، میرا کوئی معاملہ تجھ سے پوشیدہ نہیں، میں مصیبت زدہ، محتاج، فریادی، پناہ جو، لرزاں وترساں اپنے گناہوں کا معترف واقراری، مسکین کی طرح تجھ سے سوالی ہوں اور گناہگار عاجز کی مانند گڑگڑاتا ہوں، میں تجھ سے دعا مانگ رہا ہوں، اس دکھی، لرزیدہ شخص کی سی دعا جس کی گردن تیرے سامنے خم ہوئی، جس کے آنسو تیرے لئے بہے، جس کا جسم تیری بندگی کے لئے جھکا اور جس کی ناک تیرے لئے خاک آلود ہوئی ...... میرے رب! میرے اللہ! مجھے اس دعا میں محروم نہ کرنا میرے ساتھ شفقت اور کرم کا معاملہ فرما..... اے ارحم الراحمین ...... اے ارحم الراحمین ......''

جب ایمان کی اس کیفیت، عجز وبندگی کے اس احساس اور بے اعتدالیوں پر ندامت کے ان جذبات کے ساتھ بندۂ مومن دعا کرتا، رب سے مانگتا اور اس کے حضور ہاتھ پھیلاتا ہے، تب رحمت کے بادل برستے، برکتوں کے قفل کھلتے اور نصرت کے دروازے واہوتے ہیں...... دل کا بوجھ ہلکا اور باطن کا غبار چھٹتا ہرا محسوس ہوتا ہے...... بعض نادانوں کو شکایت ہوتی ہے کہ دعا کر کے تھک گئے، قبول ہی نہیں ہوتی ...... یہ غلط فہمی ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس دربار میں کوئی صدا رایگاں نہیں جاتی، اگر مصلحت کی وجہ سے کوئی دعا دنیا میں قبول نہیں ہوتی تو آخرت کے لئے ذخیرہ کردی جاتی ہے یا اس کے عوض آنے والی کوئی آفت ٹال دی جاتی ہے اور یا قبول تو ہو جاتی ہے لیکن

(۲) أخرجه الطبراني في المعجم الصغير، ص: ١٤٤، وأورده الهيثمي في مجمع الزوائد: ١٥٢/٣. وفي المجمع: "يا خير المسؤولين، وياخير المعطين" مكانَ: "ياأرحم الراحمين......".

مصلحتاً اس میں تاخیر کردی جاتی ہے......(۳)۔

دعا صرف بڑی حاجتوں کے حل کرنے کا نسخہ نہیں، بلکہ چھوٹی چھوٹی ضرورتوں اور ہلکی پریشانیوں کے لئے بھی، اسی رب کی بارگاہ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے، حدیث میں ہے کہ کسی کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے، اس کے لئے بھی اللہ سے دعا کرنی چاہیے(۴)۔

آدابِ دعا

قرآن وحدیث سے ماخوذ، دعا کے کچھ آداب ہیں، جن کی رعایت کی جائے تو دعا کی قبولیت یقینی ہوجاتی ہے اوراس کے جلد مقبول ہونے کے امکانات روشن ہوجاتے ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی کتاب الدعوات کے مختلف ابواب میں ان آداب کی طرف اشارہ فرمایا ہے، یہاں ان آداب کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے:

❶ باوضو ہوکر دعا کرنا، آداب دعا میں سے ہے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پانی منگوایا، وضو کیا اور پھر دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا فرمائی(۵)........ اس روایت سے ایک ادب دعا کا معلوم ہوا لیکن ظاہر ہے، یہ اسی وقت ممکن ہے جب وضو کے لئے وقت ہو، جہاں وضو کا موقع نہ مل سکے، اس کے بغیر بھی دعا کی جاسکتی ہے۔

❷ قبلہ رخ ہوکر دعا کرنا بھی، آدابِ دعا میں سے ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے آگے مستقل باب قائم کیا ہے، "باب الدعاء مستقبل القبلة" اس باب سے اسی ادب کی طرف اشارہ فرمایا ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کئی احادیث کے اندر قبلہ رخ ہوکر دعا کا ثبوت ملتا ہے، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے:

---

(۳) لما رواه أبو سعيد الخدري رضي الله عنه، قال: قال رسول رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ما من مسلم يدعو بدعوة ليس فيها إثم قطيعة رحم إلا أعطاه الله بها إحدى ثلاث: إما أن يعجل له دعوته، وإما أن يدحر له، وإما أن يكف عنه من السوء بمثلها" قالوا: إذن نكثر؟ قال: "الله أكثر" (الجامع لأحكام القرآن: ۳۲۰/۲)

(٤) "لفظه عن أنس رضى الله عنه: ليسألك أحدكم ربه حاجته كلها، حتى يسأل شِسْعَ نعله إذا انقطع". (سنن الترمذى، كتاب الدعوات، باب يسأل الحاجة وإن صغرت)

(٥) صحيح البخاري، كتاب الدعوات، باب الدعاء عند الوضوء، رقم الحديث: ٦٣٨٣

"استقبل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الكعبة، فدعا على نفر من قريش"(٦).

یعنی: ''نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کعبہ کی طرف رخ فرمایا اور قریش کی ایک جماعت کے خلاف بددعا کی''۔

❸ دعا کے اندر ہاتھ اٹھانا بھی آداب میں سے ہے، صحیح بخاری کی روایت ہے:

"رفع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يديه، فقال: اللهم إني أبرأ إليك مما صنع خالد"(٧).

یعنی: ''نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا کی ''اے اللہ! میں خالد بن ولید کے عمل سے براءت کرتا ہوں''۔

اور سنن ترمذی اور سنن ابی داود میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إن الله حيي كريم يستحي إذا رفع الرجلُ إليه يديه أن يردهما صِفْراً خائبتين"(٨).

یعنی: ''اللہ جل شانہ کی ذات بڑی باحیا اور سخی ہے، جب بندہ اپنے دونوں ہاتھ اس کی بارگاہ میں اٹھاتا ہے تو انہیں خالی اور محروم لوٹاتے ہوئے اسے شرم آتی ہے''۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الدعوات میں "باب رفع الأيدي في الدعاء" قائم کر کے، اسی ادب کو ثابت کیا ہے۔

ہاتھ اٹھانے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں اوپر کی طرف ہوں، سنن ابی داود کی:

---

(٦) صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب دعاء النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على كفّار قريش. .... رقم الحديث: ٣٩٦٠

(٧) صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب بعث النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خالد بن الوليد إلى بني جذيمة، رقم الحديث: ٤٣٣٩

(٨) سنن الترمذي، كتاب الدعوات، باب بلاعنوان، (رقم الحديث: ٣٥٥٦): ٥/٥٥٦، ٥٥٧ وسنن أبي داود، كتاب الصلوة، باب الدعاء، (رقم الحديث: ١٤٨٨): ٢/٧٨، واللفظ للترمذي.

روایت میں ہے:"إذا سألتم الله فاسألوه ببطون أكفكم، ولا تسألوه بظهورها"(۹).

(جب تم اللہ تعالیٰ سے مانگوتو ہتھیلیوں کے اندرونی حصوں کو سامنے کر کے مانگو، ہاتھوں کو الٹا کر کے نہ مانگو)

ہاتھوں کو کندھوں کی برابری تک بلند کیا جائے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت، امام ابوداود نے نقل فرمائی ہے:"المسألة أن ترفع يديك حذو منكبيك أو نحوهما" (۱۰).(دعا اور سوال کرتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر یا اس کے قریب تک اٹھایا جائے)

اور صحیح بخاری میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:"دعا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ثم رفع يديه، وقال: ورأيت بياض إبطيه"(۱۱).(نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تو آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور میں نے آپ کی بغل کی سفیدی دیکھی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، ہاتھوں کو خوب پھیلایا جائے،"والابتهال أن تمد يديك جميعاً"(۱۲) یعنی عاجزی اور الحاح وزاری یہ ہے کہ آپ اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیں۔

۴ دعا سے پہلے اور دعا کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور درود شریف پڑھنا بھی آداب دعا کا ایک اہم ادب ہے، سنن ترمذی میں، حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، ایک صاحب داخل ہوئے، نماز پڑھی اور ان الفاظ کے ساتھ دعا کرنے لگے"اللهم اغفرلي وارحمني" رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا"اے نمازی! تم نے جلدی کی، جب تم نماز پڑھنے کے بعد بیٹھو تو اللہ تعالیٰ کی شایانِ شان حمد بیان کرو، درود شریف پڑھو اور پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کرو"...... اس کے بعد ایک دوسرے صاحب آئے، انہوں نے نماز کے بعد اللہ کی حمد وثنا بیان کی، درود شریف پڑھا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا"أيها المصلي، ادع تُجَب" (اے نمازی! دعا

---

(۹) سنن أبي داود، كتاب الصلوة، باب الدعاء، (رقم الحديث: ۱٤۸٦): ۲/۷۸

(۱۰) سنن أبي داود، كتاب الصلوة، باب الدعاء، (رقم الحديث: ۱٤۸۹): ۲/۷۹

(۱۱) صحيح البخاري، كتاب الدعوات، باب رفع الأيدي في الدعاء، ص: ۱٦۰۲

(۱۲) سنن أبي داود، كتاب الصلوة، باب الدعاء، (رقم الحديث: ۱٤۸۹): ۲/۷۹

کریں، آپ کی دعا قبول کی جائے گی)(۱۳)۔

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف بارگاہِ الٰہی میں رد نہیں ہوتا اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی شان کریمی سے بعید ہے کہ دعا کے اول وآخر حصہ کو قبول فرمالے اور درمیان میں اپنے بندے کی مانگی گئی حاجت کو رد فرمادے، اس لئے دعا کے اول وآخر میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود دعا کی قبولیت کو یقینی بنادیتا ہے(۱۴)۔

❺ دعا سے پہلے، اپنے عجز، اپنی کوتاہیوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف بھی، آدابِ دعا میں سے ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إن الله ليعجب من العبد، إذا قال: لا إله إلا أنت، إني قد ظلمت نفسي، فاغفرلي ذنوبي، إنه لايغفر الذنوب إلا أنت، قال عبدي عرف أن له ربا يغفر ويعاقب"(١٥).

یعنی: "اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی یہ ادا بڑی پسند ہے، جب وہ "لا إله إلا أنت إني قد ظلمت نفسي فاغفرلي ذنوبي إنه لايغفر الذنوب إلا أنت" کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، میرے بندے کو معلوم ہے کہ اس کا ایک رب ہے، جو بخشتا ہے اور سزا

---

(١٣) سنن الترمذي، (رقم الحديث: ٣٤٨٦) : ٢٨٢/٥، وسنن النسائي، (رقم الحديث: ١٢٨٤): ٤٤/٣، ومسند الإمام أحمد: ١٨/٦

(١٤) قال السيوطي رحمه الله في جلاء الأفهام:

قال ابن القيم رحمه الله: "فمفتاح الدعاء الصلاة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كما أنّ مفتاح الصلاة الطهور". ...... ثم نقل عن أحمد بن أبي الحوراء قال: سمعت أبا سليمان الداراني يقول "من أراد أن يسأل الله حاجته فليبدأ بالصلاة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وليسأل حاجته، وليختم بالصلاة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فإنّ الصلاةَ على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مقبولةٌ، والله أكرمُ أن يردَّ ما بينهما". (جلاء الأفهام: ٢٦٢)

(١٥) أخرجه أحمد في مسنده: ٩٧/١، ١١٥، ١٢٨، من حديث علي رضي الله تعالىٰ عنه.

دیتا ہے''۔

❻ دعا دل کے اس یقین کے ساتھ کرنی چاہیے کہ وہ بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوگی اور رد نہیں کی جائے گی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے:

"ادعوا اللّٰه، وأنتم موقنون بالإجابة، واعلموا أن اللّٰه لا يستجيب دعاءً من قلب غافلٍ لاهٍ"(١٦).

(دعا کرو، اس یقین کے ساتھ کہ تمہاری دعا قبول ہوگی اور یہ بات جان لو کہ اللہ جل شانہ لاپرواہ غافل دل کی دعا قبول نہیں فرماتے)۔

اسی طرح دعا مکمل عزم و پختگی اور دوٹوک الفاظ کے ساتھ ہونی چاہیے، شک اور تردد کے ساتھ دعا قبول نہیں ہوسکتی، امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الدعوات میں، اس پر مستقل باب قائم فرمایا، "باب ليعزم المسألة، فإنه لا مكره له" اور اس کے تحت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ تم میں سے کوئی یوں دعا نہ کرے کہ ''اے اللہ! اگر تو چاہے تو میری مغفرت فرما، بلکہ پورے عزم و پختگی کے ساتھ دعا کرے''۔

❼ دعا کے الفاظ کو تین بار یا بار بار دہرانا بھی آدابِ دعا میں سے ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں "وكان إذا دعا، دعا ثلاثا، وإذا سأل، سأل ثلاثاً"(١٧). (یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب دعا کرتے اور مانگتے تو تین بار دعا کرتے اور مانگتے)

سنن ابن ماجہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اللہ سے تین مرتبہ جنت مانگے تو جنت کہتی ہے: ''اے اللہ! اسے جنت میں داخل کردے'' اور جو شخص تین بار جہنم سے پناہ مانگے تو جہنم کہتی ہے: ''اے اللہ! اسے جہنم سے بچالے''(۱۸)۔

---

(١٦) سنن الترمذي، كتاب الدعوات، (رقم الحديث: ٣٤٧٩): ٥/٥١٧

(١٧) صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب مالقي النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من أذى المشركين والمنافقين، رقم الحديث: ٤٦٤٩

(١٨) سنن ابن ماجه، أبواب الزهد، باب صفة الجنة، رقم الحديث: ٤٣٤٠

❽ دعا خوب گڑگڑا کر، آہ وزاری کے ساتھ کرنی چاہیے، قرآن کریم میں اسی کا حکم دیا گیا ہے "ادعوا ربکم تضرعا وخفية"(۱۹). (تم اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر اور آہستگی کے ساتھ مانگو)۔

خود سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اللہ کے حضور گڑگڑاتے اور آہ وزاری کے ساتھ دعا فرماتے کہ یہی شانِ عبدیت ہے۔ حضرت عبداللہ بن بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أتيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وهو يصلي، ولجوفه أزير كأزير المرجل(۲۰).

یعنی: "میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، آپ نماز میں مشغول تھے اور آپ کے سینے سے ایسی آواز نکل رہی تھی جیسے ہنڈیا کے ابال کے وقت نکلتی ہے"۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے صحیح مسلم میں، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے راویت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَا قَوْلَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فِيْ اِبْرَاهِيْمَ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ الآية وَقَالَ عِيسى عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ط فَرَفَعَ يَدَيْهِ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ وَبَكٰى فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ يَا جِبْرِيْلُ اِذْهَبْ اِلٰى مُحَمَّدٍ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ فَسَلْهُ مَا يُبْكِيْكَ فَاَتَاهُ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فَسَاَلَهٗ فَاَخْبَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا قَالَ وَهُوَ

(۱۹) سورة الأعراف: ٥٥

(۲۰) سنن النسائي، أبواب السهو، باب البكاء في الصلوة، رقم الحديث: ۱۲۱٥

أَعْلَمُ فَقَالَ اللّٰهُ يَا جِبْرِيْلُ اِذْهَبْ اِلٰى مُحَمَّدٍ فَقُلْ
اِنَّا سَنُرْضِيْكَ فِيْ أُمَّتِكَ وَلَا نَسُوْءُ كَ(۲۱)

''نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول(رب انهن اضللن كثيراً……) پڑھا۔یعنی:''اے میرے رب! بے شک ان بتوں نے بہت سارے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔پس جس نے میری اتباع کی وہ مجھ سے ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو بے شک تو بہت زیادہ معاف کرنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے''۔اور عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول(ان تعذبهم فانهم عبادك…… یعنی اے اللہ! اگر تو انہیں عذاب دے تو یہ تیرے ہی بندے ہیں اور اگر تو انہیں معاف کرے تو تُو غالب اور حکمت والا ہے……)'' پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور کہنے لگے،اے اللہ! میری امت میری امت!! اور رو پڑے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے جبرئیل! محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ،ان سے پوچھو کہ کس چیز نے تم کو رُلایا-حالانکہ اللہ تعالیٰ کو حقیقت خوب معلوم تھی-جبرئیل علیہ السلام آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آئے اور سوال کیا،رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو حقیقت بتلائی،پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا،اے جبرئیل! محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم تم کو تمہاری امت کے بارے میں خوش کر دیں گے،تمہیں ناراض نہیں کریں گے''۔

اس کے علاوہ اور بھی کئی احادیث میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رونے،گڑگڑانے اور اپنے رب سے آہ وزاری کر کے اپنی دعا اور اپنی مراد منوانے کا ذکر ملتا ہے،بہر حال دعا کے اندر رونا،گڑگڑانا اور رب کے حضور آنسو بہانا،دعا کو قبولیت کے قریب کر دیتا ہے اور دریائے رحمت کو متحرک اور عنایت الٰہی کو متوجہ کرنے کا سبب بنتا ہے۔

❾ دعا،آہستگی اور دھیمی آواز میں کرنی چاہیے،چیخ چیخ کر اور شور و ہنگامہ کے ساتھ دعا کرنا،آدابِ دعا کے

---

(۲۱) صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب دعاء النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لأمته ………… رقم الحديث: ٤٩٩

خلاف ہے۔ارشادالٰہی ہے:﴿ادعوا ربکم تضرعا وخفیة﴾. اس آیتِ کریمہ میں آہستگی کے ساتھ دعا کا حکم دیا گیا ہے۔

⓾ دعا کا ایک اہم ادب یہ ہے کہ دعا کرتے ہوئے انسان اکتاہٹ اور بے صبری کا شکار نہ ہو،قبولیتِ دعا کے سلسلے میں جلد بازی، بے صبری اور اکتاہٹ کا اظہار کرنا، دعا کو غیر مقبول بنانے کا سبب بن سکتا ہے، دعا تسلسل، استقامت اور دوام کے ساتھ کرنی چاہیے اور کسی موقع پر یہ نہیں کہنا چاہیے کہ میں دعا تو کر رہا ہوں لیکن قبول نہیں ہو رہی، چنانچہ صحیح مسلم اور سنن ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ بندہ جب تک جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرے، اس کی دعا قبول کی جاتی ہے، جلد بازی کا مطلب جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ آدمی یوں کہے کہ ’’میں نے بڑی دعائیں مانگیں لیکن میرا خیال ہے کہ میری دعائیں قبول نہیں ہوتیں‘‘ (۲۲)۔

⓫ دعا کو مقبول بنانے کے لئے، اس کے آخر میں لفظ ’’آمین‘‘ کہنا بہت مؤثر ہے، امام حاکم نے ’’مستدرک‘‘ میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس مجلس میں کوئی شخص دعا کرے اور دوسرے لوگ اس پر ’’آمین‘‘ کہیں تو اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول فرماتے ہیں (۲۳)۔

اور سنن ابی داود کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعا میں آہ وزاری کرنے والے ایک شخص کے پاس کھڑے ہوکر فرمانے لگے:"أوجب إن ختم" یعنی اس نے دعا قبول کرادی، اگر یہ دعا کو ختم کردے؟ پوچھا کس چیز پر؟ آپ نے فرمایا، ’’آمین‘‘ پر، چنانچہ حضور سے پوچھنے والے ان صحابی نے آکر دعا کرنے والے سے کہا کہ دعا کے آخر میں ’’آمین‘‘ کہہ دو اور خوش خبری پاؤ‘‘ (۲۴)۔

بہر حال دعا کا اختتام اس مبارک کلمہ کے ساتھ کرنا چاہیے اور یہی اکابر اور اسلاف کا معمول بھی ہے۔

(۲۲) صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء، باب بيان أنه يستجاب للداعي ما لم يعجل رقم الحديث: ۲۷۳۵، وسنن الترمذي، كتاب الدعوات، باب ماجاء في من يستعجل في دعائه، رقم الحديث: ۳۳۸۷.

(۲۳) المستدرك، كتاب معرفة الصحابة: ۳/۳۴۷

(۲۴) سنن أبي داود، كتاب الصلوة، باب التأمين وراء الإمام: ۱/۲۴۷، رقم الحديث: ۹۳۸

⑫ دعا کا آخری ادب یہ ہے کہ دعا سے فراغت کے بعد دونوں ہاتھوں کو چہرے پر پھیر لیا جائے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرمایا:

"سلوا الله ببطون أكفكم، ولا تسألوه بظهورها، فإذا فرغتم فامسحوا بها وجوهكم"(۲۵).

یعنی: "ہاتھ کے اندرونی حصے کو پھیلا کر اللہ سے مانگو اور جب فارغ ہو جاؤ تو دونوں ہاتھوں کو چہرے پر پھیر دو"۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت، امام ترمذی رحمہ اللہ نے نقل کی ہے:

"كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا رفع يديه في الدعاء لم يحطهما حتى يمسح بهما وجهه"(۲۶)۔

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب دعا میں ہاتھ اٹھاتے تو نیچے نہیں کرتے جب تک چہرے پر پھیر نہ لیتے"۔

ان آداب کی رعایت کر کے اگر دعا کی جائے گی تو انشاء اللہ بارگاہِ الٰہی سے وہ رد نہیں کی جائے گی۔

البتہ یہ بات پیش نظر رہے کہ ان آداب کے ساتھ ساتھ، قبولیتِ دعا کی اس شرط کا بھی خیال رکھا گیا ہو کہ دعا کرنے والا حرام خور نہ ہو، جس شخص کی غذا، لباس اور ذریعۂ معاش حرام ہو، اس کی دعا قبول نہیں ہوتی، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث ہے:

"الرجل يطيل السفر أشعث أغبر يمد يديه إلى السماء ويقول: يا رب، يا رب، ومطعمه حرام، ومشربه حرام، وملبسه حرام، وغذي بالحرام، فأنى

(۲۵) سنن أبي داود، كتاب الصلوة، باب الدعاء، (رقم الحديث: ۱٤۸٥): ۲/۷۸

(۲٦) سنن الترمذي، كتاب الدعاء، باب ماجاء في رفع الأيدي عندالدعاء، (رقم الحديث: ۳۳۸٦): ٥/٤۸، ٤۹

يستجاب لذلك"(۲۷).

یعنی: "ایک آدمی طویل سفر کاٹ کر بکھرے ہوئے بالوں اور پراگندہ پریشان حالت وہیئت کے ساتھ، آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر "یارب یارب" کہہ کر دعا مانگتا ہے (جس کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمادے) لیکن اس کا کھانا، اس کا پینا اور اس کا پہننا حرام کا ہوتا ہے، حرام مال سے وہ پلا بڑا ہوتا ہے، ایسی صورت میں اس کی دعا کیونکر قبول ہوگی؟

حضرت ابراہیم بن ادہم کا ایک قول

اور آخر میں مشہور بزرگ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ کا ایک قول نقل کیا جاتا ہے، حضرت سے کسی نے پوچھا کہ ہم دعا کرتے ہیں، لیکن ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں، انہوں نے فرمایا:

"لأنكم عرفتم الله فلم تطيعوه، وعرفتم الرسول، فلم تتبعوا سنته، وعرفتم القرآن فلم تعملوا به، وأكلتم نعم الله فلم تؤدوا شكرها، وعرفتم الجنة، فلم تطلبوها، وعرفتم النار، فلم تهربو منها، وعرفتم الشيطان، فلم تحاربوه ووافقتموه، وعرفتم الموت، فلم تستعدوا له، ودفنتم الأموات فلم تعتبروا، وتركتم عيوبكم، واشتغلتم بعيوب الناس"(۲۸).

یعنی: "تم کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہے لیکن اس کی اطاعت نہیں کرتے ہو، اللہ کے رسول کی پہچان ہے لیکن اس کی سنتوں کی اتباع نہیں کرتے ہو، قرآن کریم کو سمجھنے کے باوجود اس پر عمل نہیں کرتے ہو، اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کھاتے ہو لیکن شکر ادا نہیں

(۲۷) الصحيح لمسلم، كتاب الزكوة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها، رقم ۲۳٤٦، وسنن الترمذي، أبواب تفسير القرآن، رقم: ۲۹۸۹، وسنن الدارمي، كتاب الرقاق، باب في أكل الطيب (۳۸۹/۲)، رقم: ۲۷۱۷، ومسند الإمام أحمد بن حنبل: ۳۲۸/۲

(۲۸) الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۳۱۲/۲

کرتے، جنت سے واقف ہو لیکن اسے طلب نہیں کرتے، جہنم کو جانتے ہو لیکن اس سے بھاگتے نہیں ہو، شیطان کی دشمنی معلوم ہونے کے باوجود اس سے لڑتے نہیں بلکہ اس کی موافقت کرتے ہو، موت کی حقیقت معلوم ہونے کے باوجود اس کے لئے تیاری نہیں کرتے اور مردوں کو دفنانے کے باوجود عبرت حاصل نہیں کرتے ہو، اپنے عیوب تمہاری نظروں سے اوجھل ہیں اور لوگوں کے عیوب میں تم نے اپنے آپ کو مشغول کر رکھا ہے!''

☆☆......☆☆

بسم الله الرحمن الرحیم

۸۳ - کتاب الدعوات

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: «ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ» /غافر: ٦٠/.

کتاب الاستیذان کے ساتھ مناسبت

دعوات (دال اور عین کے زبر کے ساتھ) دَعْوۃ کی جمع ہے۔ دعوۃ، دعا کے معنی میں ہے(۱)، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کتاب میں دعاؤں اور ان کے متعلقات کو ذکر فرمایا ہے، دعا کے معنی حاجت طلب کرنے کے بھی آتے ہیں اور پکارنے کے بھی آتے ہیں (۲)۔

حافظ ابن حجر وغیرہ نے فرمایا کہ استیذان، بند دروازے کو کھلوانے کے لیے ہوتا ہے، دعا بھی اوپر کے دروازے کھولنے کے لیے کی جاتی ہے (۳)۔

دعا کی اہمیت وفضیلت

ترجمۃ الباب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے قرآن کریم کی آیت ذکر فرمائی ہے، ارشاد ہے: ''مجھے پکارو، میں تمھاری دعا قبول کروں گا، بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں، وہ عنقریب جہنم میں

(۱) عمدة القاري: ٢٧٦/٢٢، فتح الباري: ١١٣/١١، إرشادالساري: ٣٠٣/١٣

(۲) فتح الباري: ١١٣/١١، عمدة القاري: ٢٧٦/٢٢

(۳) الأبواب والتراجم: ١٢٦/٢

ذلیل ہوکر داخل ہوں گے۔"

دعا پر حدیث شریف میں عبادت کا اطلاق بھی کیا گیا ہے، حضرت نعمان بن بشیر کی روایت امام ترمذی اور امام احمد رحمہ اللہ نے مرفوعاً نقل فرمائی ہے: "إن الدعاء هو العبادة" (۴) یعنی "دعا سراسر عبادت ہے"۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے امام احمد نے ایک مرفوع روایت ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمائی ہے: "من لم يدع الله، غضب الله عليه" (۵) یعنی "جو اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں مانگتا اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوتے ہیں"۔

اسی طرح امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت انسؓ کی ایک مرفوع حدیث نقل فرمائی ہے: "الدعاء مخ العبادة" (٦) یعنی "دعا عبادت کا مغز ہے"۔

امام ترمذی اور ابن ماجہ کی ایک اور مرفوع روایت کے الفاظ ہیں: "ليس شيء أكرم على الله من الدعاء" (٧) یعنی "اللہ تعالیٰ کے ہاں دعا سے زیادہ عزیز کوئی چیز نہیں"۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع حدیث ہے، اس کے الفاظ ہیں: "سلوا الله من فضله، فإن الله يحب أن يسأل" (٨) یعنی "اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کیا کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ سے مانگنا اس کو پسند ہے"۔ اسی طرح حضرت ابن عمر کی ایک حدیث امام ترمذی رحمہ اللہ نے نقل کی ہے اس کی سند میں اگرچہ ضعف ہے لیکن امام حاکم نے مستدرک میں اسے صحیح قرار دیا ہے (۹)، اس کے الفاظ ہیں:

"إن الدعاء ينفع مما نزل، ومما لم ينزل، فعليكم عباد الله بالدعاء" (۱۰)۔

---

(٤) مسند الإمام أحمد: ٢٦٧/٤، وأخرجه الترمذي في كتاب التفسير، باب سورة المؤمن: ٣٧٤/٥، رقم الحديث: ٣٢٤٧

(٥) مسند الإمام أحمد: ٤٤٣/٢

(٦) أخرجه الترمذي، في كتاب الدعوات، باب ماجاء في فضل الدعا: ٤٥٦/٥، رقم الحديث: ٣٣٧١

(٧) أخرجه الترمذي، في كتاب الدعوات، باب ماجاء في فضل الدعاء: ٤٥٥/٥، رقم الحديث: ٣٣٧٠، وأخرجه الإمام ابن ماجه في كتاب الدعاء، باب فضل الدعاء: ١٢٥٨/٢، رقم الحديث: ٣٨٢٩.

(٨) أخرجه الترمذي، في كتاب الدعوات، باب في انتظار الفرج وغير ذلك: ٥٦٥/٥، رقم الحديث: ٣٥٧١

(٩) المستدرك للحاكم، كتاب الدعاء، باب الدعاء ينفع مما نزل ومما لم ينزل: ٤٩٣/١

(١٠) سنن الترمذي: في كتاب الدعوات، باب في دعاء النبي صلى الله عليه وسلم: ٥٥٢/٥، رقم الحديث: =

یعنی ''دعا تمام آفات میں نافع ہے، خواہ وہ نازل ہوچکی ہوں یا ابھی تک نازل نہ ہوئی ہوں، تو اللہ کے بندو! دعا کا ضرور اہتمام کیا کرو''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک مرفوع روایت طبرانی نے نقل کی ہے، اس کے الفاظ ہیں: "إن الله يحب الملحين في الدعاء" (۱۱) یعنی ''اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو گڑگڑا کر دعا مانگتے ہیں''۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگرچہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں لیکن ایک جگہ عنعنہ ہے (۱۲)۔

آیت کریمہ میں دعا کا مصداق

قرآن کریم کی ذکر کردہ آیت میں "ادعوني" سے مراد اکثر حضرات کے نزدیک دعا ہے، بعضوں نے کہا ہے کہ اس سے عبادت مراد ہے کیوں کہ آگے وعید "يستكبرون عن عبادتي" میں عبادت کا لفظ ذکر کیا گیا ہے (۱۳)، لیکن جمہور فرماتے ہیں کہ دعا بھی چونکہ عبادت ہے، اس لیے پہلے خاص اور اس کے بعد عام کو ذکر کیا گیا، اس لیے کہ جو عام یعنی عبادت سے اعراض کرے گا وہ دعا سے بھی اعراض کرے گا (۱۴)۔

قبولیت دعا کے معنی

قرآن کریم کی اس آیت میں ہے کہ اللہ جل شانہ دعا مانگنے کے بعد اس کو قبول فرمائیں گے۔ بسا اوقات دعا مانگی جاتی ہے لیکن قبول نہیں ہوتی، اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ قبولیت دعا کی مختلف

= ٣٥٤٨، وقال الترمذي: هذا حديث غريب لانعرفه إلا من حديث عبدالرحمن ابن أبى بكر القرشي، وهو ضعيف في الحديث: ضعّفه بعض اهل العلم من قبل حفظه: وقال المنذري في "الترغيب والترهيب": وقد طعن في عبدالرحمٰن بن أبى بكر المليكي فقال: وهو ذاهب الحديث (كتاب الدعوات، باب: إن الدعاء ينفع ممانزل وممالم ينزل: ٢/٤٨٠)

(١١) فتح الباري: ١١/١١٤

(١٢) فتح الباري: ١١/١١٤

(١٣) روح المعاني، المجلد الثالث عشر، الجزء الأول: ٨١

(١٤) تفسير القرطبي: ١٥/٣٢٦، ٣٢٧، روح المعاني المجلد الثالث عشر، الجزء الأول: ٨١

صورتیں ہیں، کبھی تو بعینہ وہی چیز عطا کردی جاتی ہے جس کا بندہ سوال کرتا ہے، کبھی وہ چیز چونکہ مصلحت کے خلاف ہوتی ہے اس لیے وہ دعا اس کے لیے ذخیرہ آخرت کردی جاتی ہے اور کبھی اس کے عوض کوئی اور آفت اس سے ہٹادی جاتی ہے...... چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع حدیث نقل فرمائی ہے:

"ما من مسلم يدعو بدعوة ليس فيها إثم ولاقطيعة رحم إلا أعطاه الله بها إحدى ثلاث: إما أن يعجل له دعوته، وإما أن يدخرها له في الآخرة، وإما أن يصرف عنه من السوء مثلها".

یعنی "ہر وہ مسلمان جو ایسی دعا مانگے جو گناہ اور قطع رحمی سے متعلق نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اسے اس دعا کے بدلے میں تین میں سے ایک چیز ضرور عطا فرماتے ہیں: یا تو فوری طور پر اس کی مطلوبہ چیز اسے دے دیتے ہیں، یا اس دعا کو اس کے لیے ذخیرۂ آخرت بنادیتے ہیں یا اس کی مثل اس سے کوئی آفت دور فرمادیتے ہیں" (١٥) امام حاکم نے مستدرک میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے (١٦)۔

١ - باب : لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ .

٥٩٤٥ : حدّثنا إسْماعِيلُ قالَ : حَدَّثَنِي مالِكٌ ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ ، عَنِ الْأَعْرَجِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ : أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قالَ : (لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ يَدْعُو بِهَا ، وَأُرِيدُ أَنْ أَخْتَبِئَ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي فِي الآخِرَةِ) . [٧٠٣٦]

---

(١٥) مسندالإمام أحمد: ١٨/٣

(١٦) المستدرك للإمام حاكم، كتاب الدعوات: ٤٩٣/١

(٥٩٤٥) الحديث أخرجه مسلم في كتاب الإيمان، باب احتباء النبي صلى الله عليه وسلم دعوة الشفاعة لأمته (رقم الحديث: ١٩٨، ١٩٩) وأخرجه البخاري أيضاً في كتاب التوحيد، باب قول الله تعالىٰ: ﴿تؤتي الملك مَنْ تشاء﴾ [آل عمران: ٢٦] (رقم الحديث: ٧٤٧٤)، وأخرجه الترمذي في كتاب الدعوات، باب فضل لاحول ولا قوة إلا بالله (رقم الحديث: ٣٦٠٢)، وأخرجه ابن ماجه في كتاب الزهد، باب ذكر الشفاعة (رقم الحديث: ٤٣٠٧)

٥٩٤٦ : وَقَالَ لِي خَلِيفَةُ : قَالَ مُعْتَمِرٌ : سَمِعْتُ أَبِي ، عَنْ أَنَسٍ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : (كُلُّ نَبِيٍّ سَأَلَ سُؤْلاً ، أَوْ قَالَ : لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ قَدْ دَعَا بِهَا فَاسْتُجِيبَ ، فَجَعَلْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ) .

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخصوص دعا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی کی ایک خاص دعا ہوتی ہے جو وہ کرتا ہے (اور وہ مقبول ہوتی ہے) اور میں چاہتا ہوں کہ اپنی دعا آخرت میں امت کی شفاعت کے لیے محفوظ رکھوں۔

دوسری روایت حضرت انسؓ سے ہے، فرماتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی نے اپنا اپنا مطلوب مانگ لیا یا یہ فرمایا کہ ہر نبی کی ایک دعا قبول ہوتی ہے، چنانچہ انھوں نے دعا کی اور قبول بھی ہوگئی لیکن میں نے اپنی وہ دعا قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے محفوظ کر لی ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اس پر بظاہر اشکال ہوتا ہے کہ ہر نبی کی ایک سے زائد دعائیں قبول ہوئی ہیں، یہاں ایک کی تحدید کیسے کردی گئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک دعا کی قبولیت یقینی ہے، مطلب یہ ہے کہ ہر نبی کی ایک دعا یقینی طور پر قبول ہوگی، باقی دعاؤں کی قبولیت کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ قبول ہوں گی، گو ان میں بھی قبولیت کی امید ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"والجواب أن المراد بالإجابة في الدعوة المذكورة القطع بها، وماعدا ذلك من دعواتهم فهو على رجاء الإجابة"(١٧)۔

(٥٩٤٦) الحديث أخرجه مسلم في كتاب الإيمان، باب احتباء النبي صلى الله عليه وسلم دعوة الشفاعة لأمته (رقم الحديث: ٢٠٠)

(١٧) فتح الباري: ١١٦/١١

معتمر کی روایت کو امام مسلم رحمہ اللہ نے موصولاً نقل کیا ہے(۱۸)، اکثر نسخوں میں "وقال معتمر" ہے لیکن اصیلی کے نسخے میں "وقال لي خليفة: حدثنا معتمر" ہے، اس نسخے کے مطابق یہ تعلیق نہیں، بلکہ موصول ہے(۱۹)۔

٢ - باب : أَفْضَلِ الِاسْتِغْفَارِ .

وَقَوْلِهِ تَعَالَى : «اَسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كانَ غَفَّارًا . يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا . وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا» /نوح: ١٠ - ١٢/ .

«وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَى ما فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ» /آل عمران: ١٣٥/ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں استغفار کے افضل کلمات نقل فرمائے ہیں، حدیث میں انھیں "سید الاستغفار" کہا گیا ہے، امام نے "افضل الاستغفار" کے الفاظ سے ترجمہ قائم کر کے اشارہ کر دیا کہ حدیث میں "سید" بمعنی افضل ہے، سیادت سے فضیلت مراد ہے(۲۰)۔

ترجمۃ الباب میں امام نے سورۃ نوح کی تین آیات کریمہ اور سورۃ آل عمران کی ایک آیت مبارکہ نقل فرمائی ہے، ان آیات میں استغفار کا ذکر ہے، سورۃ نوح کی آیات کا حاصل یہ ہے کہ تم استغفار کیا کرو، اللہ جل شانہ بخشنے والی ذات ہے، استغفار کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا، مال و دولت اور بیٹے دے کر تمھاری مدد کرے گا، باغات اور نہروں سے تمھیں نوازے گا۔

---

(١٨) صحيح مسلم، كتاب، الإيمان، باب احتباء النبي صلى الله عليه وسلم دعوة الشفاعة لأمته: ١/١٩٠ (رقم الحديث: ١٩٨، ١٩٩)

(١٩) فتح الباري: ١١/١١٧

(٢٠) فتح الباري: ١١/١١٨، عمدة القاري: ٢٢/٢٧٨، ٢٧٧

چار مرض، ایک علاج

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے پاس ایک شخص نے قحط سالی کی شکایت کی، ایک نے فقر وغربت کی، ایک نے باغات خشک ہونے کی اور ایک نے بیٹا نہ ہونے کی شکایت کی، انھوں نے چاروں کو استغفار پڑھنے کے لیے کہا اور قرآن کریم کی ان آیات سے استدلال کیا کہ استغفار کے نتیجے میں اللہ جل شانہ نے ان نعمتوں سے نوازنے کا ذکر فرمایا ہے(۲۱)۔

سورۃ آل عمران کی آیت کریمہ کا مفہوم ہے: وہ لوگ جنھوں نے بے حیائی کا ارتکاب کیا یا اپنے اوپر (احکام خداوندی توڑ کر) ظلم کیا، پھر ان کو اللہ یاد آیا اور اپنے گناہوں پر معافی طلب کی، اس حال میں کہ یہ لوگ اپنے کیے پر اصرار بھی نہ کرتے ہوں۔

إذا فعلوا فاحشة أوظلموا أنفسهم

فاحشہ سے زنا اور بے حیائی مراد ہے اور ظلم سے عام گناہ مراد ہے (۲۲)۔

ذكروا الله، اللہ تعالیٰ کی یاد آئی اس طرح کہ اللہ کی وعید اور وعدہ دونوں کا خیال آیا۔ وهم يعلمون یعنی انہیں معلوم ہوا کہ جو کام انھوں نے کیا ہے وہ حرام ہے کیونکہ عدم علم کی صورت میں تو اسے معذور قرار دیا جاسکتا ہے (۲۳)۔

۵۹٤۷ : حدثنا أَبُو مَعْمَرٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ : حَدَّثَنَا الحسَيْنُ : حَدَّثَنَا عَبْدُ ٱللهِ ٱبْنُ بُرَيْدَةَ ، حَدَّثَنِي بُشَيْرُ بْنُ كَعْبٍ الْعَدَوِيُّ قالَ : حَدَّثَنِي شَدَّادُ بْنُ أَوْسٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ ،

---

(۲۱) فتح الباري: ۱۱/۱۱۸، إرشادالساري: ۱۳/۳۰٦، عمدة القاري: ۲۲/۲۷۷، ۲۷۸

(۲۲) تفسير القرطبي: سورة آل عمران، رقم الآية: تب۱۳۵ : ٤/۲۱۰، التفسير الكبير، سورة آل عمران، رقم الآية: ۱۳۵: ۹/۱۰، ۱۱

(۲۳) تفسير القرطبي: سورة آل عمران، رقم الآية: ۱۳۵ : ٤/۲۱۰، التفسير الكبير، سورة آل عمران، رقم الآية: ۱۳۵ : ۹/۱۰، ۹

(۵۹٤۷) الحديث أخرجه البخاري أيضاً في كتاب الدعوات، باب مايقول إذا أصبح (رقم الحديث: ٦٣٢٣)، وأخرجه النسائي أيضاً في الاستعاذة من شرما صنع وذكر الاختلاف على عبدالله بن بريدة فيه.

(۵۵۳۷) الحديث أخرجه الترمذي في كتاب الدعوات، باب منه: ٥/٤٦٨ (رقم الحديث: ۳۳۹۳)، وأخرجه أبوداود في كتاب الأدب، باب مايقول إذا أصبح (رقم الحديث: ۵۰۷۰)، وأخرجه ابن ماجه في كتاب الدعاء، باب مايدعوبه الرجل إذا أصبح وإذا أمسىٰ (رقم الحديث: ۳۸۷۲)

عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : (سَيِّدُ الِاسْتِغْفَارِ أَنْ تَقُولَ : اللَّهُمَّ أَنْتَ رَبِّي لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ ، خَلَقْتَنِي وَأَنَا عَبْدُكَ ، وَأَنَا عَلَى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ ، أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ ، أَبُوءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَأَبُوءُ لَكَ بِذَنْبِي فَاغْفِرْ لِي ، فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ . قَالَ : وَمَنْ قَالَهَا مِنَ النَّهَارِ مُوقِنًا بِهَا ، فَمَاتَ مِنْ يَوْمِهِ قَبْلَ أَنْ يُمْسِيَ ، فَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ ، وَمَنْ قَالَهَا مِنَ اللَّيْلِ وَهُوَ مُوقِنٌ بِهَا ، فَمَاتَ قَبْلَ أَنْ يُصْبِحَ ، فَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ) . [٥٩٦٤]

سید الاستغفار اور اس کی فضیلت

حضرت شداد بن اوسؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے کہ سید الاستغفار یہ ہے کہ تو کہے: اللهم أنت ربی ...... یعنی "اے میرے اللہ! تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو نے ہی مجھے پیدا کیا اور میں تیرا ہی بندہ ہوں اور میں اپنی استطاعت کے مطابق تیرے عہد اور تیرے وعدے پر قائم ہوں، میں اپنے کرتوتوں کی برائی سے تیری پناہ مانگتا ہوں، تو نے جو نعمتیں مجھے عطا کی ہیں، ان کا اقرار اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں، مجھے بخش دے کہ تیرے سوا گناہوں کا بخشنے والا کوئی نہیں ہے"...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے یہ کلمات صدقِ دل سے صبح کہے اور شام ہونے سے پہلے اسی دن مرگیا تو وہ جنتی ہے اور جس نے یہ کلمات صدقِ دل سے رات میں کہے اور صبح ہونے سے پہلے مرگیا تو وہ بھی جنتی ہے۔

ان کلمات کو سید الاستغفار کہنے کی وجہ

ان کلمات مبارکہ کو سید الاستغفار کہا گیا ہے، صاحب بہجۃ النفوس لکھتے ہیں:

وقد جمع في هذا الحديث من بديع المعاني وحسن الألفاظ مايحق له أن يسمى سيدالاستغفار، ففيه الإقرار لله وحده بالإلهية والعبودية والاعتراف بأنه الخالق والإقرار بالعهدالذي أخذه عليه، والرجاء بما وعده به، والاستعاذة من

شرما جنى العبد على نفسه، وإضافة النعماء إلى موجدها، وإضافة الذنب إلى نفسه ورغبته في المغفرة، واعترافه بأنه لايقدر أحدعلى ذلك إلاهو، وفي ذلك الإشارة إلى الجمع بين الشريعة والحقيقة، وأن تكاليف الشريعة لاتحصل إلاإذاكان في ذلك عون من اللّٰه تعالىٰ"(٢٤)۔

یعنی''یہ حدیث جن بہترین الفاظ اور شاندار معانی پر مشتمل ہے، ان کی بدولت یہ اس بات کی انتہائی مستحق ہے کہ اسے''سید الاستغفار'' کہا جائے، چنانچہ اس میں اللہ وحدہ لاشریک کی الوہیت وعبودیت اور اس کے خالق ہونے کا اعتراف ہے اور اس عہد اور وعدہ کا اقرار ہے جو اس نے بندہ سے اس پر لیا ہے اور اس وعدہ پر امید وبیم کا اظہار ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندہ سے کیا ہے۔ نیز اس میں پناہ مانگی گئی ہے ان گناہوں کے شر سے جو بندہ نے کیے ہیں۔ اسی طرح اس میں نعمتوں کی نسبت اس کے موجد اور گناہ وتقصیر کی نسبت خود بندہ کی طرف کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں اس میں مغفرت ربانی میں شوق ورغبت کے اظہار کے ساتھ اس بات کا اعتراف ہے کہ مغفرت پر صرف اللہ تعالیٰ ہی قادر ہیں۔ اسی طرح اس میں شریعت اور حقیقت کے جمع ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے اور اس بات کی طرف بھی کہ احکام شرعیہ کی پابندی اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں ہے''۔

استغفار کی برکات

استغفار کی بڑی برکتیں اور فضائل ہیں، انسان اللہ تعالیٰ کے حقوق کما حقہ ادا نہیں کرسکتا، کوتاہی ہو ہی جاتی ہے، گناہ سرزد ہوجاتے ہیں ان کی تلافی، اللہ تعالیٰ سے معافی ہی کی صورت میں ہوتی ہے، سنن ابی داود اور سنن ترمذی میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے: ''ما أصر من استغفر، ولو عاد في اليوم سبعين مرة''(۲۵)۔ یعنی''استغفار کرنے والا مصر شمار نہیں ہوتا، اگرچہ وہ دن میں ستر بار گناہ کرے''۔

(٢٤)فتح الباري: ١١/١٢٠، ١٢١

(٢٥) سنن أبي داود، أبواب الوتر، باب في الاستغفار: ٨٤/٢، (رقم الحديث: ١٥١٤)، سنن الترمذي، كتاب الدعوات: باب ١٠٧ : ٥٥٨/٥، (رقم الحديث: ٣٥٥٩)

البتہ اس کے لیے شرط یہ ہے کہ گناہ کو ترک کر دیا ہو، یہ نہیں کہ گناہ میں مشغول بھی ہے اور زبان سے استغفار کر رہا ہے(۲۶)۔

عہد اور وعدہ کا مصداق

وأنا علی عهدك ووعدك عہد سے یا تو عام عہد مراد ہے یعنی ایمان کا عہد اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنے کا عہد۔

شارح بخاری ابن بطال رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عہد سے "عہد اَلَست" مراد ہے اور وعدے سے اللہ جل شانہ کا وہ وعدہ مراد ہے جس کا ذکر ایک حدیث میں ہے "إن من مات لایشرك بالله شیئاً وأدیماافترض علیه أن یدخله الجنة"(۲۷)۔ یعنی "جو شخص اس حال میں فوت ہوا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو اور تمام فرائض وواجبات اس نے ادا کیے ہوں تو اللہ تعالیٰ (کا عہد ہے کہ) اسے جنت میں داخل کرے گا"۔

٣ - باب : اَسْتِغْفَارِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ .

٥٩٤٨ : حدّثنا أَبُو الْيَمَانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ : أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ : قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ : سَمِعْتُ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ يَقُولُ : (وَٱللهِ إِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ ٱللهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً) .

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استغفار کا وقوع اور اس کی مقدار بیان فرما رہے ہیں۔

روایت میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا ہوں۔ "سبعین" کا عدد کثرت کے لیے بھی آتا ہے اور عدد معین کے لیے بھی! یہاں دونوں ہو سکتے ہیں(۲۸)۔

---

(٢٦) فتح الباري: ١١/١١٨، التفسير الكبير، سورة آل عمران رقم الآیه: ١٣٥: ٩/١٠،

(٢٧) حدیث عبدالله بن مسعود رضي الله عنه، فتح الباري: ١١/١٢٠

(٢٨) فتح الباري: ١١/١٢١، عمدة القاري: ٢٢/٢٧٩، نیز دیکھیے إرشادالساري: ١٣/٣٠٩

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت میں "انی استعفر اللّٰہ في الیوم مائة مرة" کے الفاظ ہیں۔

اس پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم ہیں تو انھیں استغفار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

❶ اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء کبائر اور اصرار علی الصغائر سے تو معصوم ہوتے ہیں، لیکن صغائر سے معصوم نہیں ہوتے، استغفار صغائر کی وجہ سے کرتے ہیں (۲۹)۔

❷ بعض علماء کے نزدیک انبیاء کبائر اور صغائر دونوں سے معصوم ہوتے ہیں، ان کے نزدیک جواب یہ ہے کہ بسا اوقات خلاف اولیٰ کام انبیاء سے صادر ہو جاتے ہیں وہ اگرچہ گناہ کے زمرے میں داخل نہیں ہوتے لیکن انبیاء کی بلند شان اور ارفع مقام کی وجہ سے "حسنات الأبرار سيئات المقربين" کے قاعدے کی بناء پر انبیاء اسے بھی اپنے حق میں سیئہ سمجھتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں (۳۰)۔

٤ - باب : التَّوْبَةِ

وَقَالَ قَتَادَةُ : «تُوبُوا إِلَى ٱللهِ تَوْبَةً نَصوحًا» /التحريم : ٨/ : الصَّادِقَةُ النَّاصِحَةُ .

استغفار و توبہ کے ابواب شروع میں ذکر کرنے کی وجہ

امام بخاری رحمہ اللہ نے بقیہ دعاؤں سے پہلے، کتاب الدعوات کی ابتدا میں استغفار اور توبہ کے ابواب ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ دعاؤں کی قبولیت کے امکانات اس وقت زیادہ ہوتے ہیں، جب دعا مانگنے والا معاصی سے پاک اور دور ہو، اس لیے دعا سے پہلے اپنے گناہوں کی معافی اور توبہ کر لینی چاہیے تاکہ جو دعا کی جائے، وہ جلد قبول ہو (۱)۔

استغفار توبہ کا ایک جزء ہے، توبہ کے لفظی معنی لوٹنے اور رجوع کرنے کے ہیں، مراد گناہ سے لوٹنا اور رجوع کرنا ہے، توبہ تین چیزوں کا نام ہے، اول: کیے ہوئے گناہ پر ندامت، دوم: اللہ تعالیٰ سے اس کی بخشش کی دعا اور سوم: آئندہ نہ کرنے کا عزم (۲)۔

---

(۲۹) فتح الباري: ۱۱/۱۲۲، عمدة القاري: ۲۲/۲۷۹

(۳۰) فتح الباري: ۱۱/۱۲۲، عمدة القاري: ۲۲/۲۷۹

(۱) فتح الباري: ۱۱/۱۲۳

(۲) فتح الباري: ۱۱/۱۲۴، عمدة القاري: ۲۲/۲۷۹

''توبہ نصوح'' کی تفسیر

وقال قتادہ: توبة نصوحا: الصادقة الناصحة: قرآن کریم کی سورۃ تحریم میں ہے ﴿یاأیها الذین آمنوا توبوا إلی اللّٰه توبة نصوحا﴾ امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ ''توبہ نصوح'' کی تفسیر میں اہل علم کے تیئیس اقوال ہیں (۳)۔

قتادہ نے توبہ نصوح کی تشریح سچی توبہ سے کی ہے (۴)۔ نصوح کو اگر نصح اور نصیحت سے لیا جائے تو اس کے معنی خالص کرنے کے آتے ہیں، توبہ نصوح یعنی ریا اور نمود سے خالص اور سچی توبہ۔

اور اگر اسے نصاحت سے مشتق مانا جائے تو اس کے معنیٰ کپڑے سینے اور جوڑ لگانے کے ہیں۔ توبہ نصوح یعنی جوڑنے والی توبہ...... مطلب یہ ہوگا کہ گناہوں کی وجہ سے تقوی کے لباس میں جو پھٹن اور شگاف واقع ہوا ہے، یہ توبہ اس کو جوڑنے والی ہے (۵)۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ توبہ نصوح یہ ہے کہ آدمی اپنے سابقہ گناہ پر نادم ہوکر آئندہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرے (۶) توبہ اگر حقوق العباد میں کوتاہی سے متعلق ہے تو ایسی صورت میں، متعلقہ حق کو ادا کرنا ضروری ہے، مثلاً کسی کا مال اگر غصب کیا ہے تو اس میں صرف زبانی استغفار کرنا کافی نہیں، بلکہ وہ مال واپس کرنا ضروری ہے (۷)۔

۵۹۴۹ : حدّثنا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ : حَدَّثَنَا أَبو شِهَابٍ ، عَنِ الْأَعْمَشِ ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ ، عَنِ الحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُودٍ حَدِيثَيْنِ : أَحَدُهُما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ، وَالآخَرُ عَنْ نَفْسِهِ ، قالَ : إِنَّ الْمُؤْمِنَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَأَنَّهُ قاعِدٌ تَحْتَ جَبَلٍ يَخَافُ أَنْ يَقَعَ عَلَيْهِ ، وَإِنَّ الْفَاجِرَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَذُبَابٍ مَرَّ عَلَى أَنْفِهِ ، فَقَالَ بِهِ هٰكَذَا . قالَ أَبُو شِهَابٍ بِيَدِهِ فَوْقَ أَنْفِهِ ،

---

(۳) تفسير القرطبي: ۱۸/۱۹۷

(٤) تفسير القرطبي: ۱۸/۱۹۷

(٥) روح المعاني، المجلد الرابع عشر، الجزء الثاني: ۱٥۷

(٦) روح المعاني: المجلد الرابع عشر، الجزء الثاني: ۱٥۷

(۷) تفسير القرطبي: ۱۸/۱۹۸، ۱۹۷

ثُمَّ قالَ : (لَلّٰهُ أَفْرَحُ بِتَوْبَةِ الْعَبْدِ مِنْ رَجُلٍ نَزَلَ مَنْزِلاً وَبِهِ مَهْلَكَةٌ ، وَمَعَهُ رَاحِلَتُهُ ، عَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرابُهُ ، فَوَضَعَ رَأْسَهُ فَنامَ نَوْمَةً ، فَاسْتَيْقَظَ وَقَدْ ذَهَبَتْ رَاحِلَتُهُ ، حَتَّى اشْتَدَّ عَلَيْهِ الحَرُّ وَالْعَطَشُ أَوْ ما شاءَ اللّٰهُ ، قالَ : أَرْجِعُ إِلَى مَكَانِي ، فَرَجَعَ فَنامَ نَوْمَةً ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ ، فَإِذَا رَاحِلَتُهُ عِنْدَهُ) .

تَابَعَهُ أَبُو عَوَانَةَ ، وَجَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ .

وَقالَ أَبُو أُسَامَةَ : حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ : حَدَّثَنَا عُمَارَةُ : سَمِعْتُ الحَارِثَ .

وَقالَ شُعْبَةُ وَأَبُو مُسْلِمٍ ، عَنِ الْأَعْمَشِ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ ، عَنِ الحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ .

وَقالَ أَبُو مُعَاوِيَةَ : حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ ، عَنْ عُمَارَةَ ، عَنِ الْأَسْوَدِ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ . وَعَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ ، عَنِ الحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ .

حارث بن سوید کہتے ہیں کہ ہم سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے دو حدیثیں بیان کیں، ایک تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور دوسری خود سے نقل کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ مؤمن اپنے گناہوں کو اس طرح محسوس کرتا ہے جیسے کسی پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہو اور ڈر رہا ہو کہ کہیں وہ اس پر گر نہ جائے اور فاسق اپنے گناہوں کو اس مکھی کی طرح معمولی خیال کرتا ہے جو اس کی ناک پر سے گذرتی ہے (راوی ابوشہاب نے اپنی ناک پر ہاتھ گذارتے ہوئے اس منظر کی طرف اشارہ کیا)

پھر انھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے اس آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو ایک مہلک اور خطرناک جگہ میں اترے، اس کے ساتھ ساتھ اس کی سواری ہو جس پر اس کا کھانا اور پانی ہو، وہ سر رکھ کر سو گیا اور جب بیدار ہوا تو دیکھا کہ اس کی سواری غائب ہے، وہ ہر کی تلاش میں نکلا، یہاں تک کہ گرمی اور پیاس کی شدت ہوئی تو اس نے کہا میں اپنی جگہ دوبارہ جاتا ہوں وہاں جا کر وہ تھوڑی دیر سو گیا، پھر سر اٹھایا تو دیکھا کہ اس کی سواری، اس کے پاس تھی (تو سواری کو اپنے پاس دیکھ کر یہ شخص جس قدر خوش ہوگا اللہ جل شانہ بھی، بندے کی توبہ سے اسی قدر خوش ہوتے ہیں)۔

(٥٩٤٩) الحديث أخرجه مسلم في كتاب التوبة، باب في الحضّ على التوبة والفرح بها (رقم الحديث: ٢٧٤٤)، وأخرجه الترمذي في كتاب الزهد في أبواب صفة القيامة، باب ماجاء في استعظام المؤمن ذنوبه (رقم الحديث: ٢٤٩٧، ٢٤٩٨)، وأخرجه النسائي في كتاب النعوت، باب قوله: ﴿ولتُصنع على عيني﴾ ٤/٤١٥ (رقم الحديث: ٧٧٤١)

أحدهما عن النبي صلى الله عليه وسلم والآخر عن نفسه

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دو حدیثیں بیان فرمائیں، ایک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور دوسری اپنی طرف سے، یعنی ایک حدیث مرفوع تھی اور دوسری حدیث موقوف۔ إن المؤمن یری ذنوبه...... یہ حدیث موقوف ہے اور للہ أفرح بتوبة عبده...... یہ حدیث مرفوع ہے (۸)۔

إن المؤمن يرى ذنوبه كأنه قاعد تحت جبل

یری ذنوبه میں یری کا مفعول ثانی محذوف ہے أي یری ذنوبه کالجبال (۹) یعنی مؤمن اپنے گناہوں کو پہاڑوں کی طرح بھاری سمجھتا ہے۔

فقال به هكذا: به کی ضمیر باب کی طرف راجع ہے یعنی انھوں نے ہاتھ سے اشارہ کرکے بتلایا کہ اس طرح۔

وبه مَهْلَكَة: مَهْلَكَة میم اور لام کے فتحہ کے ساتھ جائے ہلاکت کو کہتے ہیں اور مُهْلِكَة میم کے ضمہ اور لام کے کسرہ کے ساتھ اسم فاعل مؤنث کا صیغہ ہے بمعنی ہلاک کرنے والی (۱۰)۔

اس روایت میں بندے کی توبہ سے اللہ جل شانہ کے راضی اور خوش ہونے کی ایک مثال بیان فرمائی گئی ہے، ایک شخص صحرا میں ہے اور اس کی ضروریات زندگی اور کھانے پینے کی اشیاء اس کی سواری پر لدی ہوئی ہیں، آدمی کی آنکھ لگتی ہے اور وہ سواری غائب ہو جاتی ہے، آنکھ کھلنے کے بعد اس کو بھوک پیاس لگتی ہے، سواری کی تلاش میں ادھر ادھر نکلتا ہے، لیکن وہ نہیں نظر آتی، ظاہر ہے، جنگل بیابان ہے اور کہیں سے کھانا پینا میسر نہیں ہوسکتا وہ موت کو سامنے دیکھ کر واپس اپنی جگہ چلا جاتا ہے کہ اس کی دوبارہ آنکھ لگ جاتی ہے اور جب آنکھ کھلتی ہے تو اس کی سواری کھانے پینے کی اشیاء کے ساتھ موجود ہوتی ہے، اب ظاہر ہے اس کو دیکھ کر اسے جو خوشی حاصل ہوگی، اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ صحیح مسلم کی روایت میں اس قدر اضافہ بھی ہے:

"فبينا هو كذلك، إذا بها قائمة عنده، فأخذ بخطامها، ثم قال من شدة الفرح: اللهم أنت عبدي، وأنا ربك، أخطأ من شدة الفرح" (۱۱)۔

---

(۸) فتح الباري: ۱۱/۱۲۶، عمدة القاري: ۲۲/۲۸۰، إرشاد الساري: ۱۳/۳۱۳

(۹) إرشاد الساري: ۱۳/۳۱۱

(۱۰) فتح الباري: ۱۱/۱۲۸، عمدة القاري: ۲۲/۲۸۱، إرشاد الساري: ۱۳/۳۱۲

(۱۱) صحيح مسلم، كتاب التوبة، باب في الحض على التوبة والفرح بها: ۴/۲۱۰

یعنی وہ اسی پریشانی کی حالت میں ہوتا ہے کہ اس کی سواری اچانک اس کے پاس آ کھڑی ہوتی ہے تو وہ اس کی نکیل پکڑتا ہے، پھر فرطِ مسرت سے بے اختیار یہ الفاظ اس کے منہ سے نکلتے ہیں: ''اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں'' بے انتہا خوشی کے باعث اس سے غلطی ہو جاتی ہے''۔..... اللہ جل شانہ بھی بندے کی توبہ سے اس قدر خوش اور راضی ہوتا ہے۔

حتى إذا اشتد عليه الحر والعطش أوماشاء الله:

راوی ابوشہاب کو یہاں شک ہے کہ اشتد عليه الحر والعطش کہا یا اشتد عليه ماشاء الله کہا۔

حدیث سے مستنبط آداب:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، ابن ابی جمرہ کے حوالے سے اس حدیث کے فوائد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وفي حديث ابن مسعود من الفوائد: جواز سفر المرء وحده لأنه لايضرب الشارع المثل إلا بما يجوز...... وفيه أن من ركن إلى ماسوى الله يقطع به أحوج مايكون إليه، لأن الرجل مانام في الفلاة وحده إلا ركونا إلى مامعه من الزاد، فلما اعتمد على ذلك خانه...... وفيه بركة الاستسلام لأمر الله لأن المذكور لما أيس من وجدان راحلته، استسلم للموت، فمن الله عليه بردضالته، وفيه ضرب المثل بما يصل إلى الأفهام من الأمور المحسوسة، والإرشاد إلى الحض على محاسبة النفس، واعتبار العلامات الدالة على بقاء نعمة الإيمان''(١٢)۔

یعنی ''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں کئی فوائد ہیں:

❶ آدمی کا اکیلے سفر کرنا جائز ہے، کیونکہ شارع صرف ان چیزوں کے ساتھ مثال بیان کرتے ہیں جو جائز ہوتی ہیں اور حدیثِ نہی کراہت پر محمول ہے اور اس حدیث سے نہی کی حکمت بھی ظاہر ہو جاتی ہے......

(١٢)فتح الباري: ١٤/ ١٣٠

۲ جس شخص نے غیر اللہ پر اعتماد کیا تو اللہ تعالیٰ اس سے اس کی سب سے اہم ضروری چیز منقطع فرمادیتے ہیں، اس لیے کہ وہ آدمی صحرا میں اکیلا اسی لیے سویا تھا کہ اسے اپنے ساتھ موجود توشہ پر اعتماد تھا۔ پس جب اس نے توشہ پر اعتماد کیا تو اس نے اس کے ساتھ خیانت کی۔

۳ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے میں برکت ہے، کیونکہ یہ شخص جب اپنی سواری ملنے سے مایوس ہوگیا تو موت کے سامنے تسلیم ہوگیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس پر احسان کرتے ہوئے اس کی گمشدہ چیز لوٹادی۔

۴ مثال ان امور محسوسہ کے ساتھ بیان کرنی چاہیے جن کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

۵ نفس کا محاسبہ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور ان علامات کے اظہار کا حکم دیا گیا ہے جو نعمت ایمان کے باقی ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

تابعه أبوعوانة وجرير عن الأعمش

اوپر سند میں ترتیب یہ ہے أبوشهاب عن الأعمش عن عُمارة عن الحارث ......ابوشہاب کی متابعت ابوعوانہ وضاح بن عبداللہ یشکری اور جریر بن عبدالحمید نے کی ہے، ابوعوانہ کی متابعت کو اسماعیلی نے اور جریر کی متابعت کو بزار نے موصولاً نقل کیا ہے (۱۳)۔

وقال أبوأسامة: حدثنا الأعمش، حدثنا عمارة، سمعت الحارث

ابواسامہ حماد بن اسامہ نے بھی اعمش سے یہ روایت نقل کی ہے، البتہ اس میں عنعنہ کی بجائے سماع کی تصریح ہے، یہ تعلیق امام مسلم نے موصولاً نقل کی ہے (۱۴)۔

قال شعبة و أبومسلم عن الأعمش عن إبراهيم التيمي عن الحارث بن سويد

شعبہ بن الحجاج اور ابومسلم عبیداللہ نے بھی یہ روایت اعمش سے نقل کی ہے لیکن اس طریق میں اعمش

(۱۳) عمدة القاري: ۲۲/۲۸۱، إرشادالساري: ۱۳/۳۱۲

(۱٤) فتح الباري: ۱۱/۱۲۹

کے شیخ عمارہ نہیں بلکہ ابراہیم تیمی ہیں، اس سے پہلے جو طرق گذرے ان میں اعمش کے شیخ عمارہ ہیں۔

وقال أبومعاوية، حدثنا الأعمش عن عمارة عن الأسود عن عبدالله وعن إبراهيم التيمي عن الحارث بن سويد عن عبدالله

ابو معاویہ محمد بن حازم کا یہ طریق اور زیادہ مختلف ہے، وہ اعمش کے واسطے سے عمارہ اور ابراہیم دونوں سے نقل کرتے ہیں لیکن عمارہ کے شیخ حارث کی بجائے اسود ہیں، جب کہ ماقبل کے تمام طرق میں ان کے شیخ حارث ہیں اور ابراہیم کے طریق میں ان کے شیخ حارث بن سوید ہیں جب کہ پہلے طریق میں وہ عمارہ کے شیخ ہیں۔

اس طرح یہ کئی طرق جمع ہو گئے اور ان میں اس جزوی اختلاف کی نشاندہی بھی امام بخاری نے کردی، البتہ امام مسلم نے چونکہ صرف ابوشہاب کا طریق ذکر کیا ہے (۱۵)، امام بخاری نے بھی موصولاً وہی طریق ذکر کیا ہے، اس لیے وہی قابل ترجیح ہے، شارحین نے لکھا ہے کہ اس طرح کا اختلاف قادح اور مضر نہیں ہوتا (۱۶)۔

۵۹۵۰ : حَدَّثَنِي إِسْحٰقُ : أَخْبَرَنَا حَبَّانُ : حَدَّثَنَا هَمَّامٌ : حَدَّثَنَا قَتَادَةُ : حَدَّثَنَا أَنَسُ ٱبْنُ مالِكٍ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . وَحَدَّثَنَا هُدْبَةُ : حَدَّثَنَا هَمَّامٌ : حَدَّثَنَا قَتَادَةُ ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (ٱللهُ أَفْرَحُ بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ مِنْ أَحَدِكُمْ ، سَقَطَ عَلَى بَعِيرِهِ ، وَقَدْ أَضَلَّهُ فِي أَرْضِ فَلَاةٍ) .

”حضرت انس بن مالک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ پر اس شخص سے
بھی زیادہ خوش ہوتا ہے، جس کا جنگل میں کھویا ہوا اونٹ اسے پھر دوبارہ مل جائے“۔

---

(۱۵) فتح الباري: ۱۲۹/۱۱، عمدة القاري: ۲۸۲/۲۲، إرشادالساري: ۳۱۳/۱۳

(۱۶) فتح الباري: ۱۲۹/۱۱، عمدة القاري: ۲۸۲/۲۲، إرشادالساري: ۳۱۳/۱۳

(۵۹۵۰) الحديث أخرجه مسلم في كتاب التوبة، باب في الحض على التوبة والفرح بها (رقم الحديث: ۲۷٤۷)، وأخرجه الترمذي في كتاب الدعوات، باب في فضل التوبة والاستغفار وماذكر من رحمة الله لعباده (رقم الحديث: ۳۵۳۸)، وأخرجه ابن ماجه في كتاب الزهد، باب ذكر التوبة (رقم الحديث: ٤۲٤۷)

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ روایت دو طریق سے ذکر کی ہے، پہلے طریق میں ان کے شیخ اسحاق بن حبان ہیں اور دوسرا طریق ھدبہ بن خالد سے ہے۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی کتاب التوبہ میں اسے ذکر کیا ہے، انھوں نے ھدبہ کے طریق سے نقل کیا ہے(۱۷)۔

٥ – باب : الضَّجْعِ عَلَى الشِّقِّ الْأَيْمَنِ .

٥٩٥١ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ : أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ عُرْوَةَ ، عَنْ عائِشَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهَا : كانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً ، فَإِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ ، ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ ، حَتَّى يَجِيءَ الْمُؤَذِّنُ فَيُؤْذِنَهُ . [ر : ٩٤٩]

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رات کو گیارہ رکعتیں نماز پڑھتے تھے، پھر جب صبح طلوع ہوتی، تو دو ہلکی ہلکی رکعتیں پڑھتے، پھر اپنے دائیں پہلو پر لیٹ جاتے، یہاں تک کہ اذان دینے والا آتا اور آکر آپ کو اطلاع دیتا“۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

دائیں پہلو پر سونا مستحب ہے، امام بخاری رحمہ اللہ اس باب میں اس کا استحباب بیان کرنا چاہتے ہیں، کتاب الدعوات سے اس کی مناسبت یوں بیان کی گئی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لیٹتے ہوئے دعائیں پڑھا کرتے تھے، جیسا کہ آگے آرہا ہے(۱۸)۔

بعض حضرات نے کہا کہ اسے اگلے ابواب کے لیے بطور تمہید وتوطئہ کے ذکر فرمایا ہے(۱۹)۔

---

(١٧) صحيح مسلم، كتاب التوبة، باب في الحض على التوبة والفرح بها: ٢١٠٥/٤، رقم الحديث: ٢٧٤٧

(١٨)عمدة القاري: ٢٨٢/٢٢، إرشادالساري: ٣١٤/١٣

(١٩)فتح الباري: ١٣١/١١،إرشادالساري: ٣١٤/١٣

دائیں پہلو پر سونے کے فوائد

دائیں پہلو پر سونے کے کئی فوائد ہیں، دل عموماً چونکہ بائیں جانب ہوتا ہے، اس لیے دائیں پہلو پر لیٹنے سے اس پر بوجھ نہیں پڑتا، نیند بھی بہت زیادہ گہری نہیں ہوتی کہ آدمی سے نماز فوت ہو جائے، دل کی حرکت بھی مناسب رفتار سے رہتی ہے اور بھی کئی فوائد بیان کیے گئے ہیں (۲۰)۔

٦ - باب : إِذَا بَاتَ طَاهِرًا .

٥٩٥٢ : حدَّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قالَ : سَمِعْتُ مَنْصُورًا ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ قالَ : حَدَّثَنِي الْبَرَاءُ بْنُ عازِبٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا قالَ : قالَ لِي رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (إِذَا أَتَيْتَ مَضْجَعَكَ ، فَتَوَضَّأْ وُضُوءَكَ لِلصَّلَاةِ ، ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلَى شِقِّكَ الْأَيْمَنِ ، وَقُلْ : اللَّهُمَّ أَسْلَمْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ ، وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ ، وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ ، رَهْبَةً وَرَغْبَةً إِلَيْكَ ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ ، آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ ، وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ ، فَإِنْ مُتَّ مُتَّ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاجْعَلْهُنَّ آخِرَ ما تَقُولُ) . فَقُلْتُ أَسْتَذْكِرُهُنَّ : وَبِرَسُولِكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ . قالَ : لَا : (وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ) . [ر : ٢٤٤]

ترجمۃ الباب کا مقصد

ترجمۃ الباب کا مقصد یہ ہے کہ انسان باوضو ہو کر لیٹے، اس کی فضیلت ہے، سنن ابی داود میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے:

"ما من مسلم يبيت على ذكر وطهارة، فيتعار من الليل، فيسأل الله خيرا من الدنيا والآخرة إلا أعطاه إياه"(٢١)۔

یعنی "جو مسلمان باوضو ہو کر ذکر کر کے سوئے اور رات کو اس کی آنکھ کھلے اور وہ اللہ تعالیٰ سے دنیا اور

(٢٠) الأبواب والتراجم: ٢/١٢٧، فيض الباري: ٤/٤١٦

(٢١) سنن أبي داود، أبواب النوم، باب في النوم على طهارة: ٤/٣١٠، رقم الحديث: ٥٠٤٢

آخرت کی کسی بھلائی کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ اسے وہ ضرور عطا فرماتے ہیں‘‘۔

باب کی کتاب سے مناسبت

کتاب الدعوات سے اس باب کی مناسبت کے بارے میں علامہ عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ’’هو أن فيه دعاء عظيما‘‘ (۲۲) یعنی کتاب الدعوات سے اس باب کی مناسبت یہ ہے کہ اس میں ایک عظیم الشان دعا کا ذکر ہے۔

روایت باب میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آپ خواب گاہ میں جانے کا ارادہ کریں تو وضو کریں، جس طرح نماز کے لیے وضو کیا جاتا ہے اور یہ دعا پڑھیں:

”اللهم أَسْلَمْتُ نفسي إليك، وفَوَّضْتُ أمْرِي إليك، وأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إليك رَهْبَةً ورَغْبَةً إليك، لامَلْجَأً ولامَنْجَاً مِنْك إلا إليك، آمَنْتُ بكتا بك الذي أَنْزَلْتَ وبنبيك الذي أَرْسَلْتَ‘‘......

یعنی ’’اے اللہ! میں نے اپنے نفس کو تیرا اطاعت گزار بنایا، میں نے اپنا معاملہ تیرے سپرد کیا، میں نے اپنی ذات کو تیری طرف متوجہ کیا اور میں نے تجھے اپنی پشت کا سہارا بنایا تیری طرف رغبت اور شوق اور تیرے ڈر کی وجہ سے، (کیونکہ) تیرے علاوہ تجھ سے فرار اور پناہ کی جگہ کوئی نہیں، میں ایمان لایا تیری کتاب پر جو تو نے نازل فرمائی اور تیرے نبی پر جسے تو نے مبعوث فرمایا‘‘۔

اگر یہ دعا پڑھ کر آپ سو جائیں اور مر جائیں تو آپ کی موت فطرت پر ہوگی......ان کلمات کو سب باتوں کے آخر میں پڑھیں کہ اس کے بعد پھر کوئی اور گفتگو نہ ہو۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

فإن مت، مت على الفطرة...... اس پر اشکال کیا گیا کہ اگر کوئی شخص یہ کلمات نہ بھی پڑھے اور

(۲۲) عمدة القاري: ۲۲/ ۵۰٤

سوتے ہوئے اس کی وفات ہوجائے تو اس کی موت بھی فطرت ہی پر ہوگی تو پھر ان کلمات پڑھنے کی کیا خصوصیت اور فائدہ رہا؟ علامہ قسطلانی اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

”أجيب بتنويع الفطرة، ففطرة القائلين فطرة المقربين الصالحين، وفطرة الآخرين فطرة عامة المؤمنين“(٢٣)۔

یعنی ”فطرت کی کئی قسمیں ہیں، ایک عام مؤمنین کی فطرت ہے اور ایک مقربین اور صلحاء کی فطرت ہے، ان کلمات کو پڑھنے والوں کی موت صلحاء کی فطرت پر ہوگی، جب کہ ان کے علاوہ دیگر لوگوں کی موت عام مؤمنین کی فطرت پر ہوگی اور یوں اس دعا کا امتیاز واضح ہوجاتا ہے“۔

ماثور دعاؤں میں روایت بالمعنی کا حکم

فقلت: استذکرهن: وبرسولك الذي أرسلت: سعد بن عبیدہ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اس دعا میں ”وبرسولك الذي أرسلت“ کے الفاظ آپ کو یاد ہیں؟ انھوں نے کہا نہیں، بلکہ ”وبنبيك الذي أرسلت“ کے الفاظ مجھے یاد ہیں۔

روایت بالمعنی اگرچہ جائز ہے اور رسول کی جگہ نبی کہنے اور پڑھنے کی گنجائش ہے لیکن ماثور دعاؤں میں روایت باللفظ ہونی چاہیے، کیونکہ اذکار اور ادعیہ کے الفاظ توقیفی ہوتے ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”إن ألفاظ الأذكار توقيفية، ولها خصائص وأسرار لا يدخلها قياس، فتجب المحافظة على اللفظ الذي وردت به“(٢٤)۔

یعنی ”اذکار و ادعیہ کے کلمات توقیفی ہوتے ہیں اور ان کی اپنی خصوصیات اور اسرار ہوتے ہیں، قیاس اور عقل سے ان کا ادراک نہیں کیا جاسکتا، لہٰذا جن الفاظ کے ساتھ ان اذکار و ادعیہ کا ورود ہوا ہے ان کی رعایت ضروری ہے“۔

---

(٢٣) إرشاد الساري: ٣١٥/١٣

(٢٤) فتح الباري: ١٣٥/١١

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس دعا کو دہرایا تھا اور "برسولك الذي أرسلت" پڑھا تھا تو آپ نے اصلاح فرمائی اور "برسولك" کے بجائے "وبنبيك" پڑھنے کے لئے فرمایا۔

سونے کی تین سنتیں

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس حدیث کے اندر تین سنتیں ہیں، ایک سونے کے وقت وضو، اگر پہلے سے وضو ہے تو نئے وضو کی ضرورت نہیں کیونکہ مقصود نوم علی الطہارت ہے جو پہلے سے حاصل ہے، دوم دائیں پہلو پر لیٹنا اور سوم ختم بذکر اللہ (۲۵)۔

سونے کا ایک اور ادب

سونے کے آداب میں سے ایک ادب تو دائیں پہلو پر وضو اور طہارت کی حالت میں لیٹنا ہے اور آگے ابواب میں ان ادعیہ کا ذکر ہے جو سونے کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، البتہ قبلہ رخ ہو کر سونے کا ذکر نہیں کیا گیا، امام ابوداود رحمہ اللہ نے "سنن" میں باب قائم کیا ہے "باب كيف يتوجه الرجل عند النوم" اور اس کے تحت حضرت ابوقلابہ کی روایت نقل کی ہے، جس کے الفاظ ہیں:

"كان فراش النبي صلى الله عليه وسلم نحوا مما يوضع الإنسان في قبره، وكان المسجد عند رأسه" (٢٦)۔

یعنی "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر اس طرح ہوتا تھا جس طرح انسان کو اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے اور مسجد (جس میں آپ نماز تہجد پڑھا کرتے تھے) آپ کے سر کے پاس ہوتی تھی"۔

اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سونے کی ہیئت معلوم ہو جاتی ہے کہ آپ کا رخ قبلہ کی

---

(٢٥) شرح مسلم للنووي، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب الدعاء عند النوم: ٣٤٨/٢

(٢٦) سنن أبي داود، كتاب الأدب، أبواب النوم، باب كيف يتوجه: ٣١٠/٤، رقم الحديث: ٥٠٤٤

طرف ہوا کرتا تھا۔ (کیونکہ قبر میں میت کو قبلہ رخ ہو کر لٹایا جاتا ہے)۔

٧ – باب : ما يَقُولُ إِذَا نَامَ .

٥٩٥٣ : حدّثنا قَبِيصَةُ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ عَبْدِ المَلِكِ ، عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ ، عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ قالَ : كانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ قالَ : (بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَا) . وَإِذَا قامَ قالَ : (الحَمْدُ لِلهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ ما أَماتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ) . [٥٩٥٥ ، ٥٩٦٥ ، ٦٩٥٩]
«نُنْشِزُهَا» /البقرة: ٢٥٩/ : نُخْرِجُهَا .

سونے کی دعا

سونے کے وقت کی ماثور دعا اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان فرمائی ہے، روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بستر کی طرف آرام فرمانے کے لیے جاتے تو اللّهم باسمك أموت وأحيا پڑھتے (یعنی اے اللہ! میں تیرے ہی نام سے مرتا اور جیتا ہوں) اور جب اٹھتے تو الحمدلله الذي أحيانا بعد ما أماتنا وإليه النشور پڑھتے۔ (یعنی تمام خدائی صفات اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں، جس نے ہمیں موت دینے کے بعد دوبارہ زندگی دی اور اسی کی طرف موت کے بعد لوٹنا ہے)۔

نشور کے معنی بعث بعد الموت اور مرنے کے بعد اللہ کی طرف لوٹنے کے ہیں (٢٧)۔

(٥٩٥٣) الحديث أخرجه البخاري أيضاً في كتاب الدعوات، باب وضع اليد اليمنى تحت الخد الأيمن (رقم الحديث: ٦٣١٤)، وأخرجه أيضاً في باب مايقول إذا أصبح (رقم الحديث: ٦٣٢٤)، وأخرجه أيضاً في كتاب التوحيد، باب السؤال بأسماء الله تعالىٰ والاستعاذه بها (رقم الحديث: ٧٣٩٤)، وأخرجه أبوداود في كتاب الأدب، باب: مايقال عندالنوم: ٣١١/٤ (رقم الحديث: ٥٠٤٩)، وأخرجه الترمذي في كتاب الدعوات، باب منه: ٤٨١/٥ (رقم الحديث: ٣٤١٧)، وأخرجه النسائي في كتاب عمل اليوم والليلة، باب مايقول من يفزع في منامه: ١٩٢/٦ (رقم الحديث: ١٠٦٠٨)، وأخرجه ابن ماجه في كتاب الدعاء، باب مايدعو به إذا انتبه من الليل: ١٢٧٧/٢ (رقم الحديث: ٣٨٨٠)، وأخرجه مسلم في كتاب الذكر والدعاء والاستغفار، باب: مايقول عند النوم وأخذ المضجع (رقم الحديث: ٢٧١١)

(٢٧) النهاية لابن الأثير، مادة: نشر: ٥٤/٥

٥٩٥٤ : حدّثنا سَعِيدُ بْنُ الرَّبِيعِ ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ قالَا : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ : سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عازِبٍ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَ رَجلاً .
وَحدَّثَنَا آدَمُ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ : حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحٰقَ الْهَمْدَانِيُّ ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عازِبٍ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَوْصَى رَجُلاً فَقَالَ : (إِذَا أَرَدْتَ مَضْجَعَكَ فَقُلْ : اللَّهُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِي إِلَيْكَ ، وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ ، وَوَجَّهْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ ، وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ ، رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ ، آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ ، وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ . فَإِنْ مُتَّ مُتَّ عَلَى الْفِطْرَةِ) . [ر : ٢٤٤]

’’حضرت براء بن عازب ؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو حکم دیا اور دوسری سند میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو وصیت کی اور فرمایا کہ جب تو بستر پر جانے کا ارادہ کرے، تو یہ دعا پڑھے:

”اللهم أَسْلَمْتُ نفسي إليك، وفَوَّضْتُ أمْري إليك، ووجهت وجهي إليك وأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إليك رَهْبَةً ورَغْبَةً إليك، لامَلْجأً ولامَنْجاَ مِنْك إلاإليك، آمَنْتُ بكتا بك الذي أنْزَلْتَ وبنبيك الذي أرْسَلْتَ“...... چنانچہ اگر تو یہ دعا پڑھنے کے بعد مر جائے گا تو فطرت پر مرے گا‘‘۔

٨ – باب : وَضْعِ الْيَدِ الْيُمْنَىٰ تَحْتَ الخَدِّ الْيُمْنَىٰ .

٥٩٥٥ : حدّثني مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ : حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ ، عَنْ رِبْعِيٍّ ، عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قالَ : كانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ مِنَ اللَّيْلِ ، وَضَعَ يَدَهُ تَحْتَ خَدِّهِ ، ثُمَّ يَقُولُ : (اللَّهُمَّ بِٱسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَا) . وَإِذَا ٱسْتَيْقَظَ قالَ : (الحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ ما أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ) . [ر: ٥٩٥٣]

’’حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رات کو جب اپنے بستر پر جاتے تو اپنا ہاتھ اپنے رخسار کے نیچے رکھتے، پھر فرماتے:”اللهم باسمك أموت وأحيى“اور جب نیند سے بیدار ہوتے تو فرماتے:”الحمدلله الذى أحيانا بعد ما أماتنا وإليه النشور“.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے ہوئے ہاتھ کو دائیں رخسار کے نیچے رکھتے، روایت باب میں رخسار کے نیچے ہاتھ رکھنے کا ذکر ہے، دائیں رخسار کی تصریح نہیں ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے، اس میں یہ تصریح ہے، اس میں ہے "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتوسّد يمينه عندالمنام، ثم يقول: رب قني عذابك يوم تبعث عبادك" (۲۸)۔ یعنی "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے وقت اپنے دائیں ہاتھ کو سر کے نیچے تکیہ کی طرح رکھتے پھر یہ دعا پڑھتے، اے میرے رب! تو مجھے اپنے عذاب سے محفوظ رکھ جس دن تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا"۔

چونکہ یہ روایت امام بخاری رحمہ اللہ کی شرط پر نہیں تھی، اس لیے انھوں نے اپنی عادت کے مطابق ترجمۃ الباب میں "الخدالیمنی" کا ذکر کر کے اس روایت کی طرف اشارہ کر دیا۔

٩ - باب : النَّوْمِ عَلَى الشِّقِّ الْأَيْمَنِ .

٥٩٥٦ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ : حَدَّثَنَا الْعَلَاءُ بْنُ الْمُسَيَّبِ قَالَ : حَدَّثَنِي أَبِي ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ : كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ نَامَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ ، ثُمَّ قَالَ : (اللَّهُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِي إِلَيْكَ ، وَوَجَّهْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ ، وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ ، وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ ، رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ ، آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ ، وَنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ) . وَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : (مَنْ قَالَهُنَّ ثُمَّ مَاتَ تَحْتَ لَيْلَتِهِ مَاتَ عَلَى الْفِطْرَةِ) . [ر : ٢٤٤]

"حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب اپنے بستر پر جاتے تو اپنے دائیں پہلو پر سوتے، پھر فرماتے:

(۲۸) أخرجه الترمذي في كتاب الدعوات، باب ماجاء في الدعاء إذا أوى إلى فراشه: ٥/٤٧١، رقم الحديث: ٣٣٩٩، قال الترمذي: هذا حديث غريب من هذا الوجه، ورواه أبوداود في أبواب النوم، باب مايقال عندالنوم: ٤/٣١١، ٣١٠، رقم الحديث: ٥٠٤٥

"اللهم أَسْلَمْتُ نفسي إليك، وفَوَّضْتُ أمْرِي إليك، وأَلْجَأتُ ظَهْرِي إليك رَهْبَةً ورَغْبَةً إليك، لامَلْجَأَ ولامَنْجَا مِنْك إلاإليك، آمَنْتُ بكتا بك الذي أَنْزَلْتَ وبنبيك الذي أَرْسَلْتَ"......

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے یہ کلمات کہے، اور پھر اسی رات وہ مرجائے تو وہ فطرت یعنی دینِ اسلام پر مرے گا"۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس سے پہلے "ضجع على الشق الأيمن " کا ذکر تھا اور اس باب میں "نوم على الشق الأيمن" کا ذکر ہے، ضجع اور نوم دونوں کے درمیان عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے، بسا اوقات آدمی لیٹتا ہے لیکن نیند نہیں ہوتی، اور نیند کئی بار لیٹے بغیر بیٹھے بیٹھے بھی آجاتی ہے (۲۹)۔

امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ لیٹنا اور سونا دونوں دائیں پہلو پر ہونا چاہیے، چنانچہ روایت میں "نام على شقه الأيمن" کے الفاظ ہیں۔

«اَسْتَرْهَبُوهُمْ» /الأعراف: ١١٦/ : مِنَ الرَّهْبَةِ . «مَلَكُوتَ» /الأنعام: ٧٥/ : مُلْكَ ، مَثَلُ : رَهَبُوتٌ خَيْرٌ مِنْ رَحَمُوتٍ ، يَقُولُ : تُرْهَبُ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تُرْحَمَ .

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سورۃ اعراف کی آیت کریمہ ﴿فلما القوا سحروا أعين الناس واسترهبو هم وجاء و بسحر عظيم﴾ میں "استرهبو هم"، "رَهْبَة" سے مشتق ہے، چونکہ حدیث باب میں "رَهْبَة" کا لفظ آیا تھا، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ حسب عادت معمولی مناسبت سے "استرهبوهم" کی طرف چلے گئے، "رَهْبَة" سے ایک لفظ "رَهَبوت" آتا ہے، کہتے ہیں رهبوت خير من رحموت یعنی تجھے ڈرایا جائے، یہ بہتر اس سے کہ تجھ پر رحم کیا جائے، رهبوت کے وزن پر ایک لفظ "ملكوت" ہے، جو سورۃ انعام آیت ۷۵ میں واقع ہے، "وكذلك نُرِی ابراهيم ملكوت السمٰوت والارض﴾ اس میں "ملكوت"، "مُلك" کے معنی میں ہے، بعض نسخوں میں یہ کلمات نہیں ہیں، علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "هذا لم يقع في بعض النسخ، وليس لذكره مناسبة هنا".(۲۹☆)۔

---

(٢٩)الأبواب والتراجم: ١٢٧/٢

(٢٩☆) إرشاد الساري: ٣٢٠/١٣، عمدة القاري: ٤٤/٢٢

۱۰ - باب : اَلدُّعاءِ إِذَا انْتَبَهَ بِاللَّيْلِ .

۵۹۵۷ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ : حَدَّثَنَا ابْنُ مَهْدِيٍ ، عَنْ سُفْيَانَ ، عَنْ سَلَمَةَ ، عَنْ كُرَيْبٍ ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قالَ : بِتُّ عِنْدَ مَيْمُونَةَ ، فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَأَتَى حاجَتَهُ ، فَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ ، ثُمَّ نَامَ ، ثُمَّ قامَ ، فَأَتَى الْقِرْبَةَ فَأَطْلَقَ شِنَاقَهَا ، ثُمَّ تَوَضَّأَ وُضُوءًا بَيْنَ وُضُوءَيْنِ لَمْ يُكْثِرْ وَقَدْ أَبْلَغَ ، فَصَلَّى ، فَقُمْتُ فَتَمَطَّيْتُ ، كَرَاهِيَةَ أَنْ يَرَى أَنِّي كُنْتُ أَتَّقِيهِ ، فَتَوَضَّأْتُ ، فَقَامَ يُصَلِّي ، فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ ، فَأَخَذَ بِأُذُنِي فَأَدَارَنِي عَنْ يَمِينِهِ ، فَتَتَامَّتْ صَلَاتُهُ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً ، ثُمَّ اضْطَجَعَ فَنَامَ حَتَّى نَفَخَ ، وَكانَ إِذَا نَامَ نَفَخَ ، فَآذَنَهُ بِلَالٌ بِالصَّلَاةِ ، فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ ، وَكانَ يَقُولُ فِي دُعائِهِ : (اللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا ، وَفِي بَصَرِي نُورًا ، وَفِي سَمْعِي نُورًا ، وَعَنْ يَمِينِي نُورًا ، وَعَنْ يَسَارِي نُورًا ، وَفَوْقِي نُورًا ، وَتَحْتِي نُورًا ، وَأَمامِي نُورًا ، وَخَلْفِي نُورًا ، وَاجْعَلْ لِي نُورًا) .

قالَ كُرَيْبٌ : وَسَبْعٌ فِي التَّابُوتِ ، فَلَقِيتُ رَجُلًا مِنْ وَلَدِ الْعَبَّاسِ ، فَحَدَّثَنِي بِهِنَّ ، فَذَكَرَ عَصَبِي وَلَحْمِي وَدَمِي وَشَعَرِي وَبَشَرِي ، وَذَكَرَ خَصْلَتَيْنِ . [ر : ۱۱۷]

رات کو جاگنے کی دعا

اس باب میں رات کو جاگنے پر دعا پڑھنے کا بیان ہے، باب کی اس پہلی روایت میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات حضرت میمونہ کے پاس رہا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے، اپنی ضرورت سے فارغ ہونے کے بعد اپنا چہرہ اور دونوں ہاتھ دھوئے، پھر سو گئے اور پھر اٹھ کر مشکیزے کے پاس تشریف لائے، اس کا منہ کھولا پھر درمیانے درجہ کا وضو کیا، اس طرح کہ زیادہ پانی استعمال نہیں کیا لیکن پانی اپنے تمام اعضا تک پہنچایا، پھر آپ نے نماز پڑھی۔

حضرت عبداللہ ابن عباس کا بیان ہے کہ میں بھی اٹھا، لیکن میں نے اٹھنے میں دیر کی، اس لیے کہ میں نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ آپ یہ سمجھیں کہ میں آپ کو دیکھ رہا ہوں، چنانچہ میں نے وضو کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے تو میں آپ کے بائیں طرف کھڑا ہو گیا، آپ نے میرا کان پکڑا اور اپنے دائیں طرف گھما کر لائے...... آپ نے پوری تیرہ رکعت نماز پڑھی، پھر لیٹے اور سو گئے، یہاں تک آپ کے سونے کی

آواز آنے لگی۔ جب آپ سوتے تو خراٹوں کی سی آواز ہوتی...... اس کے بعد حضرت بلال نے آپ کو نماز کی اطلاع کی تو آپ نے نماز پڑھی لیکن وضو نہیں کیا اور اپنی دعا میں یہ فرماتے تھے:

''اللهم اجعل في قلبي نورا وفي بصري نورا، وفي سمعي نورا، وعن يميني نورا، وعن يساري نورا، وفوقي نورا، وتحتي نورا، وأمامي نورا، وخلفي نورا، واجعل لي نورا''۔

یعنی ''اے اللہ! تو میرے دل میں نور پیدا فرما، میری آنکھوں میں نور پیدا فرما، میرے کانوں میں نور پیدا فرما، میرے دائیں طرف نور پیدا فرما، میرے بائیں طرف نور پیدا فرما، میرے اوپر نور پیدا فرما، میرے نیچے نور پیدا فرما، میرے سامنے نور پیدا فرما، میرے پیچھے نور پیدا فرما اور تو مجھے تمام انوارات کے جامع عظیم نور سے سرفراز فرما''۔

فأطلق شِناقها: شِناق سے وہ رسی مراد ہے جس سے مشکیزے کا منہ باندھا جاتا ہے۔

وقد أبلغ أي أوصل الماءَ إلى مايجب إيصاله إليه: یعنی جہاں تک پانی پہنچانا ضروری ہے، وہاں تک پہنچایا،

تمطيت: یعنی میں نے دیر کی، تاخیر کی۔

أني كنت أرقبه: أرقب کے معنی نگرانی کرنے کے ہیں، ایک روایت میں ''أتنقبه'' ہے، تنقیب کے معنی تفتیش کرنے ہیں (۳۰)۔

فتتامّتْ صلاته: تتامت لازم استعمال ہوتا ہے بمعنی تکاملَتْ: مکمل ہونا۔

جہاتِ ستہ واعضاء کے لیے نور کی دعا مانگنے کی وجہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اعضائے جسم کے لیے اور اپنی جہات ستہ کے لیے نور کی دعا مانگی،

---

(۳۰) النهاية لابن الأثير، مادة: نقب: ۱۰۱/۵

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ، شیخ اکمل الدین کے حوالے سے اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"أما النور الذي عن يمينه، فهو المؤيد له والمعين على مايطلبه من النور الذي بين يديه، والذي عن يساره نور الوقاية، والذي خلفه فهو النور الذي يسعى بين يدي من يقتدى به ويتبعه، فهو لهم من بين أيديهم، وهو له صلى الله عليه وسلم من خلفه، فيتبعونه على بصيرة، كما أن المتبع على بصيرة، قال الله تعالىٰ: ﴿قل هذه سبيلي أدعو الى الله على بصيرة أنا ومن اتبعني﴾ وأما النور الذي فوقه فهو تنزل نور إلهي قدسي بعلم غريب لم يتقدمه خبر، ولايعطيه نظر، وهو الذي يعطى من العلم بالله ماترده الأدلة العقلية، إذا لم يكن لها إيمان، فإذا كان لها إيمان نوراني قبلته بتأويل لتجمع بين الأمرين، وقوله: واجعل لي نورًا: يجوز أنه أراد نورا عظيما جامعًا للأنوار كلها يعني التي ذكرها هنا، والتي لم يذكرها كأنوار السماء الإلهية، وأنوار الأرواح وغير ذلك"(۳۱)۔

یعنی"رہا وہ نور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں طرف ہے تو وہ اس نور کی طلب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مؤید و مددگار ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہے اور وہ نور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں طرف ہے وہ حفاظتی نور ہے اور وہ نور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہے، وہ وہ نور ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں کے سامنے چلتا رہتا ہے، تو یہ ایسا نور ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں کے لیے ہے جو ان کے آگے آگے رہتا ہے اور یہی نور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے رہتا ہے، جس کی بدولت صحابہ کرامؓ بصیرت اور سمجھ بوجھ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:"آپ کہہ دیجیے یہ میری

(۳۱) إرشاد الساري: ۳۲۱/۱۳

راہ ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں سمجھ بوجھ کر میں اور وہ جو میرے ساتھ ہیں''۔

اور رہا وہ نور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر ہے تو اس سے مراد وہ قدسی والٰہی نور ہے جو ایسا عجیب و ناآشنا علم لے کر اترتا ہے جس کی پہلے نہ کوئی خبر دی گئی اور نہ عقل ونظر اس کی بخشش کرتی ہے۔ یہ وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ سے متعلق ایسا علم عطا کرتا ہے جس کی ادلہ عقلیہ تردید کرتے ہیں اگر وہ نور ایمان سے تہی دامن ہوں اور اگر وہ ادلہ عقلیہ نور ایمان سے مالا مال ہوں تو وہ اس کو قبول کر لیتے ہیں۔ لہٰذا وہ عقل ونقل دونوں کو جامع ہو جاتے ہیں۔''واجعل لي نـــورا'' کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ عظیم نور مراد لیا ہے جو تمام انوارات کو جامع ہے، ان انوارات کو بھی جو دعا میں مذکور ہیں اور ان کو بھی جن کا ذکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، مثلاً آسمانی الٰہی انوارات، ارواح کے انوارات وغیرہ''۔

قال كُريب: وسبع في التابوت، فلقيت رجلا من ولدالعباس، فحدثني بهن: فذكر عصبي ولحمي، ودمي وشعري وبشري، وذكر خصلتين.........

تابوت کی تشریح

کریب کہتے ہیں کہ سات کلمات تابوت میں ہیں، یہاں تابوت کے بارے میں تین قول مشہور ہیں:

❶ تابوت سے سینہ مراد ہے، کریب کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اشیاء کے لیے نور کی جو دعا مانگی ہے، ان میں سات اور چیزوں کے لیے بھی دعا مانگی گئی تھی وہ میرے سینے میں تو ہیں لیکن مجھے یاد نہیں رہیں، چنانچہ میں اس کے بعد حضرت عباس کی اولاد میں سے ایک شخص سے ملا تو انھوں نے وہ سات چیزیں مجھے بتلائیں، چنانچہ انھوں نے عصب، لحم، دم، شعر اور بشر کا ذکر کیا (کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللهم اجعل في عصبي نورا، ولحمي نورا، وفي دمي نورا، وشعري نورا، وبشري نورا بھی فرمایا تھا) اور دو اور خصلتوں کا ذکر کیا(۳۲)، ان خصلتوں سے یا عظم اور مخ (ہڈی اور دماغ) مراد ہیں، یا شحم اور عظم (چربی اور

(۳۲)عمدة القاري: ۲۲/۲۸۷، فتح الباري: ۱۱/۱٤۱، إرشادالساري:۱۳/۳۲۲

ہڈی) مراد ہیں......اس طرح کل یہ سات اشیاء بن جاتی ہیں (۳۳)۔

۲ دوسرا قول علامہ ابن جوزیؒ کا ہے، وہ یہ کہ تابوت سے صندوق مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ بقیہ سات مجھے یاد نہیں، بلکہ صندوق کے اندر لکھی ہوئی محفوظ ہیں (۳۴)۔

۳ تیسرا قول یہ ہے کہ تابوت سے جسم مراد ہے اور کریب کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جہات ستہ کے لیے نور کی دعا مانگی ہے اور سات ایسی چیزوں کے لیے بھی دعا مانگی جن کا تعلق جہات اور معانی سے نہیں بلکہ انسانی جسم کے ساتھ ہے، چنانچہ حضرت عباسؓ کی اولاد میں سے ایک شخص نے اس کی وضاحت عصبي، لحمي......وغیرہ سے میرے پوچھنے پر کردی (۳۵)۔

فلقيت رجلا من ابن عباس:

شارحین نے لکھا ہے کہ رجل سے علی بن عبداللہ بن عباسؓ مراد ہیں (۳۶)۔

بعض روایات میں اللهم أعظم لي نورا وأعطني نورا کا اضافہ بھی ہے (۳۷)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ويجتمع من اختلاف الروايات كما قال ابن العربي خمس وعشرون خصلة (۳۸) یعنی ''مختلف روایات میں مذکور خصلتیں جمع کی جائیں تو تعداد پچیس ہوجاتی ہے جیسا کہ ابن العربیؒ نے کہا ہے''۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

(۳۳) عمدة القاري: ۲۲/۲۸۷، فتح الباري: ۱۱/۱۴۲، إرشاد الساري: ۱۳/۳۲۲

(۳۴) عمدة القاري: ۲۲/۲۸۷، فتح الباري: ۱۱/۱۴۱، إرشاد الساري: ۱۳/۳۲۲

(۳۵) فتح الباري: ۱۱/۱۴۲، إرشاد الساري: ۱۳/۳۲۲

(۳۶) فتح الباري: ۱۱/۱۴۲، إرشاد الساري: ۱۳/۳۲۲

(۳۷) الحديث أخرجه الإمام مسلم في كتاب صلوٰة المسافرين وقصرها، باب الدعاء في صلوٰة الليل وقيامه: ۱/۵۳۰، رقم الحديث: ۱۸۹، ۱۹۱، والحاكم في مستدركه، كتاب معرفة الصحابة، ذكر عبدالله بن عباس بن عبدالمطلب رضي الله عنهما: ۳/۵۳۶، ۵۳۵

(۳۸) فتح الباري: ۱۱/۱۴۲

معنى طلب النور للأعضاء عضوا عضوا أن يتجلى بأنوار المعرفة والطاعات، ويتعرى عن ظلمة الجهالة والمعاصي لأن الإنسان ذوسهووطغيان، رأى أنه قدأحاطت ظلمات الجبلة معتورة عليه من فرقه إلى قدمه، والأدخنة الثائرة من نيران الشهوات من جوانبه، ورأى الشيطان يأتيه من الجهات الست بوساوسه وشبهاته ظلمات بعضها فوق بعض، فلم يرللتخلص منها مساغاإلّا بأنوار سادة لتلك الجهات...... وكل هذه الأنوار راجعة إلى هداية وبيان وضياء للحق، وإلى مطالع هذه الأنوار يرشد قوله تعالىٰ: ﴿الله نورالسموت والأرض﴾ إلى قوله: ﴿نورعلى نور يهدى الله لنوره من يشاء﴾(٣٩)۔

یعنی ”ایک ایک عضو کے لیے نور کی دعا مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ اعضاء اللہ تعالیٰ کی معرفت وطاعت سے منور اور روشن ہو جائیں اور جہالت ومعاصی کی ظلمتیں اپنے ڈیرے ان سے ہٹالیں۔ کیونکہ انسان سرکشی وخطا کا پتلا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا کہ فطرت وجبلت کی تاریکیوں نے انسان کو پیشانی سے لے کر پاؤں تک مسلسل گھیرے ہوا ہے، شہوات نفسانیہ کی آگ سے اٹھنے والے دھوؤں نے اس کا ہر طرف سے حصار کیا ہوا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا کہ شیطان انسان کے پاس چھ جہتوں سے اپنے وسوسوں اور شبہات لے کر آتا رہتا ہے، غرض انسان اوپر نیچے سے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں گھرا ہوا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نجات وچھٹکارے کا صرف ایک ہی ذریعہ پایا، یعنی یہ عظیم انوارات جو جہات ستہ کے لیے محافظ اور آڑ ہیں...... یہ تمام انوارات ہدایت اور حق کی روشنی وبیان کی طرف راجع ہیں اور ان انوارات کے مطالع کی طرف اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان رہنمائی کرتا ہے: الله نور السموات...... ”اللہ تعالیٰ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا...... نور علیٰ نور روشنی پر روشنی، اللہ تعالیٰ اپنی روشنی کی راہ دکھلا دیتا ہے جس کو چاہے“۔

---

(٣٩) شرح الطيبي، كتاب الصلوة، باب الليل: ٩٨/٣

٥٩٥٨ : حدّثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ : سَمِعْتُ سُلَيْمانَ بْنَ أَبِي مُسْلِمٍ ، عَنْ طَاوُسٍ ، عَنِ ٱبْنِ عَبَّاسٍ : كانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا قامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتَهَجَّدُ قالَ : (اللَّهُمَّ لَكَ الحَمْدُ ، أَنْتَ نُورُ السَّماوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ ، وَلَكَ الحَمْدُ ، أَنْتَ قَيِّمُ السَّماوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ ، وَلَكَ الحَمْدُ ، أَنْتَ الحَقُّ ، وَوَعْدُكَ حَقٌّ ، وَقَوْلُكَ حَقٌّ ، وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ ، وَالجَنَّةُ حَقٌّ ، وَالنَّارُ حَقٌّ ، وَالسَّاعَةُ حَقٌّ ، وَالنَّبِيُّونَ حَقٌّ ، وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ ، اللَّهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ ، وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ ، وَبِكَ آمَنْتُ ، وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ ، وَبِكَ خاصَمْتُ ، وَإِلَيْكَ حاكَمْتُ ، فَٱغْفِرْ لِي ما قَدَّمْتُ وَما أَخَّرْتُ ، وَما أَسْرَرْتُ وَما أَعْلَنْتُ ، أَنْتَ المُقَدِّمُ وَأَنْتَ المُؤَخِّرُ ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ ، أَوْ : لَا إِلٰهَ غَيْرُكَ) . [ر : ١٠٦٩]

''حضرت ابن عباس سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب رات کو اٹھتے تو تہجد پڑھتے اور فرماتے: اللهم لك الحمد..... ''اے اللہ! تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں، تو آسمانوں اور زمینوں کا، اور جو کائنات دونوں کے درمیان ہے، اس کا نور ہے، تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں، تو آسمانوں اور زمینوں کا، اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، اس کا نگران ہے اور تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں۔ تیری ذات، تیرا وعدہ، تیرا قول، تیری ملاقات برحق ہے۔ جنت، جہنم، قیامت، انبیاء اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم برحق ہیں۔ اے اللہ! میں نے تیری اطاعت کی، تجھ ہی پر بھروسہ کیا، تجھ ہی پر ایمان لایا، تیری ہی طرف مجھے لوٹنا ہے اور تیری ہی توفیق سے میں لڑا اور تیری ہی طرف مجھے فیصلہ کرنا ہے۔ اگلے، پچھلے مخفی اور علانیہ گناہوں کی مغفرت فرما!! تو ہی آگے بڑھانے والا اور پیچھے ہٹانے والا ہے، اور تیرے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں''۔

یہ دوسری دعا ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تہجد کے وقت اٹھ کر پڑھا کرتے تھے، مختلف مواقع کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعائیں منقول ہیں، ایک ہی موقع کے لیے ایک سے زائد دعائیں بھی منقول ہیں، چنانچہ رات کو اٹھ کر آپ یہ دعا بھی پڑھا کرتے تھے اور اس سے پہلی روایت میں مذکور دعا بھی پڑھتے تھے، یہ حدیث کتاب الصلاۃ کے آخر میں تہجد کے ابواب کے تحت گذر چکی ہے (۴۰)۔

(٤٠) أخرجه الإمام البخاري في كتاب الصلوة، باب التهجد بالليل: ٢٣٨، رقم الحديث: ١١٢٠

١١ – باب : التَّكْبِيرِ وَالتَّسْبِيحِ عِنْدَ الْمَنَامِ .

٥٩٥٩ : حدّثنا سُلَيْمانُ بْنُ حَرْبٍ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنِ الحَكَمِ ، عَنِ ٱبْنِ أَبِي لَيْلَى ، عَنْ عَلِيٍّ : أَنَّ فَاطِمَةَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ شَكَتْ ما تَلْقَىٰ فِي يَدِهَا مِنَ الرَّحٰى ، فَأَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ تَسْأَلُهُ خادِمًا فَلَمْ تَجِدْهُ ، فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِعَائِشَةَ ، فَلَمَّا جاءَ أَخْبَرَتْهُ ، قالَ : فَجاءَنَا وَقَدْ أَخَذْنَا مَضَاجِعَنَا ، فَذَهَبْتُ أَقُومُ ، فَقَالَ : (مَكانَكَ) . فَجَلَسَ بَيْنَنَا حَتَّى وَجَدْتُ بَرْدَ قَدَمَيْهِ عَلَى صَدْرِي ، فَقَالَ : (أَلَا أَدُلُّكُمَا عَلَى ما هُوَ خَيْرٌ لَكُمَا مِنْ خَادِمٍ ؟ إِذَا أَوَيْتُمَا إِلَى فِرَاشِكُمَا ، أَوْ أَخَذْتُمَا مَضَاجِعَكُمَا ، فَكَبِّرَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ ، وَسَبِّحَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ ، وَٱحْمَدَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ ، فَهٰذَا خَيْرٌ لَكُمَا مِنْ خادِمٍ) .

وَعَنْ شُعْبَةَ ، عَنْ خالِدٍ ، عَنِ ٱبْنِ سِيرِينَ قالَ : التَّسْبِيحُ أَرْبَعٌ وَثَلَاثُونَ . [ر : ٢٩٤٥]

سونے کے وقت تسبیح کی فضیلت

سونے سے پہلے سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر کہنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے، روایت باب مشہور ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خادم مانگا کیونکہ خود چکی پیس پیس کر ان کے ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہؓ کی آمد کے وقت گھر پر نہیں تھے، حضرت عائشہؓ نے اطلاع دی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر گئے، وہ میاں بیوی سونے لگے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر حضرت فاطمہؓ اٹھنے لگیں تو آپ نے روک دیا اور بے تکلفی سے دونوں میاں بیوی کے درمیان تشریف فرما ہوئے اور ان سے کہا کہ میں تم دونوں کو خادم سے زیادہ بہتر چیز نہ بتلا دوں؟ جب تم لیٹنے لگو تو ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر، ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ اور ۳۳ مرتبہ الحمد للہ کہا کرو۔ یہ تمھارے لیے خادم سے بہتر ہے۔

شعبہ کی روایت میں ۳۴ مرتبہ سبحان اللہ ہے، بعض روایات میں الحمد للہ ۳۴ مرتبہ ہے اور اکثر روایات میں اللہ اکبر ۳۴ مرتبہ آیا ہے (۴۱)۔

(٤١) أخرجه مسلم في كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب التسبيح أول النهار وعند النوم: ٢٠٩٢/٤، ٢٠٩١، رقم الحديث: ٢٧٢٧، ٢٧٢٨ والترمذي في كتاب الدعوات، باب ماجاء في التسبيح والتكبير والتحميد عند المنام: ٥/ ٤٧٩، ٤٧٧، رقم الحديث: ٣٤١٣، ٣٤١٢، ٣٤٠٨

روایت میں بیان کردہ اس ذکر کو تسبیح فاطمی کہتے ہیں، کئی احادیث میں ہر فرض نماز کے بعد تسبیح فاطمی کی فضیلت وارد ہوئی ہے(۴۲)۔ یہاں سوتے وقت اس کے پڑھنے کی فضیلت آئی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خادم سے بہتر قرار دیا، چونکہ اس وقت آپ کے پاس دینے کے لیے خادم موجود نہیں تھا، اس لیے حضورؐ نے اس کے بدلے میں انھیں ایک ایسا ذکر بتلایا جو ان کے لیے اخروی اعتبار سے فائدہ مند تھا(۴۳)۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان دونوں کے پاس جانا اور ان کے درمیان اس طرح بیٹھنا بے تکلفی اور انتہائی محبت کی بناء پر تھا، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

و فيه جواز دخول الرجل على ابنته وزوجها وجلوسه بينهما في فراشهماومباشرة قدميه بعض جسدهما...... ودفع بعضهم الاستدلال المذكور لعصمته، فلايلحق به غيره ممن ليس بمعصوم(۴۴)۔

یعنی "اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی اپنی بیٹی اور اس کے شوہر کے پاس جاسکتا ہے، ان کے درمیان بیٹھ سکتا ہے اور اپنے پاؤں ان کے بدن کے کسی عضو کے ساتھ لگا سکتا ہے...... بعض حضرات نے مذکورہ استدلال کو یہ کہہ کر مسترد کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں، لہٰذا کسی غیر معصوم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قیاس نہیں کیا جاسکتا"۔

حضرت علی رضی اللہ سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلانے کے بعد ان سے یہ وظیفہ کبھی زندگی میں نہیں چھوٹا، جب ان سے پوچھا گیا کہ جنگ صفین کے موقع پر بھی نہیں چھوٹا تو انھوں نے کہا، ہاں صفین کی رات بھی نہیں چھوٹا(۴۵)۔

---

(٤٢) سنن الترمذي، كتاب الدعوات، باب ماجاء في التسبيح والتكبير والتحميدعندالمنام: ٤٧٩/٥، رقم الحديث: ٣٤١٣، ٣٤١٢

(٤٣) فتح الباري: ١٤٩/١١

(٤٤) فتح الباري: ١٤٩/١١

(٤٥) صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب التسبيح أول النهار وعندالنوم: ٢٠٩٢/٤، ٢٠٩١، ٢٠٩١، رقم الحديث: ٢٧٢٧

١٢ - باب : التَّعَوُّذِ وَالْقِرَاءَةِ عِنْدَ النَّوْمِ .

٥٩٦٠ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قالَ : حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ : أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ ، عَنْ عائِشَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهَا : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ كانَ إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ نَفَثَ فِي يَدَيْهِ ، وَقَرَأَ بِالمعَوِّذَاتِ ، وَمَسَحَ بِهِمَا جَسَدَهُ . [ر : ٤١٧٥]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب اپنے بستر پر تشریف لے جاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں پر پھونکتے اور معوذات (سورۃ اخلاص، سورۃ فلق، سورۃ ناس) پڑھ کر اپنے جسم پر دونوں ہاتھوں کومل لیتے''۔

سونے کے وقت کے دوسرے اوراد

حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوتے وقت سورۃ اخلاص، سورۃ فلق اور سورۃ ناس پڑھا کرتے تھے، حدیث میں تینوں کو تغلیباً معوذات کہا گیا (۴٦)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان تین سورتوں کے علاوہ سوتے وقت آیت الکرسی، سورۃ بقرہ کی آخری آیات، سورۃ کافرون، سورۃ ملک، سورۃ الم تنزیل کا پڑھنا بھی ثابت ہے (۴۷)۔

اسی طرح أعوذ بكلمات الله التامة من شر ما خلق کا پڑھنا بھی وارد ہے، جس کا ترجمہ ہے: ''میں اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کے ساتھ اس کی مخلوق کے شر سے پناہ مانگتا ہوں'' (۴۸)۔

امام ابوداود رحمہ اللہ نے حضرت علیؓ کے حوالے سے یہ دعا بھی نقل کی ہے:

''اللهم إني أعوذ بوجهك الكريم، وكلماتك التامات من شر كل شيء أنت آخذ

(٤٦) عمدة القاري: ٢٨٩/٢٢، إرشادالساري: ٣٢٥/١٣

(٤٧) سنن الترمذي، كتاب الدعوات، باب ماجاء فيمن يقرأ القرآن عندالمنام: ٤٧٤/٥، ٤٧٥، (رقم الحديث: ٣٤٠٥)، ٣٤٠٤، ٣٤٠٣

(٤٨) فتح الباري: ١٥١/١١، سنن أبي داود، أبواب النوم، باب مايقال عند النوم: ٣١٢/٤

بناصيته"(٤٩)۔ یعنی اے اللہ! میں تیری کریم ذات اور تیرے کامل کلمات کے ساتھ ہر اس چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں، جس کی پیشانی تیرے قبضہ میں ہے"۔

باب

٥٩٦١ : حدّثنا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ : حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ : حَدَّثَنَا عُبَيْدُ ٱللهِ بْنُ عُمَرَ : حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ المَقْبُرِيُّ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قالَ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (إِذَا أَوَى أَحَدُكُمْ إِلَى فِرَاشِهِ فَلْيَنْفُضْ فِرَاشَهُ بِدَاخِلَةِ إِزَارِهِ ، فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي ما خَلَفَهُ عَلَيْهِ ، ثُمَّ يَقُولُ : بِاسْمِكَ رَبِّي وَضَعْتُ جَنْبِي وَبِكَ أَرْفَعُهُ ، إِنْ أَمْسَكْتَ نَفْسِي فَارْحَمْهَا ، وَإِنْ أَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهِ عِبَادَكَ الصَّالِحِينَ) .

تَابَعَهُ أَبُو ضَمْرَةَ وَإِسْمَاعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّاءَ ، عَنْ عُبَيْدِ ٱللهِ . وَقالَ يَحْيَى وَبِشْرٌ ، عَنْ عُبَيْدِ ٱللهِ ، عَنْ سَعِيدٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ .

وَرَوَاهُ مالِكٌ وَٱبْنُ عَجْلَانَ ، عَنْ سَعِيدٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . [٦٩٥٨]

سونے کے ایک اور ادب کا بیان

یہ باب بلاترجمہ ہے، بعض نسخوں میں باب نہیں ہے، حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ باب یہاں ہونا چاہیے، یہی راجح ہے(٥٠)۔

---

(٤٩) سنن أبي داود، أبواب النوم، باب مايقال عندالنوم: ٣١٢/٤، رقم الحديث: ٥٠٥٢

(٥٩٦١) الحديث أخرجه البخاري أيضاً في كتاب التوحيد، باب السؤال بأسماء الله تعالىٰ والاستعاذة بها (رقم الحديث: ٧٣٩٤)، وأخرجه مسلم في كتاب الذكر والدعاء، باب: مايقول عندالنوم و أخذ المضجع: ٢٠٨٤/٤ (رقم الحديث: ٢٧١٤)، وأخرجه أبوداود في كتاب الأدب، باب: مايقال عندالنوم: ٣١١/٤ (رقم الحديث: ٥٠٥٠). وأخرجه النسائي في كتاب عمل اليوم والليلة، باب: مايقول من يفزع في منامه: ٩٨/٦ (رقم الحديث: ١٠٦٢٧)، وأخرجه الترمذي في كتاب الدعوات، باب منه (دعاء: "باسمك ربي وضعت جنبي ......") (رقم الحديث: ٣٤٠١)، وأخرجه ابن ماجه في كتاب الدعاء، باب: مايدعو به إذا أوى إلى فراشه (رقم الحديث: ٣٨٧٤)

(٥٠) فتح الباري: ١٥١/١١

اس باب میں ایک اور ادب سونے سے متعلق بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ سونے سے پہلے بستر کو جھاڑ دینا چاہیے، چنانچہ روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے بستر کی طرف سونے کے لیے آئے تو وہ اپنے ازار کے اندرونی کنارے سے بستر کو جھاڑ دے کیونکہ اس کو معلوم نہیں کہ اس کے پیچھے بستر میں کیا چیز داخل ہوئی ہے اور پھر یہ دعا پڑھے:

"بـاسْـمِـكَ ربـي وضَـعْـتُ جنبـي، وبك أَرْفَـعُـهُ إنْ أَمْسَكْتَ نَفْسي فارْحَمْها، وإن أرْسَلْتَهَا فاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ به الصالحين".

یعنی "اے میرے رب! میں نے تیرے ہی نام سے اپنا پہلو رکھا اور تیرے ہی نام سے اسے اٹھاؤں گا، اگر تو نے میری روح روک (کر مجھے موت دے) دی تو، تو اس پر رحم فرمانا اور اگر تو نے اسے واپس لوٹا کر چھوڑ دیا تو، تو اس کی حفاظت فرمانا اس چیز کے ساتھ جس کے ساتھ تو صالحین کی حفاظت فرماتا ہے"۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کے آخر میں متابعات ذکر کی ہیں، ابوضمرہ انس بن عیاض کی متابعت امام بخاری نے الادب المفرد میں اور امام مسلم نے "صحیح" میں موصولاً نقل کی ہے (۵۱)۔ اسماعیل بن زکریا کی متابعت حارث بن ابی اسامہ نے اپنی مسند میں موصولاً نقل کی ہے (۵۲)، یحییٰ بن سعید کی تعلیق امام نسائی نے اور بشیر بن المفضل کی تعلیق مسدد نے موصولاً نقل کی ہے (۵۳)۔

ورواه مالك وابن عَجْلان عن سعيد

امام مالک رحمہ اللہ اور محمد بن عجلان نے بھی مذکورہ حدیث سعید مقبری سے نقل کی ہے، امام مالک کی روایت، آگے کتاب التوحید میں موصولاً آ رہی ہے (۵۴) اور ابن عجلان کی روایت امام احمد نے "مسند" میں

---

(٥١) فتح الباري: ١١/١٥٤، عمدة القاري: ٢٢/٢٩٠، إرشادالساري: ١٣/٣٢٦

(٥٢) فتح الباري: ١١/١٥٤، عمدة القاري: ٢٢/٢٩٠، إرشادالساري: ١٣/٣٢٦

(٥٣) فتح الباري: ١١/١٥٤، عمدة القاري: ٢٢/٢٩٠، إرشادالساري: ١٣/٣٢٦

(٥٤) صحيح البخاري، كتاب التوحيد، باب السؤال بأسماء الله تعالىٰ والاستعاذة بها: ١٥٥٣، رقم الحديث: ٧٣٩٣

موصولاً نقل کی ہے(۵۵)۔

تہہ بند کے اندرونی حصے سے بستر جھاڑنے کی حکمت

فلينفض فراشه بداخلة إزاره: اپنے بستر کو تہہ بند کے اندرونی کنارے سے جھاڑنا چاہیے، مطلب یہ ہے کہ بستر پر جانے سے پہلے تہہ بند کھول دے اور اور اس کے اندرونی کنارے سے اپنے بستر کو جھاڑ دے، اندرونی کنارے سے وہ طرف مراد ہے جو جسم کے ساتھ لگا رہتا ہے، اس حصے سے جھاڑنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے علامہ قسطلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”وحكمة ذلك لعله لسر طبي يمنع من قرب بعض الحيوانات استأثر الشارع بعلمه“(٥٦)۔

یعنی ”اس کی حکمت شاید ایک طبی راز ہو سکتا ہے، اس کی وجہ سے بعض حیوانات بستر کے قریب نہیں آ سکتے، شارع نے اس کا علم اپنے تک ہی محدود رکھا ہے“۔

اور علامہ کرمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”ولينفض ويده مستورة بطرف إزاره لئلا يحصل في يده مكروه، إن كان شيء هناك(٥٧)۔

یعنی ”جھاڑتے وقت انسان کو اپنا ہاتھ تہہ بند کے کنارے کے ساتھ چھپا کر رکھنا چاہیے تاکہ اس کے ہاتھ کو اذیت نہ پہنچے اگر بستر میں کوئی ایسی چیز ہو“۔

اور علامہ بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”إنما أمر بالنفض بها، لأن الذي يريد النوم يحل بيمينه خارج

(٥٥) مسند أحمد: ٢/٢٩٥، مرويات أبي هريرة

(٥٦) إرشاد الساري: ١٣/٣٢٦

(٥٧) شرح الكرماني: ٢٢/١٣٥

الإزار، وتبقى الداخلة معلقة، فينفض بها"(۵۸)۔

یعنی "تہہ بند کے اندرونی کنارے سے جھاڑنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ سونے والا شخص اپنے دائیں ہاتھ سے جب تہہ بند کا بیرونی کنارہ کھولے گا تو اندرونی کنارہ معلق رہ جائے گا، لہٰذا وہ اسی کنارے سے بستر جھاڑے گا"۔

فائدہ

روایت باب کی سند میں تین راوی تابعی ہیں اور تینوں مدنی ہیں، عبیداللہ بن عمر، ان کے شیخ سعید بن ابی سعید مقبری اور ان کے شیخ اور والد ابوسعید کیسان...... تینوں تابعی ہیں (۵۹)۔

روایت باب کی دعا کی طرح، ایک دعا امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمرؓ سے نقل فرمائی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے کہا کہ وہ سونے سے پہلے یہ دعا پڑھا کرے:

"اللهم إنك خلقتَ نفسي، وأنت تَتَوَفَّاهَا، لَكَ مَوْتُهَا ومَحْيَاها إن أَحْيَيْتَها فَاحْفَظْهَا وإنْ أَمِتْهَا فاغْفِرْلَهَا"(۶۰)۔

یعنی "اے اللہ! تو نے ہی میرے نفس کو پیدا کیا اور تو ہی اسے اٹھائے گا، اس کا مرنا اور اس کا جینا تیرے ہی لیے ہے۔ اگر تو نے اس کو زندہ رکھا تو، تو اس کی حفاظت فرمانا اور اگر تو نے اس کو موت دی تو، تو اس کو بخش دینا"۔

۱۳ – باب : اَلدُّعاءُ نِصْفَ اللَّيْلِ .

۵۹۶۲ : حدّثنا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ : حَدَّثَنَا مالِكٌ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ أَبِي عَبْدِ اللّٰهِ الْأَغَرِّ ، وَأَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قالَ : (يَتَنَزَّلُ رَبُّنَا تَبارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّماءِ الدُّنْيَا ، حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الآخِرُ ،

(۵۸) فتح الباري: ۱۵۲/۱۱، عمدة القاري: ۲۸۹/۲۲، إرشاد الساري: ۳۲۶/۱۳

(۵۹) فتح الباري: ۱۵۱/۱۱، عمدة القاري: ۲۸۹/۲۲، إرشاد الساري: ۳۲۶/۱۳

(۶۰) مسند أحمد: ۷۹/۲، (مرويات ابن عمر رضي الله عنه)

يَقُولُ : مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ ، مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ ، مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ﴾ . [ر : ١٠٩٤]

''حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات کو آسمانِ دنیا پر اترتا ہے، جب رات کی آخری تہائی باقی رہتی ہے تو فرماتا ہے ''کون ہے! جو مجھ سے دعا مانگے کہ میں اس کی دعا قبول کروں، کون ہے! جو مجھ سے سوال کرے کہ میں اس کو دے دوں اور کون ہے جو مجھ سے بخشش چاہے، تو میں اس کو بخش دوں''۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جھکنے، اپنے گناہوں کی بخشش مانگنے اور اپنی مرادوں کے لیے دعائیں مانگنے کے لیے رات کے آخری حصے سے بڑھ کر کوئی وقت زیادہ موزوں اور اہم نہیں ہے، احادیث کے اندر اس کی بڑی فضیلت آئی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس باب میں اس وقت کی دعا کا ذکر کیا ہے، روایت کے اندر رات کے آخری ثلث کا ذکر ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں ''نصف اللیل'' کا ذکر کیا ہے، شاید وہ اس روایت کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں جو امام احمد رحمہ اللہ نے مسند میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے، اس میں ہے:

"ينزل ربنا تبارك كل ليلة حين يبقى ثلث الليل الآخر إلى سماء الدنيا'' (٦١)۔

یعنی ''ہمارے رب ہر رات کو جب کہ رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے، آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں''۔

دارقطنی کی روایت میں ''شطر اللیل'' کے الفاظ بغیر تردد کے ہیں (٦٢)۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فإن قلت: في الترجمة نصف الليل، وفي الحديث الثلث، قلت:

---

(٦١) مسند أحمد: ٢/٢٦٤، مرويات أبي هريرة:

(٦٢) فتح الباري: ١١/١٥٥، إرشاد الساري: ١٣/٣٢٧، عمدة القاري: ٢٢/٢٩١

حين يبقى الثلث، يكون قبل الثلث، وهو المقصود من النصف"(٦٣)۔

یعنی "اگر آپ یہ اعتراض کریں کہ ترجمۃ الباب میں "نصف اللیل" کا ذکر ہے، جب کہ حدیث باب میں "ثلث" آیا ہے۔ میں جواب میں کہوں گا کہ ثلث کی بقا ثلث سے پہلے ہی ہوگی اور نصف سے یہی مقصود ہے"۔

روایت باب میں ہے "يتنزل ربنا تبارك وتعالىٰ......"

آسمانِ دنیا کی طرف نزولِ رب کا مطلب

آسمان دنیا کی طرف اللہ جل شانہ کے نزول سے، اللہ تعالیٰ کی رحمت، اللہ تعالیٰ کا متوجہ ہونا یا اللہ کے حکم سے ملائکہ رحمت کا نزول مراد ہے، یا یہ اپنے معنی حقیقی پر ہے، اللہ جل شانہ جسم سے منزہ ہیں، نزول کی کیفیت اور حقیقت انسان کی محدود عقل کے دائرے سے آگے کی چیز ہے(۶۴) اس کی تفصیل آگے کتاب التوحید میں آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

حدیث باب کتاب الصلاۃ میں باب التہجد کے تحت گذر چکی ہے(۶۵)۔

١٤ – باب : اَلدُّعَاءِ عِنْدَ الخَلَاءِ .

٥٩٦٣ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قالَ : كانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا دَخَلَ الخَلَاءَ قالَ : (اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الخُبُثِ وَالخَبَائِثِ) . [ر : ١٤٢]

"حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بیت الخلا تشریف لے جاتے تو فرماتے: "اللهم انی أعوذبك من الخبث والخبائث". (اے اللہ! میں آپ کی پناہ مانگتا

(٦٣) شرح الكرماني: ٢٢/١٣٦

(٦٤) إرشادالساري: ١٣/٣٢٧، فتح الباري: ١١/١٥٥

(٦٥) الصحيح للبخارى، كتاب التهجد، باب الدعاء والصلاة من آخر الليل: ٢٢٥، رقم الحديث: ١١٤٥

ہوں، خبث اور خبائث سے)''۔

خبث اور خبائث کی تشریح

خُبث خبیث کی جمع ہے، باء کے ضمہ کے ساتھ ہے لیکن کبھی تخفیف کے لیے باء پر سکون پڑھنا بھی جائز ہے(٦٦) اور خبائث، خبیثة کی جمع ہے، خبث سے نر شیاطین اور خبائث سے مؤنث شیاطین مراد ہیں(٦٧)۔

ایک قول یہ ہے کہ خبث سے شیاطین اور خبائث سے بول و براز اور گندی اشیاء مراد ہیں(٦٨) بہر حال یہ سب مراد ہو سکتے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کے اندر انسان کی دنیوی اور اخروی زندگی کے لیے خباثت کا کوئی پہلو پایا جاتا ہو، اس سے اس مبارک دعا کے اندر پناہ طلب کی گئی ہے۔

یہ دعا بیت الخلا میں جانے سے پہلے پڑھنی چاہیے(٦٩)۔

١٥ – باب : ما يَقُولُ إِذَا أَصْبَحَ .

٥٩٦٤ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ : حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ : حَدَّثَنَا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ بُرَيْدَةَ ، عَنْ بُشَيْرِ بْنِ كَعْبٍ ، عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (سَيِّدُ الِٱسْتِغْفَارِ : اللَّهُمَّ أَنْتَ رَبِّي ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ ، خَلَقْتَنِي وَأَنَا عَبْدُكَ ، وَأَنَا عَلَى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ ما ٱسْتَطَعْتُ ، أَبُوءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ ، وَأَبُوءُ لَكَ بِذَنْبِي فَاغْفِرْ لِي ، فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ ٱلذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ ، أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ ما صَنَعْتُ . إِذَا قالَ حِينَ يُمْسِي فَمَاتَ دَخَلَ الجَنَّةَ ، أَوْ : كانَ مِنْ أَهْلِ الجَنَّةِ ، وَإِذَا قالَ حِينَ يُصْبِحُ فَمَاتَ مِنْ يَوْمِهِ) . مِثْلَهُ . [ر : ٥٩٤٧]

---

(٦٦) إرشادالساري: ٣٢٨/١٣

(٦٧) عمدة القاري: ٢٩١/٢٢

(٦٨) إرشادالساري: ٣٢٨/١٣

(٦٩) فتح الباري: ٣٢١/١، إرشادالساري: ٣٢٨/١٣

حضرت شداد بن اوس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ سید الاستغفار یعنی استغفار کے تمام صیغوں کے سردار اوران تمام میں افضل درج ذیل کلمات ہیں:

اللَّهُمَّ أَنْتَ رَبِّي ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ ، خَلَقْتَنِي وَأَنَا عَبْدُكَ ، وَأَنَا عَلَى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ ما ٱسْتَطَعْتُ ، أَبُوءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ ، وَأَبُوءُ لَكَ بِذَنْبِي فَٱغْفِرْ لِي ، فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ ٱلذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ ، أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ ما صَنَعْتُ . (اے میرے اللہ! تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو نے ہی مجھے پیدا کیا اور میں تیرا ہی بندہ ہوں اور میں اپنی استطاعت کے مطابق تیرے عہد اور تیرے وعدے پر قائم ہوں، میں اپنے کرتوتوں کی برائی سے تیری پناہ مانگتا ہوں، تو نے جو نعمتیں مجھے عطا کی ہیں، ان کا اقرار اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں، مجھے بخش دے کہ تیرے سوا گناہوں کا بخشنے والا کوئی نہیں ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب کوئی شخص اس دعا کو شام کے وقت پڑھے اور مر جائے تو جنت میں داخل ہوگا یا (فرمایا کہ) جنت والوں میں سے ہوگا اور جب صبح کے وقت پڑھے اور اسی دن مر جائے تو اسی طرح (وہ جنت میں داخل) ہوگا۔

٥٩٦٥ : حدّثنا أَبُو نُعَيْمٍ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ عَبْدِ المَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ ، عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ ، عَنْ حُذَيْفَةَ قالَ : كانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ قالَ : (بِٱسْمِكَ اللَّهُمَّ أَمُوتُ وَأَحْيَا) . وَإِذَا ٱسْتَيْقَظَ مِنْ مَنَامِهِ قالَ : (الحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَما أَماتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ) . [ر : ٥٩٥٣]

"حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب سونے کا ارادہ کرتے تو فرماتے: "باسمك اللهم أموتُ وأحيٰ". اور جب نیند سے بیدار ہوتے تو فرماتے: "الحمدللہ الذی أحيانا بعد ما أماتنا وإليه النشور".

٥٩٦٦ : حدّثنا عَبْدَانُ ، عَنْ أَبِي حَمْزَةَ ، عَنْ مَنْصُورٍ ، عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ ، عَنْ خَرَشَةَ بْنِ الحُرِّ ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ قالَ : كانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ مِنَ ٱللَّيْلِ قالَ : (ٱللَّهُمَّ بِٱسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَا) . فَإِذَا ٱسْتَيْقَظَ قالَ : (الحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ ما أَماتَنَا وَإِلَيْهِ ٱلنُّشُورُ) . [٦٩٦٠]

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب رات کو بستر پر تشریف لے جاتے تو فرماتے:''اللهم باسمك أَمُوتُ وأَحْيَ''. اور جب بیدار ہوتے تو فرماتے:''الحمد لله الذي أحيانا بعد ما أماتنا وإليه النشور''.

صبح کے وقت سید الاستغفار پڑھنا چاہیے جس کی تفصیل گذر چکی ہے، نیند سے جاگنے کے بعد کی دعا والی حدیث بھی امام بخاریؒ نے ذکر کردی کیونکہ عموماً رات ہی کو انسان سو کر صبح اٹھتا ہے، اس لیے اسے صبح کی دعاؤں میں شمار کرسکتے ہیں۔

١٦ - باب : اَلدُّعاءِ في الصَّلَاةِ .

٥٩٦٧ : حدّثنا عَبْدُ ٱللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ : أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ قالَ : حَدَّثَنِي يَزِيدُ ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ ، عَنْ عَبْدِ ٱللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ : أَنَّهُ قالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ : عَلِّمْنِي دُعاءً أَدْعُو بِهِ فِي صَلَاتِي ، قالَ : (قُلْ : اللَّهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا ، وَلَا يَغْفِرُ ٱلذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ ، فَٱغْفِرْ لِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ ، وَٱرْحَمْنِي ، إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ) .
وَقالَ عَمْرٌو ، عَنْ يَزِيدَ ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ : أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ ٱللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو : قالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ لِلنَّبِيِّ ﷺ . [ر : ٧٩٩]

''حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے ایسی دعا سکھلا دیجئے، جو میں اپنی نماز میں پڑھا کروں، آپ نے فرمایا کہ یہ دعا پڑھا کرو: اللهم اني ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْماً كَثِيراً ولَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ فَاغْفِرلي مَغْفِرَةً مِنْ عندك، وارْحَمْنِي، إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُوْر الرحيم''. (اے اللہ! میں نے اپنے آپ پر بہت زیادہ ظلم کیا ہے، اور تو ہی گناہوں کو معاف کرتا

= (رقم الحديث: ٧٣٩٥)، وأخرجه النسائي في كتاب عمل اليوم والليلة، باب: مايقول إذا أراد أن ينام: ١٨٧/٦ (رقم الحديث: ١٠٥٨٦)، وأخرجه مسلم في كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب: مايقول عند النوم وأخذ المضجع (رقم الحديث: ٢٧١١)، وأخرجه أبوداود في كتاب الأدب، باب: مايقول عند النوم (رقم الحديث: ٥٠٤٩)

ہے۔ پس اپنی طرف سے میری مغفرت فرما دیجئے، اور مجھ پر رحم فرما دیجئے، بے شک تو بہت بخشنے والا، مہرباں ہے)''۔

نماز کے اندر دعاء کا ذکر ہے، باب کی اس پہلی روایت میں جو دعا نقل کی گئی ہے، نماز میں اس کا محل متعین نہیں کیا گیا ہے، بعضوں نے کہا کہ یہ دعا سجدے میں پڑھنی چاہیے، کیونکہ ایک دوسری حدیث میں ہے: ''فأما السجود فاجتهدوا فيه بالدعا''(۷۰) بعض نے کہا تشہد کے بعد یہ دعا پڑھنی چاہیے(۷۱)۔

دعا کی حسن ترتیب کا بیان

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ اس دعا کی حسن ترتیب کے بارے میں لکھتے ہیں:

وهذا الدعاء من أحسن الأدعية لاسيما في ترتيبه، فإن فيه تقديم نداء الرب واستغاثته بقوله: اللهم، ثم الاعتراف بالذنب في قوله: ظلمت نفسي، ثم الاعتراف بالتوحيد إلى غيرذلك ممالايخفى مع مااشتمل عليه من التأكيد بقوله: إنك انت الغفور الرحيم بكلمة: إنّ، وضمير الفصل، وتعريف الخبر باللام، وبصيغة المبالغة"(۷۲)۔

یعنی ''یہ دعا عمدہ اور بہترین دعاؤں میں سے ایک ہے خصوصاً اپنی ترتیب کے اعتبار سے، کیونکہ اس میں سب سے پہلے ''اللّٰهم'' کہہ کر اللہ تعالیٰ کو پکارا اور اس سے مدد مانگی گئی ہے، پھر'' ظَلَمْتُ نفسي '' کہہ کر اپنے گناہ کا اعتراف اور بعد ازاں توحید باری تعالیٰ کا اقرار کیا گیا ہے، غرض یہ حدیث کئی بہترین امور پر مشتمل ہے، علاوہ ازیں ''إنك

(۷۰) صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب النهي عن قراءة القرآن في الركوع والسجود: ۱/۳۴۸، رقم الحديث: ۴۷۹

(۷۱) فتح الباري: كتاب الأذان، باب الدعاء قبل السلام: ۲/۴۱۴، عمدة القاري، كتاب الأذان باب الدعاء قبل السلام: ۶/۱۱۹

(۷۲) إرشادالساري: ۱۳/۳۳۱

انت الغفور الرحیم ''میں لفظ ''إنَّ''، ضمیر فصل اور خبر کو لام تعریف کے ساتھ معرفہ لانے اور صیغۂ مبالغہ کے استعمال کے ساتھ تاکید کی گئی ہے''۔

۵۹۶۸ : حدّثنا عَلِيٌّ : حَدَّثَنَا مالِكُ بْنُ سُعَيْرٍ : حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عائِشَةَ : «وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا» . أُنْزِلَتْ فِي ٱلدُّعاءِ . [ر : ٤٤٤٦].

آیت کریمہ میں دعا کا مصداق

باب کی یہ دوسری روایت قرآن کریم کی آیت ''ولاتجهر بصلاتك ولاتخافت ''کے بارے میں ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ آیت دعا کے بارے میں نازل ہوئی ہے، ان کے نزدیک صلاۃ سے دعا مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ دعا نہ بہت زور سے مانگنی چاہیے، نہ بہت آہستہ۔ لیکن کئی مفسرین کے نزدیک یہ آیت، دعا کے بارے میں نہیں، بلکہ نماز کے اندر قرآن کریم کی تلاوت کے بارے میں نازل ہوئی ہے، ولاتجهر بصلاتك أی بقراء ۃ صلاتك..... مضاف محذوف ہے(۷۳)۔

۵۹۶۹ : حدّثنا عُثْمانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ : حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ، عَنْ مَنْصُورٍ ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : كُنَّا نَقُولُ فِي الصَّلَاةِ : السَّلَامُ عَلَى ٱللهِ ، السَّلَامُ عَلَى فُلَانٍ ، فَقَالَ لَنَا النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ : (إِنَّ ٱللهَ هُوَ السَّلَامُ ، فَإِذَا قَعَدَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَقُلْ : التَّحِيَّاتُ لِلهِ - إِلَى قَوْلِهِ - الصَّالِحِينَ ، فَإِذَا قالَهَا أَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ لِلهِ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ صَالِحٍ ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا ٱللهُ ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ، ثُمَّ يَتَخَيَّرُ مِنَ الثَّنَاءِ ما شَاءَ) . [ر : ٧٩٧]

''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ نماز میں پڑھا کرتے تھے: "السلام علی اللّٰہ، السلام علی فلان" تو ہم سے ایک دن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تو خود سلام ہے، اس لئے جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں بیٹھے تو "التحیات لله .... الصالحین" تک

(۷۳) روح المعاني: ۱۹٤/۱۵، سورۃ الإسراء، رقم الآیة: ۱۱۰، نیز دیکھیے الجامع لأحکام القرآن، سورۃ الإسراء: ۳٤٤/۱۰

پڑھے، جب وہ یہ کلمات کہے گا تو آسمان اور زمین کے ہر اس بندے کو پہنچ جائے گا جو صالح ہوگا (پھر ان الفاظ کے ساتھ تشہد پڑھے)"أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمداً عبده ورسوله" اور اس کے بعد جو دعا چاہے، پڑھے"۔

ترجمۃ الباب سے احادیث کی مناسبت

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ترجمۃ الباب سے احادیث کی مناسبت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وأخذ الترجمة من هذه الأحاديث إلاأن الأول نص في المطلوب والثاني يستفاد منه صفة من صفات الداعي، وهي عدم الجهر والمخافتة فيسمع نفسه، ولايسمع غيره"(٧٤)۔

یعنی "ترجمہ ان احادیث سے ماخوذ ہے، البتہ اول حدیث مطلوب میں نص ہے اور دوسری حدیث سے داعی کی ایک صفت مستفاد ہوتی ہے اور وہ ہے زیادہ زور سے نہ بولنا اور آہستہ بولنا، اس طور پر کہ وہ خود تو سنے، کوئی اور نہ سنے"۔

أصاب كل عبد في السماء والأرض صالح

اس میں صالح عبد کی صفت ہے، باب کی یہ آخری حدیث کتاب الصلاۃ میں گذر چکی ہے(۷۵)۔

١٧ – باب : اَلدُّعاءِ بَعْدَ الصَّلَاةِ .

٥٩٧٠ : حدَّثني إِسْحٰقُ : أَخْبَرَنَا يَزِيدُ : أَخْبَرَنَا وَرْقَاءُ ، عَنْ سُمَيٍّ ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ : قالُوا : يَا رَسُولَ ٱللهِ ذَهَبَ أَهْلُ ٱلدُّثُورِ بِٱلدَّرَجاتِ وَالنَّعِيمِ الْمُقِيمِ . قالَ : (كَيْفَ ذَاكَ) . قالُوا : صَلَّوْا كَمَا صَلَّيْنَا ، وَجَاهَدُوا كَما جاهَدْنَا ، وَأَنْفَقُوا مِنْ فُضُولِ أَمْوَالِهِمْ ،

(٧٤) فتح الباري: ١١/١٥٨

(٧٥) الصحيح للبخاري: كتاب الأذان، باب التشهد في الآخرة: ١٨٢، رقم الحديث: ٨٣١

وَلَيْسَتْ لَنَا أَمْوَالٌ . قَالَ : (أَفَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَمْرٍ تُدْرِكُونَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ ، وَتَسْبِقُونَ مَنْ جَاءَ بَعْدَكُمْ ، وَلَا يَأْتِي أَحَدٌ بِمِثْلِ ما جِئْتُمْ بِهِ إِلَّا مَنْ جَاءَ بِمِثْلِهِ ؟ تُسَبِّحُونَ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ عَشْرًا ، وَتَحْمَدُونَ عَشْرًا ، وَتُكَبِّرُونَ عَشْرًا) .

تَابَعَهُ عُبَيْدُ ٱللهِ بْنُ عُمَرَ ، عَنْ سُمَيٍّ .

وَرَوَاهُ ٱبْنُ عَجْلَانَ ، عَنْ سُمَيٍّ ، وَرَجَاءِ بْنِ حَيْوَةَ .

وَرَوَاهُ جَرِيرٌ ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ ، عَنْ أَبِي ٱلدَّرْدَاءِ .

وَرَوَاهُ سُهَيْلٌ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . [ر : ۸۰۷]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! دولت مند لوگ تو درجات اور نعمتوں میں بڑھ گئے، آپ نے فرمایا (کیونکر؟) انہوں نے کہا وہ لوگ نماز پڑھتے ہیں، جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں، اور جہاد کرتے ہیں، جس طرح ہم جہاد کرتے ہیں اور اپنا بچا ہوا مال بھی خرچ کرتے ہیں لیکن ہمارے پاس مال نہیں، آپ نے فرمایا کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتلا دوں جس کے ذریعہ تم ان کے برابر ہو جاؤ، جو تم سے پہلے گزرے ہیں اور ان سے بڑھ جاؤ، جو تمہارے بعد آئیں اور کوئی شخص تمہارے برابر نہیں ہوگا مگر وہ جو اس کو پڑھ لے، ہر نماز کے بعد دس بار سبحان اللہ اور دس بار الحمد للہ اور دس بار اللہ اکبر کہو''۔

۵۹۷۱ : حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ : حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ، عَنْ مَنْصُورٍ ، عَنِ الْمُسَيَّبِ بْنِ رَافِعٍ ، عَنْ وَرَّادٍ ، مَوْلَى الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ ، قَالَ : كَتَبَ الْمُغِيرَةُ إِلَى مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ كَانَ يَقُولُ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ إِذَا سَلَّمَ : (لَا إِلٰهَ إِلَّا ٱللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ ، لَهُ الْمُلْكُ ، وَلَهُ الحَمْدُ ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ، اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الجَدِّ مِنْكَ الجَدُّ) .

وَقَالَ شُعْبَةُ ، عَنْ مَنْصُورٍ قَالَ : سَمِعْتُ الْمُسَيَّبَ . [ر : ۸۰۸]

''حضرت مغیرہ بن شعبہ کے آزاد کردہ غلام ورّاد سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ حضرت مغیرہؓ نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان کو لکھ بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد جب سلام پھیرتے تو یہ پڑھتے: لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد لا شريك له، له الملك وله الحمد

وهو على كل شيءٍ قديرٌ. اللهم لا مانع لما أَعْطَيْتَ ولا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ ولا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِ مِنْكَ الْـجَـدُّ". (اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، اسی کے لئے بادشاہت ہے، اور اسی کے لئے تمام تعریفیں ہیں، وہ ہر چیز پر قادر ہے، اے اللہ! کوئی منع کرنے والا نہیں اس چیز کو جسے آپ دیں، اور کوئی دینے والا نہیں اس چیز کو جسے آپ منع کریں اور کسی مالدار کی مالداری تیرے بغیر فائدہ مند نہیں ہوسکتی)۔

فرض نماز کے بعد دعا کا حکم

اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ فرض نماز کے بعد دعا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، امام ان لوگوں کی تردید کرنا چاہ رہے ہیں جو کہتے ہیں کہ فرض نمازوں کے بعد دعا مشروع نہیں ہے (۷۶)۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے ''زاد المعاد'' میں اس کی نفی کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے (۷۷)۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان کا مطلقاً یہ نفی کرنا درست نہیں کیونکہ سنن ابی داود میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"یا معاذ، إني والله لأحبك، فلاتدع دبر كل صلاة أن تقول: اللهم أعني على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك'' (۷۸)۔

یعنی ''معاذ! بخدا مجھے تم سے محبت ہے، تم ہر نماز کے بعد یہ کلمات پڑھنا مت چھوڑو: اے اللہ! تو اپنے ذکر و شکر اور اچھے طریقے سے اپنی عبادت کرنے پر میری مدد فرما''۔

---

(٧٦) فتح الباري: ١١/١٥٩

(٧٧) زادالمعاد، فصل في هديه صلى الله عليه وسلم في الصلوة: ١/٢٥٧

(٧٨) سنن أبي داود، كتاب الصلوة، باب في الاستغفار: ٢/٨٦، رقم الحديث: ١٥٢٢، ورواه الإمام أحمد في مسنده عن معاذ بن جبلؓ أن النبي صلى الله عليه وسلم أخذ بيده يوما، ثمّ قال: يامعاذ، إني لأحبك، فقال له معاذ: بأبي أنت وأمي يارسول الله، وأنا أحبك قال: أوصيك يامعاذ، لاتدعن في دبر كل صلوة أن تقول: اللهم أعني على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك، حديث معاذ بن جبل: ٥/٢٤٥

اسی طرح زید بن ارقم کی روایت سنن ابی داود اور سنن نسائی میں ہے:

"سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يدعوفي دبر كل صلاة:

اللهم ربنا وربّ كل شيء"(٧٩)۔

یعنی "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر نماز کے بعد یہ دعا مانگتے ہوئے سنا:

اے اللہ، اے ہمارے اور ہر چیز کے رب"۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت بھی نقل فرمائی ہے وہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے "اللهم إني أعوذبك من الكفر والفقر وعذاب القبر"(٨٠) یعنی "اے اللہ! میں کفر، فقر اور عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں"۔

اس لیے ان روایات کی موجودگی میں یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا بعد الصلاۃ ثابت نہیں، درست نہیں ہے، چنانچہ علامہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لاريب أن الأدعية دبر الصلوات قدتواترت تواترا لاينكر، أما رفع الأيدي فثبت بعد النافلة مرة أومرتين، فألحق بها الفقهاء المكتوبة أيضا......

بقي أن المواظبة على أمرلم يثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم إلامرة أومرتين، كيف هي؟ فتلك هي الشاكلة في جميع المستحبات، فإنها تثبت طورا فطورًا، ثم الأمة تواظب عليها، نعم نحكم بكونها بدعة، إذا أفضى الأمر إلى النكير على من تركها(٨١)۔

یعنی "بلاشبہ نمازوں کے بعد دعا تواتر کے ساتھ ثابت ہے، جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ رہا دعا میں دونوں ہاتھوں کا اٹھانا تو نفل کے بعد یہ ایک یا دو بار ثابت ہے پھر فقہاء نے اس پر قیاس کرتے ہوئے فرائض کو

---

(٧٩) سنن أبي داود، كتاب الصلوة، باب مايقول الرجل إذا سلم: ٨٢/٢، رقم الحديث: ١٥٠٨، مسندأحمد بن حنبل، حديث زيد بن أرقم: ٣٦٩/٤، رقم الحديث: ١٩٥٠٨

(٨٠) مسند أحمد بن حنبل، حديث أبي بكرة: ٣٧/٥، رقم الحديث: ٢٠٦٥٢

(٨١) فيض الباري: ٤١٧/٤

بھی اس کے ساتھ ملحق کردیا......رہی یہ بات کہ ایسے امر پر مواظبت کیسی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر بھر صرف ایک یا دو بار ثابت ہے تو جملہ مستحبات میں یہی طریقہ رہا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا ثبوت کبھی کبھار ہی ہوا ہے، پھر بعد میں امت ان پر مواظبت کرتی ہے، ہاں اگر کوئی ان کے ترک کرنے پر کسی کو برا بھلا کہے تو اس وقت ان پر بدعت ہونے کا حکم لگایا جائے گا"۔

ہیئت اجتماعی کے ساتھ دعا بعد الفرائض کا حکم

ایک اور مقام پر بھی علامہ کشمیری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ موجودہ اجتماعی ہیئت کے ساتھ فرض نمازوں کے بعد کی دعا کو سنت نہیں کہا جا سکتا یعنی یہ نہیں کہہ سکتے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس ہیئت کے ساتھ دعا فرمایا کرتے تھے لیکن اس کو بدعت بھی نہیں کہہ سکتے کہ کہا جائے کہ دین کے اندر اس کی اصل اور بنیاد نہیں ہے (۸۲)۔ حاصل یہ کہ اس ہیئت کے ساتھ یہ سنت ہے، نہ بدعت ہے۔

روایاتِ باب کی مناسبت ترجمۃ الباب سے ظاہر ہے۔

۱۸ - باب : قَوْلِ ٱللهِ تَعَالَى : «وَصَلِّ عَلَيْهِمْ» /التوبة: ۱۰۳/. وَمَنْ خَصَّ أَخاهُ بِٱلدُّعاءِ دُونَ نَفْسِهِ.

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ دوسروں کے لیے دعا مانگنے کا ذکر کرنا چاہتے ہیں، قرآن کریم میں اللہ جل شانہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا: وصلّ علیھم یعنی ان کے لیے دعا کیجیے۔

صرف دوسرے کے لیے دعا مانگنا

ومن خص أخاه بالدعاء دون نفسه: یعنی انسان دوسرے کے لیے دعا کرے اور اپنا ذکر دعا میں نہ کرے، اس کی گنجائش ہے، امام بخاری رحمہ اللہ غالبًا ان لوگوں کی تردید کرنا چاہ رہے ہیں جن کا کہنا ہے

(۸۲) فيض الباري: ٤/٤١٧

کہ دوسروں کے لیے دعا سے پہلے اپنے لیے دعا کرنی چاہیے، حضرت ابراہیم نخعی وغیرہ سے یہ قول منقول ہے(۸۳)۔

یہ حضرات، ابی بن کعب کی ایک مرفوع روایت سے استدلال کرتے ہیں جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے موصولاً نقل کیا ہے، اس میں ہے:

"إن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا ذكر أحدا، فدعا له، بدأ بنفسه"(٨٤)۔

یعنی 'نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کا ذکر فرماتے ہوئے اس کے لیے دعا کرنے کا ارادہ کرتے تو پہلے اپنے لیے دعا مانگتے''۔

لیکن روایاتِ باب سے اس کی تردید ہوئی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف حضرات کے لیے دعا فرمائی جس میں اپنا ذکر نہیں کیا۔

بہرحال اس کی گنجائش ہے کہ انسان دوسروں کے لیے دعا کرے اور اپنا ذکر نہ کرے، لیکن بہتر یہ ہے اور ''حصن حصین''میں اسے دعا کے آداب میں بھی شمار کیا گیا ہے کہ آدمی اپنے لیے پہلے دعا کرے، پھر دوسروں کے لیے کرے(۸۵)۔

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے ''الکوکب الدری''میں لکھا ہے کہ دوسروں کے لیے دعا کرنا اور خود کو چھوڑ دینا......اس میں ایک گونہ اعراض اور دعا سے استغناء کا وہم ہوتا ہے جو درست نہیں(۸۶)۔

اور اس میں یوں تفصیل بھی کی جاسکتی ہے کہ اگر اہتمام کے ساتھ دعا کا موقع ہے تو اس میں آدمی کو اپنے لئے دعا کرنی چاہیے، اس کے بعد دوسروں کے لئے!

---

(٨٣) فتح الباري: ١١/١٦٤، عمدة القاري: ٢٢/٢٩٥

(٨٤) أخرجه الترمذي في كتاب الدعوات، باب ماجاء أن الداعي يبدأ بنفسه: ٥/٤٦٣، (رقم الحديث: ٣٣٨٥)

(٨٥) حصن حصين (٨٢)

(٨٦) الكوكب الدري: ٣/٣٣٥

لیکن اگر کسی کا تذکرہ آ گیا یا کسی نے کوئی احسان کیا تو ایسے مواقع پر اپنا ذکر کئے بغیر متعلقہ آدمی کے لئے دعا کی جاسکتی ہے، روایاتِ باب میں اکثر ایسے ہی مواقع ہیں۔

باب کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے سات احادیث ذکر فرمائی ہیں اور وہ تمام پہلے گذر چکی ہیں، ان سب احادیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی نہ کسی کے لیے دعا مانگی ہے۔ ذیل میں وہ احادیث ترجمے کے ساتھ دی جارہی ہیں:

وَقالَ أَبُو مُوسٰى : قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِعُبَيْدٍ أَبِي عامِرٍ ، اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِ اللهِ ابْنِ قَيْسٍ ذَنْبَهُ) . [ر : ٤٠٦٨]

٥٩٧٢ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا يَحْيٰى ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ ، مَوْلَى سَلَمَةَ : حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ الْأَكْوَعِ قالَ : خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ إِلَى خَيْبَرَ ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ : أَيْ عامِرُ ، لَوْ أَسْمَعْتَنَا مِنْ هَنَاتِكَ ، فَنَزَلَ يَحْدُو بِهِمْ يُذَكِّرُ :
تَاللهِ لَوْلَا اللهُ ما اهْتَدَيْنَا . وَذَكَرَ شِعْرًا غَيْرَ هٰذَا ، وَلٰكِنِّي لَمْ أَحْفَظْهُ ، قالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : (مَنْ هٰذَا السَّائِقُ) . قالُوا : عامِرُ بْنُ الْأَكْوَعِ ، قالَ : (يَرْحَمُهُ اللهُ) . فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ : يَا رَسُولَ اللهِ ، لَوْلَا مَتَّعْتَنَا بِهِ ، فَلَمَّا صَافَّ الْقَوْمَ قاتَلُوهُمْ ، فَأُصِيبَ عامِرٌ بِقَائِمَةِ سَيْفِ نَفْسِهِ فَمَاتَ ، فَلَمَّا أَمْسَوْا أَوْقَدُوا نَارًا كَثِيرَةً ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : (مَا هٰذِهِ النَّارُ ، عَلَى أَيِّ شَيْءٍ تُوقِدُونَ) . قالُوا : عَلَى حُمُرٍ إِنْسِيَّةٍ ، فَقَالَ : (أَهْرِيقُوا ما فِيهَا وَكَسِّرُوهَا) . قالَ رَجُلٌ : يَا رَسُولَ اللهِ ، أَلَا نُهَرِيقُ ما فِيهَا وَنَغْسِلُهَا ؟ قالَ : (أَوْ ذَاكَ) . [ر : ٢٣٤٥]

''حضرت سلمہ بن الاکوع سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کی طرف روانہ ہوئے تو جماعت میں سے ایک شخص نے کہا کہ اے عامر! کاش تم اپنے اشعار سنا دیتے؟ وہ سواری سے اتر پڑے، اور ان الفاظ کے ساتھ حدی خوانی کرنے لگے: "تاللہ لولا اللہ ما اهتدینا" (خدا کی قسم! اگر اللہ (ہدایت دینے والا) نہ ہوتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے) اور اس کے علاوہ بھی چند اشعار پڑھے، لیکن وہ مجھے یاد نہیں رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ ہانکنے والا کون ہے؟ لوگوں نے کہا عامر بن اکوع (ہیں) آپ نے فرمایا، اللہ اس پر رحم کرے، ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! کاش اس (عامر) سے آپ

ہمیں اور فائدہ پہنچاتے (یعنی ابھی وہ اور زندہ رہتے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے بارے میں یرحم اللہ یا رحمہ اللہ کے الفاظ فرماتے تو اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہوتا کہ وہ وفات پانے والا ہے) چنانچہ جب لوگ صف بستہ ہوئے اور جنگ کرنے لگے تو عامر کو اپنی ہی تلوار سے زخم لگ گیا جس کی وجہ سے وفات پاگئے، جب شام ہوئی تو لوگوں نے بہت سی آگ جلائی، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یہ آگ کیسی ہے؟ کس چیز پر تم نے آگ جلائی ہے؟ لوگوں نے کہا گھریلو گدھوں کے گوشت پر (یعنی اس کا گوشت پکا رہے ہیں) آپ نے فرمایا اس چیز کو پھینک دو جو اس میں ہے یعنی گوشت کو اور برتن کو توڑ ڈالو، ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا ہم جو کچھ برتن کے اندر ہے اس کو بہا کر اور برتن کو دھو ڈالیں (تو بہتر نہ ہوگا؟) آپ نے فرمایا، چلو ایسا ہی کرلو"۔

۵۹۷۳ : حدّثنا مُسْلِمٌ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ عَمْرٍو : سَمِعْتُ ٱبْنَ أَبِي أَوْفَى رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُمَا : كانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَتَاهُ رَجُلٌ بِصَدَقَةٍ قالَ : (اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى آلِ فُلَانٍ) . فَأَتَاهُ أَبِي فَقَالَ : (اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى آلِ أَبِي أَوْفَى) . [ر : ١٤٢٦]

"حضرت ابن ابی اوفیٰ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی صدقہ لے کر آتا، تو آپ فرماتے، "اللهم صل علی آل فلاں"، یعنی اے اللہ! آل فلاں پر رحمت نازل فرما، چنانچہ میرے والد آپ کے پاس کچھ لے کر آئے، تو آپ نے فرمایا: یا اللہ! آل ابی اوفیٰ پر رحمت نازل فرما"۔

٥٩٧٤ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ إِسْماعِيلَ ، عَنْ قَيْسٍ قالَ : سَمِعْتُ جَرِيرًا قالَ : قالَ لِي رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (أَلَا تُرِيحُنِي مِنْ ذِي الخَلَصَةِ) . وَهُوَ نُصُبٌ كَانُوا يَعْبُدُونَهُ ، يُسَمَّى الْكَعْبَةَ الْيَمَانِيَةَ ، قُلْتُ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، إِنِّي رَجُلٌ لَا أَثْبُتُ عَلَى الخَيْلِ ، فَصَكَّ فِي صَدْرِي ، فَقَالَ : (اللَّهُمَّ ثَبِّتْهُ ، وَٱجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا) . قالَ : فَخَرَجْتُ فِي خَمْسِينَ مِنْ أَحْمَسَ مِنْ قَوْمِي ، وَرُبَّمَا قالَ سُفْيَانُ : فَٱنْطَلَقْتُ فِي عُصْبَةٍ مِنْ قَوْمِي فَأَتَيْتُهَا فَأَحْرَقْتُهَا ، ثُمَّ أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، وَٱللهِ ما أَتَيْتُكَ حَتَّى تَرَكْتُهَا مِثْلَ الجَمَلِ الْأَجْرَبِ ، فَدَعا لِأَحْمَسَ وَخَيْلِهَا . [ر : ٢٨٥٧]

"حضرت قیس سے روایت ہے کہ میں نے جریر کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تم مجھے ذی الخلصہ سے نجات نہیں دلاؤ گے؟ یہ ایک بت تھا جس کی لوگ عبادت کرتے تھے اور اس کا نام کعبہ یمانیہ تھا۔ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! میں ایسا آدمی ہوں کہ گھوڑے پر سیدھا نہیں بیٹھ سکتا، آپ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا، ''اے اللہ! اس کو ثابت قدم بنا اور ہدایت دینے والا، ہدایت یافتہ بنا''، جریر کا بیان ہے کہ میں اپنی قوم احمس کے پچاس آدمیوں کے ساتھ نکلا، اور سفیان روایت میں کبھی یہ الفاظ کہتے (فانطلقت في عصبة من قومي، ''میں اپنی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ چلا''۔) میں نے وہاں پہنچ کر اس کو جلا دیا، پھر میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا یارسول اللہ! خدا کی قسم! میں آپ کے پاس اس وقت تک نہیں آیا جب تک کہ میں نے خارشی اونٹ کی طرح اس کو بنا کر نہیں چھوڑا، تو آپ نے قبیلہ احمس اور اس کے سواروں کے لئے دعا فرمائی۔

٥٩٧٥ : حدّثنا سَعِيدُ بْنُ الرَّبِيعِ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ قَتَادَةَ قالَ : سَمِعْتُ أَنَسًا قالَ : قالَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ لِلنَّبِيِّ ﷺ : أَنَسٌ خادِمُكَ ، قالَ : (اللَّهُمَّ أَكْثِرْ مالَهُ ، وَوَلَدَهُ ، وَبارِكْ لَهُ فِيمَا أَعْطَيْتَهُ) . [ر : ١٨٨١]

''حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت انسؓ سے سنا کہ (میری والدہ) حضرت ام سلیمؓ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا، ''انسؓ آپ کا خادم ہے'' آپ نے فرمایا کہ ''اے اللہ! اس کو بکثرت مال اور اولاد عطا فرما، اور جو کچھ تو نے اسے دیا، اس میں برکت عطا فرما''۔

٥٩٧٦ : حدّثنا عُثْمانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ : حَدَّثَنَا عَبْدَةُ ، عَنْ هِشَامٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عائِشَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهَا قَالَتْ : سَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ رَجُلاً يَقْرَأُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ : (رَحِمَهُ ٱللهُ ، لَقَدْ أَذْكَرَنِي كَذَا وَكَذَا آيَةً ، أَسْقَطْتُهَا فِي سُورَةِ كَذَا وَكَذَا) . [ر : ٢٥١٢]

''حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو مسجد میں قرآن پڑھتے ہوئے سنا، تو آپ نے فرمایا، ''اللہ اس پر رحم کرے، اس نے مجھے فلاں فلاں آیت یاد دلادی، جس کو میں فلاں فلاں سورۃ میں بھول گیا تھا''۔

٥٩٧٧ : حدّثنا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ : أَخْبَرَنِي سُلَيْمانُ ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قالَ : قَسَمَ النَّبِيُّ ﷺ قَسْمًا ، فَقَالَ رَجُلٌ : إِنَّ هٰذِهِ لَقِسْمَةٌ ما أُرِيدَ بِهَا وَجْهُ اللهِ ، فَأَخْبَرْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَغَضِبَ ، حَتَّى رَأَيْتُ الْغَضَبَ في وَجْهِهِ ، وَقالَ : (يَرْحَمُ اللهُ مُوسٰى . لَقَدْ أُوذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ) . [ر : ٢٩٨١]

''حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت تقسیم فرمایا، تو ایک شخص نے کہا کہ اس تقسیم سے خدا کی خوشنودی مقصود نہیں ہے، میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ بیان کیا تو آپ کو غصہ آ گیا، یہاں تک کہ غصہ کے آثار میں نے آپ کے چہرے پر دیکھے اور فرمایا کہ اللہ! موسیٰ (علیہ السلام) پر رحم فرمائے، جنہیں اس سے زیادہ تکلیف دی گئی، لیکن انہوں نے صبر کیا''۔

١٩ – باب : ما يُكْرَهُ مِنَ السَّجْعِ في الدُّعاءِ .

٥٩٧٨ : حدّثنا يَحْيٰى بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ السَّكَنِ : حَدَّثَنَا حَبَّانُ بْنُ هِلَالٍ أَبُو حَبِيبٍ : حَدَّثَنَا هَارُونُ الْمُقْرِئُ : حَدَّثَنَا الزُّبَيْرُ بْنُ الْخِرِّيتِ ، عَنْ عِكْرِمَةَ ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قالَ : حَدِّثِ النَّاسَ كُلَّ جُمُعَةٍ مَرَّةً ، فَإِنْ أَبَيْتَ فَمَرَّتَيْنِ ، فَإِنْ أَكْثَرْتَ فَثَلَاثَ مِرَارٍ ، وَلَا تُمِلَّ النَّاسَ هٰذَا الْقُرْآنَ ، وَلَا أُلْفِيَنَّكَ تَأْتِي الْقَوْمَ وَهُمْ في حَدِيثٍ مِنْ حَدِيثِهِمْ ، فَتَقُصُّ عَلَيْهِمْ ، فَتَقْطَعُ عَلَيْهِمْ حَدِيثَهُمْ فَتُمِلُّهُمْ ، وَلٰكِنْ أَنْصِتْ ، فَإِذَا أَمَرُوكَ فَحَدِّثْهُمْ وَهُمْ يَشْتَهُونَهُ ، فَانْظُرِ السَّجْعَ مِنَ الدُّعاءِ فَاجْتَنِبْهُ ، فَإِنِّي عَهِدْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَأَصْحَابَهُ لَا يَفْعَلُونَ إِلَّا ذٰلِكَ . يَعْنِي : لَا يَفْعَلُونَ إِلَّا ذٰلِكَ الِاجْتِنَابَ .

دعا میں قافیہ آرائی کا حکم

دعا کے اندر سجع اور تکلف اختیار کر کے مقفی عبارتیں بنا بنا کر پیش کرنا مکروہ ہے، دعا چونکہ اللہ جل شانہ سے مانگنے، طلب کرنے اور اپنی عاجزی کے اظہار کا نام ہے، اس لیے اس موقع پر قافیہ آرائی کرنا اور مقفی عبارتیں بنانا مناسب نہیں، ہاں اگر بلا قصد و تکلف دعا کے الفاظ میں روانی، سلاست اور قافیہ بندی آ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو دعائیں منقول ہیں، ان میں کئی دعائیں مسجع ہیں، لیکن وہ سجع کسی تکلف و تصنع کی آئینہ دار نہیں، بلکہ ایک صاحبِ ذوق پڑھ کر خود اندازہ لگا سکتا ہے کہ یہ بے ساختہ الہامی

دعائیں ہیں اوران میں کسی تصنع کا ذرا بھر دخل نہیں (۱)۔

باب کی پہلی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی نصیحت نقل کی گئی ہے، انھوں نے کہا: ''ہفتہ میں ایک بار یا دو بار اور زیادہ سے زیادہ تین بار وعظ کہو، لوگوں کو قرآن سے اکتاہٹ مت دلاؤ اور میں تمھیں ایسا کرتا ہوا نہ پاؤں کہ تم کسی جماعت کے پاس آؤ جو اپنی گفتگو میں مشغول ہو اور تم اس کی بات کاٹ کر وعظ کہنے لگو اور اس طرح انھیں اکتاہٹ کا شکار کردو...... بلکہ خاموش رہو جب وہ خود تمھیں وعظ کہنے کو کہیں اور اس کی خواہش ظاہر کریں تو وعظ کہو لیکن دعا میں قافیہ آرائی سے بچو، اس لیے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو اس طرح کرتے دیکھا ہے'' یعنی وہ اس سے اجتناب ہی کرتے تھے۔

فانظر السجع من الدعاء فاجتنبه: یعنی دعا میں قافیہ آرائی کو مؤخر کر، اس کا قصد وارادہ مت کر اور اپنی سوچ وفکر کو اس کے ساتھ مشغول نہ کر، کیونکہ دعا میں خشوع مطلوب ہے، جب کہ قافیہ بندی میں تکلف ہے، جو کہ خشوع سے مانع ہے۔

۲۰ – باب : لِيَعْزِمِ المَسْأَلَةَ ، فَإِنَّهُ لَا مُكْرِهَ لَهُ .

۵۹۷۹ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (إِذَا دَعَا أَحَدُكُمْ فَلْيَعْزِمِ المَسْأَلَةَ ، وَلَا يَقُولَنَّ : اللَّهُمَّ إِنْ شِئْتَ فَأَعْطِنِي ، فَإِنَّهُ لَا مُسْتَكْرِهَ لَهُ) . [۷۰۲۶]

دعا کے ایک اور ادب کا بیان

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب کے اندر دعا کا ایک اور ادب ذکر کیا ہے اور وہ یہ کہ دعا یقین کامل کے ساتھ کرنی چاہیے، کیونکہ اللہ پر کوئی جبر کرنے والا نہیں ہے...... چنانچہ باب کی یہ پہلی روایت حضرت انسؓ سے

(۱) فتح الباري: ۱۶۷/۱۱، عمدة القاري: ۲۹۸/۲۲، إرشادالساري: ۳٤۲/۱۳

(۵۹۷۹) الحديث أخرجه البخاري أيضاً في كتاب التوحيد، باب قول الله تعالىٰ: ﴿تؤتی الملك مَنْ تشاءُ﴾ [آل عمران:۲٦] (رقم الحديث: ۷٤٦٤)، وأخرجه مسلم في كتاب الذكر والدعاء، باب العزم بالدعاء ولايقل: "إن شئتَ" (رقم الحديث: ٦۲۱۸)، وأخرجه النسائي في كتاب عمل اليوم والليلة، باب النهي أن يقول الرجل: "اللهم اغفرلي إن شئت" (رقم الحديث: ۱۰٤۲۰)

ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص دعا مانگے، یہ نہ کہے کہ یا اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے دیدے، اس لیے کہ اللہ پر کوئی جبر کرنے والا نہیں ہے۔

۵۹۸۰ : حدّثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ ، عَنْ مالِكٍ ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ ، عَنِ الْأَعْرَجِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ : أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قالَ : (لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ : اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي إِنْ شِئْتَ ، اللَّهُمَّ ارْحَمْنِي إِنْ شِئْتَ ، لِيَعْزِمِ الْمَسْأَلَةَ ، فَإِنَّهُ لَا مُكْرِهَ لَهُ) . [۷۰۳۹]

باب کی یہ دوسری روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے کہ یا اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کر بلکہ یقین کے ساتھ مانگنا چاہیے کیونکہ اللہ پر کوئی جبر کرنے والا نہیں ہے۔

علامہ تورپشتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"أراد ادعوه معتقدين وقوع الإجابة، لأن الداعي إذا لم يكن متحققا في الرجاء، لم يكن رجاؤه صادقا، وإذا لم يكن الرجاء صادقا، لم يكن الرجاء خالصا، والداعي مخلصا، فإن الرجاء هوالباعث على الطلب، ولايتحقق الفرع إلا بتحقق الأصل"(۲)۔

یعنی "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس یقین واعتقاد کے ساتھ دعا مانگو کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائیں گے، کیونکہ دعا کرنے والے کو

(۵۹۸۰) الحديث أخرجه البخاري أيضاً في كتاب التوحيد، باب قول الله تعالىٰ: ﴿تؤتى الملك مَنْ تشآء﴾ [آل عمران: ۲٦] (رقم الحديث: ۷٤۷۷)، وأخرجه مسلم في كتاب الذكر والدعاء، باب العزم بالدعاء ولايقل: "إن شئت" (رقم الحديث: ۲٦۷۹)، وأخرجه الترمذي في كتاب الدعوات، باب: ٥/٥۲٦ (رقم الحديث: ۳٤۹۷)، وأخرجه أبوداود في الصلوٰة، باب الدعاء: ۷۷/۲ (رقم الحديث: ۱٤۸۳)، وأخرجه النسائي في كتاب عمل اليوم والليلة، باب النهي أن يقول الرجل: "اللهم ارحمني إن شئت" (رقم الحديث: ۱۰٤۱۸)، وأخرجه ابن ماجه في كتاب الدعاء، باب: لايقول الرجل: "اللهم اغفرلي إن شئت" (رقم الحديث: ۳۸٥٤)

(۲) كتاب الميسّر في شرح مصابيح السنة، كتاب الدعوات: ۵۱٦/۲، (رقم الحديث: ۱٥٤٦)

قبولیت دعاء کی امید نہیں ہوگی تو اس کی امید صادق نہ ہوگی اور جب امید صادق نہیں ہے تو دعا بھی خالص نہ ہوگی اور داعی بھی مخلص نہیں ہوگا، کیونکہ امید ہی دعا مانگنے کا باعث ہے، اور فرع، اصل کے بغیر متحقق نہیں ہوتی''۔

لا يقولن أحدكم

اس میں نہی تحریم کے لیے ہے یا کراہت تنزیہی کے لیے، دونوں قول ہیں، امام نووی رحمہ اللہ نے اسے کراہت تنزیہی پر محمول کیا ہے (۳)۔

خلاصہ یہ کہ دعا کرنے والا پوری امید رکھے کہ اللہ جل شانہ اس کی دعا قبول فرمائیں گے اور وہ کسی استثناء اور تعلیق کے بغیر مکمل الحاح وزاری کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں اپنی مراد پیش کرے۔

٢١ – باب : يُسْتَجَابُ لِلْعَبْدِ ما لَمْ يَعْجَلْ .

٥٩٨١ : حدّثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ : أَخْبَرَنَا مالِكٌ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ ، عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ ، مَوْلَى ٱبْنِ أَزْهَرَ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قالَ : (يُسْتَجَابُ لِأَحَدِكُمْ ما لَمْ يَعْجَلْ ، يَقُولُ : دَعَوْتُ فَلَمْ يُسْتَجَبْ لِي) .

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے دعا کا ایک اور ادب بیان کیا ہے اور وہ یہ کہ دعا مسلسل کرنی

---

(٣) قال الحافظ ابن حجر: وحمل النووي النهي في ذلك على كراهة التنزيه، فتح الباري: ١١/١٦٨، نقول: لم يصرّح النووي به، إلا أن فحوىٰ كلامه في شرح هذا الحديث يدلّ على ذلك، (شرح مسلم للنووي، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب العزم بالدعاء ولايقل: إن شئت: ٢/٣٤٢)

(٥٩٨١) الحديث أخرجه مسلم في كتاب الذكر والدعاء، باب بيان أنه يُستجاب الداعي مالم يعجل (رقم الحديث: ٢٧٣٥)، وأخرجه أبوداود في كتاب الصلوٰة، باب الدعاء: ٢/٧٨ (رقم الحديث: ١٤٨٤)، وأخرجه الترمذي في كتاب الدعاء، باب ماجاء فيمن يَستعجل في دُعائه: ٥/٤٦٤ (رقم الحديث: ٣٣٨٧)، وأخرجه ابن ماجه في كتاب الدعاء، باب يستجاب لأحدكم مالم يعجّل (رقم الحديث: ٣٨٥٣)

چاہیے اور کسی موقع پر یہ نہیں کہنا چاہیے کہ میں دعا تو کررہا ہوں لیکن قبول نہیں ہورہی ہے، چنانچہ روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص کی دعا قبول ہوتی ہے بشرطیکہ وہ جلد بازی سے کام نہ لے کہ یوں کہہ دے کہ میں نے دعا کی لیکن قبول نہ ہوئی۔

دعا میں اکتاہٹ قبولیت سے مانع ہے

صحیح مسلم اور سنن ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، اس کے الفاظ ہیں:

"لایزال یستجاب للعبد مالم یدع بإثم أوقطیعة رحم، ومالم یستعجل، قیل: وما الاستعجال؟ قال: یقول: قد دعوت وقد دعوت، فلم أر یستجاب لي، فیستحسر عندذلك ویدع الدعاء"(٤)۔

یعنی "بندہ کی دعا مسلسل قبول کی جاتی ہے جب تک کہ وہ گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے اور جب تک وہ جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرے، کسی نے دریافت کیا "جلد بازی سے کام لینے کا کیا مطلب ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ یوں کہے کہ میں نے بار بار دعا مانگی، مگر مجھے نہیں لگتا کہ میری دعا قبول ہوجائے گی، تو اس وقت وہ اکتاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے دعا چھوڑ دیتا ہے"۔

مطلب یہ ہے کہ وہ دعا کرتے کرتے اُکتا گیا اور اس نے یہ جملہ کہہ دیا۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے مظہری کے حوالے سے لکھا ہے کہ جس دعا میں اکتاہٹ آجائے، وہ قبول نہیں ہوتی اس لیے کہ دعا عبادت ہے اور مؤمن کی شان یہ نہیں کہ وہ اپنے رب کی عبادت میں اکتاہٹ کا اظہار

---

(٤) صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب بیان أنه یستجاب للداعي مالم یعجل، فیقول: دعوت، فلم یستجب لي: ٢٠٩٦/٤، رقم الحدیث: ٢٧٣٥، ورواه الترمذي، ولفظه: "عن أبي هریرة، عن النبي صلی الله علیه وسلم قال: یستجاب لأحدکم مالم یعجل، یقول: دعوت، فلم یستجب لي".

کتاب الدعوات، باب ماجاء فیمن یستعجل في دعائه: ٤٦٤/٥، رقم الحدیث: ٣٣٨٧

کرے(۵)۔ دعا وقتی طور پر قبول ہو، نہ ہو، خودکئی رحمتوں اور برکتوں کا ذریعہ اور باعث ہوتی ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمرؓ سے ایک مرفوع حدیث نقل فرمائی ہے، اس میں ہے:

"من فتح له منكم باب الدعاء فتحت له أبواب الرحمة"(٦)۔

یعنی "تم میں سے جس کے لیے دعا کا دروازہ کھول دیا گیا، اس کے لیے رحمت کے دروازے وا کر دیے گئے"۔

اسی طرح ایک روایت میں ہے:

"من رُزِق الدعاء لم يَحْرُم الإجابة"(٧)۔ یعنی "جس کو دعا کی توفیق ملی وہ قبولیت سے محروم نہیں ہوتا"۔

٢٢ – باب : رَفْعِ الأَيْدِي فِي الدُّعَاءِ .

وَقَالَ أَبُو مُوسَى الأَشْعَرِيُّ : دَعَا النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ ، وَرَأَيْتُ بَيَاضَ إِبْطَيْهِ . [ر : ٤٠٦٨]

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ : رَفَعَ النَّبِيُّ ﷺ يَدَيْهِ وَقَالَ : (اللَّهُمَّ إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ) . [ر : ٤٠٨٤]

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ : وَقَالَ الأُوَيْسِيُّ : حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ وَشَرِيكٍ : سَمِعَا أَنَسًا ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى رَأَيْتُ بَيَاضَ إِبْطَيْهِ . [ر : ٩٨٤]

دعا میں رفع یدین کا ثبوت

دعا میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہاتھوں کا اٹھانا بہت ساری احادیث میں ثابت ہے، چنانچہ باب کے اندر امام بخاری رحمہ اللہ نے جو تین معلق روایات ذکر کی ہیں، ان میں رفع یدین کا ذکر ہے، حضرت

(٥) إرشاد الساري: ٣٤٤/١٣

(٦) سنن الترمذي، كتاب الدعوات، باب في دعاء النبي صلى الله عليه وسلم: ٥٥١/٥، رقم الحديث: ٣٥٤٧

(٧) لم أجد بهذا اللفظ في كتب الحديث المتوفرة لدي، ووجدت ما يقارب ذلك وهو ماذكره ابن عبدالبر، ولفظه عن ابي هريرة، أنه كان يقول: ما أخاف أن أحرم الإجابة، ولكني أخاف أن أحرم الدعاء (التمهيد لابن عبدالبر: ٢٩٨/١٠)

ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کی تعلیق کتاب المغازی میں، حضرت ابن عمرؓ کی تعلیق بھی مغازی میں موصولاً گذر چکی ہے اوراویسی کی تعلیق ابونعیم نے موصولاً نقل کی ہے(۸)، اویسی کا نام عبدالعزیز بن عبداللہ ہے(۹)۔

امام بخاری رحمہ اللہ ان احادیث سے شاید ان لوگوں کی تردید کرنا چاہتے ہیں جو استسقاء کے علاوہ دعا میں ہاتھ اٹھانے کے قائل نہیں ہیں، وہ لوگ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں، جس میں ہے:

"لم يكن النبي صلى الله عليه وسلم يرفع يديه في شيء من دعائه إلا في الاستسقاء"(۱۰)۔

یعنی "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استسقاء کے علاوہ کبھی دعا میں ہاتھ نہیں اٹھائے"۔

حدیث استسقاء اوراحادیث باب کے درمیان وجہ تطبیق

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ حدیث اگرچہ صحیح ہے لیکن اس حدیث اوران احادیث میں جن میں رفع یدین ثابت ہے تطبیق یوں ہوسکتی ہے کہ حضرت انسؓ کی حدیث میں درحقیقت مطلقاً رفع یدین کی نفی نہیں، بلکہ مخصوص صفت کے ساتھ رفع کی نفی ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح استسقاء کے وقت ہاتھ بہت بلند کرکے اٹھاتے تھے یہاں تک کہ ہاتھ چہرہ انور کے محاذات میں آجاتے، اس وصف کے ساتھ اوراس طرح عام دعا کے وقت ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے، عام دعا میں ہاتھ شانوں کے محاذات تک اٹھاتے تھے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"لكن جمع بينه وبين أحاديث الباب ومافي معناها ، بأن المنفي

(۸) فتح الباري: ۱۱/۱۷۰، إرشاد الساري: ۱۳/۳٤٥

(۹) عمدة القاري: ۲۲/۳۰۰، إرشادالساري: ۱۳/۳٤٥، فتح الباري: ۱۱/۱۷۰

(۱۰) صحيح البخاري، كتاب الاستسقاء، باب رفع الإمام يده في الاستسقاء، ص: ۲۲۰، (رقم الحديث: ۱۰۳۱)، وصحيح مسلم، كتاب الاستسقاء، باب رفع اليدين بالدعاء في الاستسقاء: ۲/٦۱۲، (رقم الحديث: ۷۹٥)

صفة خاصة لا أصل الرفع...... وحاصله ان الرفع في الاستسقاء يخالف غيره إما بالمبالغة إلى أن تصير اليدان في حذو الوجه مثلا وفي الدعاء إلى حذو المنكبين...... و إما أن الكفين في الاستسقاء يليان الأرض، وفي الدعاء يليان السماء"(۱۱)۔

یعنی"حدیث استسقاء اور احادیث باب کے درمیان اس طرح تطبیق دی گئی ہے کہ حدیث استسقاء میں مطلقاً رفع یدین کی نفی نہیں کی گئی بلکہ ایک خاص صفت کے ساتھ اس کی نفی کی گئی ہے......اس تطبیق کا حاصل یہ ہے کہ استسقاء میں رفع یدین جس صفت کے ساتھ ہوتا ہے، اس صفت کے ساتھ دعا میں نہیں ہوتا یا تو اس طور پر کہ استسقاء میں ہاتھ اٹھانے میں اس قدر مبالغہ کیا جاتا ہے کہ وہ چہرے کے سامنے آجاتے ہیں جب کہ دعا میں شانوں کے محاذات اٹھائے جاتے ہیں......اور یا اس طور پر کہ استسقاء میں ہتھیلیوں کا رخ زمین کی طرف، جب کہ دعا میں آسمان کی طرف ہوتا ہے"۔

امام منذری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جمع اور تطبیق کے متعذر ہونے کی صورت میں ترجیح کا طریقہ اختیار کیا جائے گا اور اثبات کی روایات صحت اور کثرت دونوں اعتبار سے راجح ہیں (۱۲)۔

خود امام بخاری رحمہ اللہ نے"جزء رفع الیدین" کے نام سے مستقل ایک رسالہ لکھا ہے جس میں انھوں نے ان احادیث کو جمع کیا ہے جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کے وقت رفع یدین ثابت ہے۔ حضرت عائشہؓ، حضرت عبدالرحمن بن سمرہؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، حضرت فاروق اعظمؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ اور حضرت قیس بن سعدؓ کی روایات حافظ ابن حجرؒ نے ذکر کی ہیں جن میں دعا کے وقت ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے (۱۳)۔

---

(١١) فتح الباري: ١١/١٧٠، ١٧١

(١٢) فتح الباري: ١١/١٧١

(١٣) فتح الباري: ١١/١٧١

سنن ابی داود اور جامع ترمذی کی ایک مرفوع روایت میں ہے:

"إن ربكم حييّ كريم يستحيي من عبده إذا رفع يديه إليه أن يردهما صِفْرا"(١٤)۔

یعنی "تمہارا رب حیادار اور کریم ہے، بندہ جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہے تو اسے وہ ہاتھ خالی لوٹاتے ہوئے بندہ سے حیا آتی ہے"۔

دعا میں ہاتھ اٹھانے کی حد

ہاتھ کہاں تک اٹھانے چاہئیں، اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں، سینے کے برابر، کندھوں کے برابر، چہرے کے برابر اور سر کے برابر(۱۵)...... سینے کے برابر اٹھانے کو حضرت ابن عباسؓ نے وصف دعا قرار دیا ہے(۱۶)۔

٢٣ – باب : اَلدُّعاءِ غَيْرَ مُسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةِ .

٥٩٨٢ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ مَحْبُوبٍ : حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ ، عَنْ قَتَادَةَ ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قالَ : بَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ، فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللهِ ، اَدْعُ اللهَ أَنْ يَسْقِيَنَا . فَتَغَيَّمَتِ السَّمَاءُ وَمُطِرْنَا ، حَتَّى ما كَادَ الرَّجُلُ يَصِلُ إِلَى مَنْزِلِهِ ، فَلَمْ تَزَلْ تُمْطَرُ إِلَى الجُمُعَةِ الْمُقْبِلَةِ ، فَقَامَ ذٰلِكَ الرَّجُلُ أَوْ غَيْرُهُ ، فَقَالَ : اَدْعُ اللهَ أَنْ يَصْرِفَهُ عَنَّا فَقَدْ غَرِقْنَا . فَقَالَ : (اللَّهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا) . فَجَعَلَ السَّحَابُ يَتَقَطَّعُ حَوْلَ الْمَدِينَةِ ، وَلَا يُمْطِرُ أَهْلَ الْمَدِينَةِ . [ر : ٨٩٠]

"حضرت انس سے روایت ہے کہ ایک بار نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے، ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ سے دعا کیجئے کہ ہم لوگوں پر بارش ہو، آسمان ابر آلود ہو گیا

---

(١٤) سنن أبي داود، كتاب الصلوة، باب الدعاء: ٧٨/٢، (رقم الحديث: ١٤٨٨)

(١٥) عمدة القاري: ٣٠١/٢٢، فتح الباري: ١٧٢/١١

(١٦) عمدة القاري: ٣٠١/٢٢، فتح الباري: ١٧٢/١١

اور بارش ہونے لگی، یہاں تک کہ لوگ اپنے گھروں کو نہیں پہنچ سکتے تھے، دوسرے جمعہ تک بارش ہوتی رہی، تو وہی شخص یا کوئی دوسرا شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ اللہ سے دعا کیجئے کہ بارش کو ہم سے پھیر دے، ہم لوگ تو ڈوب گئے، آپ نے فرمایا، اے اللہ! ہمارے اردگرد برسا، اور ہم پر نہ برسا، چنانچہ بدلی مدینہ کے اردگرد منتشر ہونے لگی (اور بارش ہوتی رہی) لیکن مدینہ میں بارش نہیں ہو رہی تھی''۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب کا مقصد یہ ہے کہ دعا کے آداب میں سے ایک ادب اگرچہ یہ ہے کہ قبلہ رخ ہو کر دعا کی جائے لیکن یہ ضروری نہیں، بعض مواقع پر قبلہ رخ ہوئے بغیر بھی انسان دعا کر سکتا ہے جیسا کہ روایت باب میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش کے لیے خطبہ کے دوران دعا فرمائی، مسجد میں خطبہ کے وقت خطیب کا رخ لوگوں کی طرف ہوتا ہے، وہ قبلہ رخ نہیں ہوتا، معلوم ہوا کہ اس طرح دعا مانگنا ثابت ہے(۱۷)۔

٢٤ – باب : اَلدُّعاءِ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ .

٥٩٨٣ : حدّثنا مُوسٰى بْنُ إِسْماعِيلَ : حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ : حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيٰى ، عَنْ عَبَّادِ ابْنِ تَمِيمٍ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ قالَ : خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى هٰذَا الْمُصَلَّى يَسْتَسْقِي ، فَدَعا وَاسْتَسْقَى ، ثُمَّ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَقَلَبَ رِداءَهُ . [ر : ٩٦٠]

ترجمۃ الباب کا مقصد

حدیث کے اندر قبلہ رخ ہو کر دعا کا ذکر نہیں ہے، بلکہ صرف اتنی بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ کی طرف نکلے، بارش کی دعا کی، پھر قبلہ کی طرف رخ کر کے چادر پلٹی۔

اسماعیلی نے فرمایا قبلہ رخ ہو کر چادر پلٹنے کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی ہے اس کا صراحتاً ذکر اگرچہ روایت باب میں نہیں ہے، لیکن اس حدیث کے دوسرے طرق میں اس کا ذکر ہے، امام بخاری نے

(۱۷) فتح الباري: ١١/١٧٢، عمدة القاري: ٢٢/٣٠١، إرشاد الساري: ١٣/٣٤٦

ترجمۃ الباب سے حسب عادت اسی طریق کی طرف اشارہ کیا ہے(۱۸)۔

اس کے علاوہ کئی دوسری احادیث بھی ہیں، جن میں قبلہ رو ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا تذکرہ ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت ہے:

"لما كان يوم بدر نظر رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى المشركين، فاستقبل القبلة، ثمّ مديديه، فجعل يهتف بربه"(۱۹)۔

یعنی "غزوہ بدر کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی طرف دیکھا، پھر قبلہ رخ ہو کر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے اور اپنے رب کو پکارنے لگے"۔

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے "استقبل النبي صلى الله عليه وسلم الكعبة، فدعا على نفر من قريش "(۲۰) یعنی "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کی طرف رخ کیا، پھر قریش کی ایک جماعت کو بددعا دی"۔

٢٥ - باب : دَعْوَةِ النَّبِيِّ ﷺ لِخَادِمِهِ بِطُولِ الْعُمُرِ وَبِكَثْرَةِ مالِهِ .

٥٩٨٤ : حدّثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ : حَدَّثَنَا حَرَمِيٌّ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ قَتَادَةَ ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قالَ : قالَتْ أُمِّي : يَا رَسُولَ اللهِ ، خادِمُكَ أَنَسٌ ، ادْعُ اللهَ لَهُ ، قالَ : (اللَّهُمَّ أَكْثِرْ مالَهُ ، وَوَلَدَهُ ، وَبَارِكْ لَهُ فِيمَا أَعْطَيْتَهُ) . [ر : ١٨٨١]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ کے لیے کثرت مال و اولاد اور لمبی عمر کے لیے دعا فرمائی تھی، روایت باب میں اگرچہ طول عمر کا ذکر نہیں، لیکن اس روایت کے ایک دوسرے طریق میں اس کا ذکر ہے، اس کے

---

(١٨) فتح الباري: ١١/١٧٣، إرشاد الساري: ١٣/٣٤٧، عمدة القاري: ٢٢/٣٠١

(١٩) صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب الإمداد بالملائكة في غزوة بدر، وإباحة الغنائم: ٣/١٣٨٣، (رقم الحديث: ١٧٦٣)

(٢٠) صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب دعاء النبي ﷺ على كفار قريش، ص ٨٣٠، (رقم الحديث: ٣٩٦٠)

الفاظ ہیں "اللهم أكثر ماله وولده، وأطل حياته، واغفر له" "اے اللہ! تو اسے مال واولاد کی کثرت سے نواز ،اس کی زندگی لمبی فرما اور اس کی مغفرت فرما")۔امام بخاری نے کتاب الادب میں اس کی تخریج کی ہے (۲۱)۔

چنانچہ اللہ جل شانہ نے ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی بدولت مال و دولت کی کثرت و فراوانی سے بھی نوازا اور انھوں نے عمر بھی بڑی لمبی پائی، ان کی زندگی ہی میں ان کے بیٹوں اور پوتوں وغیرہ کی تعداد ایک سو تک پہنچ گئی تھی (۲۲)۔

بصرہ کے اندر ان کا ایک باغ تھا جو سال میں دو مرتبہ پھل دیتا تھا، اس میں ایک پھول ہوتا تھا جس سے مشک کی خوشبو آتی (۲۳) انھوں نے عمر بھی ایک سو تین یا ایک سو سات سال پائی (۲۴)۔

٢٦ - باب : اَلدُّعاءِ عِنْدَ الْكَرْبِ .

٥٩٨٥/٥٩٨٦ : حدّثنا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ : حَدَّثَنَا هِشَامٌ : حَدَّثَنَا قَتَادَةُ ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ ، عَنِ ٱبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُمَا قالَ : كانَ النَّبِيُّ ﷺ يَدْعُو عِنْدَ الْكَرْبِ يَقُولُ : (لَا إِلٰهَ إِلَّا ٱللّٰهُ الْعَظِيمُ الحَلِيمُ ، لَا إِلٰهَ إِلَّا ٱللّٰهُ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ، وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ) .

(٥٩٨٦) : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا يَحْيىٰ ، عَنْ هِشَامِ بْنِ أَبِي عَبْدِ ٱللّٰهِ ، عَنْ قَتَادَةَ ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ ، عَنِ ٱبْنِ عَبَّاسٍ : أَنَّ رَسُولَ ٱللّٰهِ ﷺ كانَ يَقُولُ عِنْدَ الْكَرْبِ : (لَا إِلٰهَ إِلَّا ٱللّٰهُ الْعَظِيمُ الحَلِيمُ ، لَا إِلٰهَ إِلَّا ٱللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ، لَا إِلٰهَ إِلَّا ٱللّٰهُ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَرَبُّ

---

(٢١) الأدب المفرد (مع فضل الله الصمد)، باب من دعا بطول العمر : ٢/١٠٦، (رقم الحديث: ٦٥٣)

(٢٢) فتح الباري: ١١/١٧٤، إرشاد الساري: ١٣/٣٤٧، عمدة القاري: ٢٢/٣٠٢

(٢٣) فتح الباري: ١١/١٧٤، عمدة القاري: ٢٢/٢٩٧

(٢٤) فتح الباري: ١١/١٨٤، عمدة القاري: ٢٢/٢٩٧

(٥٩٨٥/٥٩٨٦) الحديث أخرجه البخاري أيضاً في كتاب الدعوات، باب الدعاء عندالكرب (رقم الحديث: ٦٣٤٦)، وأخرجه أيضاً في كتاب التوحيد، باب قول الله تعالىٰ: ﴿تعرُجُ الملائكة والرّوح إليه﴾ [المعارج: ٤] (رقم الحديث: ٧٤٣١)، وأخرجه مسلم في كتاب الذكر والدعاء، باب الدعاء للكرب (رقم الحديث: ٢٧٣)، وأخرجه الترمذي في كتاب الدعوات، باب ماجاء: مايقول عندالكرب (رقم الحديث: ٣٤٣٥)، وأخرجه ابن ماجه في كتاب الدعاء، باب الدعاء عندالكرب (رقم الحديث: ٣٨٨٣)

الْأَرْضِ ، وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ) .
وَقَالَ وَهْبٌ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ قَتَادَةَ : مِثْلَهُ . [٦٩٩٠ ، ٦٩٩٤]

مصیبت کے وقت کی خاص دعا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کرب وشدت اور غم وحزن کے وقت جو دعا پڑھا کرتے تھے، امام بخاری رحمہ اللہ نے وہ یہاں ذکر فرمائی ہے، اس کے الفاظ ہیں ("لا إله إلا الله العظيم الحليم، لا إله إلا الله رب السموات والأرض ورب العرش العظيم، "یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے (اور) عرش عظیم کا رب ہے")۔

دوسری روایت کے الفاظ پہلی روایت سے کچھ مختلف ہیں۔

حدثنا قتادة عن أبي العالية

ابو العالیہ کا نام رفیع ہے، ان سے قتادہ نے یہ روایت نقل کی ہے لیکن عنعنہ کے ساتھ ہے اور قتادہ مدلس ہیں، مدلس کا عنعنہ قبول نہیں ہوتا۔

چنانچہ امام ابوداود رحمہ اللہ نے "سنن ابی داود" میں کتاب الطہارت کے تحت شعبہ کا قول نقل کیا ہے کہ ابو العالیہ سے قتادہ نے صرف چار حدیثیں سنی ہیں (۲۵) اور ان چار میں حدیث باب شامل نہیں۔

ابن ابی حاتم نے "مراسیل" میں چار کی بجائے تین کا ذکر کیا ہے (۲۶)۔

لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک چار اور تین کا یہ حصہ غیر معتبر ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ شعبہ مدلس راویوں کا عنعنہ نقل نہیں کرتے جب تک سماع کی تصریح نہ ہو اور یہ حدیث خود شعبہ نے بھی قتادہ سے نقل کی ہے،

---

(٢٥) سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب في الوضوء من النوم، تحت رقم الحديث: ٢٠٢، ولفظه: وقال شعبة: إنما سمع قتادة عن أبي العالية أربعة أحاديث: حديث يونس بن متّى، وحديث ابن عمر في الصلوة، وحديث: "القضاة ثلاثة"، وحديث ابن عباس: حدثني رجال مرضيّون، منهم عمر، وأرضاهم عندي عمر. وانظر فتح الباري: ١١/١٧٤، وإرشاد الساري: ١٢/٣٤٩، وعمدة القاري: ٢٢/٣٠٢

(٢٦) فتح الباري: ١١/١٧٥

جواس بات کی دلیل ہے کہ قتادہ نے سماع کی تصریح کے ساتھ بھی یہ روایت ابوالعالیہ سے نقل کی ہے (۲۷)۔

شاید اسی وجہ سے امام بخاری رحمہ اللہ نے باب کے آخر میں وہب کی تعلیق ذکر فرمائی ''وقال وهب: حدثنا شعبة عن قتادہ...... مثله''۔

دعائے کرب کی فضیلت

ابن بطال نے لکھا ہے کہ ابوبکر رازی اصبہان میں علم حدیث کے سلسلے میں مقیم تھے، وہاں ابوبکر بن علی نام کے ایک مفتی عالم دین تھے، کسی وجہ سے وہاں کے امیران سے ناراض ہوگئے اور انہیں گرفتار کر کے جیل بھجوادیا، ابوبکر رازی نے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ فرمارہے ہیں، ابوبکر بن علی سے جا کر کہو کہ صحیح بخاری میں مذکور دعائے کرب پڑھو، اللہ جل شانہ تمھاری یہ مصیبت دور فرمادیں گے، چنانچہ انھوں نے جا کر اس خواب کا ذکر ان سے کیا، انھوں نے جوں ہی یہ دعا پڑھنا شروع کی، امیر شہر نے انھیں آزاد کردیا (۲۸)۔

پریشانی کے وقت کی دیگر ماثور دعائیں

کرب وشدت کے وقت احادیث کے اندر یہ دعائیں بھی منقول ہیں:

❶ اللّٰهُ اللّٰهُ ربي لا أُشْرِكُ بِهِ شَيْئاً، سنن ابی داود میں حضرت اسماء بنت عمیس سے منقول ہے (۲۹) (جس کا ترجمہ ہے: ''اللہ! اللہ ہی میرا رب ہے، میں اس کے ساتھ کوئی چیز شریک نہیں ٹھہراتا'')۔

❷ اللّهم رَحْمَتَكَ أَرْجُو، فلاتَكِلْنِي إلى نفسي طَرْفَةَ عَيْن، وأَصْلِحْ لِي شأنِي كُلَّه، لا إله إلا

---

(۲۷) عمدة القاري: ۲۲/۲/۳۰، فتح الباري: ۱۱/۱۷۵

(۲۸) فتح الباري: ۱۱/۱۷٦، وشرح ابن بطال: ۱۰/۱۱۳

(۲۹) سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في الاستغفار، رقم الحديث: ۱۵۲۵، وسنن ابن ماجه في كتاب الدعوات، باب الدعاء عند الكرب، رقم الحديث: ۳۸۸۲، وفتح الباري: ۱۱/۱۷٦

أنــت ...... سنن ابی داود میں حضرت ابوبکرۃؓ سے منقول ہے (۳۰) (اس کا ترجمہ ہے: اے اللہ! میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں، پس تو مجھے پلک جھپکنے کی بقدر بھی میرے نفس کے حوالہ نہ فرما اور تو میرے تمام امور درست کردے، تیرے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں")۔

❸ لا إله إلا أنت سبحانك انی کنت من الظالمین ...... سنن ترمذی اور مستدرک حاکم میں ہے "فانه لم یدع بها رجل مسلم في شيء قط إلا استجاب الله تعالیٰ له" (۳۱) یعنی "جس مسلمان شخص نے بھی کسی بھی سلسلے میں ان کلمات کے ساتھ دعا مانگی اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول فرمائی"۔

٢٧ – باب : التَّعَوُّذِ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ .

٥٩٨٧ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ : حَدَّثَنِي سُمَيٌّ ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ : كانَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ يَتَعَوَّذُ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ ، وَدَرَكِ الشَّقَاءِ ، وَسُوءِ الْقَضَاءِ ، وَشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ .

قالَ سُفْيَانُ : الحَدِيثُ ثَلَاثٌ ، زِدْتُ أَنَا وَاحِدَةً ، لَا أَدْرِي أَيَّتُهُنَّ هِيَ . [٦٢٤٢]

جَهْـــد (جیم کے فتحہ اور ہاء کے سکون کے ساتھ) مشقت کو کہتے ہیں اور بَـــلا، آزمائش کو کہتے ہیں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آزمائش کی مشقت سے، بدبختی پانے سے، برے فیصلے سے اور دشمنوں کی ہنسی سے پناہ مانگتے تھے۔ سفیان کا بیان ہے کہ حدیث میں تین باتیں تھیں، اس پر

---

(٣٠) سنن أبي داود، كتاب الأدب، في آخر باب مايقول إذا أصبح، رقم الحديث: ٥٠٩٠، وفتح الباري: ١٧٦/١١

(٣١) سنن الترمذي، في كتاب الدعوات، باب، رقم الحديث: ٣٥٠٥، وأخرجه الحاكم في المستدرك في كتاب الدعاء والتكبير والتهليل والتسبيح والذكر: ٥٠٥/١، فتح الباري: ١٧٦/١١

(٥٩٨٧) الحديث أخرجه البخاري أيضاً في كتاب القدر، باب: مَن تعوّذ بالله من درك الشقاء، وسوء القَضاءِ (رقم الحديث: ٦٦١٦)، وأخرجه مسلم في كتاب الذكر والدعاء، باب التعوّذ من سوء القضاء...... (رقم الحديث: ٢٧٠٧)، وأخرجه النسائي في كتاب الاستعاذة، باب الاستعاذة من سوء القضاء: ٤٥٧/٤ (رقم الحديث: ٧٩٢٧)

میں نے ایک زیادہ کردی مجھے یاد نہیں کہ ان میں وہ کون سی ہے۔

جہد البلاء کی تشریح

جَهْد البلاء کی تشریح بعض شارحین نے ان الفاظ کے ساتھ کی ہے، "الحالة التی یمتحن بها الإنسان وتشق علیه بحیث یتمنی فیها الموت ویختاره علیها" (۳۲) یعنی "وہ حالت جس کے ساتھ بندہ کو آزمایا جاتا ہے اور وہ بندہ پر اس قدر شاق ہوتی ہے کہ بندہ اس میں موت کی تمنا کرتا ہے اور اس پر موت کو وہ ترجیح دیتا ہے"۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جہد البلاء کی تشریح قلت مال اور کثرت عیال مروی ہے (۳۳)۔

ابن بطال نے "جہد البلاء" کی وضاحت یوں کی ہے:

"کل ماأصاب المرء من شدة المشقة والجهد ومالاطاقة له بحمله ولا یقدر علی دفعه من نفسه" (۳٤)۔

یعنی "اس سے مراد انسان کو لاحق ہونے والی وہ شدید تکلیف ہے، جس کو برداشت کرنے کی وہ طاقت نہیں رکھتا اور نہ ہی وہ اس کے دفع کرنے پر قادر ہوتا ہے"۔

دَرَك الشقاء

درك (راء کے فتحہ اور سکون کے ساتھ) درك بمعنی ادراک ولحاق ہے۔ شقاء کے معنی ہلاکت وبدبختی کے ہیں، سوء القضاء: ایسا فیصلہ جو آدمی کے حق میں برا ہو۔ شماتة: دشمن کی ہنسی اور خوشی کو کہتے ہیں جو انسان کے مصیبت میں مبتلا ہونے کے بعد ہو (۳۵)۔

قال سفیان: الحدیث ثلاث، زدت أنا واحدة

سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ اصل حدیث میں تین چیزوں کا ذکر ہے، میں نے یہاں چار چیزیں، جہد بلاء، درک شقاء، سوء قضا اور شماتت اعدا ذکر کی ہیں، ان میں ایک کا اضافہ میں نے اپنی طرف سے کیا ہے

(۳۲) إرشاد الساري: ۱۳/۳۵۰

(۳۳) فتح الباري: ۱۱/۱۷۸، إرشاد الساري: ۱۳/۳۵۰، عمدة القاري: ۲۲/۳۰٤

(۳٤) شرح ابن بطال: ۱۰/۱۱۳، وفتح الباري: ۱۱/۱۷۸، عمدة القاري: ۲۲/۳۰۳

(۳۵) فتح الباري: ۱۱/۱۷۸، إرشاد الساري: ۱۳/۳۵۰، عمدة القاري: ۲۲/۳۰٤

لیکن اب مجھے معلوم نہیں کہ وہ ایک کونسا ہے۔

اسماعیلی کی روایت میں اس کی تصریح آئی ہے کہ وہ "شماتة الأعداء" ہے(۳۶)، سفیان کو پہلے یاد تھا جیسا کہ اسماعیلی کی روایت میں ہے لیکن پھر وہ بھول گئے اور انھیں یاد نہیں رہا جیسا کہ یہاں ذکر کیا ہے(۳۷)۔

۲۸ - باب : دُعاءِ النَّبيِّ ﷺ : (اللَّهُمَّ الرَّفِيقَ الأَعْلَى) .

۵۹۸۸ : حدّثنا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قالَ : حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قالَ : حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ : أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ المُسَيَّبِ وَعُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ فِي رِجالٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ : أَنَّ عائِشَةَ رَضِيَ اللّهُ عَنْهَا قَالَتْ : كانَ رَسُولُ اللّهِ ﷺ يَقُولُ وَهُوَ صَحِيحٌ : (لَمْ يُقْبَضْ نَبِيٌّ قَطُّ حَتَّى يَرَى مَقْعَدَهُ مِنَ الجَنَّةِ ، ثُمَّ يُخَيَّرُ) . فَلَمَّا نَزَلَ بِهِ وَرَأْسُهُ عَلَى فَخِذِي غُشِيَ عَلَيْهِ سَاعَةً ثُمَّ أَفاقَ ، فَأَشْخَصَ بَصَرَهُ إِلَى السَّقْفِ ، ثُمَّ قالَ : (اللَّهُمَّ الرَّفِيقَ الأَعْلَى) . قُلْتُ إِذًا لَا يَخْتَارُنَا ، وَعَلِمْتُ أَنَّهُ الحَدِيثُ الَّذِي كانَ يُحَدِّثُنَا وَهُوَ صَحِيحٌ ، قالَتْ : فَكانَتْ تِلْكَ آخِرَ كَلِمَةٍ تَكَلَّمَ بِهَا : (اللَّهُمَّ الرَّفِيقَ الأَعْلَى) . [ر : ۴۱۷۱]

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی تندرستی کی حالت میں فرمایا کرتے تھے کہ ہر نبی کو وفات سے پہلے اس کا مقام جنت میں دکھلایا جاتا ہے، پھر اختیار دیا جاتا ہے چنانچہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو اس وقت آپ کا سر میری ران پر تھا، تھوڑی دیر آپ پر غشی طاری رہی، پھر افاقہ ہوا، تو آپ نے اپنی نگاہ چھت کی طرف اٹھائی، پھر "اللهم الرفيق الا على" فرمایا، میں نے کہا، کہ آپ تندرستی کی حالت میں جو بیان فرماتے تھے، وہ سچ تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ آپ کے منہ سے آخری الفاظ جو نکلے وہ یہی تھے یعنی "اللهم الرفيق الا على"۔

ماقبل سے مناسبت

اس حدیث کی پوری تفصیل کشف الباری، کتاب المغازی میں گذر چکی ہے(۳۸)، ماقبل سے

---

(۳۶) فتح الباري: ۱۱/۱۷۸، إرشاد الساري: ۱۳/۳۵۰

(۳۷) فتح الباري: ۱۱/۱۷۸، إرشاد الساري: ۱۳/۳۵۰، عمدة القاري: ۲۲/۳۰۴

(۳۸) دیکھئے: کشف الباري، کتاب المغازي، ص: ۲۸۸، أيضاً، ص: ۶۷۸

مناسبت بیان کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”وتعلقه بما قبله من جهة أن فيه إشارة إلى حديث عائشة أنه كان إذا اشتكى نفث على نفسه بالمعوذات، وقضية سياقها هنا أنه لم يتعوذ في مرض موته بذلك، بل تقدم في الوفاة النبوية من طريق ابن أبي مليكة عن عائشة: "فذهبت أعوذه، فرفع رأسه إلى السماء، وقال: في الرفيق الأعلىٰ"(۳۹)۔

یعنی ”ماقبل کے ساتھ اس کی مناسبت اس طور پر ہے کہ اس میں حضرت عائشہؓ کی حدیث کی طرف اشارہ ہے، جس میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی تکلیف ہوتی تو وہ معوذات پڑھ کر اپنے اوپر دم کرتے۔ یہاں اس ترجمۃ الباب کے لانے کی وجہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں معوذات نہیں پڑھے، بلکہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی اور میں نے معوذات پڑھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف اپنا سر مبارک اٹھایا اور ”في الرفيق الأعلىٰ“ کے الفاظ فرمائے“۔

٢٩ – باب : اَلدُّعاءِ بِالمَوْتِ وَالْحَيَاةِ .

٥٩٨٩ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا يَحْيىٰ ، عَنْ إِسْماعِيلَ ، عَنْ قَيْسٍ قالَ : أَتَيْتُ خَبَّابًا وَقَدِ اكْتَوَى سَبْعًا قالَ : لَوْلَا أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ نَهَانَا أَنْ نَدْعُوَ بِالمَوْتِ لَدَعَوْتُ بِهِ .

حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ المُثَنّىٰ : حَدَّثَنَا يَحْيىٰ ، عَنْ إِسْماعيلَ قالَ : حَدَّثَنِي قَيْسٌ قالَ : أَتَيْتُ خَبَّابًا وَقَدِ اكْتَوَى سَبْعًا في بَطْنِهِ ، فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ : لَوْلَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَانَا أَنْ نَدْعُوَ بِالمَوْتِ لَدَعَوْتُ بِهِ . [ر : ٥٣٤٨]

”حضرت قیس سے روایت کہ میں خبابؓ کے پاس آیا، انہوں نے سات داغ لگوائے تھے، انہوں نے کہا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں موت کی دعا کرنے سے منع نہ فرماتے تو میں اس کی دعا کرتا“۔

---

(٣٩) فتح الباري: ١١/١٧٩

۵۹۹۰ : حدّثنا ابْنُ سَلَامٍ : أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عُلَيَّةَ ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قالَ : قالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : (لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ لِضُرٍّ نَزَلَ بِهِ ، فَإِنْ كانَ لَا بُدَّ مُتَمَنِّيًا لِلْمَوْتِ فَلْيَقُلْ : اللَّهُمَّ أَحْيِنِي مَا كانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِي ، وَتَوَفَّنِي إِذَا كانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي) . [ر : ۵۳۴۷]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص آنے والی تکلیف پر موت کی تمنا نہ کرے، اور اگر اس کو موت کی تمنا کرنی ہی ہے تو اس کو کہنا چاہیے ''اے اللہ! مجھے زندہ رکھ، جب تک زندگی میرے لئے بہتر ہو اور مجھے اٹھا لے جب موت میرے لئے بہتر ہو''۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

شارحین میں سے علامہ عینی اور قسطلانی نے باب کا مقصد یہ بیان کیا کہ جب زندگی کسی کے لیے باعث شر ہو تو اس کا زندگی یا موت کے لیے دعا کرنا مکروہ ہے یعنی نہ وہ اپنے لیے زندگی کی دعا کرے کہ اس کی زندگی خیر کی نہیں، شر کی ہے اور نہ وہ موت مانگے، کیونکہ موت کی دعا مانگنے سے منع کیا گیا ہے (۴۰) آدمی موت کی تمنا اور دعا کر سکتا ہے یا نہیں، اس کی تفصیل اسی حدیث کے تحت کشف الباری کتاب المرضی میں گذر چکی ہے (۴۱)۔

۳۰ - باب : اَلدُّعاءِ لِلصِّبْيَانِ بِالْبَرَكَةِ ، وَمَسْحِ رُؤُوسِهِمْ .

وَقَالَ أَبُو مُوسَى : وُلِدَ لِي وَلَدٌ ، وَدَعا لَهُ النَّبِيُّ ﷺ بِالْبَرَكَةِ . [ر : ۵۱۵۰]

یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنے کی فضیلت

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بچوں کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرتے تھے اور ان کے لئے برکت کی دعا کیا کرتے تھے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے ''مسند'' میں حضرت ابو اسامہؓ سے روایت نقل کی ہے، جس میں یتیم بچے کے سر پر

---

(۴۰) عمدة القاري: ۲۲/۳۰۵، ۳۰۶، إرشاد الساري: ۱۳/۳۵۲

(۴۱) كشف الباري، كتاب المرضىٰ، باب: نهي تمنّي المريض الموت، ص: ۵۱۱-۵۱۹

دستِ شفقت پھیرنے کی فضیلت آئی ہے، روایت کے الفاظ ہیں:

"من مسح رأس يتيم لا يمسحه إلا لله كان له بكل شعرة تمر يده عليها حسنة"(۱)۔

یعنی "جس شخص نے کسی یتیم بچے کے سر پر خالص اللہ کی رضا کے لئے دستِ شفقت پھیرا، تو سر کے جس قدر بالوں پر اس کا ہاتھ پھرا، ہر بال کے عوض، اس کو ایک نیکی ملے گی"۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس روایت کی سند ضعیف ہے(۲)۔

امام احمدؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت سند حسن کے ساتھ نقل کی ہے۔ اس میں ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنے دل کی سختی اور قساوت کی شکایت کی، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بطورِ علاج ان سے فرمایا: "أطعم المسكين، وامسح رأس اليتيم"(۳)۔ (مسکین کو کھانا کھلایا کرو اور یتیم کے سر پر دستِ شفقت پھیرا کرو)۔

باطنی بیماریوں کے علاج کا ایک اصول

اس سے علماء نے یہ اصول مستنبط کیا ہے کہ بعض باطنی بیماریاں، بظاہر غیر اختیاری ہوتی ہیں، لیکن بعض اختیاری امور اختیار کرنے سے وہ بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں، مثلاً کچھ لوگوں کو حسد کی بیماری ہوتی ہے اور بظاہر اس میں ان کے اختیار کو دخل نہیں ہوتا، حضرات صوفیاء نے لکھا ہے کہ اس کا علاج یہ ہے کہ حاسد محسود کی تعریف کرے اور اس کے لئے دعا کرے تو حسد جاتا رہے گا، گو حسد غیر اختیاری طور پر ہو جاتا ہے لیکن تعریف اور دعا اختیاری عمل ہے اور اس کی برکت سے یہ بیماری جاتی رہتی ہے، ٹھیک اسی طرح دل کی سنگینی اور قساوت غیر اختیاری ہے، لیکن یتیم کے سر پر شفقت کے ساتھ ہاتھ پھیرنے کے اختیاری عمل سے یہ بیماری جاتی رہتی ہے(۴)۔

---

(۱) مسند أحمد: ٥/٢٥٠، ٢٦٥

(۲) فتح الباري: ١١/١٥٤

(۳) مسند أحمد: ٢/٢٦٣

(٤) إتحاف السادة، كتاب ذم الغضب والحقد والحسد: ٩/٥٢٦

وقال أبوموسىٰ: ولد لي غلام، ودعا له النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالبركة

یہ تعلیق، کتاب العقیقہ میں موصولاً گزرچکی ہے، وہاں الفاظ ہیں: "ولد لي غلام، فأتيت به النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فسماه إبراهيم، وحنكه بتمرة ودعاله بالبركة" (۵)۔

یعنی: "میرے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو میں اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور کھجور سے اس کی تحنیک کرتے ہوئے اس کے لئے برکت کی دعا فرمائی"۔

۵۹۹۱ : حدّثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ : حَدَّثَنَا حاتِمٌ ، عَنْ الجَعْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قالَ : سمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ يَقُولُ : ذَهَبَتْ بِي خالَتِي إلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ ، فَقَالَتْ : يَا رَسُولَ اللهِ ، إِنَّ ابْنَ أُخْتِي وَجِعٌ ، فَمَسَحَ رَأْسِي وَدَعا لِي بِالْبَرَكَةِ ، ثُمَّ تَوَضَّأَ فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوئِهِ ، ثُمَّ قُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهِ ، فَنَظَرْتُ إِلَى خاتَمِهِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ ، مِثْلَ زِرِّ الحَجَلَةِ . [ر : ۱۸۷]

حضرت سائب بن یزیدؓ سے روایت ہے کہ میری خالہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئیں اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرا یہ بھانجا بیمار ہے، آپ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لئے برکت کی دعا فرمائی، پھر وضو کیا تو میں نے آپ کے وضو کا بچا ہوا پانی پیا، پھر میں آپ کے پیچھے کھڑا ہوگیا، تو میں نے آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان مہر نبوت کو دیکھا جو دولہن کے مسہری کے بٹن کی طرح تھی۔

حضرت سائب بن یزیدؓ کے سر پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دستِ شفقت پھیرا، یہ حجۃ الوداع میں شریک رہے ہیں، اس وقت ان کی عمر صرف سات سال تھی اور مدینہ منورہ میں وفات پانے والے سب سے آخری صحابی یہی ہیں، ان کی وفات سن ۸۲ ہجری میں ہوئی ہے (۶)۔

---

(۵) صحيح البخاري، كتاب العقيقة، باب تسمية المولود غداة يولد، لمن لم يعق عنه، وتحنيكه: ۲۰۸۱/۵، رقم الحديث: ۵۴۶۷

(۶) قال أبونعيم: مات سنة اثنتين وثمانين، وقيل بعد التسعين، وقيل سنة إحدى، وقيل سنة أربعة؛ وقال ابن أبي داود: هو آخر من مات بالمدينة من الصحابة، ووهم يعقوب ابن سفيان فذكره فيمن قتل يوم الحرة (الإصابة: ۲، الترجمة: ۳۰۷۷)

٥٩٩٢ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ : حَدَّثَنَا ٱبْنُ وَهْبٍ : حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ ، عَنْ أَبِي عُقَيْلٍ : أَنَّهُ كانَ يَخْرُجُ بِهِ جَدُّهُ عَبْدُ ٱللهِ بْنُ هِشَامٍ مِنَ السُّوقِ ، أَوْ : إِلَى السُّوقِ ، فَيَشْتَرِي الطَّعَامَ ، فَيَلْقَاهُ ٱبْنُ الزُّبَيْرِ وَٱبْنُ عُمَرَ ، فَيَقُولَانِ : أَشْرِكْنَا ، فَإِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَدْ دَعا لَكَ بِالْبَرَكَةِ . فَيُشْرِكُهُمْ ، فَرُبَّمَا أَصَابَ الرَّاحِلَةَ كما هِيَ ، فَيَبْعَثُ بِهَا إِلَى الْمَنْزِلِ . [ر : ٢٣٦٨]

حضرت ابوعقیل سے روایت ہے کہ مجھ کو میرے دادا عبداللہ بن ہشام بازار سے یا بازار کی طرف لے جاتے، اور وہاں سے غلہ خریدتے، ان سے ابن زبیر اور ابن عمر ملتے، تو کہتے کہ ہم کو بھی شریک کرلو، اس لئے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمہارے لئے برکت کی دعا کی ہے (یہ ان کو شریک کر لیتے) اکثر ایسا ہوتا کہ نفع میں وہ پورا ایک اونٹ پا لیتے اور وہ اسے گھر بھیج دیتے۔

سند کے اندر ابن وہب کا نام عبداللہ ہے، اور ابوعَقیل (عین کے زبر اور قاف کے زیر کے ساتھ) کا نام زہرہ بن معبد بن عبداللہ بن ہشام ہے، عبداللہ بن ہشام ان کے دادا ہیں جن کے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعائے برکت فرمائی تھی، یہ جب بازار کی طرف خریداری کے لئے نکلتے تھے اور ان سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ملاقات ہوتی تو وہ ان سے درخواست کرتے کہ خریداری میں آپ ہمیں بھی اپنے ساتھ شریک کریں، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کے لئے برکت کی دعا فرمائی ہے، وہ انہیں شریک کرتے، فرماتے ہیں کہ بسا اوقات ان کو پورا ایک اونٹ منافع کا مل جاتا اور وہ اسے گھر بھیج دیتے، یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا کا ثمرہ ہوتا۔

من السوق أو الى السوق

راوی کو شک ہے کہ مِنْ کہا ہے یا "إلی" کا لفظ استعمال کیا ہے، اگر مِنْ ہے تو معنی ہوں گے: مِنْ جهة دخول السوق یعنی بازار کے داخلی راستے کی جہت سے مجھے بازار لے گئے، لیکن باب الشرکة میں "إلی" بغیر شک کے جزم کے ساتھ وارد ہے (۷)۔

(٧) صحيح البخاري، كتاب الشركة، باب الشركة في الطعام وغيره، رقم الحديث: ٢٥٠٢

فربما أصاب الراحلةَ بتمامها

یعنی بسا اوقات ابن ہشام کو منافع میں پورا ایک اونٹ مل جاتا، بتمامها یعنی بکمالها یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا کی برکت کا ثمرہ ہوتا۔

٥٩٩٣ : حدّثنا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ ، عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قالَ : أَخْبَرَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ ، وَهُوَ الَّذِي مَجَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي وَجْهِهِ وَهُوَ غُلَامٌ مِنْ بِئْرِهِمْ . [ر : ٧٧]

حضرت ابن شہاب سے روایت ہے کہ مجھ سے محمود بن ربیع نے بیان کیا یہ وہی ہیں کہ ان کی کمسنی کے وقت ان کے کنویں سے پانی لے کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے منہ پر کلی کی تھی۔

یہ روایت کتاب العلم کے اندر گزر چکی ہے، علامہ قسطلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وكان فعله لذلك للتبريك على عادته الشريفة مع أولاد أصحابه والدعابة معهم لطفاً ورحمة وتشريعا"(٨)۔

یعنی: "نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بطور تبرک حضرات صحابہ کی اولاد کے ساتھ اس طرح کا معمول رہا، بچوں سے آپ ہنسی مذاق کیا کرتے، یہ شفقت کی وجہ سے بھی آپ کی عادت تھی اور شرعی تعلیم بھی اس سے مقصود تھی"۔

٥٩٩٤ : حدّثنا عَبْدَانُ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ : أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قالَتْ : كانَ النَّبِيُّ ﷺ يُؤْتَى بِالصِّبْيَانِ فَيَدْعُو لَهُمْ ، فَأُتِيَ بِصَبِيٍّ فَبَالَ عَلَى ثَوْبِهِ ، فَدَعا بِمَاءٍ فَأَتْبَعَهُ إِيَّاهُ ، وَلَمْ يَغْسِلْهُ . [ر : ٢٢٠]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بچے لائے جاتے تھے، اور آپ ان کے لئے دعا کرتے تھے، چنانچہ ایک بچہ لایا گیا، تو اس نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا، آپ نے پانی منگوا کر اس کو بہا دیا اور اس

(٨) إرشاد الساري: ١٣/٣٥٤

کو دھویا نہیں۔

سند میں عبدان سے عبداللہ بن عثمان بن جبلہ اور عبداللہ سے حضرت عبداللہ بن المبارک مراد ہیں، روایت کے اندر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں جس بچے کے لانے کا ذکر ہے، اس سے حضرت حسنؓ یا حضرت حسینؓ مراد ہیں، کما فی الأوسط للطبراني (۹)۔

فأتبعه إياه ولم يغسله

یعنی بچے نے آپ کے کپڑوں مین جو پیشاب کیا تھا، اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پانی چھڑکا، پانی بہایا اور اس کو باقاعدہ دھویا نہیں۔

۵۹۹۵ : حدّثنا أبو اليَمانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قالَ : أَخْبَرَنِي عَبْدُ ٱللهِ بْنُ ثَعْلَبَةَ بْنِ صُعَيْرٍ ، وَكانَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ قَدْ مَسَحَ عَنْهُ : أَنَّهُ رَأَى سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ يُوتِرُ بِرَكْعَةٍ .

حضرت زہری بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے عبداللہ بن ثعلبہ نے جن کے سر پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہاتھ پھیرا تھا، بیان کیا کہ انہوں نے سعد بن ابی وقاص کو ایک رکعت وتر پڑھتے ہوئے دیکھا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ ابوالیمان کا نام حکم بن نافع ہے، یہاں روایت میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن ثعلبہ بن صعیرؓ کی آنکھ پر ہاتھ پھیرا، امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب المغازی میں باب غزوۃ الفتح کے اندر معلقاً یہ روایت نقل کی ہے، اس میں "مسح عينه" کی بجائے "مسح وجهه" کے الفاظ ہیں (۱۰)۔

حضرت عبداللہ بن ثعلبہؓ کی ولادت ہجرت سے چار سال قبل ہوئی تھی اور ۸۹ ہجری میں ان کی وفات

---

(۹) مجمع الزوائد: ۱/۶۳۱، ۶۳۲، رقم الحديث: ۱۵٦۸، ۱۵۷۰، ۱٤۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷٤ وورد اسم الحسن جزءاً في الحديث رقم: ۱۵۷۰، واسم الحسين في الحديث رقم: ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، وأمّا في الحديث رقم ۱۵٦۸، ۱۵۷٤، ورد اسم الحسن والحسين بكلمة أو يشعر بها التردّد. والله أعلم.

(۱۰) صحيح البخاري، كتاب المغازي، رقم الباب: ٥٤، رقم الحديث: ٤۳۰۰

ہوئی ہے، اس وقت ان کی عمر ۹۳ سال تھی۔

اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر چار سال تھی اور ان کی ولادت ہجرت کے بعد ہوئی ہے (۱۱)۔

ان کے والد ثعلبہ بن صعیر بھی صحابی ہیں، ویقال له ابن أبي صعير أيضا (۱۲)۔

۳۱ – باب : الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ .

صلوۃ کے لغوی اور اصطلاحی معنی

صلوۃ یعنی درود شریف سے متعلق چند باتیں ذہن نشین کرلیں:

❶ صلوۃ لغت میں دعا، رحمت، استغفار، مغفرت اور مدح وثناء کے معنی میں استعمال ہوتا ہے (۱۳)۔ اور نسبتوں کے فرق سے اس کے معنی بدلتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت ہو تو اس کے معنی اللہ کی جانب سے اپنے نبی پر رحمت کا نزول وافاضہ ہوتا ہے۔ ملائکہ کی طرف نسبت ہو تو استغفار کے معنی میں آتا ہے، بندوں کی طرف ہو تو اس کے معنی دعائے رحمت کے ہیں (۱۴)۔

بعضوں نے اس کے برعکس کہا کہ ملائکہ کی طرف نسبت کی صورت میں دعائے رحمت اور عباد کی طرف نسبت کی صورت میں اس کے معنی استغفار ہے (۱۵)۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے سورۃ احزاب کی تفسیر میں ابوالعالیہ کا قول نقل کیا ہے:

"معنى صلوة الله تعالىٰ على نبيه: ثناؤه عليه عند ملائكته، ومعنى

---

(۱۱) الاستيعاب على هامش الإصابة: ۲/۲۷۱

(۱۲) تهذيب الكمال: ۱٤، الترجمة: ۳۱۹۳

(۱۳) لسان العرب: ۱٤/٤٦٤–٤٦٥

(۱٤) "الصواب أن الصلوة لغة بمعنى واحد وهو العطف، ثم هو بالنسبة إليه تعالىٰ: الرحمة وإلى الملائكة عليهم السلام الاستغفار، وإلى الآدميين الدعاء". روح المعاني: ۱۲/۷٦، ۷۷

(۱۵)

صلوة الملائكة عليه: الدعاء له"(١٦)۔

یعنی: ''اللہ تعالیٰ کے اپنے نبی پر صلوۃ بھیجنے کے معنی ہیں، اللہ کا فرشتوں کے پاس اپنے نبی کا ذکرِ خیر اور تعریف کرنا اور فرشتوں کا آپ پر صلوۃ بھیجنے کا مطلب، آپ کے لئے دعا کرنا ہے''۔

علامہ زبیدی رحمہ اللہ ''احیاء العلوم'' کی شرح ''اتحاف سادۃ المتقین'' میں لکھتے ہیں:

"معنى الصلوة العطف، وهو بالنسبة إلى الله تعالىٰ إما ثناؤه على العبد عند الملائكة، وهذا هو الأليق في تفسير صلوة الله على أنبيائه، وإما كمال الرحمة، وبالنسبة إلى غيره تعالىٰ الدعاء بخير"(١٧)۔

یعنی: ''صلوۃ کے اصل معنی تو عطف یعنی میلان و مہربانی کے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت ہو تو اس کا مطلب یا تو اللہ تعالیٰ کا اپنے فرشتوں کے ہاں اپنے نبی کی تعریف و ثناء کرنا ہے، "صلوة الله على أنبيائه" کی یہی تفسیر سب سے زیادہ مناسب ہے اور یا اس کے معنی کمال رحمت کے ہیں اور غیر اللہ کی طرف اس کی نسبت ہو تو اس کے معنی دعا کے آتے ہیں''۔

حقیقت یہ ہے کہ غیر اللہ کی طرف جب اس کی نسبت ہو تو صلوۃ کے اصل معنی دعا ہی کے آتے ہیں، مغفرت کی دعا کرنا، مخصوص رحمت کی دعا کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ اپنے نبی کا ذکر تعظیم و اکرام کے ساتھ فرشتوں کے سامنے کرتا ہے اور اپنی نعمتوں اور نوازشوں کی ان پر پھوار برساتا ہے (۱۸)۔

قرآن کریم میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خطاب ہے: ﴿وصل عليهم إن صلاتك سكن لهم﴾ اس میں صلوۃ بمعنی دعا ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے (۱۹):

---

(١٦) صحيح البخاري، كتاب التفسير، سورة الأحزاب، باب قوله: ﴿إن الله وملئكته يصلون على النبي﴾

(١٧) إتحاف السادة، كتاب الأذكار والدعوات، الباب الثاني: ٢٦٩/٥

(١٨) "فتح الباري: ١٥٥/١١، ١٥٦

(١٩) أحكام القرآن للجصاص: ٢٢٧/٣

درود شریف کا حکم

❷ دوسری بات درود شریف کے حکم سے متعلق ہے:

جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ ساری زندگی میں ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجنا فرض ہے جیسے کلمۂ توحید پڑھنا ایک بار فرض ہے، علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے ''القول البدیع'' میں اور علامہ ابن عبدالبرؒ نے ''الاستذکار'' میں اس کی تصریح فرمائی ہے(۲۰)۔ امام ابوبکر جصاص رازیؒ اور ملا علی قاریؒ نے بھی اس کی صراحت فرمائی ہے(۲۱)۔ حاصل یہ ہے کہ پوری عمر میں ایک مرتبہ درود پڑھنا فرض ہے، کیونکہ قرآن کریم نے "صلوا" کے الفاظ سے درود بھیجنے کا حکم دیا ہے، یہ حکم شعبان سن دو ہجری میں نازل ہوا اور اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ امر تکرار کا تقاضہ نہیں کرتا(۲۲)، البتہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تذکرہ جب بھی آئے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجنا واجب و مستحب ہے(۲۲☆)۔

اس میں تھوڑا سا اختلاف ہے، جمہور علماء کے نزدیک حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر مجلس میں پہلی بار آئے تو درود شریف پڑھنا واجب ہے اور اس کے بعد پھر مستحب ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ نے اسی کو مفتی بہ قرار دیا(۲۳)۔

البتہ امام طحاوی رحمہ اللہ اور بعض شافعی علماء کے نزدیک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کسی مجلس میں جتنی بار بھی آئے، ہر بار درود شریف پڑھنا واجب ہے(۲۴)، امام قرطبی رحمہ اللہ اور علامہ زمخشری رحمہ اللہ نے اسی کو محتاط قول قرار دیا ہے(۲۵)۔

---

(۲۰) الاستذكار لابن عبدالبر: ۳۰۸/۲، كتاب قصر الصلوة في السفر

(۲۱) أحكام القرآن للجصاص: ۵٤٤/۳، ومرقاة لملا علي قاري، كتاب الصلوة: ۳۳۷/۲

(۲۲) كشف الأسرار للبزدوي: ۱۲۳/۱، باب موجب الأمر.

(۲۲☆) احكام القرآن للقرطبي: ۲۳۳/۱٤

(۲۳) ردالمحتار: ۳۸۱/۱، ۳۸۲، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة

(۲٤) فتح الباري: ۱۵۳/۱۱، نیز دیکھئے: جلاء الإفهام في الصلوة والسلام على خير الأنام: ۲۱٤.

(۲۵) تفسير القرطبي: ۱۵۰/۱٤، كشاف للزمخشري: ۵۵۸/۳

درود شریف کے فضائل و برکات

❸ تیسری بات درود شریف کی فضیلت، اہمیت اور فوائد و برکات سے متعلق ہے:

امام بیہقی رحمہ اللہ نے عامر بن ربیعہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "من صلّى عليّ صلوة، صلّى الله عليه بها عشرا" (۲٦)۔ یعنی: "جس نے مجھ پر ایک بار درود بھیجا تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اس پر دس بار رحمتیں نازل فرماتے ہیں"۔

امام ابوداود طیالسی رحمہ اللہ نے عامر بن ربیعہ کی اور امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے:

"ما من عبد يصلي عليّ إلا صلّت عليه الملائكة ما دام يصلي، فليقلّ العبد من ذلك او ليكثر" (۲۷)۔

یعنی: "جو شخص بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے تو ملائکہ اس کے لئے اس وقت تک استغفار کرتے رہتے ہیں جب تک وہ درود پڑھتا رہتا ہے، سو بندہ کی مرضی ہے چاہے کم درود پڑھے یا زیادہ پڑھے"۔

درود شریف کی بڑی برکتیں اور فوائد ہیں، کثرتِ درود سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہوتی ہے، یہ ذریعۂ جنت و نجات ہے، چنانچہ طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے:

"من قال: اللهم صلّ على محمد وأنْزِلْهُ المُقَرّبَ عندك يوم القيامة، وجبت له شفاعتي" (۲۸)۔

یعنی: "جو شخص یہ درود پڑھے: "اللهم صلّ على محمد وأنْزِلْهُ المُقَرّبَ

---

(۲٦) شعب الإيمان، رقم الحديث: ۱۵۵۷، ۱۵۵۸

(۲۷) رواه أبوداود الطيالسي عن عامر بن ربيعة في مُسنده البدري: ۱/٦۳۹، رقم الحديث: ۱۲۳۸، ورواه أحمد في مسنده نحوه ولفظه: "من صلّى على رسول الله ﷺ وملائكته سبعين صلاة فليقلّ عبد من ذلك أو ليكثر": ۲/٦۱۷، رقم الحديث: ٦٦۰۵

(۲۸) المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث: ٤٤٨۰

عندك يوم القيامة (اے اللہ! محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر رحمت نازل فرما اور قیامت کے دن اسے اپنے مقرب مقام پر اتار دے)"، تو اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی"۔

اور ایک روایت میں ہے:

"من صلّى عليّ في يوم ألف مرة، لم يمت حتى يرى مقعده من الجنة"(٢٩)۔

یعنی: "جو شخص دن میں ہزار بار درود پڑھے گا، اسے اس وقت تک موت نہیں آئے گی جب تک وہ جنت میں اپنا ٹھکانا نہ دیکھ لے" یعنی مرنے سے پہلے وہ جنت میں اپنا مسکن دیکھ لے گا۔

کثرت درود، فقر وفاقہ کو بھی دور کرتا ہے، ابونعیم نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرمائی ہے:

"كثرة الذكر والصلوة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم تنفي الفقر"(٣٠)۔ یعنی: "ذکر اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود کی کثرت فقر وفاقہ کو ختم کرتی ہے"۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے:

"من صلّى علي مائة صلوة حين يصلي الصبح قبل أن يتكلم، قضى الله له مائة حاجة، عجّل منها ثلاثين حاجة، وأخر له سبعين"(٣١)۔

یعنی: "جو شخص نماز فجر کے وقت بات کرنے سے پہلے مجھ پر سو بار درود پڑھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی سو ضرورتیں پوری فرمائیں گے، ان میں سے تیس تو اس دنیا میں اور

(٢٩) الترغيب والترهيب للمنذري: ٥٠١/٢

(٣٠) إتحاف السادة، كتاب الأذكار والدعوات، الباب الثاني: ٢٧٥/٥

(٣١) إتحاف السادة، كتاب الأذكار والدعوات، الباب الثاني: ٢٧٥/٥

ستر آخرت میں پوری فرمائیں گے"۔

علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "إذا نسيتم شيئاً، فصلّو عليّ، تذكروه إن شاء الله" (۳۲)۔ (اگر تم کوئی چیز بھول جاؤ تو مجھ پر درود پڑھ لیا کرو، یاد آجائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ)۔

ایک اور روایت میں ہے:

"من خاف على نفسه النسيان فليكثر الصلوة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم" (۳۳)۔

یعنی: "جسے اپنے اوپر نسیان کا خوف ہے تو وہ مجھ پر بکثرت درود شریف پڑھا کرے"۔

درود شریف لکھنے کی فضیلت

درود شریف لکھنے کی بھی بڑی فضیلت ہے، طبرانی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من صلّى عليّ في كتاب لم تزل الملائكة يستغفرون له ما دام اسمي في ذلك الكتاب" (۳٤)۔

یعنی: جو شخص کسی کتاب میں مجھ پر درود لکھتا ہے تو فرشتے اس کے لئے اس وقت تک استغفار کرتے رہتے ہیں، جب تک میرا نام اس کتاب میں موجود ہو"۔

---

(۳۲) القول البديع في الصلوة على الحبيب الشفيع، ص: ٤٢٧

(۳۳) قال السخاوی رحمه الله: "أخرجه ابن بشكوال بسند منقطع". القول البديع في الصلوة على الحبيب الشفيع، ص: ٤٢٧

(۳٤) إتحاف السادة، كتاب الأذكار والدعوات، الباب الثاني: ٢٧٢/٥، قال الزبيدي بعد نقل هذا الحديث من الإحياء: قال العراقي: رواه الطبراني في الأوسط، وأبو الشيخ في الثواب والمستغفري في الدعوات من حديث أبي هريرة بسند ضعيف اه. قلت: ورواه أيضاً أبوالقاسم التميمي في الترغيب والخطيب في شرف أصحاب الحديث وابن بشكوال بسند ضعيف، وأورده ابن الجوزي في الموضوعات وقال ابن كثير: إنه لايصح. انتهى.

جمعہ کے دن درود کی فضیلت

درود شریف کی کثرت کا اہتمام تو ہر مسلمان کو ہر وقت کرنا چاہیے، البتہ جمعہ کے دن بطورِ خاص اس کا اہتمام ہو، حضرت ابو اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أكثِر من الصلوة عليّ في كل يوم جمعة؛ فإن صلوة أمتي تعرض عليّ في كل يوم جمعة، فمن كان أكثرهم عليّ صلوة، كان أقربهم مني منزلة"(۳۵).

یعنی: ہر جمعہ کے روز مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو، کہ میری امت کا درود ہر جمعہ کو مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، پس جو شخص مجھ پر زیادہ درود پڑھنے والا ہوگا تو از روئے رتبہ دوسروں کے مقابلہ میں وہ اتنا ہی میرے قریب ہوگا"۔

اسی طرح حدیث کے طلباء کو بھی بطورِ خاص درود شریف کی کثرت کرنی چاہیے، کیونکہ احادیث کا تعلق براہِ راست حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات بابرکت سے ہے، تو کثرت درود کے ساتھ احادیث پڑھنے سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عقیدت، محبت اور روحانیت محسوس ہوگی!

ترجمۃ الباب کی وضاحت

امام بخاری رحمہ اللہ نے جو ترجمۃ الباب قائم کیا ہے: باب الصلوة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

"هذا الإطلاق يحتمل حكمها وفضلها وصفتها ومحلها والاقتصار على ما أورده في الباب يدل على إرادة الثالث وقد يوخذ منه الثاني"(۳۶)۔

یعنی: "ترجمۃ الباب مطلق ہے اور اس میں چار امور کے بیان کا احتمال ہے، درود شریف کا حکم، اس کی فضیلت، طریقہ وکیفیت اور اس کے پڑھنے کا محل ومقام۔ البتہ باب میں مذکور دو احادیث پر اکتفا کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مقصود امر ثالث یعنی درود

---

(۳۵) السنن الكبرىٰ للبيهقي: كتاب الجمعة، باب مايؤمر به في ليلة الجمعة ويومها من كثرة الصلوة على رسول الله وقراءة سورة الكهف وغيرها: ۳۵۳/۳، رقم الحديث: ۵۹۹۵

(۳۶) فتح الباري: ۱۵۲/۱۱

شریف کے طریقے اور کیفیت کو بیان کرنا ہے، اور امر ثانی یعنی درود شریف کے حکم کا بیان بھی مقصود ہوسکتا ہے"۔

لیکن علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حدیث باب کی وجہ سے ترجمۃ الباب مطلق نہیں رہا، بلکہ اس سے کیفیتِ صلوۃ ہی کو بیان کرنا مقصود ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"حديثا الباب يقيدان هذا الإطلاق، لأنهما ينبئان عن الكيفية، والمطابقة بين الترجمة والحديث مطلوبة، ولاتجيء المطابقة إلا بما قلنا: هذا باب في بيان كيفية الصلاة"(۳۷)۔

یعنی: "ترجمۃ الباب اگرچہ بظاہر مطلق ہے، مگر باب میں مذکور دونوں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقید ہے، کیونکہ دونوں حدیثیں درود شریف کی کیفیت کو بیان کرتی ہیں۔ ترجمۃ الباب اور حدیث کے درمیان مطابقت مطلوب ہوتی ہے اور مطابقت ہمارے اس قول سے ہی ہوسکتی ہے کہ: "هذا باب في بيان كيفيّة الصلوة"۔ (یعنی ترجمۃ الباب کو مقید ماننے سے ہی مطابقت ہوسکتی ہے)۔

۵۹۹۶ : حدّثنا آدَمُ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ : حَدَّثَنَا الحَكَمُ قالَ : سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي لَيْلَى قالَ : لَقِيَنِي كَعْبُ بْنُ عُجْرَةَ فَقَالَ : أَلَا أُهْدِي لَكَ هَدِيَّةً ؟ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ عَلَيْنَا ، فَقُلْنَا : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، قَدْ عَلِمْنَا كَيْفَ نُسَلِّمُ عَلَيْكَ ، فَكَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ ؟ قالَ : (قُولُوا : اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحمَّدٍ ، وَعَلَى آلِ مُحمَّدٍ ، كما صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ . اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ ، وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ ، كما بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ) . [ر : ۳۱۹۰]

عبدالرحمٰن ابی لیلی سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ مجھ سے کعب بن عجرہ ملے اور کہا کہ کیا میں تم کو ایک ہدیہ نہ پیش کروں؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے، تو ہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہم کس طرح آپ کو سلام

(۳۷) عمدة القاري: ۲۲/۳۰۷

کریں، اور کس طرح آپ پر درود بھیجیں، آپ نے فرمایا کہ تم اس طرح کہو: "اللهم صل علی محمد وعلیٰ ال محمد کماصلیت علیٰ آل ابراهیم انك حمید مجید. اللهم بارك علی محمد وعلیٰ ال محمد کمابارکت علیٰ آل ابراهیم انك حمید مجید".

آدم سے آدم بن ایاس اور حکم سے حکم بن عتیبہ مراد ہیں، عبدالرحمٰن بن ابی لیلی جلیل القدر تابعین میں سے ہیں، ابولیلیٰ کا نام یسار ہے (۳۸)۔

ألا أهدي لك هدية یعنی کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلی سے کہا کہ میں آپ کو ایک ہدیہ نہ دوں؟ شعبہ کی روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا، ہاں کیوں نہیں (۳۹)۔ ہدیہ کا لفظ عموماً اجسام کے لئے استعمال ہوتا ہے، علامہ قسطلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وأكثر مايستعمل في الأجسام .... وقد يستعمل في المعاني كالعلوم والأدعية مجازاء، لما يشتر كان فيه من قصد الموادة والتواصل في إيصال ذلك إليه" (۴۰)۔

یعنی: "ہدیہ کا اکثر استعمال اجسام میں ہوتا ہے...... البتہ کبھی کبھار مجازاً معانی میں بھی ہدیہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے، جیسے علوم اور دعائیں وغیرہ، وجہ یہ ہے کہ دونوں میں قدر مشترک یہ امر ہے کہ دونوں میں ان کو دوسروں تک پہنچانے سے باہمی محبت اور میل جول مقصود ہوتا ہے"۔

أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خرج علينا

"علینا" جمع کی ضمیر استعمال فرمائی ہے، کیونکہ اس وقت دوسرے صحابہ بھی موجود تھے۔

---

(۳۸) قال المزي في تهذيب الكمال .... واسمه يسار، ويقال: بلال، ويقال: داود بن بلال بن بليل .... : ۱۷/الترجمة: ۳۹٤۳

(۳۹) فتح الباري: ۱۱/۱۵۳

(٤۰) إرشاد الساري: ۱۳/۳۵٦

قد علمنا كيف نسلم عليك

اس میں سلام سے تشہد اور التحیات کے اندر سلام مراد ہے(۴۱) جو حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کو ان لفظوں کے ساتھ سکھایا:"السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته"، یعنی سلام کا طریقہ تو ہم نے سیکھ لیا ہے، لیکن قرآن کریم کی آیت کریمہ میں دو چیزوں کا حکم دیا گیا تھا:﴿صلوا عليه وسلموا تسليماً﴾ ایک سلام اور دوسرا صلاۃ، تو درود بھیجنے کا وصف اور طریقہ کیا ہے؟

حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اس حدیث کے اندر جو درود شریف بتلایا، وہ ''درود ابراہیمی'' کہلاتا ہے، یہاں روایت میں "وعلى آل ابراهيم" کے الفاظ نہیں ہیں، لیکن بخاری کی دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں(۴۲)، حافظ لکھتے ہیں:

"والحق أن ذكر محمد وإبراهيم، وذكر آل محمد وآل إبراهيم ثابت في أصل الخبر، وإنما حفظ بعض الرواة مالم يحفظه الآخر"(٤٣)۔

یعنی: ''حق بات یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر اور اسی طرح آل محمد اور آل ابراہیم کا ذکر اصل حدیث میں ثابت ہے۔ دراصل بعض راویوں کو تمام الفاظ یاد رہے اور بعض کو وہ یاد نہ رہ سکے''۔

اللهم صل على محمد کا ترجمہ علامہ حلیمی رحمہ اللہ نے یوں کیا ہے:

"أي عظّمه في الدنيا بإعلاء ذكره، وإظهار دينه، وإيفاء شريعته، وفي الآخرة بإجزال مثوبته، وتشفيعه في أمته وإبداء فضيلته بالمقام المحمود"(٤٤)۔

یعنی: ''تو ان کو عظمت عطا فرما، دنیا میں ان کا ذکر بلند کر کے، ان کے دین کو

(٤١) قال البيهقي: فيه إشارة إلى السلام الذي في التشهّد وهو قول "السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته" فيكون المراد بقولهم "فكيف نصلي عليك" أي بعد التشهّد. فتح الباري: ١١/١٥٥

(٤٢) صحيح البخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، رقم: ١٠، رقم الحديث: ٣٣٧٠

(٤٣) فتح الباري: ١١/١٥٦

(٤٤) فتح الباري: ١١/١٥٦

غالب کر کے، اور ان کی شریعت کو کامل کر کے اور آخرت میں ان کو بے پایاں ثواب عطا فرما کے، امت کے حق میں ان کی شفاعت قبول کر کے اور مقام محمود کے ذریعے ان کی فضیلت کا اظہار کر کے"۔

إنك حميد مجيد: حمید بمعنی محمود ہے، ستودہ صفات، مجید: مجد و بزرگی والا، یہ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں۔

٥٩٩٧ : حدّثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ : حَدَّثَنَا ٱبْنُ أَبِي حازِمٍ وَٱلدَّرَاوَرْدِيُّ ، عَنْ يَزِيدَ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ خَبَّابٍ ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ قالَ : قُلْنَا : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، هٰذَا السَّلَامُ عَلَيْكَ ، فَكَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ ؟ قالَ : (قُولُوا : اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى محمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ ، كما صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ ، وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ ، وَعَلَى آلِ مُحمَّدٍ ، كما بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَآلِ إِبْرَاهِيمَ) . [ر: ٤٥٢٠]

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم آپ کو سلام کرنا تو جانتے ہیں، لیکن آپ پر درود کس طرح بھیجیں، آپ نے فرمایا کہ اس طرح کہو: "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى محمدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ، كما صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ، وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ، وَعَلَى آلِ مُحمَّدٍ، كما بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَآلِ إِبْرَاهِيمَ"۔

ابن ابی حازم کا نام عبدالعزیز ہے اور ابو حازم کا نام سلمہ بن دینار ہے، دراوردی کا نام بھی عبدالعزیز بن محمد ہے (۴۵)۔

٣٢ – باب : هَلْ يُصَلَّى عَلَى غَيْرِ النَّبِيِّ ﷺ .

وَقَوْلُ ٱللهِ تَعَالَى : «وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ» /التوبة: ١٠٣/ .

٥٩٩٨ : حدّثنا سُلَيْمانُ بْنُ حَرْبٍ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ ، عَنِ ٱبْنِ أَبِي أَوْفَى

(٤٥) إرشاد الساري: ١٣/٣٥٨

قَالَ : كَانَ إِذَا أَتَى رَجُلٌ النَّبِيَّ ﷺ بِصَدَقَتِهِ قَالَ : (اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ). فَأَتَاهُ أَبِي بِصَدَقَتِهِ ، فَقَالَ : (اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى آلِ أَبِي أَوْفَى) . [ر : ١٤٢٦]

حضرت ابن اوفیٰ سے روایت ہے کہ جب کوئی شخص نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس صدقہ لے کر آتا تو آپ فرماتے: اللهم صل عليه چنانچہ میرے والد جب صدقہ لے کر آپ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا اللهم صل على آل أبي أوفى یعنی اے اللہ ابی اوفیٰ کی اولاد پر رحمت نازل فرما۔

٥٩٩٩ : حدّثنا عَبْدُ ٱللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ ، عَنْ مالِكٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ قالَ : أَخْبَرَنِي أَبُو حُمَيْدٍ السَّاعِدِيُّ أَنَّهُمْ قالُوا : يَا رَسُولَ ٱللَّهِ ، كَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ ؟ قالَ : (قُولُوا : اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى محمَّدٍ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ ، كما صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ ، وَبَارِكْ عَلَى محمَّدٍ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ ، كما بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ) . [ر : ٣١٨٩]

حضرت ابوحمید ساعدیؓ سے روایت ہے کہ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم کس طرح آپ پر درود بھیجیں، آپ نے فرمایا کہ اس طرح کہو: "اللهم صل على محمد وأزواجه وذريته كما صليت على ابراهيم وبارك على محمد وأزواجه وذريته كما باركت على ابراهيم انك حميد مجيد".

غیر نبی پر درود بھیجنے کا حکم

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ حضرات انبیاء، ملائکہ اور عام مؤمنین پر درود بھیجا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، "هل" کلمۂ استفہام ذکر کرکے امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے(۱) ۔ اس میں تین مذاہب مشہور ہیں:

---

(۱) عمدة القاري: ۳۰۸/۲۲، وفتح الباري: ۱۶۵/۱۱

❶ پہلا مذہب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے انبیاء اور ملائکہ اور مؤمنین پر درود مطلقاً بھیجا جا سکتا ہے، مستقلاً بھی اور تبعاً بھی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی مسلک کو اختیار کیا ہے کیونکہ انہوں نے جو آیت کریمہ اور روایاتِ باب ذکر فرمائی ہیں، ان میں ''غیر نبی'' پر صلوۃ کا حکم اور ذکر ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی آیت کریمہ میں اللہ جل شانہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خطاب کر کے فرمایا، ﴿صل علیهم إن صلاتك سكن لهم﴾ یعنی مؤمنین کے لئے رحمت کی دعا کریں کیونکہ آپ کی دعا ان کے لئے باعث طمانیت وسکون ہے، اس آیت میں مؤمنین پر صلوۃ بھیجنے کا حکم وارد ہے۔ معلوم ہوا غیر نبی پر صلوۃ بھیج سکتے ہیں۔

باب کے اندر امام بخاری رحمہ اللہ نے جو دو روایتیں ذکر فرمائی ہیں، ان میں پہلی روایت میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابن ابی اوفی کے بارے میں فرمایا: "اللهم صلّ على آل أبي أوفى" جس سے غیر نبی پر مستقلاً صلوۃ بھیجنے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

اور دوسری روایت میں صلوة على النبي وعلى غير النبي دونوں کا ذکر ہے، جس سے غیر نبی پر تبعاً صلوۃ بھیجنے کا جواز معلوم ہوتا ہے (٢)۔

❷ دوسرا مسلک یہ ہے کہ غیر نبی پر مستقلاً صلوۃ بھیجنا جائز نہیں اور تبعاً بھی مطلقاً جائز نہیں، صرف جن نصوص کے اندر تبعاً غیر نبی پر صلوۃ بھیجا گیا ہے، ان ماثور نصوص کی حد تک جائز ہے، امام احمد رحمہ اللہ کا ایک قول اسی کے مطابق ہے (٣)۔

❸ تیسرا مسلک حضرات حنفیہ اور جمہور علماء کا ہے کہ غیر نبی پر مستقلاً درود بھیجنا تو جائز نہیں، لیکن تبعاً جائز ہے (٤) کیونکہ درود شریف کی کئی روایتوں کے اندر تبعاً صلوۃ علی غیر النبی وارد ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے: "صلوا على أنبياء الله" (٥)۔ یعنی اللہ کے نبیوں پر درود بھیجا کرو، لیکن جمہور کے نزدیک یہ حکم مستقلاً نہیں بل کہ تبعاً ہے کیونکہ ابن ابی شیبہ نے سند صحیح کے

---

(٢) عمدة القاري: ٢٢/٣٠٨، وفتح الباري: ١١/١٦٩

(٣) فتح الباري: ١١/١٧٠

(٤) فتح الباري: ١١/١٧٠

(٥) عمدة القاري: ٢٢/٣٠٩، وفتح الباري: ١١/١٧٠

ساتھ حضرت ابن عباسؓ کی روایت نقل فرمائی ہے: "ما أعلم الصلوة تنبغي على أحد من أحد إلا على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "(٦)۔ یعنی: "اگر کسی کا کسی پر درود بھیجنا جائز ہے تو وہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے، کس اور پر درود بھیجنے کے جواز کا مجھے علم نہیں"۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے جو استدلال کیا ہے، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ حکم اللہ کے رسول کے ساتھ خاص تھا کہ وہ جس کے لئے چاہیں، اس کے لئے صلوۃ ودعا کریں، لیکن دوسرے لوگوں کو یہ اختیار نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ابن ابی اوفی کے حق میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ، کسی اور نے صلوۃ کا لفظ استعمال نہیں کیا، بل کہ صحابی ہونے کی وجہ سے "رضی اللہ عنہ" کا جملہ ان کے لئے استعمال کیا جاتا رہا ہے(۷)۔

٣٣ – باب : قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: (مَنْ آذَيْتُهُ فَاجْعَلْهُ لَهُ زَكَاةً وَرَحْمَةً) .

٦٠٠٠ : حدَّثنا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ : حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ : أَخْبَرَنِي يُونُسُ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ : أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ : أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ : (اللَّهُمَّ فَأَيُّمَا مُؤْمِنٍ سَبَبْتُهُ ، فَاجْعَلْ ذٰلِكَ لَهُ قُرْبَةً إِلَيْكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ) .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ یا اللہ جس ایماندار کو میں نے برا بھلا کہا ہو، تو قیامت کے دن اس کو اس کے لئے قربت کا ذریعہ بنا۔

فأيما مؤمن سببته ......

فأيما میں فاء جزائیہ ہے اور شرط یہاں محذوف ہے، جس پر سیاقِ کلام دلالت کر رہا ہے، أي: "إن كنتُ سببت مؤمنا".

---

(٦) أخرجه ابن أبي شيبة في مصنفه: ٤٧/٦، رقم الحديث: ٨٨٠٨

(٧) تاريخ بغداد للخطيب البغدادي: ١٠٥/٨

(٦٠٠٠) الحديث أخرجه مسلم في كتاب البرّ والصلة، باب: من لعنه النبي صلى الله عليه وسلم، أوسبّه، أودعا عليه –وليس هو أهلاً لذلك– كان له زكاةً وأجراً ورحمةً: ٢٠٠٨/٤ (رقم الحديث: ٢٦٠١)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کا حاصل یہ ہے کہ مؤمنین میں جس کو میں نے ڈانٹا ہو اور طبعی غصہ کی وجہ سے کبھی برا بھلا کہا ہو اور وہ درحقیقت اس کا مستحق نہ ہو تو اے اللہ! تو میری اس تنبیہ اور ڈانٹ ڈپٹ کو اس کے لئے آخرت کے اندر باعثِ تزکیہ اور باعثِ اجر وثواب بنادیں۔ یہاں روایت اگرچہ مطلق ہے کہ "جس شخص کو بھی میں نے ایذا دی ہو" لیکن مراد ہر شخص نہیں، بل کہ وہ شخص ہے جو اس ڈانٹ اور تنبیہ کا مستحق نہ ہو، چنانچہ صحیح مسلم کی روایت میں "ليس لها بأهل" کی قید وارد ہے!

صحیح مسلم کے اندر حضرت انسؓ کی روایت ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إنما أنا بشر أرضى كما يرضى البشر، وأغضب كما يغضب البشر، فأيما أحد دعوت عليه من أمتي بدعوة ليس لها بأهل أن تجعلها له طهورا، وزكوة، وقربة تقربه بها يوم القيامة"(۸)۔

یعنی: "میں ایک انسان ہوں، اور انسانوں ہی کی طرح میں بھی کبھی راضی اور کبھی ناراض ہو جاتا ہوں اور غصہ آجاتا ہے، چنانچہ اگر کسی امتی کے لئے میں نے بددعا کی ہو اور وہ اس کا سزاوار نہیں تھا تو اے اللہ! اس دعا کو اس کے لئے قیامت میں پاکیزگی اور اپنی قربت کا ذریعہ بنادیں"۔

اور ایک روایت میں ہے: "اللهم إنما محمد بشر يغضب كما يغضب البشر" (اے اللہ! محمد ایک بشر ہے اور بشر ہی کی طرح اسے بھی غصہ آجاتا ہے)۔

حدیث باب، امام مسلم رحمہ اللہ نے کتاب البر والصلۃ میں نقل فرمائی ہے(۹)۔

حدیث کے اندر "ليس لها بأهل" کا مطلب یہ ہے کہ ظاہری حالت میں تو وہ تنبیہ کا مستحق تھا، لیکن حقیقت میں اس کا مستحق نہیں تھا، عدم استحقاق کی ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ وہ بالکلیہ مستحق نہیں تھا، دوسری صورت یہ ہے کہ استحقاق سے بڑھ کر سختی کی گئی، دونوں صورتوں میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے لئے دعا مانگی ہے(۱۰)۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا امت پر کمال درجے شفقت کی دلیل ہے۔

---

(۸) صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والأدب، باب من لعنة النبيّ أو سبه أمر دعا عليه، وليس له أهلاً للذلك، كان له زكاة وأجراً ورحمة، رقم: ٦٦٢٧

(۹) صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب من لعنه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أوسبه أودعا عليه ...... رقم: ٦٦٢٧

(۱۰) فتح الباري: ١١/١٧٠

٣٤ – باب : التَّعَوُّذِ مِنَ الْفِتَنِ .

٦٠٠١ : حدّثنا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ : حَدَّثَنَا هِشَامٌ ، عَنْ قَتَادَةَ ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ : سَأَلُوا رَسُولَ ٱللّٰهِ ﷺ حَتَّى أَحْفَوْهُ الْمَسْأَلَةَ ، فَغَضِبَ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ ، فَقَالَ : (لَا تَسْأَلُونِي الْيَوْمَ عَنْ شَيْءٍ إِلَّا بَيَّنْتُهُ لَكُمْ) . فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ يَمِينًا وَشِمالاً ، فَإِذَا كُلُّ رَجُلٍ لَافٌّ رَأْسَهُ فِي ثَوْبِهِ يَبْكِي ، فَإِذَا رَجُلٌ ، كانَ إِذَا لَاحَى الرِّجَالَ يُدْعَى لِغَيْرِ أَبِيهِ ، فَقَالَ : يَا رَسُولَ ٱللّٰهِ مَنْ أَبِي ؟ قالَ : (حُذَافَةُ) . ثُمَّ أَنْشَأَ عُمَرُ فَقَالَ : رَضِينَا بِٱللّٰهِ رَبًّا ، وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا ، وَبِمُحَمَّدٍ ﷺ رَسُولاً ، نَعُوذُ بِٱللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ ، فَقَالَ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ : (ما رَأَيْتُ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ كالْيَوْمِ قَطُّ ، إِنَّهُ صُوِّرَتْ لِي الْجَنَّةُ وَالنَّارُ ، حَتَّى رَأَيْتُهُمَا وَرَاءَ الْحَائِطِ) .

وَكانَ قَتَادَةُ يَذْكُرُ عِنْدَ هٰذَا الْحَدِيثِ هٰذِهِ الْآيَةَ : «يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ» . [٦٦٧٨ ، وانظر : ٤٣٤٥]

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ پوچھنا شروع کیا جب لوگ بہت زیادہ سوال کرنے لگے تو آپ کو غصہ آ گیا اور منبر پر چڑھ کر فرمایا آج تم مجھ سے جو بھی پوچھو گے میں اس کو کھول کر بیان کردوں گا، راوی کا بیان ہے کہ میں دائیں بائیں نظر دوڑا کر دیکھنے لگا، تو نظر آیا کہ ہر شخص اپنے کپڑے میں منہ لپیٹے ہوئے ہے اور رو رہا ہے، ان میں ایک آدمی ایسا بھی تھا جس کو لوگ لڑائی کے وقت اس کے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف منسوب کرتے تھے۔ چنانچہ اس نے پوچھا: یارسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا حذافہ! پھر عمر کہنے لگے: رضینا باللہ ربا...... یعنی ہم اللہ کے رب ہونے اور اسلام کے دین ہونے اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر راضی ہوئے اور ہم فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے آج کی طرح کبھی خیر وشر نہیں دیکھا، میرے سامنے جنت اور جہنم کی صورت پیش کی گئی، یہاں تک کہ میں نے ان دونوں کو دیوار کے پیچھے دیکھا اور قتادہ اس حدیث کے بیان کرنے کے وقت یہ آیت بھی بیان کرتے تھے.

﴿یا یها الذین امنوا لاتسألوا عن اشیاء ان تبدلکم تسؤ کم﴾
فتن، فتنہ کی جمع ہے، فتنہ، آزمائش اور امتحان کو کہتے ہیں۔

٣٥ - باب : التَّعَوُّذِ مِنْ غَلَبَةِ الرِّجالِ .

٦٠٠٢ : حدّثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ : حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ ، عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو ، مَوْلَى المطَّلِبِ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ حَنْطَبٍ : أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ : قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ لِأَبِي طَلْحَةَ : (ٱلْتَمِسْ لَنَا غُلَامًا مِنْ غِلْمَانِكُمْ يَخْدُمُنِي) . فَخَرَجَ بِي أَبُو طَلْحَةَ يُرْدِفُنِي وَرَاءَهُ ، فَكُنْتُ أَخْدُمُ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ كُلَّمَا نَزَلَ ، فَكُنْتُ أَسْمَعُهُ يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ : (اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالحَزَنِ ، وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ ، وَالْبُخْلِ ، وَالْجُبْنِ ، وَضَلَعِ ٱلدَّيْنِ ، وَغَلَبَةِ الرِّجالِ) . فَلَمْ أَزَلْ أَخْدُمُهُ حَتَّى أَقْبَلْنَا مِنْ خَيْبَرَ ، وَأَقْبَلَ بِصَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيٍّ قَدْ حازَهَا ، فَكُنْتُ أَرَاهُ يُحَوِّي وَرَاءَهُ بِعَبَاءَةٍ أَوْ كِسَاءٍ ثُمَّ يُرْدِفُهَا وَرَاءَهُ ، حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالصَّهْبَاءِ صَنَعَ حَيْسًا فِي نِطَعٍ ، ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَدَعَوْتُ رِجالاً فَأَكَلُوا ، وَكانَ ذٰلِكَ بِنَاءَهُ بِهَا ، ثُمَّ أَقْبَلَ حَتَّى بَدَا لَهُ أُحُدٌ ، قالَ : (هٰذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ) . فَلَمَّا أَشْرَفَ عَلَى المَدِينَةِ قالَ : (اللَّهُمَّ إِنِّي أُحَرِّمُ ما بَيْنَ جَبَلَيْهَا ، مِثْلَ ما حَرَّمَ بِهِ إِبْرَاهِيمُ مَكَّةَ ، اللَّهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي مُدِّهِمْ وَصَاعِهِمْ) . [ر : ٢٧٣٢]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوطلحہؓ سے فرمایا: اپنے لڑکوں میں سے ایک لڑکا میری خدمت کے لئے دے دو، چنانچہ ابوطلحہؓ مجھ کو اپنے پیچھے سوار کر کے لے گئے چنانچہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت کرنے لگا۔ جب بھی آپ اترتے تو میں آپ کو اکثر یہ فرماتے ہوئے سنتا کہ ألـلهـم إنـي أعوذبك من الهم والحزن والعجز والكسل والبخل والجبن وضلع الـديـن وغـلبة الرجال۔ میں برابر آپ کی خدمت میں رہا یہاں تک کہ ہم جب خیبر سے واپس ہوئے تو آپ نے صفیہؓ بنت حیی کو ساتھ لے کر جن سے نکاح کیا تھا، میں آپ کو دیکھ رہا تھا، کہ اپنی چادر یا کمبل کا پردہ کر کے اپنے پیچھے ان کو سوار کر لیتے تھے، یہاں تک کہ ہم جب مقام صہبا میں پہنچے تو آپ نے حیس تیار کرا کر اس کو دسترخوان پر رکھوایا، پھر مجھے بھیجا،

تو میں لوگوں کو بلا کر لے آیا۔ لوگوں نے کھانا کھایا، یہ ولیمہ کی دعوت تھی، پھر وہاں سے آگے بڑھے یہاں تک کہ جب احد پہاڑ نظر آیا، تو فرمایا یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم بھی اسے محبوب رکھتے ہیں، جب مدینہ کے قریب پہنچے تو فرمایا: یا اللہ! میں اس کے دونوں پہاڑوں کے درمیان کی زمین کو حرم قرار دیتا ہوں، جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا، اے اللہ! مدینہ والوں کو ان کے مد میں اور ان کے صاع میں برکت عطا فرما۔

اللهم إني أعوذبك من الهم والحزن والعجز والكسل......

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس میں چند چیزوں سے پناہ مانگی ہے، ایک ھمّ سے، ھمّ غم کو کہتے ہیں اور بعضوں نے کہا ھمّ ایسے غم کو کہتے ہیں کہ جس کی وجہ معلوم نہ ہو اور جس میں دل مضطرب اور بے چین ہو(۱۱)۔

حزن: (حاء اور زاء کے فتحے کے ساتھ اور حاء کے ضمہ اور زاء کے سکون کے ساتھ) بمعنی غم ہے، ھم اور حزن میں فرق یہ ہے کہ حزن کا تعلق ماضی سے ہے، یعنی کوئی واقعہ ہو گیا، اس کی وجہ سے جو غم لاحق ہوتا ہے، اسے حزن کہتے ہیں اور ھم کا تعلق مستقبل سے ہے کہ کسی چیز کے وقوع یا عدم وقوع کا اندیشہ ہو(۱۲)۔

ضلع الدین: قرض کا بوجھ، خاص کر جب قرض خواہ مطالبہ کرتا ہو اور مقروض کے پاس ادائیگی قرض کا انتظام نہ ہو، اس کی وجہ سے جو بوجھ اور فکر لاحق ہوتی ہے، وہ مراد ہے، اگر قرض کی ادائیگی کا بندوبست ہے تو ایسے قرض سے پناہ نہیں مانگی گئی، بعض اسلاف سے منقول ہے کہ قرض کی ادائیگی کا انتظام نہیں ہے اور قرض خواہ مطالبہ کر رہا ہے تو اس کی وجہ سے انسان کو ایسی فکر لاحق ہو جاتی ہے جو عقل وشعور کو ماؤف کر دیتی ہے(۱۳)، اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس سے حفاظت فرمائے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے پناہ مانگی ہے۔

---

(۱۱) وفي مجمع بحار الأنوار: ١٧٠/٥: الهم: حزن يذيب الإنسان فهو أخص من الحزن، وقيل: هو بالآتي، والحزن بالماضي.

(۱۲) إرشاد الساري: ٣٦٤/١٣

(۱۳) فتح الباري: ١٧٤/١١

غلبة الرجال: لوگوں کے غالب آنے سے بھی پناہ مانگی گئی ہے کہ آدمی اس قدر کمزور اور بے بس ہو جاتا ہے کہ ہر شخص کو چڑھائی کا موقع ملے اور ہر ایک کے ظلم کا تختہ مشق بنتا رہے۔

اس دعا میں ایک لطیف اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ قرض کا بوجھ انسان پر کسل اور سستی کی وجہ سے آجاتا ہے جو شخص اپنے دنیوی معاملات میں دیانت داری اور چستی و محنت سے کام کرے گا، وہ قرض کے بوجھ تلے نہیں آئے گا، اسی طرح جبن یعنی بزدلی اور قرض، غلبۃ الرجال یعنی آدمی پر لوگوں کے غلبے کا سبب بن جاتے ہیں اور ایسی حالت میں انسان ہر ایک سے مغلوب رہنے لگتا ہے۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"هذا الدعاء من جوامع الكلم؛ لأن أنواع الرذائل ثلاثة: نفسانية وبدنية وخارجية، فالأولى بحسب القُوَى التي للإنسان، وهي ثلاثة: العقليةُ والغضبيةُ والشهوانية، فالهم والحزن يتعلق بالعقلية، والجبن بالغضبية، والبخل بالشهوانية، والعَجز والكسَل بالبدنية والثاني يكون عند سلامة الأعضاء وتمام الآلات والقوى، والأول عند نقصان عضو ونحوه، والضلع والغلبة بالخارجية، فالأول مالي، والثاني جاهي، والدعاء مشتمل على جميع ذلك"(۱۵)۔

یعنی: "یہ دعا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان مبارک کلمات میں سے ایک ہے جنہیں "جوامع الکلم" کہا جاتا ہے جو مختصر ہونے کے باوجود اپنے اندر معانی کا ایک جہاں رکھتے ہیں، درحقیقت رذائل کی تین قسمیں ہیں، نفسانیہ، بدنیہ اور خارجیہ، پھر نفسانی رذائل انسانی قوتوں کے اعتبار سے بھی تین قسموں پر مشتمل ہیں، عقلیہ، غضبیہ اور شہوانیہ، چنانچہ ہم اور حزن کا تعلق قوت عقلیہ سے ہیں، جبن کا تعلق قوت غضبیہ سے ہے اور بخل کا تعلق قوت شہوانیہ سے ہے اور عجز و کسل کا تعلق بدنیہ سے ہے، عجز کی صورت میں اعضاء کے اندر کوئی نقصان ہوتا ہے اور کسل کی صورت میں اعضاء سالم ہوتے ہیں لیکن

(۱۵) شرح الكرماني: ۲۱/۱۵۹

چستی مفقود ہوتی ہے اور ضلع دین اور غلبۃ الرجال کا تعلق قوی خارجیہ سے ہے، پہلا مالی اور دوسرا جاہ ورتبہ سے متعلق ہے اور مذکورہ دعا ان سب پر مشتمل ہے''۔

٣٦ – باب : التَّعَوُّذِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ .

٦٠٠٣ : حدّثنا الحُمَيْدِيُّ : حَدَّثَنَا سُلَيْمانُ : حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ قالَ : سَمِعْتُ أُمَّ خالِدٍ بِنْتَ خالِدٍ ، قالَ : وَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا سَمِعَ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ غَيْرَهَا ، قالَتْ : سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَتَعَوَّذُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ . [ر : ١٣١٠]

حضرت خالدؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عذاب قبر سے پناہ مانگتے ہوئے سنا، موسیٰ بن عقبہ نے کہا کہ ام خالد کے سوا میں نے کسی کے متعلق نہیں سنا کہ اس نے یہ حدیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عذاب قبر سے پناہ مانگی ہے، یہ حدیث منکرین عذابِ قبر پر حجت ہے(١٦)۔

٦٠٠٤ : حدّثنا آدَمُ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ : حَدَّثَنَا عَبْدُ المَلِكِ ، عَنْ مُصْعَبٍ : كانَ سَعْدٌ يَأْمُرُ بِخَمْسٍ ، وَيَذْكُرُهُنَّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ كانَ يَأْمُرُ بِهِنَّ : (اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ ، وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا – يَعْنِي فِتْنَةَ الدَّجَّالِ – وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ) . [ر : ٢٦٦٧]

حضرت مصعب سے روایت ہے کہ سعد پانچ باتوں سے پناہ مانگنے کا حکم دیتے تھے اور ان پانچ باتوں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے تھے کہ آپ ان باتوں سے پناہ مانگتے تھے (آپ فرماتے تھے کہ) اللهم إني أعوذبك من البخل وأعوذبك من الجبن وأعوذبك أن أرد إلى أرذل العمر وأعوذبك من فتنة الدنيا يعني فتنة الدجال وأعوذبك من عذاب القبر.

(١٦) فتح الباري: ٣/ ٤١٤

٦٠٠٥ : حدّثنا عُثْمانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ : حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ، عَنْ مَنْصُورٍ ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ ، عَنْ مَسْرُوقٍ ، عَنْ عائِشَةَ قالَتْ : دَخَلَتْ عَلَيَّ عَجُوزَانِ مِنْ عُجُزِ يَهُودِ المَدِينَةِ ، فَقَالَتَا لِي : إِنَّ أَهْلَ القُبُورِ يُعَذَّبُونَ فِي قُبُورِهِمْ ، فَكَذَّبْتُهُمَا ، وَلَمْ أُنْعِمْ أَنْ أُصَدِّقَهُمَا ، فَخَرَجَتَا ، وَدَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ ، فَقُلْتُ لَهُ : يَا رَسُولَ اللهِ ، إِنَّ عَجُوزَيْنِ ، وَذَكَرْتُ لَهُ ، فَقَالَ : (صَدَقَتَا ، إِنَّهُمْ يُعَذَّبُونَ عَذَابًا تَسْمَعُهُ الْبَهَائِمُ كُلُّهَا) . فَمَا رَأَيْتُهُ بَعْدُ فِي صَلَاةٍ إِلَّا تَعَوَّذَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ .

[ر : ۹۹۷]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میرے پاس یہود مدینہ کی دو بوڑھی عورتیں آئیں ان دونوں نے مجھ سے کہا کہ قبر والے اپنی قبروں میں عذاب دیئے جاتے ہیں تو میں نے ان کی تکذیب کی، اور اچھا نہیں سمجھا کہ ان کی تصدیق کروں چنانچہ وہ دونوں چلی گئیں، پھر میرے پاس نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے، میں نے آپ سے عرض کیا یارسول اللہ! دو بوڑھی عورتیں آئیں تھیں، اور آپ سے سارا واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا ان دونوں نے ٹھیک کہا بے شک (لوگ) قبروں میں عذاب دیئے جاتے ہیں، جنہیں تمام چوپائے سنتے ہیں چنانچہ اس کے بعد میں نے آپ کو ہر نماز میں عذاب قبر سے پناہ مانگتے ہوئے دیکھا۔

صرف مستملی کے نسخے میں یہاں باب ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے دو وجہ سے غلط قرار دیا، ایک اس لئے کہ پہلی حدیث میں اگرچہ بخل کا ذکر ہے، لیکن تین ابواب کے بعد بعینہ امام نے یہی باب قائم کیا ہے، دوم اس لئے کہ دوسری حدیث میں بخل کا سرے سے ذکر نہیں ہے، بل کہ اس میں صرف عذاب قبر کا تذکرہ ہے، اس لئے یہ دونوں روایتیں، باب التعوذ من عذاب القبر ہی کا حصہ ہیں (۱۷)۔

٣٧ – باب : التَّعَوُّذِ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ .

٦٠٠٦ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ قالَ : سَمِعْتُ أَبِي قالَ : سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مالِكٍ

(۱۷) فتح الباري: ۱۱/۱۷٤

رَضِيَ اَللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ : كَانَ نَبِيُّ اَللّٰهِ ﷺ يَقُولُ : (اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ ، وَالْجُبْنِ وَالهَرَمِ ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ) .

[ر : ۲٦٦٨]

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے تھے: ألـلهـم إني أعوذبك من العجزو الكسل والجبن والهرم وأعوذبك من عذاب القبر وأعوذبك من فتنة المحيا والممات (میں تیری پناہ مانگتا ہوں، عجز، سستی، بزدلی اور بہت زیادہ بڑھاپے سے اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں عذاب قبر سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں زندگی اور موت کے فتنہ سے)۔

فتنہ محیا وممات کا مطلب

محیا اور ممات، مَفْعَل کے وزن پر دونوں مصدر ہیں، زندگی اور موت کے معنی میں ہیں فتنہ محیا سے مراد وہ فتنے ہیں جو کسی انسان کو زندگی میں پیش آسکتے ہیں، جو اس کے دین ودنیا کے لئے مضر اور نقصان کا سبب بن سکتے ہیں اور ''فتنہ ممات'' سے فتنہ قبر یعنی قبر کے اندر کی آزمائش مراد ہوسکتی ہے اور اس سے موت کے قریب انسان کو پیش آنے والا فتنہ بھی مراد ہوسکتا ہے، مثلاً برا خاتمہ اور بری حالت پر موت (۱۸)۔

حدیث باب اسی سند اور متن کے ساتھ کتاب الجہاد میں گزر چکی ہے (۱۹)۔

۳۸ – باب : التَّعَوُّذِ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ .

مأثم کے معنی گناہ اور مغرم کے معنی قرض کے ہیں۔

٦٠٠٧ : حدَّثنا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ : حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ

---

(۱۸) قـال القسطلاني: "فتنة المحيا" مما يعرض للإنسان في مدة حياته من الافتتان بالدنيا وشهواتها وجهالاتها وأعظمها ــ والعياذ بالله ــ سوء الخاتمة عند الموت، وفتنة الممات، قيل: فتنة القبر كسؤال الملكين، والمراد من شرّ ذلك، وإلا فـأصـل السؤال واقع لامحالة فلا يدعى برفعه، فيكون عذاب القبر مسبباً عن ذلك، والسبب غير المسبب، وقيـل: المراد الفتنة قبيل الموت وأضيفت إلى الموت لقربها منه، وحنيئذ تكون فتنة المحيا قبل ذلك، وقيل: غير ذلك، والمحيا والممات مصدران بالإضافة على وزن مفعل". إرشاد الساري: ۱۳/۳٦۷

(۱۹) صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب مايتعوذ من الجبن، رقم الحديث: ۲۸۲۳

عائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كانَ يَقُولُ : (اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ ، وَالْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ ، وَعَذَابِ الْقَبْرِ ، وَمِنْ فِتْنَةِ النَّارِ وَعَذَابِ النَّارِ ، وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْغِنَى ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْفَقْرِ ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ ، اللَّهُمَّ اغْسِلْ عَنِّي خَطَايَايَ بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ ، وَنَقِّ قَلْبِي مِنَ الْخَطَايَا كما نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْأَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ ، وَبَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كما بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ) . [٦٠١٤ - ٦٠١٦]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعا فرماتے تھے کہ اللهم إني أعوذبك ......یعنی اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں سستی اور بڑھاپے اور گناہ اور قرض اور قبر کی آزمائش اور عذاب قبر اور آگ کی آزمائش اور آگ کے عذاب سے اور فتنہ مالداری کے شر سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں فتنہ فقر سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں مسیح دجال کے فتنہ سے یا اللہ تو مجھ سے میرے گناہوں کو برف اور اولے کے پانی سے دھو دے اور میرے دل کو گناہوں سے صاف کر دے جس طرح تو نے سفید کپڑے کو گندگی سے صاف کیا اور میرے اور میرے گناہوں کے درمیان ویسی ہی دوری کر دے، جیسی دوری تو نے مشرق و مغرب میں کی ہے۔

حدیث کے اندر "من شر فتنة الغنى" اور "من فتنة الفقر" کے الفاظ ہیں، یعنی غنی کے ساتھ "شر" کا لفظ ہے اور فقر کے ساتھ نہیں۔

بعض شارحین نے کہا کہ غنی کے ساتھ شر کا لفظ ذکر کر کے اس کی شناعت کی طرف اشارہ کیا ہے اور بتلایا ہے "مالداری کے فتنہ" کا شر زیادہ خطرناک اور تباہ کن ہے (۲۰)۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "شر" کا لفظ دونوں جگہ ہے، اگرچہ اس روایت میں نہیں، لیکن آگے روایت آرہی ہے، اس میں "من شر فتنة الفقر" کے الفاظ ہیں، اس لئے اس نکتے کی حاجت نہیں رہتی (۲۱)۔

---

(٢٠) شرح الكرماني: ٢٢/١٦٢، ١٦٣

(٢١) فتح الباري: ١١/١٧٧

اللهم اغسل عني خطاياي بماء الثلج

علامہ تورپشتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ذكر أنواع المطهرات المنزلة من السماء التي لايمكن حصول الطهارة الكاملة إلا بها؛ تبيانا لأنواع المغفرة التي لاتخلّص من الذنوب إلا بها. أي: طهرني من الخطايا بأنواع مغفرتك التي هي في تمحيص الذنوب بمثابة هذه الأنواع الثلاثة في إزالة الأرجاس والأوضار ورفع الجناية والأحداث"(٢٢)۔

یعنی: "رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس دعا میں تطہیر کے وہ تمام ذرائع ذکر فرمائے جو آسمان سے اترتے ہیں اور ان کے بغیر کامل پاکی کا حصول ممکن نہیں، اس سے ان کی غرض مغفرت کی ان تمام انواع کو بیان کرنا ہے جن کے بغیر گناہوں سے پاکی اور خلاصی ممکن نہیں۔ یعنی اے اللہ! تو مجھے اپنی مغفرت کے ان تمام انواع کے ذریعے گناہوں سے پاک کردے جو گناہوں کو ختم کرنے میں ایسی ہیں جس طرح پاکی کے یہ ذرائع گندگیوں، جنابت اور ناپاکیوں کو ختم کرتے ہیں"۔

اور علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ويمكن أن يقال: إن ذكر الثلج والبرد بعد ذكر الماء المطلوب منهما شمول أنواع الرحمة بعد المغفرة؛ لإطفاء حرارة عذاب النار التي هي في غاية الحرارة؛ لأن عذاب النار تقابله الرحمة .... أي: اغسل خطاياي بالماء أي: اغفرها وزد على الغفران شمول الرحمة"(٢٣)۔

یعنی: "یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ پانی کے بعد برف اور اولوں کے ذکر سے مقصود مغفرت کے بعد تمام انواع رحمت کا احاطہ کرنا ہے، نیز ان دونوں کا ذکر پانی کے بعد اس

(٢٢) كتاب الميسر، كتاب الصلوة، باب مايقرء بعد التكبير: ١/٢٣٣

(٢٣) شرح الطيبي، كتاب الصلوة، باب مايقرء بعد التكبير: ٢/٢٩٦

لئے بھی کیا گیا تا کہ عذاب جہنم کی انتہائی درجے کی حرارت کو بجھایا اور ختم کیا جا سکے...... تو مطلب یہ ہوا کہ اے اللہ! تو پانی سے میرے گناہوں کو دھو یعنی تو یہ گناہ معاف فرمادے اور معافی کے ساتھ ساتھ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ دے"۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

بماء الثلج والبرد: اس پر اشکال کیا گیا ہے کہ عموماً جب تطہیر اور صفائی دھلائی میں مبالغہ مقصود ہوتا ہے تو گرم پانی استعمال ہوتا ہے، ٹھنڈا پانی استعمال نہیں کیا جاتا تو یہاں "ماء الثلج والبرد" مبالغہ فی التطہیر کے لئے کیونکر استعمال کیا گیا؟

علامہ خطابی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ دراصل ثلج اور برد یعنی برف اور اولے کے پانی کو ہاتھ نہیں لگا ہوتا ہے اور وہ بالکل شفاف غیر مستعمل ہوتا ہے، اس پہلو سے اس میں تطہیر زیادہ ہوتی ہے (٢٣☆)۔

٣٩ - باب: الْاِسْتِعَاذَةِ مِنَ الْجُبْنِ وَالْكَسَلِ.

«كُسَالَى» /النساء: ١٤٢/ : وَكَسَالَى وَاحِدٌ.

٦٠٠٨ : حدّثنا خالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ: حَدَّثَنَا سُلَيْمانُ قالَ: حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ أَبِي عَمْرٍو قالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا قالَ: كانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ: (اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالحَزَنِ، وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ، وَالجُبْنِ وَالْبُخْلِ، وَضَلَعِ الدَّيْنِ، وَغَلَبَةِ الرِّجالِ). [ر: ٢٦٦٨]

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعا میں کہتے تھے: ألـلـهـم إنـي أعـوذبك...... یعنی اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں غم وحزن اور عجز و سستی اور بزدلی وبخل اور قرض کی گراں باری اور لوگوں کے غلبہ سے۔

(٢٣☆) أعلام الحديث، كتاب الدعوات، باب التعوذ من المأثم والمغرم: ٤/٢٢٤٠

كُسالى و كَسالى واحد

یہ قرآن کی آیت کریمہ میں واقع ہے"ان المنافقين يخادعون الله وهو خادعهم واذا قاموا إلى الصلوة قاموا كسالىٰ يراء ون الناس ولايذكرون الله الا قليلا"(۲۴)۔فرماتے ہیں،کُسالی کاف کے ضمہ کے ساتھ اور کَسالی کاف کے فتحہ کے ساتھ دونوں ایک ہیں۔

٤٠ - باب : التَّعَوُّذِ مِنَ الْبُخْلِ .

الْبُخْلُ وَالْبَخَلُ وَاحِدٌ ، مِثْلُ الحُزْنِ وَالحَزَنِ .

٦٠٠٩ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى : حَدَّثَنِي غُنْدَرٌ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ عَبْدِ المَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ ، عَنْ مُصْعَبِ بنْ سَعْدٍ ، عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كانَ يَأْمُرُ بِهٰؤُلَاءِ الخَمْسِ ، وَيُحَدِّثُهُنَّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : (اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الجُبْنِ ، وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذابِ الْقَبْرِ) . [ر : ٢٦٦٧]

حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ سعد ان پانچ چیزوں (سے پناہ مانگنے) کا حکم دیتے تھے،اوران کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے تھے،(وہ یہ ہیں) اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں بخل سے،اور تیری پناہ مانگتا ہوں بزدلی سے،اور تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں ارذل عمر کی طرف لوٹا دیا جاؤں اور تیری پناہ مانگتا ہوں دنیا کے فتنے سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں عذاب قبر سے۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "بُخْل"(باء کے ضمہ اورخاء کے سکون کے ساتھ) اور"بَخَل" (باء اورخاء کے فتحے کے ساتھ) یہ دونوں ایک ہی معنی رکھتے ہیں،جس طرح حَزَن اور حُزْن دونوں کے معنی ایک ہیں۔

٤١ - باب : التَّعَوُّذِ مِنْ أَرْذَلِ الْعُمُرِ .

«أَرَاذِلُنَا» /هود: ٢٧/ : سُقَّاطُنَا .

٦٠١٠ : حدّثنا أَبُو مَعْمَرٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ ، عَنْ أَنَسِ ابْنِ مالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قالَ : كانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَتَعَوَّذُ يَقُولُ : (اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ

(٢٤) سورة النساء: ١٤٢

الْكَسَلِ ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَرَمِ ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ) . [ر : ٢٦٦٨]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پناہ مانگتے تھے اور اس طرح فرماتے تھے کہ اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں سستی اور بزدلی سے، اور تیری پناہ مانگتا ہوں بہت بڑھاپے اور بخل سے۔

أرذل عمر سے، عمر کا وہ ضعیف ترین اور کمزور حصہ مراد ہے جس میں انسان اپنی ذاتی اور جسمانی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہے اور سب سیکھا ہوا بھول جاتا ہے(۲۵)، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے پناہ مانگی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص کا مشغلہ قرآن کریم ہوگا، وہ ارذل عمر سے محفوظ رہے گا(۲۶)۔

أراذلنا: أسقاطنا

یہ سورۃ ہود کی آیت کریمہ میں واقع ہے: ﴿وما نراك اتبعك إلا الذين هم أراذلنا﴾ (۲۷)۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں اراذل سے گرے پڑے لوگ مراد ہیں، کشمیہنی اور مستملی کے نسخوں میں "سُقّاطنا" (سین کے ضمہ اور قاف کی تشدید کے ساتھ) ہے، جو ساقط کی جمع ہے: گرا ہوا، اللئيم في حسبه ونسبه(۲۸).

امام بخاری رحمہ اللہ نے باب کے اندر جو حدیث ذکر فرمائی ہے، اس میں "أرذل عمر" کا ذکر نہیں، امام نے حسب عادت ترجمۃ الباب سے اُس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے، جس میں یہ الفاظ آئے ہیں، چنانچہ

---

(٢٥) قال الزبيديّ في إتحاف سادة المتقين: "والأرذل من كل شيئ الرديئ منه، والمراد بأرذل العمر حال الهرم والخرف، والعجز، والضعف، وذهاب العقل". (كتاب الأذكار والدعوات، الباب الرابع: ٣٣٤/٥)

قال العلامة الآلوسيّ: وأرذل العمز أخسه وأحقره وهو وقت الهرم الذى تنقص فيه القُوى، وتفسد الحواس ويكون حال الشخص فيه كحاله وقت الطفولية من ضعف العقل والقُوة: (روح المعاني: ١٨٧/٨، سورة هود: ٧)

(٢٦) "قيل: إنه مخصوص بالكافر، والمسلم لايرد إلى أرذل العمر لقوله تعالىٰ: ﴿ثم رددناه أسفل سافلين، إلا الذين آمنوا وعملو الصالحات﴾ وأخرج ابن المنذر وغيره عن عكرمة أنه قال: من قرأ القرآن لم يرد إلى أرذل العمر" والمشاهد تكذب كلا القولين فكم رأينا مسلماً قارئ القرآن قدردّ إلى ذلك، والاستدلال بالآية على خلافه فيه نظر". روح المعاني: ١٨٨/٨

(٢٧) سورة هود: ٢٧

(٢٨) فتح الباري: ١٧٩/١١

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت، اس باب سے پہلے باب کے اندر گزر چکی ہے، اس میں "وأعوذبك من أن أرد إلى أرذل العمر" کے الفاظ ہیں (۲۹)۔

٤٢ – باب : اَلدُّعاءِ بِرَفْعِ الْوَبَاءِ وَالْوَجَعِ .

وباء سے مرض مراد ہے، بعض امراض اور بیماریاں وبا کی شکل میں عام ہو جاتی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ختم ہونے اور اٹھائے جانے کی دعا فرمائی ہیں، وبا ایک عام لفظ ہے، ہر بیماری کے لئے استعمال ہوتا ہے، مدینہ منورہ میں طاعون داخل نہیں ہوسکتا، البتہ دوسری بیماری وبا کی صورت میں آسکتی ہے، اس کی کچھ تفصیل کتاب الطب میں گزر چکی ہے (۳۰)۔

الوجع: سے ہر قسم کا مرض مراد ہے، یہ عطف العام علی الخاص کے قبیل سے ہے (۳۱)۔

٦٠١١ : حدَّثنا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قالَتْ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (اللَّهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِينَةَ كما حَبَّبْتَ إِلَيْنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ ، وَانْقُلْ حُمَّاهَا إِلَى الْجُحْفَةِ ، اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا في مُدِّنَا وَصَاعِنَا) . [ر : ١٧٩٠]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! مدینہ ہمارے لئے ایسا ہی محبوب بنا دے جیسے مکہ ہمارے لئے تو نے محبوب بنایا ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ، اور اس کے بخار کو جحفہ کی طرف منتقل کر دے، اے اللہ! ہمارے مد اور صاع میں برکت عطا فرما۔

وانقل حُمّاها إلى الجُحْفَة

جحفہ، جیم کے ضمہ اور حاء کے سکون کے ساتھ ایک جگہ کا نام ہے جہاں یہودی آباد تھے، اور یہ اہل مصر کا میقات بھی ہے (۳۲)۔

---

(٢٩) صحيح البخاري، كتاب الدعوات، باب التعوذ من البخل، رقم: ٦٠٠٩

(٣٠) كشف الباري، كتاب الطب، ص: ٥٥، ٥٦

(٣١) عمدة القاري: ٢٣/٧

(٣٢) وفي عمدة القاري: .... والجحفة بضم الميم وسكون الحاء المهملة وبالفاء ميقات أهل مصر =

٦٠١٢ : حدّثنا مُوسى بْنُ إِسْماعِيلَ : حَدَّثَنا إِبْراهِيمُ بْنُ سَعْدٍ : أَخْبَرَنا ٱبْنُ شِهَابٍ ، عَنْ عامِرِ بْنِ سَعْدٍ : أَنَّ أَباهُ قالَ : عادَنِي رَسُولُ ٱللهِ ﷺ في حَجَّةِ الْوَدَاعِ ، مِنْ شَكْوَى أَشْفَيْتُ مِنْهَا عَلَى المَوْتِ ، فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، بَلَغَ بِي مَا تَرَى مِنَ الْوَجَعِ ، وَأَنَا ذُو مالٍ ، وَلَا يَرِثُنِي إِلَّا ٱبْنَةٌ لِي وَاحِدَةٌ ، أَفَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثَيْ مالِي ؟ قالَ : (لَا) . قُلْتُ : فَبِشَطْرِهِ ؟ قالَ : (الثُّلُثُ كَثِيرٌ ، إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ ، وَإِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ ٱللهِ إِلَّا أُجِرْتَ ، حَتَّى ما تَجْعَلُ فِي فِي ٱمْرَأَتِكَ) . قُلْتُ : أَأُخَلَّفُ بَعْدَ أَصْحَابِي ؟ قالَ : (إِنَّكَ لَنْ تُخَلَّفَ ، فَتَعْمَلَ عَمَلاً تَبْتَغِي بِهِ وَجْهَ ٱللهِ ، إِلَّا ٱزْدَدْتَ دَرَجَةً وَرِفْعَةً ، وَلَعَلَّكَ تُخَلَّفُ حَتَّى يَنْتَفِعَ بِكَ أَقْوَامٌ وَيُضَرَّ بِكَ آخَرُونَ ، اللَّهُمَّ أَمْضِ لِأَصْحَابِي هِجْرَتَهُمْ ، وَلَا تَرُدَّهُمْ عَلَى أَعْقَابِهِمْ ، لٰكِنِ الْبَائِسُ سَعْدُ بْنُ خَوْلَةَ) . قالَ سَعْدٌ : رَثَى لَهُ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ مِنْ أَنْ تُوُفِّيَ بِمَكَّةَ . [ر : ٥٦]

حضرت عامر بن سعدؓ سے روایت ہے کہ ان کے والد (سعد) نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری اس بیماری میں جس میں میں قریب الموت تھا، حجۃ الوداع کے موقع پر میری عیادت کو تشریف لائے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے جو تکلیف ہے، وہ آپ دیکھ رہے ہیں اور میں مالدار ہوں لیکن ایک بیٹی کے سوا میرا کوئی وارث نہیں، تو کیا میں اپنا دو تہائی مال صدقہ کردوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، تو میں نے پوچھا نصف مال (خیرات کردوں)؟ آپ نے فرمایا تہائی بہت زیادہ ہے، ورثاء کو مالدار چھوڑنا تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ ان کو محتاج چھوڑ دو کہ لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرتے پھریں، اور تم اللہ کی رضامندی کی خاطر جو بھی خرچ کروگے، اللہ اس کا اجر دے گا یہاں تک کہ اس لقمہ کا بھی جو تم اپنی بیوی کے منہ میں دوگے، میں نے کہا کیا میں اپنے ساتھیوں سے پیچھے چھوڑ دیا جاؤں گا؟ آپ نے فرمایا اگر تم پیچھے چھوڑ دیئے جاؤ اور پھر کوئی عمل کرو، جس سے مقصود اللہ کی رضا جوئی ہو تو تمہارے درجہ اور بلندی میں اضافہ ہوگا، اور

= والشام في القديم والآن أهل الشام يُحرمون من ميقات أهل المدينة وكان سكانها في ذلك الوقت يهود.: ٨/٢٣

امید ہے کہ تم ابھی زندہ رہو گے۔ اور کچھ قومیں یعنی مسلمان تم سے نفع اٹھائیں گے اور دوسرے یعنی کافروں کو آپ کی وجہ سے نقصان پہنچے گا، اے اللہ! میرے صحابہ کی ہجرت پوری کردے اور ان کو ایڑیوں کے بل واپس نہ کر، البتہ افسوس سعد بن خولہ کا ہے (کہ وہ اپنی ہجرت پوری نہ کر سکے) سعد نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے مکہ ہی میں انتقال کے سبب افسوس کیا (کہ وہ ہجرت نہیں کر سکے)۔

أَشْفَيْت مِنها عَلَى المَوْتِ

أشفیت بمعنی أشرفت ہے، یعنی اس بیماری کی وجہ سے میں نے موت کی قربت محسوس کی، امام زہری رحمہ اللہ کے تمام شاگرد اس پر متفق ہیں کہ یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے، سوائے سفیان بن عیینہ کے، انہوں نے کہا کہ یہ فتح مکہ کا واقعہ ہے۔

بعض محدثین نے فرمایا کہ سفیان بن عیینہ سے وہم ہوا ہے اور صحیح بات حجۃ الوداع والی ہے، لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کو تعدد واقعات پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے، اس طرح دونوں روایات میں تطبیق ہو جائے گی (۳۳)۔

يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ: یعنی يسألون الناس بأكفهم أويسألون مايكف عنهم الجوع (یعنی وہ لوگوں کے سامنے اپنی ہتھیلیاں پھیلا کر سوال کرتے یا لوگوں سے ایسی چیز مانگتے جو ان کی بھوک ختم کردے)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ باب کی اس دوسری حدیث میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے درد اور وجع کا ذکر کیا ہے اور ترجمۃ الباب میں وجع کا ذکر ہے، اس پہلو سے حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت پیدا ہو جاتی ہے (۳۵)۔

---

(۳۳) فتح الباري: ٥/٣٦٣-٣٦٤، وقال الحافظ: ويمكن الجمع بين الروايتين بأن يكون ذلك وقع له مرّتين: مرة عام الفتح ومرة عام حجة الوداع، ففي الأولىٰ لم يكن له وارث من الأولاد أصلاً، وفي الثانية كانت له ابنة فقط، فالله أعلم. انتهى.

(٣٤) فتح الباري: ٥/٣٦٦

(٣٥) فتح الباري: ١١/١٨٠

علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ترجمۃ الباب میں "دعا برفع الوجع" ہے، اور حدیث کے اندر "دعا برفع الوجع" نہیں ہے، البتہ حدیث کے آخر میں "اللهم أمض لأصحابي هجرتهم ولا تردهم على أعقابهم" (اے اللہ! تو میرے اصحاب کی ہجرت کو پورا فرما اور انہیں واپس نہ کر)، سے حدیث اور ترجمہ کے درمیان مناسبت ہوسکتی ہے، فإن فيه إشارة لسعد بالعافية ليرجع إلى دار هجرة، وهي المدينة(۳٦)۔ یعنی: "اس میں حضرت سعدؓ کے لئے عافیت کی طرف اشارہ ہے تاکہ وہ دار ہجرت کی طرف لوٹ جائیں اور دار ہجرت مدینہ منورہ ہے"۔

٤٣ - باب : الاسْتِعَاذَةِ مِنْ أَرْذَلِ الْعُمُرِ ، وَمِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا ، وَفِتْنَةِ النَّارِ .

"تعوذ من ارذل العمر" کا ترجمۃ الباب پہلے بھی گزر چکا ہے، لیکن وہاں صرف ایک امر یعنی ارذل عمر کا ذکر تھا اور یہاں فتنۃ الدنیا اور فتنۃ النار کا بھی اضافہ ہے، اس لئے ترجمۃ الباب کا تکرار نہیں ہے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا لکھتے ہیں:

> "مغايرة هذه الترجمة بالترجمة السابقة باعتبار زيادة الجزء الأخير ومن عادته أنه ربما يذكر مجموع الأمور التي أراد ذكرها في باب واحد، ثم يذكر واحدا منها في باب باب، فيعقد لكل منهما بابا مستأنفا، ليكون كل منها مستقلا بالإفادة"(۳۷)۔
>
> یعنی: "ترجمۃ الباب کا تکرار نہیں، بلکہ یہ ترجمہ، سابقہ ترجمہ سے بایں طور مختلف ہے کہ اس میں آخری جزء (من فتنۃ الدنیا) کا اضافہ ہے، دراصل امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ وہ کبھی کبھار ایک ہی باب کے اندر تمام امور ذکر کر دیتے ہیں، پھر ان میں سے ہر ایک امر کے لئے وہ علیحدہ علیحدہ مستقل باب قائم کرتے ہیں، تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ ہر امر کی مستقل افادیت ہے"۔

---

(۳٦) عمدة القاري: ۸/۲۳

(۳۷) الأبواب والتراجم لصحيح البخاري: ۱۲۹/۲

٦٠١٣ : حدّثنا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ : أَخْبَرَنَا الحُسَيْنُ ، عَنْ زَائِدَةَ ، عَنْ عَبْدِ المَلِكِ ، عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ ، عَنْ أَبِيهِ قالَ : تَعَوَّذُوا بِكَلِمَاتٍ كانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَعَوَّذُ بِهِنَّ : (اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الجُبْنِ ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ أُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا ، وَعَذَابِ الْقَبْرِ) . [ر : ٢٦٦٧]

حضرت مصعب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ ان کلمات کے ذریعے پناہ مانگو جن کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پناہ مانگا کرتے تھے۔(وہ کلمات یہ ہیں) اللهم إني أعوذبك من الجبن وأعوذبك من البخل وأعوذبك من أن أرد إلى أرذل العمر، وأعوذبك من فتنة الدنيا وعذاب القبر.

سند میں حسین سے حسین بن علی جعفی، ان کے شیخ زائدہ بن قدامہ ہیں اور وہ عبدالملک بن عمیر سے نقل کرتے ہیں۔

٦٠١٤ : حدّثنا يَحْيٰى بْنُ مُوسٰى : حَدَّثَنَا وَكِيعٌ : حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عائِشَةَ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كانَ يَقُولُ : (اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ ، وَالْمَغْرَمِ وَالْمَأْثَمِ ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَفِتْنَةِ النَّارِ ، وَفِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ ، وَشَرِّ فِتْنَةِ الْغِنَى ، وَشَرِّ فِتْنَةِ الْفَقْرِ ، وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ المَسِيحِ الدَّجَّالِ ، اللَّهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ ، وَنَقِّ قَلْبِي مِنَ الخَطَايَا ، كما يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ ، وَبَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كما بَاعَدْتَ بَيْنَ المَشْرِقِ وَالمَغْرِبِ) . [ر : ٦٠٠٧]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ دعا پڑھا کرتے تھے: اللهم إني أعوذبك من الكسل والهرم......

مغرم اور مأثم دونوں مصدر میمی ہیں، مغرم سے یا گناہوں اور معصیتوں کا بوجھ مراد ہے اور یا قرض کا بوجھ مراد ہے قرض کا بوجھ بھی درحقیقت معصیت کا ذریعہ بن جاتا ہے(۳۸)، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول

(٣٨) وفي فتح الباري: والمراد الإثم والغرامة، وهي مايلزم الشخص أداءه كالدين، باب التعوذ من المأثم والمغرم: ١١/١٧٧

ہے کہ مقروض جب ادائیگی قرض پر قادر نہ ہو، تو بات کرتے ہوئے جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کرتے ہوئے خلاف ورزی کرتا ہے۔

٤٤ – باب : الْاِسْتِعَاذَةِ مِنْ فِتْنَةِ الْغِنَى .

٦٠١٥ : حدّثنا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ : حَدَّثَنَا سَلَّامُ بْنُ أَبِي مُطِيعٍ ، عَنْ هِشَامٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ خالَتِهِ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كانَ يَتَعَوَّذُ : (اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ النَّارِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْغِنَى ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْفَقْرِ ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ) . [ر : ٦٠٠٧]

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ آنحضرت اس طرح پناہ مانگا کرتے تھے: اللهم إني أعوذبك من فتنة النار......

غنی اور مالداری کا فتنہ یہ ہے کہ انسان اپنے مال ودولت کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور سرکشی میں صرف کرے (۳۹)۔

٤٥ – باب : التَّعَوُّذِ مِنْ فِتْنَةِ الْفَقْرِ .

٦٠١٦ : حدّثنا محمَّدٌ : أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ : أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قالَتْ : كانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ : (اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ النَّارِ وَعَذَابِ النَّارِ ، وَفِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ ، وَشَرِّ فِتْنَةِ الْغِنَى وَشَرِّ فِتْنَةِ الْفَقْرِ ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ

---

(٣٩) كما في "عمدة القاري" كتاب الدعوات، باب التعوذ من المأثم والمغرم: ٢٣/٥، مانصّه: "قوله ومن شرفتنة الغنى هي نحو الطغيان والبطر وعدم تادية الزكاة. وكذا في فتح الباري، كتاب الدعوات، باب التعوذ من المأثم والمغرم: ١١/١٧٧ مانصّه: قال الغزالي: فتنة الغنىٰ الحرص على جمع المال وحبه حتى يكسبه من غير حله ويمنعه من واجبات إنفاقه وحقوقه.

شَرِّ فِتْنَةِ المَسِيحِ ٱلدَّجَّالِ ، اللَّهُمَّ اغْسِلْ قَلْبِي بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ ، وَنَقِّ قَلْبِي مِنَ الخَطَايَا كما نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْأَبْيَضَ مِنَ ٱلدَّنَسِ ، وَباعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ ، كما بَاعَدْتَ بَيْنَ المَشْرِقِ وَالمَغْرِبِ ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ ، وَالمَأْثَمِ وَالمَغْرَمِ) . [ر : ٦٠٠٧]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں، آگ کے فتنہ سے اور آگ کے عذاب سے اور قبر کے فتنہ اور عذاب قبر سے، اور مالداری کے فتنہ کے شر سے اور فقر کے فتنہ کے شر سے، اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں، مسیح دجال کے فتنہ کے شر سے، اے اللہ میرے قلب کو برف اور اولے کے پانی سے دھو دے اور میرے قلب کو گناہوں سے صاف کر دے جس طرح تو نے سفید کپڑے کو گندگی سے صاف کر دیا۔ اور میرے درمیان اور میرے گناہوں کے درمیان ویسی ہی دوری کر دے جس طرح تو نے مشرق و مغرب کے درمیان دوری کر دی ہے، یا اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں سستی سے اور گناہ اور قرض سے۔

فتنۂ فقر کا مطلب

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فقر کے فتنے سے بھی پناہ مانگی ہے، فتنۂ فقر یہ ہے کہ انسان کے لئے اس کا فقر گناہوں اور اللہ کی نافرمانیوں کا ذریعہ بن جائے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کاد الفقر أن يكون كفرا(٤٠)۔ یعنی ''قریب ہے کہ فقر باعث کفر بن جائے''، فقر کی وجہ سے اگر دل کے اندر مالدار کا حسد آتا ہے، اللہ کی طرف سے دل میں شکوہ وشکایت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، مال کمانے اور مالدار بننے کی جائز وناجائز طریقے سے ہوس پیدا ہوتی ہے، اس طرح کی تمام باتیں ''فتنۂ فقر'' میں داخل

(٤٠) حلية الأولياء للحافظ أبي نعيم الأصفهاني: ٦٢/٣، ١٣٠، رقم الحديث: ٣١٦٩، ٣٤٣١، وإتحاف السادة: ٤٨١/٩

ہیں(۴۱)۔

٤٦ – باب : اَلدُّعاءِ بِكَثْرَةِ الْمَالِ وَالْوَلَدِ مَعَ الْبَرَكَةِ .

٦٠١٧ : حدّثني محمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ : حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قالَ : سَمِعْتُ قَتَادَةَ ، عَنْ أَنَسٍ ، عَنْ أُمِّ سُلَيْمٍ أَنَّهَا قالَتْ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، أَنَسٌ خادِمُكَ ، ادْعُ اللّٰهَ لَهُ ، قالَ : (اللَّهُمَّ أَكْثِرْ مالَهُ ، وَوَلَدَهُ ، وَبَارِكْ لَهُ فِيمَا أَعْطَيْتَهُ) .

وَعَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ : سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مالِكٍ : مِثْلَهُ . [ر : ١٨٨١]

حضرت انسؓ، حضرت ام سلیم سے روایت کرتے ہیں کہ ام سلیم نے عرض کیا یارسول اللہ! انسؓ آپ کا خادم ہے، آپ اللہ سے اس کے حق میں دعا فرمائیں۔آپ نے فرمایا اے اللہ! اس کے مال اور اولاد میں زیادتی عطا کر اور جو کچھ تو نے اسے دیا اس میں برکت عطا فرما، اور ہشام بن زید سے روایت ہے کہ میں نے انس بن مالکؓ کو اسی طرح بیان کرتے ہوئے سنا ہے۔

کثرتِ مال واولاد بغیر برکت کے فتنہ

اس باب میں مال کی کثرت کی دعا مانگی گئی ہے لیکن برکت کے ساتھ اور اگلے باب میں کثرت ولد مع البرکہ کی دعا مانگی گئی ہے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مال اور اولاد کی کثرت اگر برکت کے ساتھ ہو تب تو خیر اور بھلائی ہے لیکن اگر بغیر برکت کے ہے تو فتنہ ہے(۴۲)۔

---

(٤١) فتح الباري، كتاب الدعوات، باب التعوذ من المأثم والمغرم: ١١/١٧٧، وعمدة القاري، كتاب الدعوات، باب التعوذ من المأثم والمغرم: ٢٣/٥، وإتحاف السادة، كتاب ذم الغضب والحقد والحسد: ٤٨١/٩

(٤٢) الأبواب والتراجم: ٢/٢٩

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لئے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے برکت کی دعا مانگی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عمر اور ان کے مال ودولت اور اولاد میں بڑی برکت عطا فرمائی، جس کی تفصیل گزر چکی ہے(٤٣)۔

ابن قتیبہ نے ''معارف'' میں لکھا ہے کہ بصرہ کے اندر تین شخص ایسے تھے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹوں اور پوتوں وغیرہ میں سے سوتک افراد دیکھے، ایک حضرت انسؓ، دوم حضرت ابوبکرہؓ اور سوم خلیفہ بن بدر اور بعضوں نے مہلب بن ابی صفرہ کو بھی اس میں شمار کیا ہے(٤٤)۔

سند میں امام بخاری کے شیخ الشیخ غندر ہیں، ان کا نام محمد بن جعفر ہے۔

٤٧ – باب: اَلدُّعاءِ بكَثْرَةِ الْوَلَدِ مَعَ الْبَرَكَةِ.

٦٠١٨: حدّثنا أَبُو زَيْدٍ، سَعِيدُ بْنُ الرَّبِيعِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ قالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ: قالَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ: أَنَسٌ خادِمُكَ، ٱدْعُ ٱللهَ لَهُ، قالَ: (اللَّهُمَّ أَكْثِرْ مالَهُ، وَوَلَدَهُ، وَبَارِكْ لَهُ فِيمَا أَعْطَيْتَهُ). [ر: ١٨٨١]

حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ میں نے انسؓ سے سنا کہ ام سلیمؓ نے عرض کیا، انس آپ کا خادم ہے آپ نے فرمایا، یا اللہ اس کے مال واولاد میں زیادتی عطا کر اور جو کچھ تو نے اس کو دیا ہے، اس میں برکت عطا فرما۔

٤٨ – باب: اَلدُّعاءِ عِنْدَ الِاسْتِخارَةِ.

استخارہ کے لغوی واصطلاحی معنی

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے استخارہ کی دعا ذکر کی ہے، استخارہ کے لغوی معنی ہیں خیر طلب کرنا

---

(٤٣) فتح الباري: ١٤٥/١١

(٤٤) وزاد علـى قول ابن قتيبة الحافظ في فتح الباري: وزاد غيره –اى غير ابن قتيبة– رابعاً وهو: المهلب بن أبي صفرة. كتاب الدعوات، باب دعوة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لخادمه بطول العمر وبكثرة ماله: ١٤٥/١١.

اور اصطلاح شرع میں استخارہ کے معنی ہیں دو کاموں میں سے کسی ایک کام کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرنا کہ ان میں جو اس کے لئے بہتر ہو، وہ اسی کو اختیار کرے(۱)۔

استخارہ کی اہمیت وفضیلت

یہاں بخاری کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں تمام کاموں میں استخارہ کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت سند حسن کے ساتھ نقل کی ہے، اس میں ہے: "من سعادة ابن آدم استخارته الله"(۲)۔ یعنی: ''ابن آدم کی سعادت میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرے''۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے: "إن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان إذا أراد أمرا، قال: اللهم خِرلي، واخترلي"(۳)۔ یعنی: ''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ فرماتے تو یوں دعا فرماتے: "اللهمّ خِرْلي، واخترلي" اے اللہ! تو میرے لئے خیر والے کام کا انتخاب فرما''۔

اسی طرح طبرانی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت نقل کی ہے..... "ما خاب من استخار"(٤)۔ یعنی: ''جس شخص نے استخارہ کیا وہ نامراد نہیں ہوگا''۔

ان دونوں حدیثوں کی سند اگرچہ ضعیف ہے(۵)، لیکن اس سے استخارہ کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

---

(۱) فتح الباري: ۱۱/۱۷۳

(۲) نصّ الحديث تماماً "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: من سعادة ابن آدم استخارته الله، ومن سعادة ابن آدم رضاه بما قضاه الله، ومن شقوة ابن آدم تركه استخارة الله، ومن شقوة ابن آدم سخطه بما قضى الله عزوجل (مسند أحمد: ۱/۴۵۹-۴٦۰، رقم الحديث: ۱٤٤٤)

(۳) سنن الترمذي، كتاب الدعوات، باب دعاء: اللهم خرلي واخترلي، رقم الحديث: ۳۵۱٦

(٤) فتح الباري: ۱۱/۱۸٤

(۵) فتح الباري: ۱۱/۱۷٤، قال الحافظ: ومن حديث أبي بكر الصديق رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان إذا أراد أمراً قال: اللهم خرلي واخترلي وأخرجه الترمذي وسنده ضعيف وفي حديث أنس رفعه "ماخاب من استخار" والحديث أخرجه الطبراني في "الصغير" بسندواهٍ جداً.

٦٠١٩ : حدّثنا مُطَرِّفُ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ أَبُو مُصْعَبٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي المَوَالِ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ ، عَنْ جابِرٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : كانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعَلِّمُنَا الِاسْتِخَارَةَ فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا ، كالسُّورَةِ مِنَ الْقُرْآنِ : (إِذَا هَمَّ أَحَدُكُمْ بِالْأَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ ، ثُمَّ يَقُولُ : اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ ، وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ ، وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ ، فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ ، وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ ، وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ، اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعاقِبَةِ أَمْرِي - أَوْ قالَ : فِي عاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ - فَاقْدُرْهُ لِي ، وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعاقِبَةِ أَمْرِي - أَوْ قالَ : فِي عاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ - فَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِي عَنْهُ ، وَاقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كانَ ، ثُمَّ رَضِّنِي بِهِ ، وَيُسَمِّي حاجَتَهُ) .

[ر : ١١٠٩]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم لوگوں کو تمام امور میں استخارہ کی تعلیم کرتے تھے، جس طرح قرآن کی سورۃ سکھاتے تھے، جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے، تو دو رکعت نماز پڑھے، پھر کہے: اے اللہ! میں تجھ سے تیرے علم کی بدولت خیر طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کی وجہ سے تجھ سے قدرت مانگتا ہوں اور تجھ سے تیرے عظیم فضل کا سوال کرتا ہوں کیونکہ تو ہی قادر ہے، میں قادر نہیں، تو جانتا ہے، میں نہیں جانتا، تو تمام پوشیدہ چیزوں کو اچھی طرح جاننے والا ہے، اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لئے، میرے دین، میری معاش اور انجام کام کے اعتبار سے بہتر ہے تو تو اس کو میرے لئے مقرر و مقدر کر دے اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لئے، میرے دین، میری دنیا اور میرے کام کے انجام کے اعتبار سے برا ہے تو تو اس کو مجھ سے پھیر دے اور مجھے اس سے پھیر دے اور میرے خیر مقدر کر دے جہاں بھی ہو اور پھر مجھے اس پر راضی اور مطمئن کر دے۔

عبدالرحمٰن بن ابی الموال

عبدالرحمٰن بن ابی المَوال: مَـوَال، مَوْلٰی کی جمع ہے، ابوالموال کا نام زید ہے اور بعضوں نے کہا کہ زید

عبدالرحمٰن کا دادا ہے اور ان کے والد ابوالموال کا نام معلوم نہیں ہوسکا(٦)، ائمہ جرح وتعدیل نے ان کی توثیق کی ہے، چنانچہ امام نسائی، امام ترمذی، امام ابوداود اور امام ابن معین نے انہیں ثقہ قرار دیا(۷)۔ ابن عدی نے اگرچہ ''الکامل'' میں ان کا تذکرہ کیا ہے جوضعیف راویوں پر مشتمل کتاب ہے، لیکن انہوں نے کہا'' حدیث استخارہ'' ان کے علاوہ دوسرے راویوں نے بھی نقل کی ہے اور اس کے کئی ''شواہد'' ہیں (۸)، امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی یہ حدیث ذکر فرمائی اور فرمایا:"وفي الباب عن ابن مسعود وأبي أيوب"(٩)۔

استخارہ کن امور میں جائز ہے؟

يعلمنا الاستخارة في الأمور كلها: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام امور میں ہمیں استخارہ کی تعلیم دیا کرتے تھے، جیسے قرآن کریم کی سورتیں سکھاتے تھے، اسی طرح دعائے استخارہ سکھاتے تھے، تمام امور سے مراد مباح امور ہیں، کیونکہ واجب اور مستحب امو اختیار کرنے میں استخارہ کی ضرورت نہیں اور جو امور شرعاً ممنوع ہیں، ان میں بھی استخارہ نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ وہ شرعاً متروک ہیں، البتہ دو کام مباح ہیں اور ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا ہے یا دو مستحب میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا ہے تو اس میں استخارہ کیا جائے گا(١٠)۔

استخارہ کا طریقہ

فليركع ركعتين من غير الفريضة ثم يقول...... یعنی استخارہ کا طریقہ یہ ہے کہ دو رکعت پڑھ لی جائیں، "من غير الفريضة" کی قید لگا کر بتلایا کہ یہ دو رکعت نفل ہوں، مثلاً صبح کی دو رکعت فرض نماز نہ ہو اور پھر دعا پڑھی جائے جو روایت میں مذکور ہے، یہ دعا نماز کے بعد پڑھی جائے گی اور اگر نماز کے اندر سجدے

---

(٦) فتح الباري: ١١/١٧٣

(٧) تهذيب الكمال: ١٧/الترجمة: ٣٨٧٢

(٨) الكامل لابن عدي: ٥/الترجمة: ١١٣٤/١٦٧

(٩) جامع الترمذي، كتاب الوتر، باب ماجاء في صلاة الاستخارة، رقم الحديث: ٤٨٠

(١٠) فتح الباري: ١١/١٧٤

بعد پڑھی جائے گی اور اگر نماز کے اندر سجدے میں یا قعدہ تشہد میں پڑھ لے تو بھی کافی ہے(۱۱)، بہر حال دعا یا نماز کے بعد ہو یا نماز کے آخر میں ہو، چنانچہ ابن ابی جمرہ لکھتے ہیں:

"الحكمة في تقديم الصلوة على الدعاء أن المراد بالاستخارة حصول الجمع بين خيري الدنيا والآخرة؛ فيحتاج إلى قرع باب الملك، ولا شيئ لذلك أنجع، ولا أنجع من الصلوة، لما فيها من تعظيم الله والثناء عليه، والافتقار إليه مآلاً وحالاً"(١٢)۔

یعنی: نماز کو دعائے استخارہ پر مقدم کرنے میں حکمت یہ ہے کہ استخارہ سے مقصود دنیا و آخرت کی بھلائیوں کا حصول ہے، تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے در رحمت کو کھٹکھٹانے کی ضرورت پیش آئے گی اور اس کے لئے نماز کے علاوہ کوئی چیز زیادہ مفید و کارگر نہیں، کیونکہ نماز اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کی تحمید و ثناء پر مشتمل ہے، نیز اس میں اللہ تعالیٰ کے سامنے عجز و انکساری کا اظہار ہے، مآلاً بھی اور حالاً بھی"۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اللھم إن کنت تعلم...... علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے اشکال کیا ہے "إن" حرف شک ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم میں شک کرنا جائز نہیں۔

اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا اللہ کے علم میں شک نہیں بلکہ اس میں شک ہے کہ اللہ کا علم خیر اور شر میں سے کس سے متعلق ہے، خیر سے یا شر سے(۱۳)۔

فاقدرہ لی: یہ دال کے زیر اور دال کے پیش دونوں کے ساتھ درست ہے، پہلی صورت میں باب ضرب سے اور دوسری صورت میں باب نصر سے ہوگا(۱۴)۔

(١١) فتح الباري: ١١/١٧٥-١٨٦

(١٢) فتح الباري: ١١/١٧٦

(١٣) شرح الكرماني: ٢٢/١٦٩

(١٤) فتح الباري: ١١/١٧٦، ونصه: قال أبوالحسن القابسي: أهل بلدنا يكسرون الدال وأهل الشرق يضمونها.

استخارہ کرنے کے بعد دل کا میلان جس طرف ہو جائے، اسی کو اختیار کیا جائے اور اگر میلان کسی طرف نہیں ہے تو دوبارہ استخارہ کیا جائے، بلکہ ابن السنی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کی ہے، اس میں سات بار استخارہ کا ذکر ہے(۱۵)۔ اگرچہ محدثین نے اس کی سند کو انتہائی ضعیف قرار دیا ہے(۱۶)۔

ويسمي حاجته

یعنی استخارہ کرنے والا اپنی حاجت کا نام لے، اللهم إن كان هذا الأمر...... اس میں "هذا الأمر" کی جگہ اپنی حاجت کا ذکر کرے مثلاً کوئی شادی اور نکاح کے لئے استخارہ کرتا ہے تو کہے گا "اللهم إن كان التزوج بفلانة......

۴۹ - باب : اَلدُّعاءِ عِنْدَ الْوُضُوءِ .

ترجمۃ الباب کی غرض

اکثر نسخوں میں باب ان الفاظ کے ساتھ ہے اور مقصد وضو کے وقت دعا کا ثبوت بیان کرنا ہے، لیکن ہندوستانی نسخوں میں "باب الوضوء عندالدعاء" ہے، علامہ عینی رحمہ اللہ نے "باب الدعاء عند الوضوء" کو زیادہ مناسب قرار دیا(۱)، لیکن شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے ہندوستانی نسخے کو زیادہ اوجہ قرار دیا، وہ لکھتے ہیں:

> "والأوجه عندي ما في النسخ الهندية، أي: الوضوء عند الدعاء، والفرق بين اللفظين ظاهر، والدليل على مااخترته سياق الحديث؛ فقد تقدم الحديث في الباب المذكور بلفظ: قال (أي: أبوعامر): فا، له (صلى الله تعالىٰ عليه وسلم): استغفرلي، فدعا بماء، فتوضأ، ثم رفع يديه ....؛ فهذا

(۱۵) ونصّ الحديث -كما في فتح الباري: ۱۱/۱۷۷- إذا هممت بأمر فاستخر ربك سبعاً ثم انظر إلى الذى يسبق في قلبك فإنّ الخيرفيه

(۱٦) فتح الباري: ۱۱/۲۲۳

(۱) عمدة القاري: ۲۳/۱۲

يدل على أن الوضوء إنما كان لقصد الدعاء، فالغرض من الترجمة: بيان أدب من آداب الدعاء"(۲)۔

یعنی: "میرے نزدیک ہندوستانی نسخوں میں مذکور "باب الوضوعند الدعاء" زیادہ اوجہ ہے، دونوں ترجموں کے درمیان فرق بالکل ظاہر ہے۔ میری رائے کی تائید حدیث کے سیاق سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ پیش نظر باب کی حدیث پہلے ان الفاظ سے گزر چکی ہے: ابوعامر نے کہا، آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے درخواست کریں کہ وہ میرے لئے استغفار کریں، چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پانی منگوایا اور اس سے وضوء کر کے پھر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے......"۔

تو یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وضو کرنا دعا کے ارادے سے تھا، اس سے معلوم ہوا کہ ترجمۃ الباب کی غرض دعا کے ایک ادب کو بیان کرنا ہے۔

٦٠٢٠ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ : حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ ، عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ ٱللّٰهِ ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ ، عَنْ أَبِي مُوسَى قالَ : دَعا النَّبِيُّ ﷺ بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ بِهِ ، ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ : (اللّٰهُمَّ ٱغْفِرْ لِعُبَيْدٍ أَبِي عامِرٍ) . وَرَأَيْتُ بَيَاضَ إِبْطَيْهِ ، فَقَالَ : (اللّٰهُمَّ ٱجْعَلْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَوقَ كَثِيرٍ مِنْ خَلْقِكَ مِنَ النَّاسِ) . [ر : ٢٧٢٨]

حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پانی مانگا اور وضو کیا، پھر دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا کی کہ اے اللہ! عبید ابی عامر کو بخش دے اور میں نے آپ کی بغل کی سفیدی دیکھی، پھر فرمایا کہ اے اللہ! قیامت کے دن اپنی مخلوق میں بہت سارے لوگوں سے اس کا مرتبہ بلند کر۔

سند میں ابواسامہ کا نام حماد بن سلمہ، ابو بردہ کا نام عامر اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ بن قیس ہے(۳)۔

(۲) الأبواب والتراجم: ۱۲۹/۲

(۳) عمدة القاري: ۱۲/۲۳

یہ روایت غزوہ اوطاس میں تفصیل سے گزر چکی ہے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے چچا، حضرت عبید رضی اللہ عنہ کو تیر لگا، انہوں نے زخمی حالت میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہا: ''بھتیجے! حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو میرا اسلام کہیئے اور ان سے میرے لئے استغفار کی درخواست کریں'' اس کے بعد ان کا انتقال ہوگیا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب ان کا پیغام ملا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پانی منگوا کر وضو فرمایا اور پھر ان کے لئے دعا فرمائی۔

٥٠ – باب : اَلدُّعاءِ إِذَا عَلَا عَقَبَةً .

عَقَبَة (عین اور قاف کے زبر کے ساتھ) گھاٹی کو کہتے ہیں، اس باب میں گھاٹی اور چڑھائی چڑھتے ہوئے دعا کا بیان ہے۔

٦٠٢١ : حدّثنا سُلَيْمانُ بْنُ حَرْبٍ : حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ، عَنْ أَيُّوبَ ، عَنْ أَبِي عُثْمانَ ، عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ ، فَكُنَّا إِذَا عَلَوْنَا كَبَّرْنَا ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (أَيُّهَا النَّاسُ ٱرْبَعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ ، فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غائِبًا ، وَلٰكِنْ تَدْعُونَ سَمِيعًا بَصِيرًا) . ثُمَّ أَتَى عَلَيَّ وَأَنَا أَقُولُ فِي نَفْسِي : لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِٱللهِ ، فَقَالَ : (يَا عَبْدَ ٱللهِ بْنَ قَيْسٍ ، قُلْ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِٱللهِ ، فَإِنَّهَا كَنْزٌ مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ) . أَوْ قالَ : (أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى كَلِمَةٍ هِيَ كَنْزٌ مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ ؟ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِٱللهِ) . [ر : ۲۸۳۰]

حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ بلندی پر چڑھتے تو تکبیر کہتے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! اپنے اوپر نرمی کرو، اس لئے کہ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکارتے بلکہ تم اس کو پکارتے ہو، جو سننے والا اور دیکھنے والا ہے، پھر میرے پاس تشریف لائے (میں اپنے دل میں لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہہ رہا تھا) تو آپ نے فرمایا، اے عبداللہ بن قیس لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہہ اس لئے کہ وہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے یا (راوی کو شک ہے کہ) آپ نے فرمایا کیا میں تمہیں ایسا کلمہ نہ بتاؤں جو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے، لا حول ولا

قوة إلا باللہ ہے۔

حدیث کے اندر دعا کا ذکر نہیں، بلکہ تکبیر کا ذکر ہے، البتہ "فإنكم لاتدعون أصمّ ولا غائباً......" میں دعا کا تذکرہ ہے اور ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت کے لئے امام کے ہاں اتنی بات کافی ہے(۴)۔

اربعوا على أنفسكم أي: ارفقوابها، ولا تبالغوا في الجهر...... یعنی: "اپنے اوپر رحم کرو اور جہر میں اتنا مبالغہ نہ کرو۔ اربَعوا، باب سمع سے امر حاضر جمع کا صیغہ ہے۔

یہ کس سفر کا واقعہ ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: "لم أقف على تعيينه"(۵)۔ یعنی: "مجھے متعین طور پر اس کا علم نہیں ہوسکا"۔

٥١ – باب : اَلدُّعاءِ إِذَا هَبَطَ وَادِيًا .

فِيهِ حَدِيثُ جابِرٍ . [ر : ۲۸۳۱]

جس طرح چڑھائی چڑھتے ہوئے دعا ثابت ہے، اسی طرح وادی اترتے ہوئے بھی دعا اور ذکر ثابت ہے، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "فيه حديث جابر رضي الله عنه" حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کتاب الجہاد میں گزرچکی ہے، وہاں الفاظ ہیں: "كنا إذا صعدنا كبرنا، وإذا نزلنا سبحنا"(٦)۔ (چڑھائی چڑھتے وقت ہم تکبیر کہتے اور اترتے وقت تسبیح پڑھتے)۔

مستملی اور کشمیہنی کے علاوہ باقی نسخوں میں یہ باب نہیں ہے(۷)۔

٥٢ – باب : اَلدُّعاءِ إِذَا أَرَادَ سَفَرًا أَوْ رَجَعَ .

فِيهِ يَحْيَى بْنُ أَبِي إِسْحٰقَ ، عَنْ أَنَسٍ . [ر : ۲۹۱۹]

سفر سے لوٹتے ہوئے بھی دعا اور ذکر ثابت ہے، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "فيه يحيىٰ بن أبي

(٤) فتح الباري: ١١/١٨٨

(٥) فتح الباري. ١١/١٨٨

(٦) صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب التسبيح إذا هبط واديا، رقم الحديث: ٢٩٩٣

(٧) فتح الباري: ١١/١٨٨

إسحاق عن أنس"۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کتاب الجہاد میں موصولاً گزر چکی ہے(۸)۔

٦٠٢٢ : حدّثنا إسْماعِيلُ قالَ : حَدَّثَنِي مالِكٌ ، عَنْ نافِعٍ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُما : أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كانَ إِذَا قَفَلَ مِنْ غَزْوٍ أَوْ حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ يُكَبِّرُ عَلَى كُلِّ شَرَفٍ مِنَ الْأَرْضِ ثَلَاثَ تَكْبِيرَاتٍ ، ثُمَّ يَقُولُ : (لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ ، وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الحَمْدُ ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ . آيِبُونَ تَائِبُونَ عابِدُونَ ، لِرَبِّنَا حامِدُونَ . صَدَقَ اللهُ وَعْدَهُ ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ) . [ر : ١٧٠٣]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب جہاد یا حج یا عمرے سے واپس ہوتے تو ہر اونچی زمین پر تین بار تکبیریں کہتے پھر فرماتے کہ لا إله إلا الله وحده لا شريك ...... یعنی اللہ واحد کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے لئے بادشاہی ہے اور اسی کے لئے تعریف ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، ہم لوٹنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، اپنے رب کی حمد بیان کرنے والے ہیں، اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اس نے اپنے بندے کی مدد کی، اور فوجوں کو تنہا شکست دی۔

حدیث کی مناسبت باب کے ساتھ بالکل واضح ہے۔

٥٣ – باب : اَلدُّعاءِ لِلْمُتَزَوِّجِ .

٦٠٢٣ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ، عَنْ ثَابِتٍ ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قالَ : رَأَى النَّبِيُّ ﷺ عَلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ أَثَرَ صُفْرَةٍ ، فَقَالَ : (مَهْيَمْ ، أَوْ مَهْ) . قالَ قالَ : تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً عَلَى وَزْنِ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ ، فَقَالَ : (بَارَكَ اللهُ لَكَ ، أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ) . [ر : ١٩٤٤]

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن عوف پر زردی کا نشان دیکھا تو فرمایا کیا بات ہے، انہوں نے جواب دیا کہ میں نے ایک

(۸) صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب مايقول إذا رجع من الغزو، رقم الحديث: ٣٠٨٥، ٣٠٨٦

عورت سے ایک گٹھلی کے برابر سونے کے عوض نکاح کرلیا ہے، آپ نے فرمایا، اللہ تجھے برکت دے، ولیمہ کی دعوت کر، اگر چہ ایک بکری ہی کیوں نہ ہو۔

کسی کی نئی نئی شادی ہوئی ہو تو اس کے لئے دعا کرنا حدیث سے ثابت ہے، جیسا کہ باب کی پہلی روایت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے لئے دعا فرمائی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سنن ابی داود اور سنن ترمذی میں ہے کہ جب کوئی شادی کرتا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے لئے ان الفاظ کے ساتھ دعا فرماتے: "بارك الله لك وبارك عليك وجمع بينكما بخير" (۹)۔ (اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اور تم پر برکتیں نازل فرمائے اور تم دونوں کو خیر وعافیت کے ساتھ اکٹھا رکھے)۔

٦٠٢٤ : حدّثنا أَبُو النُّعْمَانِ : حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ، عَنْ عَمْرٍو ، عَنْ جابِرٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : هَلَكَ أَبِي وَتَرَكَ سَبْعَ أَوْ تِسْعَ بَنَاتٍ ، فَتَزَوَّجْتُ ٱمْرَأَةً ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (تَزَوَّجْتَ يَا جابِرُ) . قُلْتُ : نَعَمْ ، قالَ : (بِكْرًا أَمْ ثَيِّبًا) . قُلْتُ : ثَيِّبًا ، قالَ : (هَلَّا جارِيَةً تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ ، أَوْ تُضَاحِكُهَا وَتُضَاحِكُكَ) . قُلْتُ : هَلَكَ أَبِي فَتَرَكَ سَبْعَ أَوْ تِسْعَ بَنَاتٍ ، فَكَرِهْتُ أَنْ أَجِيئَهُنَّ بِمِثْلِهِنَّ ، فَتَزَوَّجْتُ ٱمْرَأَةً تَقُومُ عَلَيْهِنَّ ، قالَ : (فَبَارَكَ ٱللهُ عَلَيْكَ) .

لَمْ يَقُلِ ٱبْنُ عُيَيْنَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمٍ ، عَنْ عَمْرٍو : (بَارَكَ ٱللهُ عَلَيْكَ) . [ر : ٤٣٢]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے والد وفات پا گئے، اور سات یا نو بیٹیاں چھوڑیں، میں نے ایک عورت سے نکاح کیا، تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو نے نکاح کیا ہے؟ میں نے عرض کیا، جی ہاں! آپ نے فرمایا کنواری ہے، یا بیوہ؟ میں نے کہا بیوہ ہے، آپ نے فرمایا کہ کنواری سے کیوں نہ نکاح کیا، کہ تو اس سے کھیلتا اور وہ تجھ سے کھیلتی؟ یا فرمایا تو اس کو ہنساتا اور وہ تجھ کو ہنساتی؟ میں نے عرض کیا کہ میرے والد مر گئے، اور انہوں نے سات یا نو بیٹیاں چھوڑیں، اس لئے مجھے اچھا نہیں لگا کہ ان کے پاس ان ہی جیسی لڑکی لاؤں، چنانچہ میں نے ایسی عورت سے نکاح کیا جو ان کی نگرانی

(۹) سنن أبي داود، كتاب النكاح، باب مايقال للمتزوج، رقم الحديث: ٢١٣٠، وانظر جامع الترمذي، أبواب النكاح، باب ماجاء فيما يقال للمتزوج، رقم الحديث: ١٠٩١

کرے، آپ نے فرمایا کہ اللہ تجھے برکت عطا فرمائے، ابن عیینہ اور محمد بن مسلم نے عمرو سے بارك الله عليك کے الفاظ نقل نہیں کئے۔

یعنی حماد بن زید کے علاوہ عمرو بن دینار سے یہ روایت دو اور راویوں نے بھی نقل کی ہے، ایک سفیان بن عیینہ اور دوم محمد بن مسلم طائفی، ان دونوں کی روایتیں کتاب المغازی میں گزر چکی ہیں، ان میں "بارك الله عليك" کے الفاظ نہیں ہیں (۱۰)۔

٥٤ – باب : ما يَقُولُ إِذَا أَتَى أَهْلَهُ .

٦٠٢٥ : حدّثنا عُثْمانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ : حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ، عَنْ مَنْصُورٍ ، عَنْ سَالِمٍ ، عَنْ كُرَيْبٍ ، عَنِ ٱبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُمَا قالَ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْتِيَ أَهْلَهُ قالَ : بِٱسْمِ ٱللّٰهِ ، اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ ، وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ ما رَزَقْتَنَا ، فَإِنَّهُ إِنْ يُقَدَّرْ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ فِي ذٰلِكَ لَمْ يَضُرَّهُ شَيْطَانٌ أَبَدًا) . [ر : ١٤١]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ان میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس جائے (یعنی صحبت کرنے) کا ارادہ کرے اور پڑھے بسم الله اللهم جنبنا الشيطان وجنب الشيطان مما رزقتنا (پھر) اگر اس صحبت سے کوئی اولاد مقدر ہے، تو اس کو شیطان کبھی ضرر نہیں پہنچائے گا۔

مباشرت کی دعا

اس باب کے اندر امام بخاری رحمہ اللہ نے بیوی کے ساتھ مباشرت کی دعا ذکر فرمائی ہے، حاصل یہ ہے کہ جنسی تقاضے کو جائز طریقے سے پورا کرتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے اور غافل نہیں رہنا چاہیے، ورنہ عموماً یہ حالت سرمستی اور مدہوشی کی ہوتی ہے لیکن ایک مومن کی زندگی کے تمام لمحات میں سے کوئی لمحہ بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اپنی فکر سے خالی نہیں رہنا چاہیئے، اور اس حالت میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امت کو بڑی خوبصورت دعا کی تعلیم دی، اللہ اکبر!

---

(١٠) صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب إذ همت طائفتان منكم أن تفشلا والله وليهما، رقم الحديث: ٤٠٥٢

٥٥ – باب : قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ : (رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً) .

٦٠٢٦ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ ، عَنْ أَنَسٍ قالَ : كانَ أَكْثَرُ دُعاءِ النَّبِيِّ ﷺ : (اللَّهُمَّ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ، وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً ، وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ) . [ر : ٤٢٥٠]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اکثر دعا یہ تھی اللھم ربنا آتنا ...... یعنی اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا کر اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

ایک جامع قرآنی دعا

اس باب کے اندر امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک جامع قرآنی دعا ذکر فرمائی جس کا ورد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بکثرت کیا کرتے تھے، اس دعا کے اندر دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ سے حسنہ طلب کیا گیا ہے اور جہنم سے بچاؤ طلب کیا گیا ہے، دنیا کے اندر حسنہ سے مراد ایمان واسلام کے ساتھ عافیت، نیک بیوی اور اولاد ہے اور آخرت کا حسنہ جنت اور نجات ابدی ہے (١١)۔

٥٦ – باب : التَّعَوُّذِ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا .

٦٠٢٧ : حدّثنا فَرْوَةُ بْنُ أَبِي الْمَغْرَاءِ : حَدَّثَنَا عَبِيدَةُ بْنُ حُمَيْدٍ ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ ، عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قالَ : كانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعَلِّمُنَا هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ ، كما تُعَلَّمُ الْكِتَابَةُ : (اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ نُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا ، وَعَذَابِ الْقَبْرِ) . [ر : ٢٦٦٧]

حضرت مصعب بن سعد بن ابی وقاص اپنے والد (سعد بن ابی وقاص) سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ ہمیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ کلمات اس طرح سکھاتے تھے، جس طرح لکھنا سکھایا جاتا ہے، اللھم إني أعوذبك ...... یعنی یا اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں بخل سے، اور تیری پناہ مانگتا ہوں بزدلی سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ عمر کے ذلیل ترین مرحلہ کی طرف لوٹایا جاؤں اور تیری پناہ مانگتا ہوں دنیا

(١١) فتح الباري: ١١/١٩٢

کے فتنہ سے اور عذابِ قبر سے۔

٥٧ - باب : تَكْرِيرِ الدُّعَاءِ.

٦٠٢٨ : حدّثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُنْذِرٍ : حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ ، عَنْ هِشَامٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عائشَةَ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهَا : أَنَّ رَسُولَ ٱللَّهِ ﷺ طُبَّ ، حَتَّى إِنَّهُ لَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ قَدْ صَنَعَ الشَّيْءَ وَما صَنَعَهُ ، وَإِنَّهُ دَعا رَبَّهُ ، ثُمَّ قالَ : (أَشَعَرْتِ أَنَّ ٱللَّهَ قَدْ أَفْتَانِي فِيما ٱسْتَفْتَيْتُهُ فِيهِ). فَقالَتْ عائِشَةُ : فَمَا ذَاكَ يَا رَسُولَ ٱللَّهِ؟ قالَ : (جاءَنِي رَجُلَانِ ، فَجَلَسَ أَحَدُهُمَا عِنْدَ رَأْسِي ، وَالآخَرُ عِنْدَ رِجْلَيَّ ، فَقَالَ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ : ما وَجَعُ الرَّجُلِ؟ قالَ : مَطْبُوبٌ ، قالَ : مَنْ طَبَّهُ؟ قالَ : لَبِيدُ بْنُ الْأَعْصَمِ ، قالَ : فِيماذَا؟ قالَ : فِي مُشْطٍ وَمُشَاطَةٍ وَجُفِّ طَلْعَةٍ ، قالَ : فَأَيْنَ هُوَ؟ قالَ : فِي ذَرْوَانَ). وَذَرْوَانُ بِئْرٌ فِي بَنِي زُرَيْقٍ ، قالَتْ : فَأَتَاهَا رَسُولُ ٱللَّهِ ﷺ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى عائِشَةَ ، فَقَالَ : (وَٱللَّهِ لَكَأَنَّ ماءَهَا نُقَاعَةُ ٱلْحِنَّاءِ ، وَلَكَأَنَّ نَخْلَهَا رُؤُوسُ الشَّيَاطِينِ). قالَتْ : فَأَتَى رَسُولُ ٱللَّهِ ﷺ فَأَخْبَرَهَا عَنِ الْبِئْرِ ، فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ ٱللَّهِ فَهَلَّا أَخْرَجْتَهُ؟ قالَ : (أَمَّا أَنَا فَقَدْ شَفَانِي ٱللَّهُ ، وَكَرِهْتُ أَنْ أُثِيرَ عَلَى النَّاسِ شَرًّا).

زَادَ عِيسَى بْنُ يُونسَ وَاللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ ، عَنْ هِشَامٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عائِشَةَ قالَتْ : سُحِرَ رَسُولُ ٱللَّهِ ﷺ ، فَدَعا وَدَعا ، وَسَاقَ الْحَدِيثَ . [ر : ٣٠٠٤]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا، یہاں تک کہ آپ کا خیال ہوتا کہ ایک کام کر چکے، حالانکہ وہ نہیں کیا ہوتا۔ چنانچہ آپ نے اپنے رب سے دعا کی، پھر فرمایا (اے عائشہ) کیا تو جانتی ہے کہ اللہ نے مجھے وہ بات بتادی جو میں دریافت کرنا چاہتا تھا، حضرت عائشہؓ نے پوچھا وہ بات کیا تھی یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا میرے پاس دو آدمی آئے، ان میں سے ایک میرے سر کے پاس اور دوسرا میرے پاؤں کے پاس بیٹھا، ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے پوچھا "اس آدمی کو کیا تکلیف ہے؟ دوسرے نے کہا: اس پر جادو کیا گیا ہے (پہلے نے) پوچھا کس نے جادو کیا، اس نے کہا لبید بن اعصم نے پوچھا، کس چیز میں، جواب دیا کنگھی میں اور کنگھی سے نکلے ہوئے بالوں میں اور کھجور کے غلاف

میں، (پہلے نے) پوچھا وہ کہاں ہے (دوسرے نے) کہا ذروان میں، ذروان بنی رزیق میں ایک کنواں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ آنحضرت اس کنویں کے پاس تشریف لے گئے پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس لوٹے، تو فرمایا: واللہ اس کا پانی مہندی کے نچوڑ کی طرح سرخ ہے، اور اس کے پاس کھجوروں کے درخت گویا شیطانوں کے سر ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واپس آئے، اور کنویں کی حالت بیان کی، تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے اس کو نکال کیوں نہیں دیا؟ آپ نے فرمایا، اللہ نے مجھے شفا دے دی اور میں نے اچھا نہیں سمجھا کہ لوگوں پر شر کو برانگیختہ کروں، عیسیٰ بن یونس ولیث نے ہشام سے بواسطہ عروہ عن عائشہ نقل کیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کسی نے جادو کر دیا، تو آپ نے دعا فرمائی، پھر پوری حدیث بیان کی۔

بار بار دعا کرنا مستحب ہے

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بار بار دعا کیا کرتے تھے، دعا میں تکرار حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پسند تھا، سنن ابی داود اور سنن نسائی میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تین بار دعا کرنا اور تین بار استعمال کرنا پسند تھا (۱۲)۔

باب کے اندر امام بخاری رحمہ اللہ نے جو روایت ذکر کی ہے، وہ اس سے پہلے کتاب الطب میں گزر چکی ہے، روایتِ باب میں ''تکرار دعاء'' نہیں ہے بلکہ ''دعا ربہ'' کے الفاظ ہیں، البتہ کتاب الطب کی روایت میں ''دعا اللّٰہ و دعاہ'' مکرر وارد ہے (۱۳) اسی طرح صحیح مسلم کی روایت میں ہے: ''فدعا، ثم دعا......'' امام نے اسی روایت کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس کی مناسبت ترجمۃ الباب سے واضح ہے۔

٥٨ – باب : اَلدُّعاءِ عَلَى الْمُشْرِكِينَ .

وَقالَ ٱبْنُ مَسْعُودٍ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوسُفَ) .

[ر : ٩٦٢]

(۱۲) سنن أبي داود، كتاب الوتر، باب في الاستغفار، رقم الحديث: ١٥٢٤

(۱۳) فتح الباري: ١١/١٩٣، نیز دیکھئے کشف الباري، كتاب الطب: ١٠٤

وَقالَ : (اللَّهُمَّ عَلَيْكَ بِأَبِي جَهْلٍ) . [ر : ٢٣٧]

وَقالَ ٱبْنُ عُمَرَ : دَعَا النَّبِيُّ ﷺ فِي الصَّلَاةِ : (اللَّهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَفُلَانًا) . حَتَّى أَنْزَلَ ٱللهُ عَزَّ وَجَلَّ : «لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ» /آل عمران: ١٢٨/ . [ر : ٣٨٤٢]

حضوراکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مشرکین اور کافروں کے لئے بددعا فرمائی ہے، اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ان روایتوں کو جمع کیا ہے جن میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی کافر اور مشرک کے لئے بددعا کی۔

ترجمۃ الباب میں تین تعلیقات ذکر فرمائی ہیں، پہلی تعلیق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ہے: "اللهم أعِنّي عليهم......" (اے اللہ! تو ان کے مقابلہ میں میری مدد فرما......) یہ تعلیق امام بخاری رحمہ اللہ نے استسقاء میں موصولاً ذکر فرمائی ہے(۱۴)۔

دوسری تعلیق بھی ان کی ہے: "اللهم عليك بأبي جهل" (اے اللہ! تو ابوجہل کی گرفت کر)۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الطہارۃ میں اس تعلیق کو بھی موصولاً نقل کیا ہے(۱۵)۔

اور تیسری تعلیق، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے، اسے بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے "کتاب التفسیر" میں موصولاً نقل کیا ہے(۱۶)۔

٦٠٢٩ : حدّثنا ٱبْنُ سَلَامٍ : أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ ، عَنِ ٱبْنِ أَبِي خالِدٍ قالَ : سَمِعْتُ ٱبْنَ أَبِي أَوْفَى رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا قالَ : دَعَا رَسُولُ ٱللهِ ﷺ عَلَى الْأَحْزَابِ ، فَقَالَ : (اللَّهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ ، سَرِيعَ ٱلْحِسَابِ ، ٱهْزِمِ الْأَحْزَابَ ، ٱهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ) . [ر : ٢٧٧٥]

حضرت ابن ابی اوفی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کفار کی مختلف جماعتوں اور احزاب کے لئے بددعا کی اور فرمایا کہ اے اللہ! جو کتاب نازل

---

(١٤) صحيح البخاري، كتاب الاستسقاء، باب دعاء النبي: "اجعلها عليهم سنين كسني يوسف" رقم الحديث: ١٠٠٧

(١٥) صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب إذا ألقي على ظهر المصلي قذر أو جيفة لم تفسد عليه صلاته، رقم الحديث: ٢٤٠

(١٦) صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب "ليس لك من الأمر شئ" رقم الحديث: ٤٥٥٩

کرنے والا ہے، اور جلد حساب لینے والا ہے، احزاب کو شکست دے، ان کو ہزیمت دے اور ان کو متزلزل کردے (قدم ڈگمگادے)۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ کا نام محمد بن سلام (لام کی تخفیف کے ساتھ) ہے، ابن ابی خالد سے اسماعیل ابن ابی خالد مراد ہیں، ابوخالد کا نام سعید یا ھرمز ہے، ابن ابی اوفیٰ کا نام عبداللہ ہے اور ابواوفی کا نام علقمہ ہے، یعنی عبداللہ بن علقمہ، یہ دونوں صحابی ہیں (۱۷)۔

٦٠٣٠ : حدّثنا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ : حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ أَبِي عَبْدِ ٱللهِ ، عَنْ يَحْيىٰ ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كانَ إِذَا قالَ : سَمِعَ ٱللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ ، في الرَّكْعَةِ الآخِرَةِ مِنْ صَلَاةِ الْعِشَاءِ قَنَتَ : (اللَّهُمَّ أَنْجِ عَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ ، اللَّهُمَّ أَنْجِ الْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ ، اللَّهُمَّ أَنْجِ سَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ ، اللَّهُمَّ أَنْجِ الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ، اللَّهُمَّ ٱشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلَى مُضَرَ ، اللَّهُمَّ ٱجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ) . [ر : ٩٦١]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب عشاء کی نماز میں آخری رکعت میں سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو قنوت پڑھتے، اے اللہ! عیاش بن ربیعہ کو نجات دلا، یا اللہ ولید بن ولید کو نجات دلا، اے اللہ! سلمہ بن ہشام کو نجات دلا، اے اللہ! کمزور مسلمانوں کو نجات دلا، یا اللہ! اپنی گرفت کو قبیلہ مضر پر سخت کر، اے اللہ! ان (کافروں) کو یوسف علیہ السلام کی (قحط سالی) کی طرح قحط سالی میں مبتلا کردے''۔

٦٠٣١ : حدّثنا الحَسَنُ بْنُ الرَّبِيعِ : حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ ، عَنْ عاصِمٍ ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ : بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ سَرِيَّةً يُقَالُ لَهُمْ الْقُرَّاءُ فَأُصِيبُوا ، فَمَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَجَدَ عَلَى شَيْءٍ ما وَجَدَ عَلَيْهِمْ ، فَقَنَتَ شَهْرًا في صَلَاةِ الْفَجْرِ ، وَيَقُولُ : (إِنَّ عُصَيَّةَ عَصَوُا ٱللهَ وَرَسُولَهُ) . [ر : ٩٥٧]

(۱۷) عمدة القاري: ۲۳/۱۷، وفتح الباري:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک چھوٹا سا دستہ بھیجا، ان لوگوں کو قراء کہا جاتا تھا وہ لوگ قتل کر دیئے گئے، تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس قدر غمگین ہوئے کہ اتنے غمگین ہوتے ہوئے کسی واقعہ پر میں نے آپ کو نہیں دیکھا تھا، چنانچہ نماز فجر میں آپ ایک ماہ تک قنوت پڑھتے رہے اور فرمایا کرتے تھے کہ قبیلۂ عصیہ نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔

ابوالاحوص کا نام سلّام (بتشدید اللام) بن سلیم ہے، اور عاصم سے عاصم بن سلیمان احول مراد ہیں(۱۸)۔

عُصَيّة، یہ عصا کی تصغیر ہے اور عرب کا مشہور قبیلہ ہے(۱۹)۔

٦٠٣٢ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا هِشَامٌ : أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ عُرْوَةَ ، عَنْ عائِشَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهَا قالَتْ : كانَ ٱلْيَهُودُ يُسَلِّمُونَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ يَقُولُونَ : السَّامُ عَلَيْكَ ، فَفَطِنَتْ عائِشَةُ إِلَى قَوْلِهِمْ ، فَقَالَتْ : عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (مَهْلاً يَا عائِشَةُ ، إِنَّ ٱللهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ) . فَقَالَتْ : يَا نَبِيَّ ٱللهِ ، أَوَلَمْ تَسْمَعْ ما يَقُولُونَ ؟ قالَ : (أَوَلَمْ تَسْمَعِي أَنِّي أَرُدُّ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ ، فَأَقُولُ : وَعَلَيْكُمْ) . [ر : ٢٧٧٧]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ یہود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سلام کرتے، تو کہتے "السام عليك" حضرت عائشہؓ نے ان کی یہ بات سمجھ لی، تو انہوں نے کہا کہ تم ہی پر ہلاکت اور لعنت ہو، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ! چھوڑو بھی، اللہ تعالیٰ تمام امور میں نرمی کو پسند کرتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! کیا آپ نے نہیں سنا جو اُن لوگوں نے کہا ہے، آپ نے فرمایا: کیا تم نے نہیں سنا، جو میں نے ان لوگوں کو جواب دیا ہے، میں نے کہا ہے: وعلیکم یعنی تم ہی پر ہو۔

یہ حدیث کتاب الاستیذان میں گزر چکی ہے، سند میں ہشام سے ہشام بن یوسف مراد ہیں۔

---

(۱۸) عمدة القاري: ۲۳/۱۸

(۱۹) عمدة القاري: ۲۳/۱۸

٦٠٣٣ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى : حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ : حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ : حَدَّثَنَا عَبِيدَةُ : حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ الخَنْدَقِ ، فَقَالَ : (مَلَأَ ٱللهُ قُبُورَهُمْ وَبُيُوتَهُمْ نَارًا ، كما شَغَلُونَا عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطَى حَتَّى غَابَتِ الشَّمْسُ) . وَهِيَ صَلَاةُ الْعَصْرِ . [ر : ٢٧٧٣]

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم غزوہ خندق کے دن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، تو آپ نے فرمایا کہ اللہ ان کی قبروں اور ان کے گھروں کو آگ سے بھر دے، جس طرح ان لوگوں نے ہمیں صلوۃ وسطی سے غروب آفتاب تک روک رکھا، درمیانی نماز سے مراد نماز عصر ہے۔

سند میں امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ الشیخ ''انصاری'' ہیں، اس سے محمد بن عبداللہ مراد ہیں، جو بصرہ کے قاضی تھے، یہ امام بخاری رحمہ اللہ کے اساتذہ میں سے ہیں، لیکن یہ روایت امام نے ان سے بالواسطہ نقل کی ہے اور عَبِیدہ (عین کے زبر اور باء کے زیر کے ساتھ) سے عبیدہ بن عمرو یا عبیدہ بن قیس مراد ہیں (۲۰)۔ یہ حدیث غزوہ خندق میں گزر چکی ہے۔

احادیثِ باب کی مناسبت ترجمۃ الباب سے بالکل ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر روایت میں کسی ایک مشرک، یا مشرکین کی کسی جماعت کے لئے بددعا فرمائی ہے۔

٥٩ – باب : اَلدُّعاءِ لِلْمُشْرِكِينَ .

٦٠٣٤ : حدّثنا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ : حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ ، عَنِ الْأَعْرَجِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ : قَدِمَ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو عَلَى رَسُولِ ٱللهِ ﷺ فَقَالَ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، إِنَّ دَوْسًا قَدْ عَصَتْ وَأَبَتْ فَٱدْعُ ٱللهَ عَلَيْهَا ، فَظَنَّ النَّاسُ أَنَّهُ يَدْعُو عَلَيْهِمْ ، فَقَالَ : (اللَّهُمَّ ٱهْدِ دَوْسًا وَأْتِ بِهِمْ) . [ر : ٢٧٧٩]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ طفیل بن عمرو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! دوس نے نافرمانی کی اور انکار کیا اس لئے

(۲۰) عمدة القاري: ۱۹/۲۳

آپ ان لوگوں کے حق میں بددعا کیجئے، لوگوں کا خیال تھا کہ آپ ان لوگوں کے لئے بددعا کریں گے (لیکن) آپ نے فرمایا: یا اللہ! دوس کو ہدایت دے، اور ان کو (میرے پاس) لے آئے۔

ترجمۃ الباب کی غرض

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ مشرکین اور کفار کے لئے اگر ہدایت اور ایمان و اسلام کی دعا کی جائے تو جائز ہے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے، سند میں ابوالزناد کا نام عبداللہ بن ذکوان ہے۔ روایتِ باب کتاب المغازی میں گزر چکی ہے (۲)۔

اس باب کے اندر امام بخاری رحمہ اللہ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک دعا نقل فرمائی ہے،

٦٠ – باب: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: (اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ما قَدَّمْتُ وَما أَخَّرْتُ).

جس میں آپ نے اللہ جل شانہ سے اپنے لئے مغفرت کی دعا کی ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اس پر اشکال ہوسکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو گناہوں سے معصوم ہیں، تو ان کے حق میں اس دعا کے کیا معنی ہیں؟

❶ اس کا ایک جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ یہ استغفار اور دعا کرنا بطور شکر اور تواضع تھا اور اظہارِ عبدیت کے طور پر تھا، یعنی اگرچہ اللہ جل شانہ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے گناہوں سے حفاظت اور مغفرت کا فیصلہ فرمایا تاہم اللہ تعالیٰ کے اس خصوصی کرم اور فضل کے تقاضہ کی بناء پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعائے مغفرت فرمایا کرتے تھے اور اللہ جل شانہ نے بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سورۃ نصر میں استغفار کا حکم دیا: ﴿فسبح بحمد ربك واستغفره﴾۔ نیز دعا کرنا بجائے خود ایک عبادت ہے، بلکہ حدیث میں تو اسے "مُخ العبادة" قرار دیا گیا ہے (۲۱)۔

❷ دوسرا جواب یہ دیا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگرچہ گناہوں سے معصوم تھے، لیکن

---

(۲) كشف الباري، كتاب المغازي: ٦١٣

(۲۱) فتح الباري: ٢٣٧/١١، وإرشاد الساري: ٣٩٤/١٣، وقال العيني: "هذا إرشاد لأمته وتعليم لهم، وهو معصوم عن الذنوب جميعها قبل النبوة، وبعدها" (عمدة القاري: ٢٩/٢٣)

بسا اوقات خلافِ افضل اور خلافِ اولیٰ امور آپ سے سرزد ہو جاتے، مثلاً فاضل کو افضل پر ترجیح دی اور اگر چہ اس طرح کسی امر کا صادر ہونا "معصیت" کے زمرے میں نہیں آتا، لیکن "حسنات الأبرار سیئات المقربین" کے قاعدے کی رو سے اسے اپنے حق میں سیئہ سمجھ کر آپ استغفار فرمایا کرتے تھے (۲۲)۔

٦٠٣٥/٦٠٣٦ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ المَلِكِ بْنُ صَبَّاحٍ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ ، عَنِ ٱبْنِ أَبِي مُوسٰى ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : أَنَّهُ كانَ يَدْعُو بِهٰذَا ٱلدُّعاءِ : (رَبِّ ٱغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي وَجَهْلِي ، وَإِسْرَافِي فِي أَمْرِي كُلِّهِ ، وَما أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي . اللّٰهُمَّ ٱغْفِرْ لِي خَطَايَايَ ، وَعمْدِي وَجَهْلِي وَهَزْلِي ، وَكُلُّ ذٰلِكَ عِنْدِي . اللّٰهُمَّ ٱغْفِرْ لِي ما قَدَّمْتُ وَما أَخَّرْتُ ، وَما أَسْرَرْتُ وَما أَعْلَنْتُ ، أَنْتَ المُقَدِّمُ وَأَنْتَ المُؤَخِّرُ ، وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ) .

وَقالَ عُبَيْدُ ٱللهِ بْنُ مُعاذٍ : وَحَدَّثَنَا أَبِي : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ ٱبْنِ أَبِي مُوسٰى ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ .

حضرت ابواسحٰق ابن موسیٰ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ یہ دعا پڑھا کرتے تھے: رب اغفرلی......
"یعنی اے میرے رب! میری غلطی، نادانی اور تمام معاملات میں حد سے تجاوز کرنے میں اور جو کچھ تو میرے متعلق جانتا ہے، اس میں میری مغفرت فرما، اے اللہ! میری مغفرت فرما، میری غلطیوں کی، میرے بالقصد اور نادانی سے ہونے والی کوتاہیوں کی، میری ہنسی مزاح کے کاموں کی کہ یہ سب میرے پاس ہیں، یعنی میں ان تمام خطاؤں کے ساتھ متصف ہوں، اے اللہ! میرے اگلے پچھلے اور خفیہ علانیہ گناہوں کی مغفرت فرما، تو ہی آگے کرنے والا اور پیچھے ہٹانے والا ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔

عبدالملک بن صباح کا درجۂ ثقاہت

عبدالملک بن صباح کی صحیح بخاری میں صرف یہی ایک روایت ہے (۲۳)، امام ابوحاتم رازی نے ان

(٢٢) روح المعاني: ٩١/١٦ (تفسير سورة الفتح)

(٢٣) فتح الباري: ١٩٧/١١

کے لئے ''صالح'' کا لفظ استعمال کیا ہے، یہ اگرچہ الفاظ توثیق میں سے ہے لیکن یہ لفظ وہ آخری اور بالکل ہلکے درجے کی توثیق کے لئے استعمال کرتے ہیں (۲۴)۔

لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کے علاوہ امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی ان کی روایت ذکر کی ہے (۲۵)، اور شیخین کا راوی کی کسی روایت کو ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ثقاہت میں اس کا درجہ بالکل معمولی اور آخری نہیں ہے۔

كان يدعو بهذا الدعاء

یہ دعا آپ کس وقت پڑھتے تھے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ روایت کے کسی طریق میں اس کا محل متعین نہیں ہوسکا لیکن بعض دوسری روایات میں ہے کہ یہ آپ نماز کے آخر میں پڑھتے تھے، سلام سے پہلے اور تشہد کے بعد یا سلام اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد، دونوں طرح ثابت ہے (۲۶)۔

وقال عبيدالله بن معاذ......

عبیداللہ بن معاذ، امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ ہیں۔ امام نے اسے یہاں تعلیقاً ذکر کیا ہے، امام مسلم رحمہ اللہ نے اسے موصولاً ''تصریح تحدیث'' کے ساتھ ذکر کیا ہے (۲۷)۔

(٦٠٣٦) : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى : حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْمَجِيدِ : حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ : حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحٰقَ . عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي مُوسٰى ، وَأَبِي بُرْدَةَ – أَحْسِبُهُ – عَنْ أَبِي مُوسٰى الْأَشْعَرِيِّ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : أَنَّهُ كَانَ يَدْعُو : (اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي وَجَهْلِي ، وَإِسْرَافِي فِي أَمْرِي ، وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي . اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي هَزْلِي وَجِدِّي وَخَطَايَايَ وَعَمْدِي ، وَكُلُّ ذٰلِكَ عِنْدِي)

حضرت ابوموسیٰ اشعری آنحضرت سے روایت کرتے ہیں کہ آپ یہ دعا پڑھا کرتے تھے: ''اے اللہ! میری غلطی، میری نادانی، معاملات میں میرا حد سے بڑھنے اور جو کچھ کوتاہی تو میرے متعلق جانتا ہے، اس سب کی مغفرت فرما، اے اللہ! میری مزاح اور

(٢٤) فتح الباري: ١١/١٩٧

(٢٥) فتح الباري: ١١/١٩٧

(٢٦) فتح الباري: ١١/١٩٨

(٢٧) فتح الباري: ١١/١٩٧

سنجیدگی کی غلطی اور بالقصد گناہ کی مغفرت فرما کہ میں ان سب کے ساتھ متصف ہوں!

حدیث باب کے تین طریق

امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیثِ باب کے تین طریق ذکر کئے:

1. پہلا طریق محمد بن بشار ہے، اس میں "ابن ابی موسیٰ" ہے۔
2. دوسرا طریق عبید اللہ بن معاذ کا ہے، اس میں "ابی بردہ عن ابی موسیٰ" ہے۔
3. تیسرا طریق محمد بن المثنی کا ہے، اس میں "ابی بکر بن ابی موسیٰ" اور "ابی بردہ عن ابی موسیٰ" دونوں ہیں، تیسرے طریق میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث ان کے دونوں بیٹوں ابوبکر اور ابوبردہ نقل کررہے ہیں۔

٦١ - باب: اَلدُّعاءِ في السَّاعَةِ الَّتِي في يَوْمِ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے دن قبولیت کی گھڑی

جمعہ کے دن اللہ جل شانہ نے ایک گھڑی ایسی رکھی ہے جس میں جو بھی دعا کی جائے، وہ قبول ہوتی ہے، اسے "ساعة اجابة" کہا جاتا ہے، امام بخاری نے اس باب میں اسی کو بیان کیا ہے۔ اب یہ گھڑی کس وقت ہے؟ اس سلسلے میں چالیس سے زیادہ اقوال ہیں (۲۸)، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں فرمایا: "إني كنت أعلمها، ثم أنسيتها، كما أنسيت ليلة القدر" (۲۹)۔ یعنی "مجھے اس کا علم تھا، مگر پھر لیلۃ القدر کی طرح مجھے یہ بھلادی گئی"۔

صبح نماز سے پہلے، نماز فجر کے بعد، زوال کے وقت، دونوں خطبوں کے درمیان کے وقفے میں اور نماز عصر کے بعد مغرب تک۔ کے اوقات میں قبولیت کی اس گھڑی کے امکانات زیادہ بتلائے گئے ہیں (۳۰)۔

اس ساعت کو مخفی رکھنے میں راز یہی ہے کہ لوگ سارے دن کو اہم سمجھ کر اطاعت وعبادت میں لگے رہیں (۳۱)۔

---

(۲۸) فتح الباري: ۱۱/۱۹۹

(۲۹) فتح الباري: ۱۱/۱۹۹

(۳۰) عمدة القاري: ٦/۲٤۳

(۳۱) فتح الباري: ۱۱/٤۱۷، وعمدة القاري: ٦/۲٤۳

٦٠٣٧ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ : أَخْبَرَنَا أَيُّوبُ ، عَنْ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : قالَ أَبُو الْقَاسِمِ ﷺ : (فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ سَاعَةٌ ، لَا يُوَافِقُهَا مُسْلِمٌ ، وَهْوَ قَائِمٌ يُصَلِّي يَسْأَلُ ٱللهَ خَيْرًا إِلَّا أَعْطَاهُ) . وَقالَ بِيَدِهِ ، قُلْنَا : يُقَلِّلُهَا ، يُزَهِّدُهَا .
[ر : ٨٩٣]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوالقاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن ایک ایسی گھڑی ہے، جس کو کوئی مسلمان اس حال میں پالے کہ وہ کھڑا نماز پڑھ رہا ہو تو جو بھلائی وہ مانگے گا، اللہ عنایت فرمائے گا۔ اور اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور ہم نے اس اشارہ سے یہ سمجھا کہ حضور اس گھڑی کے مختصر ہونے کی طرف اشارہ کررہے ہیں۔

قلنا: يقللها: يزهدها یعنی ہم نے دل میں کہا کہ حضور اس ساعت اور گھڑی کو قلیل اور مختصر قرار دے رہے ہیں، یزھدھا، یہ یقللھا کی تفسیر ہے۔

٦٢ – باب : قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ : (يُسْتَجَابُ لَنَا فِي الْيَهُودِ ، وَلَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ فِينَا) .

یہود سے متعلق دعا کی قبولیت

یعنی یہودیوں کے بارے میں ہم جو دعا کرتے ہیں، وہ قبول ہوتی ہے کیونکہ وہ دعائے برحق ہوتی ہے، لیکن یہودی کی دعا ہمارے بارے میں قبول نہیں ہوتی کیونکہ وہ دعا برحق نہیں ہوتی، اس میں اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ اللہ جل شانہ ان ہی دعاؤں کو قبول فرماتے ہیں جو صحیح اور برحق ہوں اور جو دعا شرعی لحاظ سے درست نہ ہو اور ظالمانہ ہو، وہ قبول نہیں ہوتی۔

٦٠٣٨ : حدّثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ : حَدَّثَنَا أَيُّوبُ ، عَنِ ٱبْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ ، عَنْ عائِشَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهَا : أَنَّ الْيَهُودَ أَتَوُا النَّبِيَّ ﷺ فَقَالُوا : السَّامُ عَلَيْكَ ، قالَ : (وَعَلَيْكُمْ) . فَقَالَتْ عائِشَةُ : السَّامُ عَلَيْكُمْ ، وَلَعَنَكُمُ ٱللهُ وَغَضِبَ عَلَيْكُمْ ، فَقَالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (مَهْلًا يَا عائِشَةُ ، عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ ، وَإِيَّاكِ وَالْعُنْفَ ، أَوِ الْفُحْشَ) . قالَتْ : أَوَ لَمْ تَسْمَعْ مَا قالُوا ؟ قالَ : (أَوَ لَمْ تَسْمَعِي مَا قُلْتُ ، رَدَدْتُ عَلَيْهِمْ ، فَيُسْتَجَابُ لِي فِيهِمْ ، وَلَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ فِيَّ) .
[ر : ٢٧٧٧]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ یہود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا السام علیك آپ نے فرمایا وعلیکم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا السام علیکم ولعنکم اللہ وغضب علیکم (تم پر ہلاکت ہو، اور اللہ تم پر لعنت کرے اور تم پر اپنا غضب نازل کرے) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! اس کو چھوڑو بھی، نرمی اختیار کرو اور سختی سے بچو یا فرمایا: بدگوئی سے بچو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کیا آپ نے نہیں سنا کہ یہودیوں نے کیا کہا؟ حضور نے فرمایا، آپ نے نہیں سنا، جو میں نے جواب دیا چنانچہ میں نے ان کی بات، ان ہی پر لوٹا دی، میری دعا ان کے حق میں قبول ہوتی ہے، لیکن ان کی دعا میرے حق میں قبول نہیں ہوتی۔

سند میں ایوب سختیانی کے شیخ ابن ابی ملیکہ ہیں، ان کا نام عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی ملیکہ ہے۔

٦٣ - باب : التَّأْمِينِ .

٦٠٣٩ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ : قالَ الزُّهْرِيُّ : حَدَّثَنَاهُ عَنْ سَعِيدِ ٱبْنِ الْمُسَيَّبِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (إِذَا أَمَّنَ الْقَارِئُ فَأَمِّنُوا ، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تُؤَمِّنُ ، فَمَنْ وَافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ ما تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ) . [ر : ٧٤٧]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا، کہ جب پڑھنے والا (یعنی امام) آمین کہے، تو تم بھی آمین کہو، اسلئے کہ فرشتے بھی آمین کہتے ہیں، تو جس شخص کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے کے موافق ہوجائے، تو اس کے اگلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

لفظ آمین کی تحقیق

آمین کے بارے میں بعضوں نے کہا یہ غیر عربی، سریانی یا عبرانی زبان کا کلمہ ہے۔ لیکن اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ عربی لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں: ''اللهم استجب'' (اے اللہ! آپ قبول فرماویں) حضرت ابن عباس سے یہ معنی منقول ہیں (۱)۔ یہ اسم فعل ہے۔

بعضوں نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے، لیکن یہ قول ضعیف ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ

(١) إرشاد الساري: ٣٩٥/١٣

کے اسماء توقیفی ہیں اوران میں اس کا ذکر نہیں (۲)۔

امام حاکم نے ''مستدرک'' میں حبیب بن مسلمہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا يجتمع ملأ فيدعو بعضهم، ويؤمّن بعضهم إلّا أجابهم الله تعالیٰ" (۳)۔ یعنی: ''جس مجلس میں کوئی شخص دعا کرے اور دوسرے آمین کہیں تو اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول فرماتے ہیں''۔

اور کسی بزرگ کا قول ہے: "آمين كنز من كنوز الجنة" (٤)۔ یعنی: ''آمین جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے''۔

٦٤ - باب: فَضْلِ التَّهْلِيلِ

تہلیل کی فضیلت

تهليل کے معنی ہیں: "لا إلـه إلا الله" کہنا، اس باب میں "لا إلـه إلا الله" کے ورد کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے، علامہ قسطلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وهي الكلمة العليا التي يدور عليها رحى الإسلام، والقاعدة التي تبنى عليها أركان الدين، وانظر إلى العارفين وأرباب القلوب كيف يستأثرونها على سائر الأذكار!؟ وما ذاك إلا لما رأوا فيها من الخواص التي لم يجدوها في غيرها" (٥)۔

یعنی: ''لا إلـه إلا الله ایسا عالی شان کلمہ ہے، جس پر اسلام کی چکی گھومتی ہے، اور یہ ارکانِ دین کی بنیاد ہے۔ عارفین اور اربابِ قلوب کو دیکھ لیں! کس طرح یہ حضرات اس کو دیگر اذکار پر ترجیح دیتے ہیں اور اس کی سوائے اس کے اور کوئی وجہ نہیں کہ اس میں جو خواص ہیں وہ دیگر اذکار میں ان کو نہیں ملے''۔

---

(٢) إرشاد الساري: ٣٩٥/١٣

(٣) المستدرك للحاكم، كتاب معرفة الصحابة، مناقب حبيب بن مسلمة الفهريؓ: ٣٤٧/٣

(٤) إرشاد الساري: ٣٩٦/١٣

(٥) إرشاد الساري: ٣٩٧/١٣

بعض حضرات نے تسبیح کو تہلیل کے مقابلے میں ترجیح دی ہے، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ تہلیل افضل ہے، کیونکہ "لا إله إلا الله" کو حدیث میں افضل الذکر کہا گیا ہے(٦)۔

٦٠٤٠ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ ، عَنْ مالِكٍ ، عَنْ سُمَيٍّ ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قالَ : (مَنْ قالَ : لَا إِلٰهَ إِلَّا ٱللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ ، لَهُ المُلْكُ وَلَهُ الحَمْدُ ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ . فِي يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ ، كانَتْ لَهُ عَدْلَ عَشْرِ رِقابٍ ، وَكُتِبَتْ لَهُ مِائَةُ حَسَنَةٍ ، وَمُحِيَتْ عَنْهُ مِائَةُ سَيِّئَةٍ ، وَكانَتْ لَهُ حِرْزًا مِنَ الشَّيْطَانِ يَوْمَهُ ذٰلِكَ حَتَّى يُمْسِيَ ، وَلَمْ يَأْتِ أَحَدٌ بِأَفْضَلَ مِمَّا جاءَ بِهِ إِلَّا رَجُلٌ عَمِلَ أَكْثَرَ مِنْهُ) .
[ر : ٣١١٩ ، ٦٠٤١]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جس شخص نے لا إله إلا الله وحده لاشريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير ایک دن میں سو بار پڑھا تو اس کو دس غلام (آزاد کرنے) کا ثواب ملے گا اور سو گناہ اس کے مٹا دیئے جاتے ہیں، اور اس دن شام ہونے تک شیطان سے محفوظ رہتا ہے اور اس سے کوئی آدمی افضل نہ ہوگا، مگر وہ شخص جو اس سے زیادہ پڑھے گا۔

٦٠٤١ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ المَلِكِ بْنُ عَمْرٍو : حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ أَبِي زَائِدَةَ ، عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ قالَ : (مَنْ قَالَ عَشْرًا كانَ كَمَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مِنْ وَلَدِ إِسْماعِيلَ) .

قالَ عُمَرُ بْنُ أَبِي زَائِدَةَ : وَحَدَّثَنَا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ أَبِي السَّفَرِ ، عَنِ الشَّعْبِيِّ ، عَنْ رَبِيعِ بْنِ خُثَيْمٍ مِثْلَهُ . فَقُلْتُ لِلرَّبِيعِ : مِمَّنْ سَمِعْتَهُ ؟ فَقَالَ : مِنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ ، فَأَتَيْتُ عَمْرَو بْنَ مَيْمُونٍ ، فَقُلْتُ : مِمَّنْ سَمِعْتَهُ ؟ فَقَالَ : مِنِ ٱبْنِ أَبِي لَيْلَى ، فَأَتَيْتُ ٱبْنَ أَبِي لَيْلَى فَقُلْتُ : مِمَّنْ سَمِعْتَهُ ؟ فَقَالَ : مِنْ أَبِي أَيُّوبَ الأَنْصَارِيِّ ، يُحَدِّثُهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ .

(٦) فتح الباري: ٢٤٨/١١

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ يُوسُفَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ : حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مَيْمُونٍ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى ، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَوْلَهُ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ .

وَقَالَ مُوسٰى : حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ ، عَنْ دَاوُدَ ، عَنْ عَامِرٍ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى ، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . وَقَالَ إِسْمَاعِيلُ ، عَنِ الشَّعْبِيِّ ، عَنِ الرَّبِيعِ قَوْلَهُ .

وَقَالَ آدَمُ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مَيْسَرَةَ : سَمِعْتُ هِلَالَ بْنَ يِسَافٍ ، عَنِ الرَّبِيعِ بْنِ خُثَيْمٍ ، وَعَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَوْلَهُ .

وَقَالَ الْأَعْمَشُ وَحُصَيْنٌ عَنْ هِلَالٍ ، عَنِ الرَّبِيعِ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَوْلَهُ .

وَرَوَاهُ أَبُو مُحَمَّدٍ الْحَضْرَمِيُّ ، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : (كَانَ كَمَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ) .

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ : وَالصَّحِيحُ قَوْلُ عَمْرٍو . [ر : ٦٠٤٠]

"من قال عشرا كان كمن أعتق رقبة من ولد إسماعيل" یعنی: "جس نے یہ کلمہ دس بار پڑھا تو اس کا اجر اتنا ہے، جتنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کوئی غلام آزاد کرنے کا ہے"۔

حدیث کے مختلف طرق کی وضاحت

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کے مختلف طرق موصولاً اور تعلیقاً بیان کئے ہیں:

❶ پہلا طریق یہ ہے: "عبدالله بن محمد، عبدالملك بن عمرو، عمر بن أبي زائدة، أبو إسحاق، عمرو بن ميمون". (عمر بن ابی زائدہ کا نام خالد یا میسرہ ہے اور یہ مشہور محدث زکریا بن ابی زائدہ کے بھائی ہیں اور ابواسحاق سے عمرو بن عبداللہ سبیعی مراد ہیں، یہ صغار تابعین میں سے ہیں اور ان کے شیخ عمرو بن میمون، کبار تابعین میں سے ہیں) (۷)۔

❷ دوسرا طریق یہ ہے: "عبدالله بن محمد، عبدالملك بن عمرو، عمر بن أبي زائدة، عبدالله بن أبي السَفَر شعبي، ربيع بن خُثَيم".

حاصل یہ ہے کہ عمر بن ابی زائدہ کے دو شیخ ہیں، ایک ابواسحاق، ان کا پہلا طریق ہے اور وہ موقوف

(۷) عمدة القاري: ۲۳/۳٤، ۳٥

ہے، دوم عبداللہ بن ابی السفر، ان کا دوسرا طریق ہے اور یہ مرفوع ہے، کیونکہ اس طریق میں آگے ہے: "فقلت للربيع ممن سمعته؟ فقال: من عَمْرو بن ميمون، فأتيت عمرو بن ميمون، فقلت: ممن سمعته؟ فقال: من ابن أبي ليلى، فأتيت ابن أبي ليلى، فقلت: ممن سمعته؟ فقال: من أبي أيوب الأنصاري يحدثه عن النبي صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم".

اس میں ربیع بن خثیم کے شاگرد شعبی عامر بن شراحیل نے اپنے استاذ سے حدیث سننے کے بعد تحقیق کی کہ آپ نے یہ حدیث کس سے سنی ہے، تو انہوں نے عمرو بن میمون کا حوالہ دیا،...... ان کے پاس گئے انہوں نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلی کا حوالہ دیا تو یہ ان کے پاس پہنچے، چنانچہ انہوں نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یہ حدیث بیان کی، اس طرح تحقیق کر کے یہ حدیث عبدالرحمٰن بن ابی لیلی کے واسطہ سے حضرت ابوایوب انصاری سے مرفوعاً حاصل کی۔

❸ "وقال إبراهيم بن يوسف: عن أبيه، عن أبي إسحاق، حدثني عمرو بن ميمون، عن عبدالرحمن بن أبي ليلى، عن أبي أيوب قوله عن النبي صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم۔

یہ تیسرا طریق ہے اور یہ بھی مرفوع ہے، پہلا طریق موقوف تھا، اس میں "أبي إسحاق عن عمرو بن ميمون" عنعنہ تھا اور اس تیسرے طریق میں "حدثني عمرو بن ميمون" کے الفاظ کے ساتھ تحدیث کی تصریح ہے(۸)۔

❹ "وقال موسىٰ: حدثنا وهيب، عن داود، عن عامر، عن عبدالرحمن بن أبي ليلى، عن أبي أيوب، عن النبي صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم".

یہ چوتھا طریق بھی مرفوع ہے، موسیٰ بن اسماعیل، امام بخاری کے شیخ ہیں، وہیب بن خالد کے شیخ داود بن ابی ہند ہیں اور ان کے شیخ عامر شعبی ہیں، اس کو امام بخاری نے بطورِ تعلیق کے ذکر کیا ہے، اس تعلیق کو ابوبکر بن ابی خیثمہ نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے(۹)، اس طریق میں عامر شعبی اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلی کے درمیان باقی

(۸) فتح الباري: ۲٤۳/۱۱

(۹) عمدة القاري: ۳٦/۲۳

واسطوں کا ذکر نہیں، جیسا کہ دوسرے طریق میں ہے۔

❺ "وقال إسماعيل: عن الشعبي، عن الربيع قوله".

یہ پانچواں طریق بھی موقوف ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ابن مبارک کے "زیادات زهد" میں یہ طریق موصولاً اور مرفوعاً واقع ہے، امام بخاری کا مقصد بھی اسی طریق کی طرف اشارہ ہے(۱۰)۔

❻ "وقال آدم: حدثنا شعبة، حدثنا عبدالملك بن ميسرة، سمعت هلال بن يساف عن الربيع بن خُثَيم وعمرو بن ميمون عن ابن مسعود قوله".

یہ چھٹا طریق ہے، آدم بن ایاس، امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ ہیں، لیکن یہاں اسے تعلیقاً ذکر کیا ہے، سنن دارقطنی میں یہ موصولاً واقع ہے(۱۱)، اس طریق میں یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے موقوفاً مروی ہے، اور ربیع اور عمرو دونوں کے شیخ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔

❼ "وقال الأعمش: وحصين عن هلال، عن الربيع عن عبدالله قوله".

اعمش کا نام سلیمان بن مہران ہے، امام نسائی نے اس تعلیق کو موصولاً نقل کیا ہے(۱۲) اور اس طریق میں یہ حدیث مرفوع نہیں، بلکہ موقوف ہے، یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کے طور پر اسے پیش کیا گیا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت نہیں کی گئی۔

❽ "ورواه أبو محمد الحضرمي، عن أبي أيوب، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "كان كمن أعتق رقبة من ولد إسماعيل".

ابومحمد حضرمی، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے خادم خاص تھے، ان کا نام معلوم نہیں ہوسکا، علامہ مزّیؒ نے ان کا نام "افلح" لکھا ہے(۱۳)، صحیح بخاری میں اس تعلیق کے علاوہ ان کی کوئی اور روایت

---

(۱۰) فتح الباري: ۱۱/۲٤۳، ۲٤٤

(۱۱) فتح الباري: ۱۱/۲٤٤

(۱۲) إرشاد الساري: ۱۳/٤۰۰

(۱۳) فتح الباري: ۱۱/۲٤٥

نہیں ہے(۱۴)۔

امام احمد نے اس تعلیق کو موصولاً نقل کیا ہے(۱۵)۔

قال أبو عبدالله: والصحيح قول عمرو، قال الحافظ أبو ذر الهَرَوي: صوابه عُمَر، وهو ابن أبي زائدة، قلت: وعلى الصواب ذكره أبو عبدالله البخاري في الأصل كما تراه، لا عَمْرو.

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "والصحيح قول عَمرو" یعنی عَمرو کا قول اور ان کی روایت صحیح ہے، حافظ ابوذر نے تصحیح کرتے ہوئے کہا کہ "عَمْرو" کے بجائے "عُمر" کا لفظ صحیح ہے اور اس سے مراد عُمر بن ابی زائدہ ہیں، چنانچہ امام بخاری نے اصل نسخے میں خود بعد میں اس کی تصحیح کی ہے، چنانچہ "والصحيح قول عُمَر" کے الفاظ ہونے چاہئیں، امام کا مقصد یہ ہے کہ ابن ابی زائدہ کی روایت صحیح ہے۔

عمر بن ابی زائدہ، ابواسحاق سبیعی کے شاگرد ہیں، ابواسحاق سے اور بھی کئی حضرات یہ روایت نقل کرتے ہیں اور ان کے اور بھی کئی شاگرد ہیں، امام بخاری ان میں "عمر بن أبي زائدة" کی روایت کو ترجیح دینا چاہتے ہیں، جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں پہلے طریق میں ذکر کیا ہے۔

٦٥ – باب: فَضْلِ التَّسْبِيحِ.

٦٠٤٢: حدّثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قالَ: (مَنْ قالَ: سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ، في يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ، حُطَّتْ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ).

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سبحان الله وبحمده ایک دن میں سو بار کہے تو اس کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں، اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔

تسبیح کے معنی

تسبیح کے معنی ہیں: اللہ کی پاکی بیان کرنا، یعنی جو چیزیں اللہ جل شانہ کے شایانِ شان نہیں، ان سے اللہ

(١٤) فتح الباري: ٢٤٥/١١

(١٥) إرشاد الساري: ٤٠١/١٣

تعالیٰ کی تنزیہہ اور پاکی بیان کرنے کو تسبیح کہتے ہیں۔

تسبیح افضل ہے یا تہلیل؟

یہاں باب کی پہلی روایت میں ہے کہ "سبحان اللہ وبحمدہ" جو شخص دن میں سو بار کہے گا، اس کے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے، اگر چہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تہلیل کے مقابلے میں تسبیح افضل ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ تہلیل یعنی "لا إله إلا الله" کہنا زیادہ افضل ہے، ایک تو اس لئے کہ حدیث میں اسے افضل الذکر کہا، دوم وہ عقیدۂ توحید میں صریح ہے (۱)۔ نیز تہلیل میں "عتق رقاب" کا اجر ہے اور حدیث میں آتا ہے کہ جس نے رقبہ آزاد کیا، اس کے ہر عضو کے عوض، جہنم سے آزاد کرنے والے کا ہر عضو آزاد ہوگا، تو یہ جہنم سے مکمل خلاصی اور آزادی کا ذریعہ ہے، دوسرے فضائل اور اجر اس کے علاوہ ہیں (۲)۔

٦٠٤٣ : حدّثنا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ : حَدَّثَنَا ٱبْنُ فُضَيْلٍ ، عَنْ عُمَارَةَ ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ، ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ ، حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ : سُبْحَانَ ٱللهِ الْعَظِيمِ ، سُبْحَانَ ٱللهِ وَبِحَمْدِهِ) . [٦٣٠٤ ، ٧١٢٤]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں لیکن تول میں وزنی اور اللہ کو محبوب ہیں، (وہ یہ ہیں) سبحان اللہ العظیم، سبحان اللہ وبحمدہ۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس متن کو صحیح بخاری میں تین جگہ ذکر کیا ہے، ایک یہاں، دوسرے آگے کتاب الایمان والنذور میں اور تیسرے صحیح بخاری کی سب سے آخری حدیث کے طور پر! وہیں پر، اس کی تفصیلی بحث آئے گی۔ انشاء اللہ۔

---

(۱) إرشاد الساري: ۴۰۲/۱۳

(۲) فتح الباري: ۲۴۸/۱۱

٦٦ - باب : فَضْلِ ذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ.

ذکر کی فضیلت

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ذکر کی فضیلت بیان فرمائی ہے، ذکر میں وہ تمام دعائیں اور مناجات داخل ہیں جو اللہ تعالیٰ کے مبارک ناموں پر مشتمل ہیں، استغفار، تعوذ، علمی مذاکرہ اور قرآن کریم کی تلاوت ''ذکر اللہ'' میں داخل ہیں، بلکہ قرآن کریم کی تلاوت تو عام اذکار و وظائف کے مقابلہ میں بہت اعلیٰ اور افضل ہے(۱)۔

ذکر کی بہتر صورت

ذکر کی سب سے بہتر اور کامل صورت تو یہ ہے کہ آدمی جن دعاؤں اور جن اذکار کا ورد پڑھ رہا ہے، دل و دماغ میں ان کے معانی اور مطالب کا استحضار ہو، استحضار قلبی کے بغیر ذکر لسانی پر بھی اجر و ثواب ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ دل بھی ذکر کے ساتھ مشغول ہو

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وأصل الذكر: التذكر بالقلب .... ثم يطلق على الذكر اللساني من باب تسمية الدال باسم المدلول، ثم كثر استعماله فيه، حتى صارهو السابق للفهم، وأصله مع الحضور والمشاهدة"(۲)۔

یعنی: ''اصل ذکر تو دل سے یاددہانی کو کہتے ہیں لیکن پھر زبانی ذکر پر بھی اس کا اطلاق ہونے لگا، یہ ''تسمیۃ الدال باسم المدلول'' کے قبیل سے ہے اور اسی دوسرے معنی میں اس کا استعمال بکثرت ہونے لگا، یہاں تک کہ اب ذکر سے یہی معنی سمجھ میں آنے لگتا ہے، تاہم اصل ذکر دل کے حضور اور مشاہدے کے ساتھ ہوتا ہے!''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بعض عارفین کے حوالے سے ذکر کی سات قسمیں لکھی ہیں:

"ذكر العينين بالبكاء، والأذنين بالإصغاء، واللسان بالثناء، واليدين بالإعطاء، والبدن بالوفاء، والقلب بالخوف والرجاء، والروح بالتسليم

---

(۱) إرشاد الساري: ۱۳/۴۰۳

(۲) شرح الأبي علي صحيح مسلم: ۷/۱۱۱

والرضاء"(۳)۔

یعنی: "آنکھوں کا ذکر گریہ وزاری کے ساتھ، کانوں کا توجہ سے حق بات سننے کے ساتھ، زبان کا حمد وثناء کے ساتھ، ہاتھوں کا اللہ تعالیٰ کے راستے میں دینے کے ساتھ، بدن کا اللہ تعالیٰ کے احکام بجالانے کے ساتھ، دل کا خوف ورجاء کے ساتھ اور روح کا تسلیم ورضا کے ساتھ"۔

٦٠٤٤ : حدّثنا مُحَمدُ بْنُ الْعَلَاءِ : حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ ، عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ ، عَنْ أَبِي مُوسٰى رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِي لَا يَذْكُرُ رَبَّهُ مَثَلُ الحَيِّ وَالْمَيِّتِ) .

حضرت ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور جو نہیں کرتا ہے ان کی مثال زندہ اور مردہ کی سی ہے (یعنی یاد کرنے والا زندہ اور نہ یاد کرنے والا مردہ ہے)۔

سند میں ابواسامہ کا نام حماد بن سلمہ ہے، اور ابوبردہ کا نام عامر بن عبداللہ بن قیس ہے۔ حدیث کے اندر ذاکر کی تشبیہ زندہ کے ساتھ اور محروم عن الذکر کی تشبیہ میت اور مردے کے ساتھ دی ہے، علامہ قسطلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"شبه الذاكر بالحي الذي يزين ظاهرُه بنور الحياة، وإشراقها فيه، وبالتصرف التام فيما يريده، وباطنُه بنور العلم والفهم والإدراك، كذلك الذاكر مزيَّن ظاهره بنور العلم والطاعة، وباطنه بنور العلم والمعرفة، فقلبه مستقر في حظيرة القدس، وسره في مخدع الوصل، وغير الذاكر عاطل ظاهره وباطل باطنه"(٤)۔

یعنی: "حدیث میں ذکر کرنے والے کو زندہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، اس طور پر

(٣) فتح الباري: ٢٥١/١١

(٤) إرشاد الساري: ٤٠٤/١٣

کہ جس طرح زندہ شخص کا ظاہر زندگی کے نور سے مزین ہوتا ہے اور وہ اس کی بنیاد پر اپنی مرضی سے ہر طرح کا تصرف کرسکتا ہے، نیز اس کا باطن بھی علم، فہم اور ادراک سے آراستہ وپیراستہ ہوتا ہے، ٹھیک اسی طرح ذکر کرنے والے کا ظاہر بھی علم واطاعت خداوندی کے جذبے سے مزین ہوتا ہے اور اس کا باطن بھی علم ومعرفت کے نور سے روشن اور سجا ہوا ہوتا ہے، چنانچہ اس کا دل قدس کی چراگاہوں میں چرتا اور وصال کے لئے مچلتا ہے، جب کہ غیر ذاکر کا ظاہر بے کار و معطل اور باطن خراب و باطل ہوتا ہے''۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ حدیث امام بخاری کے شیخ ابوکریب محمد بن العلاء سے، اسی سند کے ساتھ نقل کی ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں: "مثل البيت الذي يذكر الله فيه، والبيت الذي لايذكر الله فيه مثل الحي والميت" (۵)۔ یعنی: ''جس گھر میں اللہ تعالی کا ذکر کیا جائے اس کی مثال زندہ کی سی ہے اور جس گھر میں اللہ تعالی کا ذکر نہ کیا جائے اس کی مثال مردہ کی سی ہے''۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے غالباً اس روایت کو بالمعنی ذکر کیا ہے، کیونکہ حيّ اور میت کا اطلاق بیت اور مسکن پر حقیقتاً نہیں ہوسکتا، بلکہ بیت میں رہنے والے پر ہوسکتا ہے، بلاغت ومعانی کی اصطلاح میں اسے "ذكر المحل وإرادة الحالّ" کہا جاتا ہے (۶)۔

٦٠٤٥ : حدّثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ : حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ، عَنِ الْأَعْمَشِ ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قالَ : قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (إِنَّ لِلهِ مَلَائِكَةً يَطُوفُونَ فِي الطُّرُقِ يَلْتَمِسُونَ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ ، فَإِذَا وَجَدُوا قَوْمًا يَذْكُرُونَ ٱللهَ تَنَادَوْا : هَلُمُّوا إِلَى حاجَتِكُمْ . قالَ : فَيَحُفُّونَهُمْ بِأَجْنِحَتِهِمْ إِلَى السَّماءِ ٱلدُّنْيَا ، قالَ : فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ ، وَهُوَ أَعْلَمُ مِنْهُمْ ، ما يَقُولُ عِبادِي ؟ قالَ : تَقُولُ : يُسَبِّحُونَكَ وَيُكَبِّرُونَكَ وَيَحْمَدُونَكَ وَيُمَجِّدُونَكَ ، قالَ : فَيَقُولُ : هَلْ رَأَوْنِي ؟ قالَ : فَيَقُولُونَ : لَا وَٱللهِ ما رَأَوْكَ ، قالَ : فَيَقُولُ : وَكَيْفَ لَوْ رَأَوْنِي ؟ قالَ : يَقُولُونَ : لَوْ رَأَوْكَ كانُوا أَشَدَّ لَكَ

(٥) الصحيح لمسلم، كتاب صلوة المسافرين، باب استحباب صلاة النافلة في بيته، وجوازها في المسجد، رقم الحديث: (٢١١): ١/٥٣٩

(٦) إرشاد الساري: ١٣/٤٠٤

عِبَادَةً ، وَأَشَدَّ لَكَ تَمْجِيدًا وَأَكْثَرَ لَكَ تَسْبِيحًا ، قَالَ : يَقُولُ : فَمَا يَسْأَلُونَنِي ؟ قَالَ : يَسْأَلُونَكَ الْجَنَّةَ ، قَالَ : يَقُولُ : وَهَلْ رَأَوْهَا ؟ قَالَ : يَقُولُونَ : لَا وَاللّٰهِ يَا رَبِّ مَا رَأَوْهَا ، قَالَ : يَقُولُ : فَكَيْفَ لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْهَا ؟ قَالَ : يَقُولُونَ : لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْهَا كَانُوا أَشَدَّ عَلَيْهَا حِرْصًا ، وَأَشَدَّ لَهَا طَلَبًا ، وَأَعْظَمَ فِيهَا رَغْبَةً ، قَالَ : فَمِمَّ يَتَعَوَّذُونَ ؟ قَالَ : يَقُولُونَ : مِنَ النَّارِ ، قَالَ : يَقُولُ : وَهَلْ رَأَوْهَا ؟ قَالَ : يَقُولُونَ : لَا وَاللّٰهِ يَا رَبِّ مَا رَأَوْهَا ، قَالَ : يَقُولُ : فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا ؟ قَالَ : يَقُولُونَ : لَوْ رَأَوْهَا كَانُوا أَشَدَّ مِنْهَا فِرَارًا ، وَأَشَدَّ لَهَا مَخَافَةً ، قَالَ : فَيَقُولُ : فَأُشْهِدُكُمْ أَنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ . قَالَ : يَقُولُ مَلَكٌ مِنَ الْمَلَائِكَةِ : فِيهِمْ فُلَانٌ لَيْسَ مِنْهُمْ ، إِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ . قَالَ : هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقَى بِهِمْ جَلِيسُهُمْ) .

رَوَاهُ شُعْبَةُ ، عَنِ الْأَعْمَشِ ، وَلَمْ يَرْفَعْهُ .

وَرَوَاهُ سُهَيْلٌ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے چند فرشتے ہیں جو راستوں میں گھومتے ہیں اور ذکر کرنے والوں کو ڈھونڈتے ہیں جب وہ کسی قوم کو ذکر الٰہی میں مشغول پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکار کر کہتے ہیں، اپنی ضرورت کی طرف آؤ، آپ نے فرمایا کہ وہ فرشتے ان کو اپنے پروں میں ڈھک لیتے ہیں اور آسمان دنیا تک پہنچ جاتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ ان سے انکا رب پوچھتا ہے کہ میرے بندے کیا کر رہے ہیں، حالانکہ وہ ان کو فرشتوں سے زیادہ جانتا ہے، فرشتے جواب دیتے ہیں کہ وہ تیری تسبیح وتکبیر اور حمد اور بڑائی بیان کر رہے ہیں آپ نے فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے کہ انہوں نے مجھے دیکھا ہے، فرشتے کہتے ہیں بخدا انہوں نے آپ کو نہیں دیکھا ہے، آپ نے فرمایا، اللہ فرماتا ہے اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو کیا کرتے؟ فرشتے کہتے ہیں اگر آپ کو دیکھ لیتے تو آپ کی بہت زیادہ عبادت کرتے اور بہت زیادہ بڑائی اور پاکی بیان کرتے، آپ نے فرمایا، اللہ فرماتا ہے وہ مجھ سے کیا مانگتے تھے، فرشتے کہتے ہیں، وہ آپ سے جنت مانگ رہے تھے، آپ نے فرمایا اللہ ان سے پوچھتا ہے کہ انہوں نے جنت دیکھی

ہے، فرشتے کہتے ہیں نہیں بخدا انہوں نے جنت نہیں دیکھی، اللہ فرماتا ہے اگر وہ جنت دیکھ لیتے تو کیا کرتے، فرشتے کہتے ہیں کہ اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو اس کے بہت زیادہ حریص ہوتے اور بہت زیادہ طالب ہوتے اور اس کی طرف ان کی رغبت بہت زیادہ ہوتی، اللہ فرماتا ہے کہ کس چیز سے وہ پناہ مانگ رہے تھے، فرشتے کہتے ہیں جہنم سے، آپ نے فرمایا اللہ فرماتا ہے کہ انہوں نے اس کو دیکھا ہے، فرشتے جواب دیتے ہیں، نہیں، بخدا، انہوں نے اس کو نہیں دیکھا ہے، اللہ فرماتا ہے اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو کیا کرتے؟ فرشتے کہتے ہیں کہ اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو اس سے بہت زیادہ دور بھاگتے اور بہت زیادہ ڈرتے، آپ نے فرمایا اللہ فرماتا ہے کہ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں بخش دیا، آپ نے فرمایا کہ ان فرشتوں میں سے ایک فرشتہ کہتا ہے کہ ان میں فلاں شخص ان (ذکر کرنے والوں) میں نہیں تھا، بلکہ کسی ضرورت کے لئے آیا تھا، اللہ فرماتا ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جن کے ساتھ بیٹھنے والا محروم نہیں رہتا۔

سند میں امام بخاری کے شیخ الشیخ جریر بن عبدالحمید ہیں، ان کے شیخ سلیمان اعمش ہیں اور وہ ابوصالح ذکوان سے نقل کرتے ہیں۔

هم الجلساء لایشقی بهم جلیسهم

یعنی یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا محروم نہیں رہتا، اگرچہ وہ کسی اور مقصد اور غرض سے بیٹھنے والا ہو، اس سے اللہ والوں کی صحبت کی قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

رواه شعبة، عن الأعمش ولم یرفعه

یعنی اسی سند کے ساتھ یہ روایت شعبہ بن الحجاج نے سلیمان بن مہران اعمش سے نقل کی ہے، لیکن وہ روایت مرفوع نہیں ہے، امام احمد رحمہ اللہ نے اس موقوف روایت کو موصولاً نقل کیا ہے (۷)۔

---

(۷) إرشاد الساري: ۱۳/۴۰٦

ورواه سُهيل عن أبيه، عن أبي هريرة عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم

سہیل نے بھی یہ روایت اپنے والد ابوصالح سمان سے مرفوعاً نقل کی ہے، ان کی روایت کو امام مسلم رحمہ اللہ نے موصولاً ذکر کیا ہے (۸)۔

٦٧ – باب : قَوْلِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ .

٦٠٤٦ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الحَسَنِ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ : أَخْبَرَنَا سُلَيْمانُ التَّيْمِيُّ ، عَنْ أَبِي عُثْمانَ ، عَنْ أَبِي مُوسٰى الْأَشْعَرِيِّ قالَ : أَخَذَ النَّبِيُّ ﷺ في عَقَبَةٍ ، أَوْ قالَ : في ثَنِيَّةٍ ، قالَ : فَلَمَّا عَلَا عَلَيْهَا رَجُلٌ نَادَى فَرَفَعَ صَوْتَهُ : لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ ، قالَ : وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى بَغْلَتِهِ ، قالَ : (فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غائِبًا) . ثُمَّ قالَ : (يَا أَبَا مُوسٰى ، أَوْ : يَا عَبْدَ اللّٰهِ ، أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى كَلِمَةٍ مِنْ كَنْزِ الجَنَّةِ) . قُلْتُ : بَلَى ، قالَ : (لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ) . [ر : ٢٨٣٠]

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک پہاڑی پر چڑھنے لگے آپ اس وقت ایک خچر پر سوار تھے۔ جب ایک شخص اسی پہاڑی پر چڑھا تو اس نے با آواز بلند کہا لا إلــه إلا الله والله اکبر. آپ نے فرمایا تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے، پھر فرمایا: اے ابوموسیٰ! یا فرمایا: اے عبداللہ! کیا میں تجھے ایک ایسا کلمہ نہ بتاؤں جو جنت کا خزانہ ہے، تو میں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا: "لا حـــول ولا قوة الا باللّٰہ"۔

لاحول ولاقوة إلا باللّٰہ کی فضیلت

لا حول ولا قـوة إلا بـاللّٰہ کے بڑے فضائل اور برکتیں ہیں، یہاں روایتِ باب میں اسے جنت کے خزانے کا ورد قرار دیا گیا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ "لا حـول ولا قـوة إلا باللّٰہ" میں ننانوے بیماریوں کی شفا ہے، جن میں

(۸) فتح الباري: ۲٥۳/۱۱

سب سے ہلکی بیماری "ھَم" ہے(۹)۔ھم غم اور پریشانی کو کہتے ہیں،لا حول ولا قوة إلا بالله کا ترجمہ کیا گیا ہے،"لاحيلة في دفع شر، ولا قوة في تحصيل خير إلا بالله"(۱۰)۔یعنی:"اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر نہ رفع شر میں کوئی حیلہ کارگر ہوسکتا ہے اور نہ بھلائی کے حصول پر کوئی قادر ہوسکتا ہے"۔

٦٨ - باب : لِلّٰهِ مِائَةُ اسْمٍ غَيْرَ وَاحِدَةٍ.

٦٠٤٧ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قالَ : حَفِظْنَاهُ مِنْ أَبِي الزِّنَادِ ، عَنِ الْأَعْرَجِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رِوَايَةً ، قالَ : (لِلّٰهِ تِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ اسْمًا ، مِائَةٌ إِلَّا وَاحِدًا ، لَا يَحْفَظُهَا أَحَدٌ إِلَّا دَخَلَ الجَنَّةَ ، وَهْوَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ) . [ر : ٢٥٨٥]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، ان کو جو شخص زبانی یاد کرلیتا ہے وہ جنت میں داخل ہوگا اور اللہ تعالیٰ وتر (طاق) ہے اور وتر ہی کو پسند فرماتا ہے۔

سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ہم نے ابوالزناد (عبداللہ بن ذکوان) سے حفظ کی، وہ اعرج سے نقل کرتے ہیں، اعرج کا نام عبدالرحمٰن بن ہُرمز ہے۔اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کے بارے میں چند باتیں ذہن نشین کرلیں:

اسماء حسنیٰ سے متعلق چند باتیں

اسمائے حسنیٰ توقیفی ہیں

❶ پہلی بات یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کے بہت سے اچھے اور عمدہ مبارک نام ہیں،بعض حضرات کے نزدیک یہ نام توقیفی نہیں ہیں،لیکن جمہور علماء کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ توقیفی ہیں،توقیفی کے معنی یہ ہیں،

(۹) مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، باب ثواب التسبيح والتمجيد، والتهليل والتكبير، (رقم الحديث: ۲۳۲۰): ۱/٤٣٤ كما أخرجه في كنز العمّال: ۱/٤٥٤، رقم الحديث: ١٩٥٦

(۱۰) عمدة القاري: ۲۳/۱۹

قرآن وحدیث کی نص صریح کے بغیر کسی لفظ اور وصف کو اللہ تعالیٰ کا نام قرار نہیں دیا جا سکتا، چنانچہ علامہ قشیری رحمہ اللہ اپنی کتاب "مفاتیح الحج ومصابیح النهج" میں لکھتے ہیں:

"أسماء الله تعالیٰ تؤخذ توقیفا، ویراعی فیها الکتاب والسنة والإجماع، فکل اسم ورد فی هذه الأصول، وجب إطلاقه في وصفه تعالیٰ، وما لم یرد فیها، لایجوز إطلاقه في وصفه، وإن یصح معناه"(۱۱)۔

یعنی: "اللہ تعالیٰ کے نام منصوص اور توقیفی ہیں، اور اس میں قرآن کریم، سنت نبویہ اور اجماع ہی کو ملحوظ رکھا جائے گا، چنانچہ ان تینوں اصولوں میں اگر کوئی نام وارد ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ پر بطور وصف اس کا اطلاق درست ہوگا، اور جو نام اور وصف ان تین اصولوں میں نہ آیا ہو، تو اللہ کے اوصاف میں اس کا استعمال جائز نہیں، اگر چہ اس کے معنی درست ہوں"۔

چنانچہ نصوص میں جو اوصاف اللہ تعالیٰ کے بطور اسم ثابت نہیں، ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارنا مناسب نہیں، چنانچہ "یا رحیم" کہہ سکتے ہیں، "یا رقیق" نہیں، "یا قوی" کہہ سکتے ہیں لیکن "یا جلید" کہنا درست نہیں(۱۲)۔علامہ قرطبی رحمہ اللہ "تفسیر قرطبی" میں لکھتے ہیں:

"وهی بتوقیف لا یصح وضع اسم الله بنظر، إلا بتوقیف من القرآن أو الحدیث أو الإجماع"(۱۳)۔

یعنی: "اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں، قیاس اور نظر وفکر کر کے اللہ تعالیٰ پر کسی نام کا اطلاق کرنا صحیح نہیں، سوائے ان ناموں کے جو قرآن کریم یا حدیث نبوی میں وارد ہوئے، یا ان پر امت کا اجماع ہو"۔

حاصل یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کے اسمائے حسنی توقیفی ہیں، اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کے ناموں اور اسماء

(۱۱) إرشاد الساري: ۱۳/۴۰۹

(۱۲) إرشاد الساري: ۱۳/۴۰۹

(۱۳) تفسیر القرطبي: ۱۰/۳۴۳

میں اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔

اسمائے حسنٰی کی تعداد

❷ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنٰی کتنے ہیں؟ اس حدیث میں ہے کہ اللہ جل شانہ کے ننانوے نام ہیں، علامہ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ عدد حصر کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ کے ننانوے ہی نام ہیں، اس سے زیادہ نہیں (۱۴)۔

لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نام ننانوے کے عدد میں منحصر نہیں، بلکہ اس سے زیادہ ہیں، چونکہ ان ناموں میں سے اکثر اللہ تعالیٰ کے اوصاف ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے اوصاف لاتعداد ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ کے مبارک ناموں کو کسی خاص عدد میں منحصر نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ بعض علماء نے ہزار اور بعض نے چار ہزار تک کے اسمائے حسنٰی قرآن وحدیث کی نصوص سے جمع کئے ہیں (۱۵)۔ امام نووی رحمہ اللہ نے تو اس بات پر علماء کا اتفاق نقل کیا ہے (۱۶)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے، اس میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دعائیہ الفاظ ہیں:

"أسألك بكل اسم هولك سميتَ به نفسَك، أو أنزلتَه في كتابك، أو علّمتَه أحدا مِنْ خلقك، أو استأثرتَ به في علم الغيب عندك" (۱۷)۔

یعنی: "میں تجھ سے تیرے ہر اس نام کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں جو تو نے اپنے لئے رکھا، یا اپنی کتاب کریم میں اتارا، یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا، یا صرف تجھے ہی اس کا علم ہے اور دوسروں سے تو نے اس کو مخفی رکھا ہے"۔

---

(١٤) فتح الباري: ١١/٢٦٤

(١٥) فتح الباري: ١١/٢٦٤

(١٦) فتح الباري: ١١/٢٦٣

(١٧) المستدرك للحاكم، كتاب الدعاء، دعاء دفع الكرب المأمور بتعلّمه: ١/٥٠٩، وإكمال إكمال المعلم المعروف بشرح الأبي على صحيح مسلم: ٧/١١٥

اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ نے کعب احبار کی ایک دعا ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے:

"أسألك بأسماء ك الحسنى، ما علمت، منها ومالم أعلم"(۱۸)۔

یعنی: "میں تجھ سے تیرے پیارے ناموں کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں، خواہ مجھے اس کا علم ہو یا نہ ہو"۔

ان روایتوں سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہ کے اسمائے مبارکہ کسی خاص عدد میں منحصر نہیں ہیں۔

ننانوے کے عدد کی حکمت

③ تیسری بات، حدیث باب سے متعلق ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں کا ذکر ہے، جیسا کہ بتلایا گیا ہے کہ یہ عدد حصر کے لئے نہیں، بلکہ فضیلت بیان کرنے کے لئے ہے کہ جو شخص ان ناموں کو یاد کرے گا، وہ جنت میں داخل ہوگا، ننانوے کی یہ تعداد اور اس کی یہ فضیلت تعبدی اور توقیفی ہے، اجتہادی نہیں، جیسے نمازوں کی تعداد تعبدی ہے(۱۹)۔ بعض علماء نے اس میں حکمت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"الحكمة فيه أن العدد زوج وفرد، والفرد أفضل من الزوج، ومنتهى الأفراد من غير تكرار تسعة وتسعون؛ لأن مائة وواحد يتكرر فيه الواحد"(۲۰)۔

یعنی: "ننانوے کے عدد میں حکمت یہ ہے کہ عدد جفت بھی ہوتا ہے اور طاق بھی، اور طاق جفت کے مقابلہ میں افضل ہے، اور آخری عدد بغیر تکرار کے وہ ننانوے ہے (جو کہ طاق ہے) کیونکہ اس کے بعد والے اعداد میں تکرار ہے مثلاً ایک سو ایک میں ایک مکرر ہے"۔

---

(۱۸) فتح الباري: ۲٦٤/۱۱

(۱۹) فتح الباري: ۲٦٥/۱۱

(۲۰) فتح الباري: ۲٦٥/۱۱

ننانوے اسمائے حسنیٰ

④ اب یہ بات رہ جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے جن ننانوے ناموں کا حدیث باب میں ذکر ہے، وہ کون سے ہیں؟ عموماً تین روایات میں ان اسمائے مبارکہ کی تعیین کی گئی ہے۔

ایک سنن ترمذی شریف میں، ولید بن مسلم کی روایت، دوم سنن ابن ماجہ میں زہیر بن محمد کی روایت اور سوم "مستدرک حاکم" میں عبدالعزیز بن الحصین کی روایت (۲۱)۔

ان تین روایات میں اللہ تعالیٰ کے جو اسمائے مبارکہ ذکر کئے گئے ہیں، ان میں کچھ مشترک اور بعض ایک دوسرے سے مختلف ہیں (۲۲)۔

اکثر علماء نے سنن ترمذی کی روایت کو ترجیح دی ہے، لیکن اس روایت کے اندر بہت سے ایسے اسمائے مبارکہ ہیں جو قرآن کریم میں "بطورِ اسم" نہیں ہیں اور قرآن کریم میں بطور اسم پائے جانے والے کئی اسمائے حسنیٰ اس روایت میں نہیں ہیں (۲۳)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے سنن ترمذی کی روایت سے ان ناموں کو خارج کردیا، جن کا قرآن کریم میں "بطور اسم" ذکر نہیں اور اُن ناموں کا اضافہ کردیا جو قرآن کریم میں ہیں، لیکن سنن ترمذی کی روایت میں نہیں اور اس طرح انہوں نے مندرجہ ذیل ننانوے نام ذکر کئے:

"اللہ، الرحمن، الرحيم، الملك، القدوس، السلام، المؤمن، المهيمن، العزيز، الجبار، المتكبر، الخالق، الباري، المصور، الغفار، القهار، التواب، الوهاب، الخلاق، الرزاق، الفتاح، العليم، الحليم، العظيم، الواسع، الحكيم، الحي، القيوم، السميع، البصير، اللطيف، الخبير، العلي، الكبير، المحيط، القدير، المولىٰ، النصير، الكريم، الرقيب القريب، المجيب،

---

(۲۱) الحديث أخرجه الإمام الترمذي في كتاب الدعوات: ۵/۵۳۰، رقم: ۳۵۰۷، وأخرجه ابن ماجه في سننه، كتاب الدعاء، باب أسماء الله عزّوجل، رقم الحديث: ۳۸۶۱

(۲۲) فتح الباري: ۱۱/۲۵۷

(۲۳) فتح الباري: ۱۱/۲۶۱

الـوكيـل، الـحسيـب، الـحـفيظ، المقيت، الودود، المجيد، الوارث، الشهيد، الـولـي، الـحـميـد، الـحـق، المبين، القوي، المتين، الغني، المالك، الشديد، الـقادر، المقتدر، القاهر، الكافي، الشاكر، المستعان، الفاطر، البديع، الغافر، الأول، الآخـر، الـظـاهـر، البـاطـن، الكفيل، الغالب، الحكيم، العالم، الرفيع، الحافظ، المنتقم، القائم، المحيي، الغفور، الشكور، العفو، الرؤوف، الأكرم، الأعلى، البر، الحفي، الرب، الإله، الواحد، الأحد، الصمد"(٢٤).

اسم اعظم

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ایک مبارک نام ایسا ہے کہ اس کے ساتھ جو بھی دعا کی جائے، قبول ہوتی ہے، اسے "اسم اعظم" کہتے ہیں، تاہم اس نام کی تعیین نہیں کی گئی کہ وہ کون سا نام ہے، البتہ احادیث اور علماء کے اقوال میں اشارات ملتے ہیں جن سے اس نام کا کچھ پتہ چل سکتا ہے، ان میں سے چند اَوراد اور اسماء کا حافظ ابن حجر اور علامہ قسطلانی نے ذکر کیا ہے، علامہ قسطلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"واختـلـفـوا فيـه، فـقيل: هو لفظة "هو" نقله الفحر الرازي عن بعض أهـل الـكشف وقيل: الله. وقيل: الله الرحمن الرحيم، وقيل: الرحمن الرحيم الـحي الـقيـوم، وقيـل: الـحـي الـقيـوم، وقيـل: الحنان المنان بديع السموات والأرض ذوالجلال والإكرام، وقيل: ذوالجلال والإكرام، وقيل: الله لا إله إلا الله هو الأحد الصمد الذي لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفواً أحد. وقيل: رب رب. وقيل: دعوة ذي النون: لا إله إلا أنت سبحانك إني كنت من الظالمين، وقيل: هو الله الله الله الذي لا إله إلا هو رب العرش العظيم"(٢٥).

(٢٤) فتح الباري: ١١/٢٦٢، ٢٦٣

(٢٥) إرشاد الساري: ١٣/٤٠١

اس میں گیارہ کلمات کے بارے میں کہا گیا کہ ان میں ''اسم اعظم'' پایا جاتا ہے۔

ان گیارہ کے علاوہ مندرجہ ذیل اسماء اور دعاؤں کو بھی اسم اعظم کہا جاتا ہے:

۱ یا إلٰهنا وإله كل شي إلهاً واحد لا إله إلا أنت(٢٦).

۲ والهكم اله واحد لا إله إلا هو الرحمن الرحيم(٢٧).

۳ الم الله لا إله إلا هو الحي القيوم(٢٨).

۴ سورہ حشر کی آخری تین آیات، سورۃ البقرہ کی آیت الکرسی، سورۃ آل عمران کی آیت ﴿قل اللهم مالك الملك......﴾ سورۃ طٰہٰ کی آیت ﴿وعنت الوجوه للحي القيوم﴾ کے بارے میں وارد ہے کہ ان میں ''اسم اعظم'' ہے(۲۹)۔

۵ اللهم إني أسألك باسمك الطاهر الطيب المبارك الأحب إليك الذي إذا دُعِيتَ به، أجَبْتَ، وإذا سُئِلْتَ به أعْطَيْتَ وإذا أُسْتُرْحِمْتَ به، رَحِمْتَ، وإذا استُفْرِجْتَ به، فَرَّجت(٣٠).

یعنی: ''اے اللہ! میں تجھ سے تیرے اس نام کے واسطے سے سوال کرتا ہوں جو اچھا، پاک اور مبارک ہے، جو تجھے زیادہ محبوب ہے، جس کے ذریعے جب تجھ سے دعا کی جائے تو قبول فرماتا ہے اور جس کے ذریعے جب تجھ سے سوال کیا جائے تو تُو عطا فرماتا ہے اور جس کے ذریعے جب تجھ سے رحم کی درخواست کی جائے تو تُو رحم فرماتا ہے اور جب

---

(٢٦) الجامع لأحكام القرآن: ١٣٢/١٨، سورة النمل

(٢٧) سنن ابن ماجه، باب اسم الله الأعظم، كتاب الدعاء، رقم (٣٨٥٥)

(٢٨) سنن ابن ماجه، كتاب الدعاء، باب اسم الله الأعظم، رقم (٣٨٥٥)

(٢٩) ديكهئے: سنن ابن ماجه، كتاب الدعاء: ١٦٦٧/٢

(٣٠) سنن ابن ماجه، كتاب الدعاء، باب اسم الله الأعظم، رقم (٣٨٥٩)

کشادگی کی درخواست کی جائے تو کشادگی پیدا فرماتا ہے"۔

❻ اللهم إني أسألك باسمك الأعظم ورضوانك الأكبر(۳۱). یعنی: "اے اللہ! میں تجھ سے تیرے اسم اعظم اور تیری بڑی خوشنودی کے واسطے سے سوال کرتا ہوں"۔

❼ اللهم إني عبدك، وابن عبدك، وابن أمتك، ناصيتي بيدك، ماضٍ فيّ حكمك، عدلٌ فيّ قضاؤك، أسألك بكل اسم هولك سَمَّيْتَ به نَفْسَكَ، أو عَلَّمْتَه أحداً مِنْ خَلْقِك، أو أنْزَلْتَه في كتابك، أو اِسْتَأْثَرْتَ به في علم الغيب عندك أنْ تَجْعَلَ الْقُرآنَ العظيم رَبِيْعَ قَلْبي، ونورَ صدري، وجَلاءَ حزني، وذَهاب غمي وهمي(۳۲).

یعنی: "اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں، تیرے بندے اور بندی کا بیٹا، میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے، تیرا ہر حکم میرے لئے فیصلہ کن ہے، تیرا ہر فیصلہ انصاف پر مبنی ہے، میں تجھ سے تیرے ہر اُس نام کے واسطے سے سوال کرتا ہوں جسے تو نے خود اپنے لئے رکھا ہے، یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے، یا اپنی کتاب میں نازل کیا ہے، یا اپنے علم غیب کے خزانے میں محفوظ کر رکھا ہے، کہ تُو قرآنِ عظیم کو میرے دل کی بہار، میرے سینے کا نور، میرے دکھوں اور غموں کو دور کرنے کا ذریعہ بنا دے"۔

بہر حال یہ مختلف قسم کی دعائیں اور اسمائے حسنٰی پر مشتمل کلمات وارد ہوئے ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان میں "اسم اعظم" ہے، ان سب اسماء اور دعاؤں کو شامل کر کے اللہ تعالیٰ سے مانگا جائے تو ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ دعا قبول فرمائیں گے۔

---

(۳۱) رواه الطبراني في المعجم الكبير، رقم الحديث: (۲۹۵۹)

(۳۲) مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۱/۳۹۱

مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ کی تحقیق

اسمائے حسنیٰ...... حقیقی معنی میں اللہ پاک کا نام یعنی اسم ذات صرف ایک ہی ہے، اور وہ ہے ''اَللّٰہُ''.
البتہ اس کے صفاتی نام سیکڑوں ہیں جو قرآن مجید اور احادیث میں وارد ہوئے ہیں، انہی کو اسمائے حسنیٰ کہا جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری شرح صحیح البخاری میں امام جعفر بن محمد صادق اور سفیان بن عینیہ اور بعض دوسرے اکابر امت سے نقل کیا ہے کہ:

اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام تو صرف قرآن مجید ہی میں مذکور ہیں اور پھر انہی حضرات نے ان کی تفصیل اور تعیین بھی نقل کی ہے۔ اس کے بعد حافظ ممدوحؒ نے ان میں سے بعض اسماء کے متعلق یہ تبصرہ کر کے کہ یہ اپنی خاص شکل میں قرآن مجید میں مذکور نہیں ہیں، بلکہ استخراج اور اشتقاق کے طور پر وضع کئے گئے ہیں، ان کے بجائے دوسرے اسماء قرآن مجید ہی سے نکال کے بتایا ہے کہ یہ ننانوے اسماء الٰہیہ قرآن مجید میں اپنی اصل شکل میں مذکور ہیں اور ان کی پوری فہرست دی ہے جو انشاء اللہ عنقریب نقل ہوگی۔

ہمارے ہی زمانہ کے بعض علماء نے اللہ تعالیٰ کے صفاتی اسماء کا تتبع احادیث سے کیا تو دو سو سے زائد ان کو ملے۔ یہ سارے صفاتی اسماء حسنیٰ اللہ تعالیٰ کے صفاتِ کمال کے عنوانات اور اس کی معرفت کے دروازے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے ذکر کی ایک بڑی جامع اور تفصیلی شکل یہ بھی ہے کہ بندہ عظمت اور محبت کے ساتھ ان اسماء کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور ان کو اپنا وظیفہ بنائے۔

''إن للّٰہ تسعةً وتسعین اسماً مائةً إلا واحداً من أحصاها دخل الجنة''. (اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جس نے ان کا احصا کیا وہ جنت میں جائے گا)۔

تشریح

صحیحین کی روایت میں صرف اتنا ہی ہے، ان ننانوے ناموں کی تفصیل اور تعیین اس روایت میں نہیں کی گئی ہے، عنقریب ہی انشاء اللہ جامع ترمذی وغیرہ کی اس روایت کا ذکر آئے گا جس میں تفصیل کے ساتھ یہ ننانوے نام بیان کئے گئے ہیں۔

شارحینِ حدیث اور علماء کا اس پر قریب قریب اتفاق ہے کہ اسماء الٰہیہ صرف ننانوے میں منحصر نہیں ہیں

اور یہ ان کی پوری تعداد نہیں ہے، کیونکہ تتبع اور تلاش کے بعد احادیث میں اس کے بہت زیادہ تعداد مل جاتی ہے۔ اس لئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب اور مدعا صرف یہ ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں کو یاد کرے گا اور ان کی نگہداشت کرے گا، وہ جنت میں جائے گا۔ یعنی صرف ننانوے ناموں کا احصاء کر لینے پر بندہ اس بشارت کا مستحق ہو جائے گا۔

حدیث پاک کے جملہ "من أحصاها دخل الجنة" کی تشریح میں علماء اور شارحین نے مختلف باتیں کی ہیں۔ ایک مطلب اس کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو بندہ ان اسماء الٰہیہ کے مطالب سمجھ کر اور ان کی معرفت حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کی ان صفات پر یقین کرے گا جن کے یہ اسماء عنوانات ہیں، وہ جنت میں جائے گا۔ دوسرا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو بندہ ان اسماء حسنیٰ کے تقاضوں پر عمل پیرا ہوگا وہ جنت میں جائے گا۔ تیسرا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو بندہ ننانوے ناموں سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرے گا اور ان کے ذریعہ اس سے دعا کرے گا وہ جنت میں جائے گا۔ امام بخاریؒ نے "من أحصاها" کی تشریح "من حفظها" سے کی ہے، بلکہ اس حدیث کی بعض روایات میں "من أحصاها" کی جگہ "من حفظها" کے الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں، اس لئے اس تشریح کو ترجیح دی گئی ہے اور اسی لئے ترجمہ میں عاجز نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ اس بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ جو بندہ ایمان اور عقیدت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے اس کے ننانوے نام محفوظ کر لے، اور ان کے ذریعہ اس کو یاد کرے، وہ جنت میں جائے گا۔ واللہ اعلم۔

عن أبي هريرة، قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن لله تعالىٰ تسعة وتسعين اسماً مِائة الا واحدة، من أحصاها دخل الجنة:

هو الله الذى لا إله إلا هو اَلرَّحْمٰنُ، الرَّحِيْم، المَلِك، الْقُدُّوس، السَّلَام، الْمُؤمِن، الْمُهَيْمِن، الْعَزِيْز، الْجَبَّار، الْمُتَكَبِّر، الْخَالِق، الْبَادِى، الْمُصَوِّر، الْغَفَار، الْقَهَّار، الْوَهَّاب، الرَّزَّاق، الْفَتَّاح، الْعَلِيْم، الْقَابِض، الْبَاسِط، الْخَافِض، الرَّافِع، الْمُعِزُّ، الْمُذِلُّ، السَّمِيْعُ، الْبَصِيْر، الْحَكَمُ، الْعَدْلُ، اللَّطِيْفُ، الْخَبِيْرُ، الْحَلِيْم، الْعَظِيْم، الْغَفُوْرُ، الشَّكُوْرُ، الْعَلِيُّ، الْكَبِيْرُ، الْحَفِيْظُ، الْمُقِيْتُ، الْحَسِيْبُ، الْجَلِيْلُ، الْكَرِيْم، الرَّقِيْبُ، الْمُجِيْبُ، الْوَاسِعُ، الْحَكِيْم، الْوَدُوْدُ،

الْمَجِيْدُ، الْبَعِثُ، الشَّهِيْدُ، الْحَقُّ، الْوَكِيْل، الْقَوِيُّ، الْمُتِيْنُ، الْوَلِيُّ، الْحَمِيْدُ، الْمُحْصِي، الْمُبْدِى، الْمُعِيْدُ، الْمُحْيِي، الْمُمِيْتُ، الْحَيُّ، الْقَيُّوْمُ، الْوَاجِدُ، الْمَاجِدُ، الْوَاحِدُ، الْأَحَدُ، الصَّمَدُ، الْقَادِرُ، الْمُقْتَدِرُ، الْمُقَدِّمُ، الْمُؤخِرُ، الْأَوَّلُ، الْآخِرُ، الظَّاهِرُ، الْبَاطِنُ، الْوَالِيْ، الْمُتَعَالِيْ، الْبَرُّ، التَّوَّابُ، الْمُنْتَقِمُ، الْعَفُوَ، الرَّؤُفُ، مَالِكُ الْمُلْكِ، ذُوالْجَلَالِ وَالْإِكْرَام، الْمُقْسِطُ، الْجَامِعُ، الْغَنِيُّ، الْمُغْنِى، الْمَانِعُ، الضَّارُ، النَّافِعُ، النُّوْرُ، الْهَادِى، الْبَدِيْعُ، الْبَاقِى، الْوَارِثُ، الرَّشِيْدُ، الصَّبُوْرُ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں (ایک کم سو) جس نے ان کو محفوظ کیا، اور ان کی نگہداشت کی، وہ جنت میں جائے گا۔ (ان ناموں کی تفصیل یہ ہے):

وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی مالک و معبود نہیں، وہ ہے اَلرَّحْمٰنُ (بڑی رحمت والا) الرَّحِيْم (نہایت مہربان) المَلِك (حقیقی بادشاہ اور فرمانروا) الْقدُّوس (نہایت مقدس اور پاک) السَّلَام (جس کی ذاتی صفت سلامتی ہے) الْمُؤمِن (امن وامان عطا فرمانے والا) الْمُهَيْمِن (پوری نگہبانی فرمانے والا) الْعَزِيْز (غلبہ اور عزت جس کی ذاتی صفت ہے اور جو سب پر غالب ہے) الْجَبَّار (صاحبِ جبروت ہے، ساری مخلوق اس کے زیرِ تصرف ہے) الْمُتَكَبِّر (کبریائی اور بڑائی اس کا حق ہے) الْخَالِق (پیدا فرمانے والا) الْبَادِي (ٹھیک بنانے والا) الْمُصَوِّر (صورت گری کرنے والا) الْغَفَّار (گناہوں کا بہت زیادہ بخشنے والا) الْقَهَّار (سب پر پوری طرح غالب اور قابو یافتہ جس کے سامنے سب عاجز اور مغلوب ہیں) الْوَهَّاب (بغیر کسی عوض اور منفعت کے خوب عطا فرمانے والا) الرَّزَّاق (سب کو روزی دینے والا) الْفَتَّاح (سب کے لئے رحمت اور رزق کے دروازے کھولنے والا) الْعَلِيْم (سب کچھ جاننے والا) الْقَابِض، الْبَاسِط (تنگی کرنے والا، فراخی

کرنے والا۔ یعنی اس کی شان یہ ہے کہ اپنی حکمت اور مشیت کے مطابق کبھی کسی کے حالات میں تنگی پیدا کرتا ہے اور کبھی فراخی پیدا کردیتا ہے) الْخَافِض، الرَّافع (پست کرنے والا، بلند کرنے والا) الْمُعِزُّ، الْمُذِلُّ (عزت دینے والا، ذلت دینے والا) (یعنی کسی کو نیچا اور کسی کو اونچا کرنا، کسی کو عزت دے کر سرفراز کرنا اور کسی کو قعرِ مذلت میں گرادینا اس کے قبضہ واختیار میں ہے، اور یہ سب کچھ اسی کی طرف سے ہوتا ہے) السَّمِیْعُ الْبَصِیْر (سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا) الْحَکَمُ، الْعَدْلُ (حاکمِ حقیقی، سراپا عدل وانصاف) اللَّطِیْفُ (لطافت اور لطف وکرم جس کی ذاتی صفت ہے) الْخَبِیْرُ (ہر بات سے باخبر) الْحَلِیْم (نہایت بردبار) الْعَظِیْمُ (بڑی عظمت والا، سب سے بزرگ وبرتر) الْغَفُوْرُ (بہت بخشنے والا) الشَّکُوْرُ (حسنِ عمل کی قدر کرنے والا اور بہتر سے بہتر جزادینے والا) الْعَلِیُّ، الْکَبِیْرُ (سب سے بالا، سب سے بڑا) الْحَفِیْظُ (سب کا نگہبان) الْمُقِیْتُ (سب کو سامانِ حیات فراہم کرنے والا) الْحَسِیْبُ (سب کے لئے کفایت کرنے والا) الْجَلِیْلُ (عظیم القدر) الْکَرِیْمُ (صاحب کرم) الرَّقِیْبُ (نگہدار اور محافظ) الْمُجِیْبُ (قبول فرمانے والا) الْوَاسِعُ (وسعت رکھنے والا) الْحَکِیْمُ (سب کام حکمت سے کرنے والا) الْوَدُوْدُ (اپنے بندوں کو چاہنے والا) الْمَجِیْدُ (بزرگی والا) الْبَعِثُ (اٹھانے والا، موت کے بعد مُردوں کو جلانے والا) الشَّهِیْدُ (حاضر جو سب کچھ دیکھتا ہے اور جانتا ہے) الْحَقُّ (جس کی ذات اور جس کا وجود اصلاً حق ہے) الْوَکِیْل (کارسازِ حقیقی) الْقَوِيُّ الْمُتِیْنُ (صاحب قوت، اور بہت مضبوط) الْوَلِيُّ (سرپرست ومددگار) الْحَمِیْدُ (مستحق حمد وستائش) الْمُحْصِی (سب مخلوقات کے بارے میں پوری معلومات رکھنے والا) الْمُبْدِی، الْمُعِیْدُ (پہلا وجود بخشنے والا، دوبارہ زندگی دینے والا) الْمُحْیِی، الْمُمِیْتُ (زندگی بخشنے والا، موت دینے والا) الْحَیُّ (زندہ جاوید، زندگی جس کی ذاتی صفت ہے) الْقَیُّوْمُ (خود قائم رہنے والا اور سب مخلوق کو اپنی مشیت کے مطابق قائم رکھنے والا) الْوَاجِدُ

(سب کچھ اپنے پاس رکھنے والا) اَلْمَاجِدُ (بزرگی اور عظمت والا) اَلْوَاحِدُ، اَلْأَحَدُ (ایک اپنی ذات میں، اور یکتا اپنی صفات میں)۔ اَلصَّمَدُ (سب سے بے نیاز اور سب اس کے محتاج) اَلْقَادِرُ، اَلْمُقْتَدِرُ (قدرت والا، سب پر کامل اقتدار رکھنے والا) اَلْمُقَدِّمُ، اَلْمُؤَخِّرُ (جسے چاہے آگے کر دینے والا، اور جسے چاہے پیچھے کر دینے والا) اَلْاَوَّلُ، اَلْاٰخِرُ (سب سے پہلے اور سب سے پیچھے) (یعنی جب کوئی نہ تھا، کچھ نہ تھا، جب بھی وہ موجود تھا، اور جب کوئی نہ رہے گا، کچھ نہ رہے گا وہ اس وقت اور اس کے بعد بھی موجود رہے گا) اَلظَّاهِرُ، اَلْبَاطِنُ (بالکل آشکار اور بالکل مخفی) اَلْوَالِيْ (مالک وکارساز) اَلْمُتَعَالِيْ (بہت بلند وبالا) اَلْبَرُّ (بڑا محسن) اَلتَّوَّابُ (توبہ کی توفیق دینے والا اور توبہ قبول کرنے والا) اَلْمُنْتَقِمُ (مجرمین کو کیفر کردار تک پہنچانے والا) اَلْعَفُوّ (بہت معافی دینے والا) اَلرَّؤُفُ (بہت مہربان) مَالِكُ الْمُلْكِ (سارے جہان کا مالک) ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَام (صاحب جلال اور بہت کرم فرمانے والا۔ جس کے جلال سے بندہ ہمیشہ خائف رہے اور جس کے کرم سے ہمیشہ امید رکھے) اَلْمُقْسِطُ (حقدار کا حق ادا کرنے والا عادل ومنصف) اَلْجَامِعُ (ساری مخلوق کو قیامت کے دن یکجا کرنے والا) اَلْغَنِيُّ، اَلْمُغْنِي (خود بے نیاز جس کو کسی سے کوئی حاجت نہیں، اور اپنی عطا کے ذریعہ بندوں کو بے نیاز کر دینے والا) اَلْمَانِعُ (روک دینے والا، ہر اُس چیز کو جس کو روکنا چاہے) اَلضَّارُ، اَلنَّافِعُ (اپنی حکمت اور مشیت کے تحت ضرر پہنچانے والا اور نفع پہنچانے والا) اَلنُّوْرُ (سراپا نور) اَلْهَادِي (ہدایت دینے والا) اَلْبَدِيْعُ (بغیر مثال سابق کے مخلوق کا پیدا فرمانے والا) اَلْبَاقِي (ہمیشہ رہنے والا جس کو کبھی فنا نہیں) اَلْوَارِثُ (سب کے فنا ہو جانے کے بعد باقی رہنے والا) اَلرَّشِيْدُ (صاحب رُشد وحکمت جس کا ہر فعل اور فیصلہ درست ہے) اَلصَّبُوْرُ (بڑا صابر کہ بندوں کی بڑی سے بڑی نافرمانیاں دیکھتا ہے اور فوراً عذاب بھیج کر ان کو تہس نہس نہیں کر دیتا)۔

(جامع ترمذی، دعوات کبیر للبیهقی)

تشریح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا ابتدائی حصہ بالکل وہی ہے جو صحیحین کے حوالے سے ابھی اوپر نقل ہو چکا ہے، البتہ اس میں ننانوے ناموں کی تفصیل بھی ہے جو صحیحین کی روایت میں نہیں ہے۔ اس بناء پر بعض محدثین اور شارحین حدیث کی یہ رائے ہے کہ حدیثِ مرفوع یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اصل ارشاد بس اسی قدر ہے، جتنا صحیحین کی روایت میں ہے یعنی: "إن لله تسعةً وتسعين اسماً مائةً إلا واحداً من أحصاها دخل الجنة". (اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جس نے ان کا احصا کیا وہ جنت میں جائے گا)۔ اور ترمذی کی اس روایت میں اور اسی طرح ابن ماجہ اور حاکم وغیرہ کی روایتوں میں جو ننانوے نام بہ تفصیل ذکر کئے گئے ہیں وہ ارشادِ نبوی کا جز نہیں ہیں، بلکہ حضرت ابو ہریرہ کے بلاواسطہ یا بالواسطہ کسی شاگرد نے حدیث کے اجمال کی تفصیل اور ابہام کی تفسیر کے طور پر قرآن وحدیث میں وارد شدہ یہ اسماء الٰہیہ ذکر کردیئے ہیں، گویا محدثین کی اصطلاح میں یہ اسماء حسنیٰ مدرج ہیں۔ اس کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ ترمذی اور ابن ماجہ اور حاکم کی روایات میں ننانوے ناموں کی جو تفصیل ذکر کی گئی ہے، اس میں بہت بڑا فرق اور اختلاف ہے۔ اگر یہ ننانوے اسماء حسنیٰ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تعلیم فرمائے ہوئے ہوتے تو ان میں اتنا اختلاف اور فرق ناممکن تھا۔

بہر حال یہ تو فنِ حدیث وروایت کی ایک بحث ہے، مگر اتنی بات سب کے نزدیک مسلّم ہے کہ ترمذی کی مندرجہ بالا روایت میں اور اسی طرح ابن ماجہ کی روایات میں جو ننانوے اسماء حسنیٰ ذکر کئے گئے ہیں، وہ سب قرآن مجید اور احادیث میں وارد ہوئے ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ننانوے اسماء الٰہیہ کے احصا پر (محفوظ کرنے پر) جو بشارت سنائی ہے، اس کے وہ بندے یقیناً مستحق ہیں جو اخلاص اور عظمت کے ساتھ ان اسماء حسنیٰ کو محفوظ کریں اور ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو یاد کریں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اسکی لِم اور اس کے سبب پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا ہے کہ جو صفاتِ کمال، حق تعالیٰ کے لئے ثابت کی جانی چاہئیں اور جن چیزوں کی اس کی ذاتِ پاک سے نفی کی جانی چاہیے، ان ننانوے اسماء حسنیٰ میں وہ سب کچھ آجاتا ہے، اس بناء پر یہ اسماء حسنیٰ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا تکملہ اور صالح نصاب ہیں، اور اسی وجہ سے ان کے مجموعہ میں غیر معمولی برکت ہے اور عالم قدر میں ان کو خاص قبولیت حاصل ہے اور جب کسی

بندے کے اعمال نامہ میں یہ اسماء الٰہیہ ثبت ہوں تو یہ اس کے حق میں رحمتِ الٰہی کے فیصلہ کے موجب ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

ترمذی کی مندرجہ بالا روایت میں جو ننانوے اسماء حسنیٰ ذکر کئے گئے ہیں، ان میں سے دوتہائی تو قرآن مجید میں مذکور ہیں، باقی احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق وغیرہ جن حضرات نے دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام قرآن مجید میں موجود ہیں، ان کا ذکر ابھی اوپر کیا جا چکا ہے، اور اس سلسلہ میں حافظ ابن حجرؒ کی آخری کاوش کا بھی حوالہ دیا جا چکا ہے کہ انہوں نے صرف قرآن مجید سے وہ ننانوے اسماء الٰہیہ نکالے ہیں، جو اپنی اصل شکل میں قرآن پاک میں موجود ہیں۔

اگر ان محدثین اور شارحین کی بات مان لی جائے جن کی رائے ہے کہ ترمذی کی مندرجہ بالا روایت میں جو اسماء حسنیٰ ذکر کئے گئے ہیں، یہ حدیث مرفوع کا جزو نہیں ہیں، بلکہ کسی راوی کی طرف سے مدرج ہیں یعنی حدیث کے اجمال کی تفصیل کے طور پر انہوں نے قرآن وحدیث میں وارد شدہ ان ناموں کا اضافہ کر دیا ہے تو پھر حافظ ابن حجرؒ کی پیش کردہ وہ فہرست قابلِ ترجیح ہونی چاہیے جس کے سب اسماء بغیر کسی خاص تصرف کے قرآن مجید ہی سے لئے گئے ہیں (۱)۔

ننانوے اسماء حسنیٰ جو ترمذی کی روایت میں مذکور ہیں، اور اسی طرح یہ جو حافظ ابن حجرؒ نے قرآن مجید سے نکالے ہیں، بلا شبہ ان میں سے ہر ایک معرفتِ الٰہی کا دروازہ ہے۔

علمائے امت نے مختلف زمانوں میں ان کی شرح میں مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ مہمات میں ان کے ذریعہ دعا کرنا بہت سے اہل اللہ کے خاص معمولات میں سے ہے اور اس کی قبولیت مجرب ہے۔

اسم اعظم

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے بعض وہ ہیں جن کو اس لحاظ سے خاص عظمت وامتیاز حاصل ہے کہ جب ان کے ذریعہ دعا کی جائے، تو قبولیت کی زیادہ امید کی جا سکتی ہے۔

---

(۱) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی اسمائے حسنہ کی پیش کردہ فہرست صفحہ ۳۲۸ پر گزر چکی ہے

ان اسماء کوحدیث میں "اسم اعظم" کہا گیا ہے، لیکن صفائی اور صراحت کے ساتھ ان کو متعین نہیں کیا گیا ہے، بلکہ کسی درجہ میں ان کو مبہم رکھا گیا ہے، اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ لیلۃ القدر کو اور جمعہ کے دن قبولیتِ دعا کے خاص وقت کو مبہم رکھا گیا ہے۔ احادیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی ایک ہی اسم پاک "اسم اعظم" نہیں ہے، جیسا کہ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں، بلکہ متعدد اسماءِ حسنیٰ کو "اسم اعظم" کہا گیا ہے۔ نیز انہی احادیث سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ عوام میں اسم اعظم کا جو تصور ہے، اور اس کے بارے میں جو باتیں مشہور ہیں، وہ بالکل بے اصل ہیں، اصل حقیقت وہی ہے جو اوپر عرض کی گئی ہے۔

احادیث میں غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی ایک مخصوص نامِ پاک کو اسم اعظم نہیں فرمایا گیا ہے، بلکہ یہ بات زیادہ قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے کہ حدیث میں جن دو آیتوں، (ایک ﴿والهكم اله واحد لا إله إلا هو الرحمن الرحيم﴾، دو ﴿الم الله لا إله إلا هو الحي القيوم﴾......) کا حوالہ دیا گیا، اور اس سے پہلی دونوں حدیثوں میں دو شخصوں کی جو دو دعائیں...... (اللهم إني أسألك بأنك أنت الله لا إله إلا أنت الأحد الصمد الذي لم يلد ولم يولد......، اور دوم اللهم إني أسألك بأن لك الحمد لا إله إلا أنت الحنان المنان بديع السموات والأرض يا ذالجلال والإكرام، يا حي ياقيوم أسـألك......) نقل کی گئی ہیں، ان میں سے ہر ایک میں متعدد اسماءِ الٰہیہ کی خاص ترکیب سے اللہ تعالیٰ کا جو مرکب اور جامع وصف مفہوم ہوتا ہے، اس کو "اسم اعظم" سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جن کو اللہ تعالیٰ نے اس نوع کے علوم و معارف سے خاص طور پر نوازا ہے، انہوں نے ان احادیث سے یہی سمجھا ہے۔ واللہ اعلم (۱)۔

☆☆......☆☆

(۱) معارف الحديث: ۵/۵۹

٦٩ – باب : الْمَوْعِظَةِ سَاعَةً بَعْدَ سَاعَةٍ .

٦٠٤٨ : حدّثنا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ : حَدَّثَنَا أَبِي : حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قالَ : حَدَّثَنِي شَقِيقٌ قالَ : كُنَّا نَنْتَظِرُ عَبْدَ اللهِ إِذْ جاءَ يَزِيدُ بْنُ مُعَاوِيَةَ ، فَقُلْنَا : أَلَا تَجْلِسُ ؟ قالَ : لَا ، وَلٰكِنْ أَدْخُلُ فَأُخْرِجُ إِلَيْكُمْ صَاحِبَكُمْ وَإِلَّا جِئْتُ أَنَا فَجَلَسْتُ ، فَخَرَجَ عَبْدُ اللهِ وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِهِ ، فَقَامَ عَلَيْنَا فَقَالَ : أَمَا إِنِّي أُخْبَرُ بِمَكَانِكُمْ ، وَلٰكِنَّهُ يَمْنَعُنِي مِنَ الخُرُوجِ إِلَيْكُمْ : أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كانَ يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ فِي الْأَيَّامِ ، كَرَاهِيَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا . [ر : ٦٨]

حضرت شقیق سے روایت ہے کہ ہم لوگ عبداللہ (بن مسعودؓ) کا انتظار کر رہے تھے کہ یزید بن معاویہ آئے، ہم نے کہا تشریف نہیں رکھیں گے؟ انہوں نے کہا: نہیں! بلکہ میں اندر جاتا ہوں اور تمہارے پاس تمہارے ساتھی (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ) کو لے آتا ہوں، ورنہ میں آؤں گا اور بیٹھ جاؤں گا۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ نکلے اور وہ یزید بن معاویہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، ہم لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ میں یہاں تم لوگوں کی موجودگی سے باخبر تھا، لیکن مجھے جس چیز نے باہر نکلنے سے روکا وہ صرف یہ خیال تھا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں وعظ کہنے میں اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ کہیں وہ ہمارے اکتانے کا سبب نہ ہو جائے۔ (اصل میں وہاں موجود لوگوں نے ان سے روزانہ وعظ کہنے کی درخواست کی، جس کے جواب میں انہوں نے یہ ارشاد فرمایا)

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ وعظ ونصیحت وقتاً فوقتاً ہونا چاہیے اور اس میں وقفہ رکھنا چاہیے، بغیر کسی وقفے کے تسلسل کے ساتھ روزانہ اور بلاناغہ وعظ ونصیحت کا سلسلہ بسا اوقات، اکتاہٹ کا ذریعہ بن جاتا ہے، اس لئے اگر مناسب وقفے کا خیال رکھ کر وعظ ونصیحت کی جائے تو یہ صورت زیادہ بارآور اور مفید ثابت ہوگی......

باب کی کتاب سے مناسبت

کتاب الدعوات سے، اس باب کی مناسبت بیان کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ وعظ ونصیحت چونکہ عموماً ذکر پر مشتمل ہوتی ہے اور ذکر بھی دعا کے زمرے میں داخل ہے، اس لئے موعظہ کو کتاب الدعوات میں لے آئے (۱)۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے، اس باب کی کتاب الدعوات سے مناسبت کی ایک نفیس توجیہ بیان فرمائی ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ امام بخاری، اس باب اور حدیث سے، اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ دعا میں اکتاہٹ سے بچنا چاہیے، وعظ ونصیحت اور دعوت وتبلیغ ایک اہم فریضہ ہے، جب اس میں اکتاہٹ سے بچنے کا اہتمام کیا گیا ہے تو دعا میں بطریق اولیٰ اس سے بچنا چاہیے اور دعا اس قدر لمبی نہیں کرنی چاہیے کہ انسان اکتاہٹ کا شکار ہو جائے، چنانچہ حضرت لکھتے ہیں:

"وعندي أن الإمام البخاري رحمه الله أشار بالترجمة وحديثها إلى أنه ينبغي الاحتراز عن الملال في الدعاء، فإنه لما يحترز عنه في التذكير، وهو أهم؛ ففي الدعاء بالأولىٰ، فلا ينبغي التطويل في الدعاء، حتى يؤدي إلى الملال، وليس المراد كراهة الطول مطلقاً، بل الطول المؤدي إلى الملال"(۲).

إذ جاء يزيد بن معاوية

یزید بن معاویہ تابعی ہیں اور صحیح بخاری میں صرف اس ایک مقام پر ان کا ذکر ملتا ہے، ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فارس میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے (۳)۔

---

(۱) فتح الباري: ۱۱/۲٦٥، وعمدة القاري: ۲۳/٤٥

(۲) الأبواب والتراجم: ۲/۱۳۰

(۳) قال ابن الأثير في النهاية: ۲/۸۸: "يتخولنا: يتعهدنا، من قولهم، فلان خائل مال، وهو الذي يصلحه، ويقوم به، وانظر غريب الحديث للخطابي: (۲/٤۳۷)

يتخولنا بالموعظة

یتخول "تخول" سے مشتق ہے، اس کے معنی اصلاح اور نگہداشت کرنے کے ہیں (۴)۔ مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعظ و نصیحت میں ہماری حالت کی رعایت رکھتے تھے۔

كراهية السآمة علينا

یعنی ہمارے اوپر اکتاہٹ طاری ہوجانے کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ناپسند کرتے تھے، اس وجہ سے آپ ہمارے رعایت رکھتے تھے۔ یہ ترکیب میں مفعول لہ واقع ہورہا ہے۔

یہ حدیث کتاب العلم میں باب كان النبي صلى الله عليه وسلم يتخولهم بالموعظة...... کے تحت گزر چکی ہے اور وہیں اس پر مفصل گفتگو بھی ہوئی ہے (۵)۔

---

(٤) تهذيب الكمال: ٣٢/٢٤٦، وكتاب الثقات لابن حبان: ٥/٥٤٥

(٥) دیکھئے: كشف الباري، كتاب العلم، ص: ٢٥٦، رقم الحديث: ٦٨.

٨٤ - كتاب الرّقاق

٨٤ - كتاب الرّقاق

(الأحاديث: ٦٠٤٩-٦٢٢٠)

کتاب الرقاق ۵۳...... ابواب پر مشتمل ہے، جن میں اکتالیسواں باب بلاترجمہ ہیں، امام بخاری نے اس میں ۱۹۳...... مرفوع احادیث ذکر فرمائی ہیں، ان میں ۳۳...... احادیث تعلیق کی صورت میں ہیں اور بقیہ ۱۶۰...... احادیث موصول ہیں، جن میں ۱۳۴...... احادیث مکرر ہیں اور بقیہ ۵۹...... احادیث خالص یعنی غیر مکرر ہیں، ۱۷...... احادیث کے سوا بقیہ احادیث کی تخریج امام مسلم نے بھی کی ہے...... کتاب الرقاق میں امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرات صحابہ اور تابعین وغیرہ کے ۱۷...... آثار ذکر فرمائے ہیں۔

زہد ورقاق کی کتب پر ایک تعارفی نظر

مرتب کے قلم سے

حضرات محدثین ''زہد ورقاق'' کے عنوان سے سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ان مبارک احادیث اور امت کے جلیل القدر اسلاف کے اُن واقعات کو جمع کرتے ہیں جن کو پڑھ کر دل کی سنگینی، رقت میں بدل جاتی ہے اور قساوت کی جگہ سوز وگداز لے لیتا ہے، فانی دنیا کی حقیقت سامنے آتی ہے، انسانی زندگی کی بے بسی عیاں ہوتی ہے، آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے اور اس بھری پری کائنات کی رنگینیوں کی بے ثباتی واضح ہوتی ہے...... حقیقت یہ ہے کہ اس عنوان کے تحت، اس رنگ رنگ جہاں کی ان دل کشیوں سے ''ہوشیار باش'' کی صدا لگائی جاتی ہے جو زندگی کے مسافر کے رخ کو سمت قبلہ سے پھیرتی اور نافرمانیوں میں گھیرتی ہیں، مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''حدیث کی کتابوں میں جس طرح کتاب الایمان، کتاب الصلوۃ، کتاب الزکوۃ، کتاب النکاح، کتاب البیوع وغیرہ عنوانات ہوتے ہیں، جن کے تحت ان ابواب کی حدیثیں درج کی جاتی ہیں، اسی طرح ایک عنوان ''کتاب الرقاق'' کا ہوتا ہے، جس کے ذیل میں وہ حدیثیں درج کی جاتی ہیں جن سے دل میں رقت اور گداز کی کیفیت پیدا ہو، دنیا سے دل بستگی کم ہو اور آخرت کی فکر بڑھے اور آدمی اللہ تعالیٰ کی رضا اور اخروی فلاح کو اپنی زندگی کا نصب العین بنائے، اس کے علاوہ اسی عنوان کے تحت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مؤثر خطبات ونصائح اور مواعظ بھی درج کئے جاتے ہیں، یہ واقعہ ہے کہ حدیث کے ذخیرے میں سب سے زیادہ مؤثر اور زندگی کے رخ کو بدلنے کی سب سے زیادہ طاقت رکھنے والا حصہ یہی ہوتا ہے، جو کتب حدیث میں ''کتاب الرقاق'' کے زیر عنوان درج ہوتا ہے، اس لئے اس کی خاص اہمیت ہے، اور کہا جاسکتا ہے کہ حقیقی اسلامی

تصوف کی یہی اساس وبنیاد ہے"(۱)۔

اسی اہمیت کی بناء پر حضرات محدثین، حدیث کی کتابوں میں اس طرح کی احادیث کے لئے "کتاب الرقاق" یا "کتاب الزہد والرقاق" کا مستقل عنوان قائم کرتے ہیں اور امت کے کئی ائمہ اور علماء نے اس پر مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں، یہاں ان کا ایک اجمالی تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

صحیح بخاری میں کتاب الرقاق

امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں کتاب الرقاق کے تحت ۵۳ ابواب ذکر کئے ہیں، انہوں نے قیامت، حشر، جنت، جہنم، پل صراط اور حوض کوثر سے متعلق احادیث بھی رقاق کے ذیل میں بیان فرمائے ہیں، جیسا کہ عرض کیا گیا کتاب الرقاق ۵۳......ابواب پر مشتمل ہے، جن میں اکتالیسواں باب بلاترجمہ ہیں، امام بخاری نے اس میں ۱۹۳......مرفوع احادیث ذکر فرمائی ہیں، ان میں ۳۳......احادیث تعلیق کی صورت میں ہیں اور بقیہ ۱۶۰......احادیث موصول ہیں، جن میں ۱۳۴......احادیث مکرر ہیں اور بقیہ ۵۹......احادیث خالص یعنی غیر مکرر ہیں، ۱۷......احادیث کے سوا بقیہ احادیث کی تخریج امام مسلم نے بھی کی ہے......کتاب الرقاق میں امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرات صحابہ اور تابعین وغیرہ کے ۱۷......آثار ذکر فرمائے ہیں۔

صحیح مسلم میں کتاب الرقاق

امام مسلم رحمہ اللہ نے، صحیح مسلم میں "رقاق" کی حدیثیں ذکر کی ہیں، انہوں نے چونکہ ابواب اور عنوانات خود نہیں لگائے تھے بلکہ مطبوعہ نسخوں میں کتب اور ابواب کے یہ عنوانات بعد میں امام نووی رحمہ اللہ نے لگائے ہیں (۲) انہوں نے کتاب التفسیر سے پہلے اور "كتاب الجنة وصفة نعيمها" کے بعد کتاب الزہد والرقاق ذکر کیا ہے اور ۷۵ احادیث پر بیس ابواب قائم کئے ہیں (۳)۔

جنت وجہنم اور قیامت سے متعلق احادیث پر امام نووی رحمہ اللہ نے مستقل کتاب کا عنوان قائم کیا ہے

(۱) معارف الحدیث: ۲/۲۵

(۲) مقدمہ صحیح مسلم از مولانا شبیر احمد عثمانیؒ: ۱۰۰

(۳) دیکھئے، صحیح مسلم، کتاب الزهد والرقاق، الأحاديث: ۷۳۴۳-۷۴۳۸

اوران احادیث کورقاق کے تحت نہیں رکھا، جب کہ صحیح بخاری میں یہ احادیث کتاب الرقاق ہی کے تحت ہیں، صحیح مسلم میں کتاب صفة القیامة اکیس ابواب پر، کتاب صفۃ الجنۃ بیس ابواب پر، کتاب التوبہ بارہ ابواب پر مشتمل ہے، البتہ بعض نسخوں میں کتاب التوبہ سے پہلے، کتاب الرقاق کا عنوان ہے اور اس کے تحت ایک باب "باب أكثر أهل الجنة الفقراء" ذکر کیا گیا ہے (۴)۔

ان نسخوں میں ''کتاب الرقاق'' دو جگہ ہیں، ایک کتاب التوبہ سے پہلے اور دوم کتاب التفسیر سے پہلے، البتہ ہندوستانی نسخوں میں یہاں کتاب الرقاق کا عنوان نہیں ہے (۵)۔

سنن ترمذی کی کتاب الزہد

صحاح ستہ میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی کتاب الزہد کے تحت ۶۴ ابواب قائم کیے ہیں اور اس کے تحت ایک سو گیارہ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں (۶)، انہوں نے بھی جنت، جہنم اور قیامت سے متعلق احادیث اس کے بعد ''کتاب صفۃ القیامۃ والرقاق......''، ''کتاب صفۃ الجنۃ'' اور ''کتاب صفۃ جہنم'' کے عنوان سے ذکر کی ہیں، یہ تمام احادیث بھی رقاق کے زمرے میں آتی ہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ نے کتاب صفۃ القیامۃ والرقاق میں ۶۰ ابواب قائم کیے اور اس کے تحت ایک سو سات حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، کتاب صفۃ الجنۃ میں ۲۷ ابواب اور تمیں حدیثیں اور کتاب صفۃ جہنم میں ۱۳ ابواب اور تقریباً ۳۱ احادیث ذکر فرمائی ہیں (۷)......

سنن ابن ماجہ میں کتاب الزہد

امام ابن ماجہ نے سنن میں کتاب الزہد کے تحت ۳۹ ابواب قائم کیے ہیں اور اس کے تحت دو سو اکتالیس احادیث نقل فرمائی ہیں۔

---

(٤) دیکھئے، صحيح مسلم: ١٧/٥٥، دار المعرفة بيروت

(٥) دیکھئے، صحيح مسلم: ٢/٣٥٢، قديمي كتب خانه

(٦) دیکھئے، سنن الترمذي، كتاب الزهد، الأحاديث: ٢٣٠٤-٢٤١٤

(٧) دیکھئے، سنن الترمذي، كتاب صفة القيامة والرقائق، الأحاديث: ٢٤١٥-٢٥٢٢، وكتاب صفة الجنة، الأحاديث: ٢٥٢٣-٢٥٧٢، وكتاب صفة جهنم، الأحاديث: ٢٥٧٣-٢٦٠٥

صحاح ستہ میں امام ابوداود نے سنن ابی داود میں کتاب الزہد یا کتاب الرقاق کا کوئی عنوان قائم نہیں کیا، اسی طرح سنن نسائی صغری میں بھی کتاب الرقاق نہیں ہے۔

صحاح ستہ میں سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ زہد ورقاق کی حدیثیں امام ترمذی رحمہ اللہ نے نقل فرمائی ہیں، جن کی اردو تشریح ''دنیا کی حقیقت'' کے نام سے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ نے لکھی ہے، جو چھپ چکی ہے(۹)۔

زہد ورقاق پر لکھی جانے والی مستقل کتابیں

زہد ورقاق کے عنوان سے مستقل کتابیں بھی حضرات علماء نے لکھی ہیں، جن میں مندرجہ ذیل اہل علم کی کتابیں زیادہ مشہور ہیں:

1. امام عبداللہ بن المبارک...... متوفی: ۱۸۱، ان کی کتاب الزہد مشہور ہے، اس کا تعارف آرہا ہے۔
2. امام معافی بن عمران موصلی...... متوفی: ۱۸۵ھ، ان کی کتاب الزہد مطبوع ہے۔
3. حضرت امام وکیع بن جراح...... متوفی: ۱۹۷ھ، ان کی کتاب الزہد بھی مطبوع ہے۔
4. حضرت اسد بن موسیٰ...... متوفی: ۲۱۲ھ، ان کی کتاب الزہد بھی مطبوع ہے۔
5. حضرت امام احمد بن حنبل. ..... متوفی: ۲۴۱، ان کی کتاب الزہد کا تعارف آرہا ہے۔
6. حضرت ہناد بن سری...... متوفی: ۲۴۳ھ، ان کی کتاب الزہد بھی مطبوع ہے۔
7. امام ابوداود سلیمان بن اشعث سجستانی...... متوفی: ۲۷۵ھ، ان کی کتاب الزہد بھی مطبوع ہے۔
8. عبداللہ بن محمد بن عبید: ابن ابی الدنیا...... متوفی: ۲۸۱ھ، ان کی کتاب الزہد بھی مطبوع ہے۔
9. امام بیہقی (احمد بن الحسین صاحب السنن)...... متوفی: ۴۵۸ھ، ان کی کتاب، کتاب الزہد الکبیر کے نام سے مشہور ہے اور طبع ہو چکی ہے۔

ان کے علاوہ محمد بن فضیل بن غزوان (متوفی: ۱۹۵)، قاضی محمد بن احمد عسال اصبہانی (متوفی: ۳۴۹)،

---

(۸) دیکھئے، سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، الأحاديث: ٤١٠٠-٤٣٤١

(۹) یہ کتاب مکتبہ بینات کراچی سے چھپی ہے۔

حافظ عمر بن احمد: ابن شاہین (متوفی: ۳۸۵)، امام ابوالقاسم خلف بن القاسم (متوفی: ۳۹۳) اور علامہ عبدالحق بن عبدالرحمٰن اشبیلی (متوفی: ۵۸۱ھ) نے بھی کتاب الزہد والرقاق پر مستقل کتابیں لکھی ہیں (۱۰)۔

لیکن ان مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی کتاب الزہد ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک کی کتاب الزہد

حضرت عبداللہ بن مبارک دوسری صدی ہجری کے جلیل القدر محدث اور ممتاز مجاہد بزرگ امام ہیں، ان کا ایک سال حج کے لئے جانا اور ایک سال جہاد کے لئے محاذ پر جانا مشہور ہے، امام اعظم ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں اور ائمہ جرح وتعدیل کا ان کی ثقاہت پر اتفاق ہے، ان کی ولادت ۱۱۸ اور وفات ۱۸۱ میں ہوئی (۱۱)۔

انہوں نے "کتاب الزہد" کے نام سے مستقل کتاب لکھی ہے، جس کو امت میں بڑی مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی، اس کتاب کے ایک نسخہ کے راوی حسین بن الحسن مروزی ہیں جو امام ترمذی اور امام ابن ماجہ کے شیخ ہیں اور جن کی وفات ۲۴۶ میں ہوئی ہے (۱۲) اور اس کے ایک دوسرے نسخے کے راوی نعیم بن حماد ہیں جو مشہور محدث ہیں اور ان کی وفات ۲۲۸ھ میں ہوئی ہے (۱۳)۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے ممتاز شاگرد حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مبارک کی کتاب الزہد کو اپنی تحقیق کے ساتھ شائع کیا ہے، انہوں نے تین نسخوں کو سامنے رکھ کر تحقیق کی، آیات کریمہ اور احادیث کی تخریج کی اور ان پر ارقام لگائے، مشکل الفاظ کی وضاحت کی اور آخر میں نعیم بن حماد کے نسخے میں مروزی کے نسخے پر جو اضافہ ہے، اسے بھی شامل کتاب کر دیا گیا ہے، چنانچہ مروزی

---

(۱۰) دیکھئے، مقدمہ مولانا حبیب الرحمن اعظمی: ۱۲-۱۳

(۱۱) دیکھئے، حلية الأولياء. ۱٦٢/۸، وسير أعلام النبلاء: ۳۷۸/۸، وبستان المحدثين: ۱٤۷، وتهذيب الكمال: ۵/۱٦

(۱۲) تهذيب التهذيب: ۳۳٤/۳

(۱۳) تذكرة الحفاظ: ٦/۲

عن ابن المبارک کے نسخے میں ۱۶۲۶ احادیث وآثار ہیں اور نعیم بن حماد کے نسخے میں ۴۳۶ احادیث وآثار کا اضافہ ہے، اس طرح کل ۲۰۶۲ احادیث وآثار اس میں آ گئے ہیں، یہ تمام آثار و روایات فقہی ابواب پر مرتب کی گئی ہیں۔

کتاب کے شروع میں مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمہ اللہ نے چالیس سے زیادہ صفحات پر مشتمل ایک وقیع مقدمہ بھی تحریر فرمایا ہے، جس میں زہد کی تعریف، شریعت میں زہد کے مقام و مرتبے اور کتاب الزہد کے تعارف اور اپنے کام کی نوعیت کی وضاحت فرمائی ہے!

ہمارے پاس اس وقت اس کا جو نسخہ ہے، وہ دار الکتب العلمیہ بیروت نے ۱۴۲۵ھ میں چھاپا ہے، جو اس کا دوسرا ایڈیشن ہے اور ۵۳۵ صفحات پر مشتمل ہے!

امام احمد بن حنبلؒ کی کتاب الزہد

امام احمد بن حنبلؒ کا نام محتاجِ تعارف نہیں، ان کی کتاب الزہد بھی بڑی معروف اور متداول ہے، علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ومن أجل ما صنف فيه كتاب الزهد لعبد الله بن المبارك، وفيه روايات واهية......، وأجود ما صنف فيه كتاب الزهد للإمام أحمد، لكنه مكتوب على الأسماء، وزهد بن المبارك على الأبواب"(١٤) یعنی اس سلسلے میں سب سے جلیل القدر تصنیف حضرت عبداللہ بن المبارک کی کتاب الزہد ہے، لیکن اس میں ضعیف روایات ہیں، اس باب میں سب سے عمدہ تصنیف، امام احمد کی کتاب الزہد ہے، جو اسماء کے اعتبار سے لکھی گئی ہے، جب کہ ابن المبارک کی کتاب الزہد، ابواب فقہیہ کی ترتیب پر ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے تقریباً بارہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور چوالیس حضرات صحابہ اور تابعین کے زہد و ورع کے آثار و واقعات نقل کیے ہیں، کتاب کے شروع میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث

(١٤) كشف الظنون: ٢/ ٢٧٩

اور سیرت سے زہد وورع کا ایک نمونہ پیش فرمایا، کتاب میں موجود ان احادیث وآثار کی تعداد ۲۳۷۹ ہے، ہمارے سامنے اس وقت جونسخہ ہے، یہ دارالکتب العربی نے ۱۴۱۴ھ،۱۹۹۴ء میں چھاپا ہے اور دوسرا ایڈیشن ہے، یہ ایڈیشن محمد سعید بسیونی زغلول کی تحقیق وحواشی کے ساتھ ۵۶۶ صفحات میں طبع ہوا ہے۔

الترغيب والترهيب للمنذري

زہد ورقاق سے متعلق ساتویں صدی ہجری کے مشہور محدث حافظ منذری رحمہ اللہ نے بھی ''الترغیب والترہیب'' کے نام سے کتاب لکھی ہے، جو بہت حد تک جامع ہے، ان کا پورا نام عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری ہے، اور ان کی وفات ۶۵۶ھ میں ہوئی ہے (۱۵)۔

انہوں نے زہد ورقاق سے متعلق صحاح ستہ اور مندرجہ بالا کتب کی اکثر احادیث کو جمع کر دیا ہے، بلکہ انہوں نے فرمایا کہ مندرجہ ذیل کتابوں سے انہوں نے ترغیب وترہیب سے متعلق تمام احادیث کے استیعاب کی کوشش کی ہے:

1. موطا امام مالک
2. مسند احمد
3. صحیح بخاری
4. صحیح مسلم
5. سنن ابی داود
6. سنن ترمذی
7. سنن نسائی کبری
8. سنن ابن ماجہ
9. معاجم طبرانی
10. مسند ابی یعلی موصلی
11. مسند بزار
12. صحیح ابن حبان
13. مستدرک حاکم
14. صحیح ابن خزیمہ
15. کتب ابن ابی الدنیا
16. شعب الایمان اور کتاب الزہد للبیہقی
17. ابوالقاسم اصبہانی کی کتاب الترغیب والترہیب۔

(۱۵) مقدمه الترغيب والترهيب لمصطفى عمارة: ٢٤

حافظ منذری رحمہ اللہ نے ''الترغیب والترہیب'' کو درج ذیل فقہی ابواب کی ترتیب پر مرتب کیا ہے:

کتاب العلم، کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوۃ، کتاب النوافل، کتاب الجمعہ، کتاب الصدقات، کتاب الصوم، کتاب العیدین، کتاب الحج، کتاب الجہاد، کتاب قراءۃ القرآن، کتاب الذکر والدعاء، کتاب البیوع، کتاب النکاح، کتاب اللباس، کتاب الطعام، کتاب الحدود، کتاب البر والصلہ، کتاب الادب، کتاب التوبہ والزہد، کتاب الجنائز، کتاب البعث واحوال القیامہ۔

حافظ منذری رحمہ اللہ نے احادیث سے سند حذف کردی ہے اور عموماً صرف صحابی یا تابعی کا نام باقی رکھا ہے، جس کتاب سے حدیث لی گئی ہے، اس کا حوالہ دیا ہے اور حدیث کی حیثیت واضح کی ہے اور اگر کوئی حدیث متکلم فیہ ہے تو محدثانہ اصول کے مطابق وجہ ضعف کی انہوں نے وضاحت فرمادی ہے![۱۶]

ہمارے سامنے اس وقت جو نسخہ ہے، وہ مصطفیٰ محمد عمارہ کی تحقیق سے داراحیاء التراث العربی بیروت نے ۱۹۶۸ء میں چار جلدوں میں شائع کیا ہے اور تیسرا ایڈیشن ہے، کتاب کے شروع میں محقق نے تقریباً تیس صفحات کا مقدمہ لکھا ہے جس میں اصول حدیث کی اصطلاحات اور کتاب کے مراجع کے مصنفین کا تعارف کرایا ہے۔

☆☆......☆☆

(۱۶) دیکھئے، الترغیب والترہیب: ۱/۳۷-۵۰

٨٤ - کتاب الرقاق

رقاق، رقیق کی جمع ہے جس کے معنی ہیں: رقت والا، پتلا، نرم۔

صحیح بخاری کے بعض نسخوں اور حدیث شریف کی بعض کتابوں میں ''رقائق'' ہے، جو''رقیــقة'' کی جمع ہے، حضرات محدثین، اس کتاب کے تحت ان احادیث کو جمع کرتے ہیں، جن سے دل کے اندر رقت اور نرمی پیدا ہوتی ہے(۱)۔

١ - باب : ما جاءَ في الصِّحَّةِ وَالْفَرَاغِ ، وَأَنْ لَاعَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الآخِرَةِ .

اس باب کے اندر امام بخاری رحمہ اللہ نے دو باتیں بیان فرمائی ہیں، ایک جسمانی صحت اور فراغتِ اوقات کی فضیلت واہمیت بیان فرمائی ہے، دوم یہ کہ اصل زندگی، آخرت کی زندگی ہے۔

٦٠٤٩ : حدّثنا المَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ سَعِيدٍ ، هُوَ ٱبْنُ أَبِي هِنْدٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنِ ٱبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا قالَ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ : الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ) .

قالَ عَبَّاسٌ الْعَنْبَرِيُّ : حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عِيسٰى ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِنْدٍ ، عَنْ أَبِيهِ : سَمِعْتُ ٱبْنَ عَبَّاسٍ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : مِثْلَهُ .

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دو نعمتیں ایسی ہیں کہ اکثر لوگ ان کی بابت فریب خوردہ ہیں، صحت اور فراغت، عباس عنبری نے بیان کیا کہ ہم سے صفوان بن عیسیٰ نے عبداللہ بن سعید سے اور انہوں نے

(١) عمدة القاري: ٤٦/٢٣، فتح الباري: ٢٨٦/١١، إرشاد الساري: ٤١٢/١٣

اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اسی طرح کی حدیث سنی۔

المکی نام ہے، نسبت نہیں، امام بخاری رحمہ اللہ کے بڑے اساتذہ وشیوخ میں سے ہیں، عبداللہ بن سعید صغار تابعین میں سے ہیں، هو ابن أبي الهند اس میں "هو" ضمیر سعید کی طرف راجع ہے (۲)۔

صحت اور فراغت کی قدر کی جائے

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حدیث کے اندر ارشاد فرمایا کہ انسان دو نعمتوں کے بارے میں عموماً دھوکے اور غلط فہمی میں مبتلا رہتا ہے، ایک صحت وتندرستی اور دوم فراغت اور فرصت کے اوقات ولحات۔

دنیا میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو اپنی صحت اور تندرستی کو غنیمت جانتے ہوئے دین ودنیا کے فائدے میں صَرف کرنے کے بجائے اسے ضائع کر دیتے ہیں، پھر جب صحت جواب دے جاتی ہے اور جسم کی قوتیں اور صلاحیتیں کام کی نہیں رہتیں تب محسوس ہونے لگتا ہے کہ دنیا اور آخرت کے کتنے کاموں کی طرف، زمانۂ صحت میں انہوں نے توجہ نہیں دی، یہی حال فراغتِ اوقات کا ہے، فرصت کے اوقات یوں ہی ضائع چلے جاتے ہیں، بعد میں مختلف مشغولیتیں، مصروفیات اور کاموں کا جب ہجوم ہونے لگتا ہے تو فرصت کے اوقات کے ضائع جانے پر بڑا افسوس ہوتا ہے۔

مغبون: اسم مفعول کا صیغہ ہے یہ یا تو غَبْن (نون کے سکون کے ساتھ) سے ماخوذ ہے، جس کے معنی خسارے کے ہیں اور یا غَبَن (بفتح الباء) سے ماخوذ ہے، جس کے معنی رائے کی کمزوری کے آتے ہیں، مقصد یہ ہے کہ جس شخص نے ان دو نعمتوں کی قدر نہ کی، وہ خسارے میں رہا یا دھوکے میں رہا اور اس بارے میں اس کی فکر اور سوچ بڑی کمزور رہی، جس طرح آدمی خرید وفروخت میں دھوکہ کھا کر مفت میں نفع گنوا دیتا ہے اور خسارے کا شکار ہو جاتا ہے، اسی طرح ان دو نعمتوں کی ناقدری کرنے والے بھی خسارے کا شکار رہتے ہیں (۴)۔

---

(۲) عمدة القاري: ۲۳/۴۷، فتح الباري: ۱۱/۲۸٦، إرشاد الساري: ۱۳/

(٤) عمدة القاري: ۲۳/٤۷، فتح الباري: ۱۱/۲۷٦

۶۰۵۰ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ : حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ ، عَنْ أَنَسٍ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (اللَّهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الآخِرَهْ . فَأَصْلِحِ الأَنْصَارَ وَالمُهَاجِرَهْ) .
[ر : ۲٦٧٩]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! اصل زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے، پس انصار اور مہاجرین کو تو صالح اور نیک رکھ۔

۶۰۵۱ : حدّثني أَحْمَدُ بْنُ الْمِقْدَامِ : حَدَّثَنَا الْفُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمانَ : حَدَّثَنَا أَبُو حازِمٍ : حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ السَّاعِدِيُّ : كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي الخَنْدَقِ ، وَهُوَ يَحْفِرُ وَنَحْنُ نَنْقُلُ التُّرَابَ ، وَبَصُرَ بِنَا ، فَقَالَ : (اللَّهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الآخِرَهْ . فَاغْفِرْ لِلأَنْصَارِ وَالمُهَاجِرَهْ) .
تَابَعَهُ سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَهُ . [ر : ۳٥٨٦]

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ خندق کے موقع پر موجود تھے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خندق کھودرہے تھے، اور ہم مٹی منتقل کررہے تھے، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمارے قریب سے گزرتے ہوئے فرمایا: اے اللہ! اصل زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے، پس تو انصار ومہاجرین کی مغفرت کر، اس روایت کی متابعت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے بھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حوالہ سے کی۔

٢ - باب : مَثَلِ الدُّنْيَا فِي الآخِرَةِ .

دنیا بمقابلۂ آخرت

"في الآخرة" جار مجرور کا متعلق محذوف ہے، تقدیری عبارت یوں ہے: مثل الدنيا بالنسبة إلى الآخرة، "في" حرف جر بمعنی "إلى" ہے، قرآن کریم کی آیت کریمہ ﴿فردوا ايديهم فى افواههم﴾ میں

بھی "في" بمعنی "إلی" ہے(۱)، ترکیب کے اندر "مثل الدنیا......" مبتدا ہے اور خبر محذوف ہے، "کمثل لا شيء"(۲).

صحیح مسلم میں حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "واللّٰه ما الدنیا في الآخرة إلا مثل مایجعل أحدکم إصبعه في الیمّ فلینظر بما یرجع"(۳) یعنی خدا کی قسم! آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مثال ایسی ہے، جیسا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی انگلی کو سمندر میں ڈبوئے اور پھر دیکھے کہ وہ انگلی کیا چیز لے کر واپس آئی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ایک شخص سمندر کے اندر انگلی ڈبوتا ہے تو اس پر صرف تری یا ایک آدھ قطرہ لگا ہوگا، اس تری اور قطرے کی سمندر کے پانی کے مقابلے میں کچھ بھی حیثیت نہیں، اسی طرح دنیا کے زمانے اور نعمتوں کی آخرت کے مقابلے میں کوئی مناسبت نہیں، یہ تمثیل بھی محض لوگوں کو سمجھانے کے لئے ہے ورنہ درحقیقت دنیا کی نعمتوں کا آخرت کی نعمتوں سے مقابلہ ہی نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ دنیا فانی اور متناہی ہے اور آخرت باقی اور غیر متناہی ہے۔

وَقَوْلِهِ تَعَالَى : «أَنَّمَا الحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا وَفِي الآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ» /الحديد: ۲۰/.

"تم خوب جان لو کہ دنیوی زندگانی محض لہو ولعب، زینت، باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا اور اموال واولاد میں ایک کا دوسرے پر اپنے آپ کو زیادہ بتلانا ہے، جیسے، مینہ (بارش) ہے کہ اس کی پیداوار کاشتکاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے، پھر وہ خشک ہو جاتی ہے، اس کو تو زرد دیکھتا ہے، پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں عذاب شدید ہے اور خدا کی طرف سے مغفرت اور رضامندی ہے اور دنیوی زندگانی محض دھوکہ کا سامان ہے"۔

---

(۱) عمدة القاري: ۲۳/۴۸، إرشاد الساري: ۱۳/۴۱۴، وروح المعاني: ۱۳/۲۴۲

(۲) عمدة القاري: ۱۳/۴۸، وإرشاد الساري: ۱۳/۴۱۴

(۳) صحيح مسلم، كتاب الجنة وصفة نعيمها، باب فناء الدنيا، وبيان الحشر يوم القيامة: ۱۸/۱۷۹، رقم الحديث: ۷۱۲۶

دنیوی زندگی کی بے ثباتی

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دنیوی زندگی کی بے وقعتی بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حیاتِ دنیوی فانی، محض فریب اور دھوکہ کا سبب ہے، یہ ہرگز قابل اشتغال مقصود نہیں کیونکہ وہ بچپن میں کھیل تماشے، جوانی میں بناؤ سنگھار اور قوت و جمال اور دنیوی ہنر وکمال میں باہم ایک دوسرے پر فخر کرنے اور بڑھاپے میں مال ودولت اور اولاد کی فکر کرنے کا نام ہے اور یہ سب مقاصد نہایت حقیر اور جلد ختم ہونے والے ہیں، سرعتِ زوال واضمحلال میں ان کی مثال کھیتی جیسی ہے، جس کی رونق و بہار چند روزہ ہوتی ہے، کاشت کار اس کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں، مگر کچھ ہی دنوں بعد وہ خشک ہو کر زرد ہو جاتی ہے، آدمی اور جانور اس کو روند کر چورا چورا کر دیتے ہیں اور اس شادابی اور رونق کا نام ونشان تک نہیں رہتا، یہی حال اس دنیا کی زندگی کا ہے، جب کہ اس کے مقابلے میں آخرت کی زندگی لافانی اور پائے دار ہے، جس میں اہل ایمان کے لئے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ومغفرت کا انعام ہے اور کفار کے لئے سخت عذاب ہے اور یہ دونوں نہ ختم ہونے والے امور ہیں، لہٰذا مسلمان کو دنیا میں انہماک کے بجائے آخرت کے لئے توشہ تیار کرنا چاہیے۔

لَهْوٌ: تفریحی مشغلہ، سامانِ تفریح، فضول کام وغیرہ جو انسان کو آخرت سے غافل کردے۔

زِينَة: بناؤ سنگھار، فیشن وغیرہ۔

تَفَاخُر: قوت وجمال اور دنیوی ہنر وکمال میں باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا۔

تَكَاثُر في الأولاد والأموال: اموال واولاد میں ایک دوسرے سے اپنے آپ کو زیادہ بتلانا۔

غَيْث: بارش۔

الكُفَّار: کاشتکار مراد ہیں، کاشت کار کو کافر بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ ''کفر'' کے معنی ہیں: ستر، چھپانا اور کاشت کار بھی زمین میں بیج چھپاتا ہے اور اس سے کافر بھی مراد ہو سکتے ہیں، کیونکہ دنیا کی زیب وزینت کو وہ زیادہ پسند کرتے ہیں (۴)۔

يَهِيج هاج النبتُ يهيج هَيجاً کے معنی ہیں: گھاس یا پودے کا سوکھ کر زرد ہو جانا، کھیتی کا پکنے کے

---

(٤) روح المعاني: ٢٧/٢٦٠، نیز لغات کی تحقیق کے لئے دیکھئے، الكشف والبيان في تفسير القرآن: ٦/١١٦

قریب ہونا، زور پر آنا۔

مُصْفَرًّا: اصفرار سے ہے، بمعنی زرد ہونا۔

حُطَاماً: کسی چیز کا چُورا اور ریزہ وغیرہ (۵)۔

٦٠٥٢ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حازِمٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ سَهْلٍ قالَ : سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ : (مَوْضِعُ سَوْطٍ فِي الجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ ٱلدُّنْيَا وَما فِيهَا ، وَلَغَدْوَةٌ في سَبِيلِ ٱللهِ أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِنَ ٱلدُّنْيَا وَما فِيهَا) . [ر : ٢٦٤١]

حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں ایک کوڑے جتنی جگہ، دنیا اور اس میں جو کچھ ہے، سب سے بہتر ہے اور اللہ کے راستے میں صبح کو یا شام کو چلنا دنیا ومافیہا سے بہتر ہے۔

دنیا، آخرت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حدیث میں دو باتیں ارشاد فرمائی ہیں، ایک یہ کہ جنت میں ایک کوڑے کی جگہ دنیا اور اس کے تمام خزانوں سے بہتر ہے، ایک کوڑے کی جگہ بڑی کم ہوتی ہے، مقصد یہ ہے کہ جنت کا قلیل اور مختصر حصہ دنیا اور اس کی تمام نعمتوں اور خزانوں سے بہتر ہے، کیونکہ دنیا اور اس کی نعمتیں فانی اور زائل ہونے والی ہیں، جب کہ آخرت کی ہر نعمت کو دوام اور بقاء حاصل ہے۔

حدیث کے دو مطلب

دوسری بات ارشاد فرمائی کہ اللہ کے راستے میں ایک صبح اور ایک شام دنیا اور جو کچھ اس کے اندر ہے، ان سب سے بہتر ہے، حضرات محدثین نے اس کے دو مطلب بیان فرمائے ہیں:

❶ ایک یہ کہ اللہ کے راستے میں، اللہ کے دین کے لئے، ایک صبح اور ایک شام کا وقت صَرف کرنے پر آخرت میں جو اجر وثواب ملتا ہے، وہ دنیا اور اس کے تمام خزانوں سے بہتر ہے، کیونکہ آخرت کا ثواب اور اجر

(۵) قال الراغب: الحطام: مایتکسر من الیُبس (المفردات: ۱۳۸)

دائمی اور دنیا کی خوشیاں اور مسرتیں فانی ہیں (٦)، اس مطلب کی تائید حدیث شریف کے پہلے جملے "موضع سوط في الجنة......" سے ہوتی ہے، جس طرح پہلے جملے میں دنیا کا مقابلہ آخرت سے کیا گیا ہے، اسی طرح اس دوسرے جملے میں بھی آخرت کے اجر وثواب کا تقابل دنیا سے کیا گیا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ آخرت کا اجر تمام دنیا سے بہتر ہے۔

❷ دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص اللہ کے راستے میں صبح وشام صَرف کرتا ہے، اس کا اجر وثواب، اس شخص کے اجر وثواب سے زیادہ بہتر ہے، جو دنیا اور اس کے تمام خزانوں کو خرچ کرنے سے حاصل ہوتا ہے، یعنی ایک شخص دنیا اور اس کے تمام خزانوں کا مالک بن جائے اور وہ اسے خرچ کردے، اس کا ثواب اس کو حاصل ہوگا لیکن اس ثواب کے مقابلے میں، اللہ کے راستے میں، اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے صبح یا ایک شام لگانے کا ثواب زیادہ بہتر ہے (٧)۔

اس دوسرے مطلب میں ثواب کا تقابل ثواب سے کیا گیا ہے، ایک صبح اور شام کا ثواب ہے، دوسرا انفاقِ دنیا کا ثواب ہے، پہلے ثواب کو ترجیح دی گئی ہے۔

اس دوسرے مطلب کی تائید، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے واقعے سے ہوتی ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک جہادی قافلے میں ان کی تشکیل فرمائی تھی، جمعہ کے دن قافلہ کو روانہ ہونا تھا، صبح کے وقت قافلہ روانہ ہوگیا اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ یہ سوچ کر پیچھے رہ گئے کہ نمازِ جمعہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معیت میں ادا کردیں گے اور پھر تیزی کے ساتھ سفر کرکے قافلے سے جاملیں گے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب انہیں مسجد میں دیکھا، پوچھا، انہوں نے اپنا ارادہ بتلایا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "لو أنفقت ما في الأرض، ما أدْرَكْتَ فَضْلَ غَدْوَتِهِمْ" یعنی: آپ دنیا کی تمام دولت بھی اب خرچ کردیں تو صبح جانے والوں کا ثواب نہیں پاسکتے (٨)۔

---

(٦) شرح ابن بطال: ١٤/٥

(٧) فتح الباري: ١٤/٦، كتاب الجهاد، باب الغدوة والروحة في سبيل الله

(٨) فتح الباري: ١٤/٦

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی اس حدیث میں بھی ثواب کا مقابلہ ثواب سے کیا گیا ہے، اس سے دوسرے مطلب کی تائید ہوتی ہے اور بظاہر دونوں مطالب میں کوئی تضاد بھی نہیں، اس لئے دونوں کو جمع کیا جاسکتا ہے۔

٣ - باب : قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ : (كُنْ في الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عابِرُ سَبِيلٍ) .

٦٠٥٣ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَبُو الْمُنْذِرِ الطُّفَاوِيُّ ، عَنْ سُلَيْمانَ الْأَعْمَشِ قالَ : حَدَّثَنِي مُجاهِدٌ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا قالَ : أَخَذَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ بِمَنْكِبِي فَقَالَ : (كُنْ فِي ٱلدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عابِرُ سَبِيلٍ) . وَكانَ ٱبْنُ عُمَرَ يَقُولُ : إِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّباحَ ، وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ المَسَاءَ ، وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ ، وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ .

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے میرا شانہ پکڑ کر فرمایا: دنیا میں اس طرح ہو جاؤ جیسے تم مسافر یا راستہ پر چلنے والے ہو، حضرت ابن عمرؓ فرمایا کرتے تھے: شام ہو جائے تو صبح کے منتظر نہ رہو، اور جب صبح ہو جائے تو شام کے منتظر نہ رہو (بلکہ جو نیک عمل کرنا ہے، اسے اسی وقت کرلو) اپنی صحت کو مرض سے پہلے غنیمت جانو اور زندگی کو موت سے پہلے!

طُفَاوِي: (طاء کے ضمہ کے ساتھ) یہ نسبت ہے بنوطفاوہ کی طرف، بعضوں نے کہا کہ یہ بصرہ میں ایک جگہ کا نام ہے(١)۔ ان کا نام محمد بن عبدالرحمن ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ الشیخ ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ علی بن عبداللہ ہیں، محمد بن عبدالرحمن ان کے شیخ ہیں اور یہ نقل کرتے ہیں سلیمان ابن معتمر سے جو اعمش سے مشہور ہیں۔

(١) عمدة القاري: ٢٣/٥٠، إرشاد الساري: ١٣/٤١٦

دنیا میں مسافر بن کر جیئے

غریب أو عابر سبیل: غریب کے معنی اجنبی کے ہیں اور عابر سبیل سے راستے کو عبور کرنے اور آگے جانے والا مسافر مراد ہے، جو شخص کسی شہر کے اندر اجنبی ہو، اس کا گھر بار، متعلقین اور جاننے والے نہ ہوں تو اس کے ساتھ علائق بھی کم ہوتے ہیں، حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں، ایک انجان اور اجنبی شخص کی طرح دنیوی تعلقات اور علائق سے یکسو ہو کر زندگی گزارنی چاہیے یا اس شخص کی طرح جو مسافر ہو اور آگے جانے کے لئے پابہ رکاب ہو، وہ ٹھہرتا نہیں، کسی منزل اور مقام پر وقت ضائع نہیں کرتا بلکہ اس سے آگے جانے کی فکر رہتی ہے، اسی طرح ایک مومن بھی دنیا کے راستے کی ایک منزل سے زیادہ حیثیت نہیں دینی چاہیے، اس کو اپنی آخرت اور انجام کی فکر میں مستقل اور مسلسل لگے رہنا چاہیے، علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:

”قَدِمَ بلداً لامسكن له فيها يؤويه، ولا سكن يُسْليه، خالٍ عن الأهل والعيال، والعلائق التي هي سبب الاشتغال عن الخالق، ولمّا شبه الناسك السالك بالغريب الذي ليس له مسكن، ترقى، وأضرب عنه بقوله: ”أو عابر سبيل“ ؛ لأنِ الغريبَ قد يسكُن في بلاد الغُرْبة، ويُقيم فيها، بخلاف عابر السبيل القاصد للبلد الشاسع، وبينه وبينها أودية مُرْدية، ومَفاوزة مُهْلِكة، وهو بمَرْصَدٍ مِن قُطّاع الطريق، فهل له أن يُقيم لَحْظَة، أو يسكن لمحة“(۲).

وخذ من صحتك لمرضك......

یعنی اپنی تندرسی اور صحت سے مرض اور بیماری کے وقت کے لئے کچھ حاصل کریں، مطلب یہ ہے کہ زمانۂ صحت میں بھرپور محنت کرنی چاہیے اور اعمال کی طرف پوری توجہ دینی چاہیے، کہ بسا اوقات انسان بیمار ہو جاتا ہے اور بیماری کی وجہ سے بہت سارے اعمال انجام نہیں دیئے جاسکتے تو زمانۂ صحت میں حفظ ماتقدم کے طور پر اس کی پیشگی تلافی کا سامان کر دینا چاہیے!

---

(۲) إرشاد الساري: ۱۳/٤١٦

پانچ چیزوں کوغنیمت جانئے

امام حاکم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل فرمائی ہے،اس میں ہے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا:

"اغتنم خمسا قبل خمس: شبابَك قبل هَرَمك، وصحتَك قبل سُقمك، وغناك قبل فقرك، وفراغَك قبل شُغلك، وحياتَك قبل موتك"(۳).

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کونصیحت کرتے ہوئے فرمایا، پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو، یعنی پانچ حالتیں ایسی ہیں کہ جب وہ موجود ہوں تو ان کو پانچ حالتوں سے پہلے غنیمت سمجھو، جوزمانۂ آئندہ میں پیش آنے والی ہیں:

❶ بڑھاپے سے پہلے جوانی کو یعنی اپنے اس زمانہ کوغنیمت جانو اوراس سے پورا فائدہ اٹھاؤ، جس میں تمہیں عبادت وطاعات کی انجام دہی اور خداکے دین کو پھیلانے کی طاقت وہمت میسر ہو، قبل اس کے کہ تمہارے جسمانی زوال کا زمانہ آجائے اورتم عبادت وطاعت وغیرہ کی انجام دہی میں ضعف وکمزوری محسوس کرنے لگو۔

❷ بیماری سے پہلے صحت کو، یعنی ایمان کے بعد جو چیز سب سے بڑی نعمت ہے، وہ صحت وتندرستی ہے، لہٰذا اپنی صحت وتندرستی کے زمانہ میں اگر چہ وہ بڑھاپے کے دورہی میں کیوں نہ ہو، یعنی دینی ودنیاوی بھلائی اور بہتری کے لئے جوکچھ کرسکتے ہو، کرگزرو۔

❸ فقر وافلاس سے پہلے تونگری وخوشحالی کو، یعنی تمہیں جو مال ودولت نصیب ہے، قبل اس کے کہ وہ تمہارے ہاتھ سے نکل جائے یا موت کا پنجہ تمہیں اس سے جدا کردے، تم اس کوعبادت مالیہ اورصدقات وخیرات میں خرچ کرواوراس دولت مندی وخوشحالی کوایک ایسا غنیمت موقع سمجھو جس میں تم اپنی اخروی فلاح وسعادت کے لئے بہت کچھ کرسکتے ہو۔

❹ مشاغل وتفکرات میں مبتلا ہونے سے پہلے وقت کی فراغت واطمینان کو۔

❺ موت سے پہلے زندگی کو۔

---

(۳) المستدرك للإمام الحاكم، كتاب الرقاق: ۳٤١/٤، رقم الحديث: ۷۸٤٦

"اغتنم" باب افتعال سے امر حاضر کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں، غنیمت کا مال لینا اور "غنیمت" اصل میں تو اس مال کو کہتے ہیں، جو مسلمان نے لڑکر اور حملہ کر کے حربی کافروں سے حاصل کیا ہو۔ لیکن اس لفظ کا اطلاق اس چیز پر بھی ہوتا ہے، جو کسی محنت ومشقت کے بغیر انسان کو حاصل ہو جائے۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جوانی، صحت، دولت، فراغت وقت اور زندگی ایسی چیزیں ہیں، جو ہمیشہ ساتھ نہیں دیتیں، جوانی کے بعد بڑھاپے، صحت کے بعد بیماری، دولت کے بعد محتاجگی، فراغتِ وقت کے بعد تفکرات ومشاغل اور زندگی کے بعد موت کا پیش آنا لازمی امر ہے۔

لہٰذا جب تک یہ چیزیں پیش نہ آئیں، موقع غنیمت جانو اور اس میں اپنی دنیاوی واخروی بھلائی وبہتری کے لئے جو کچھ کر سکتے ہو، اس سے غفلت اختیار نہ کرو۔

٤ - باب: في الأَمَلِ وَطُولِهِ.

أمــــل امید کو کہتے ہیں، انسان دنیا کے اندر لمبی لمبی امیدیں لگائے رکھتا ہے، اس باب کے اندر امام بخاری رحمۃ اللہ نے لمبی امیدوں کی حقیقت واضح فرمائی (۱)۔

---

(۱) قال القسطلاني رحمه الله: "الأَمَل: ـــ بفتح الهمزة، والميم ـــ وهو: الرجاء فيما تُحبه النفس من طول عمر وزيادة غنى، يقال: أمل خيره، يأمله ــــ أملاً، وكذلك التأميل، ومعناه قريب من التمني، وقيل: الفرق بينهما أن الأمل ما تقدم سببه، والتمني بخلافه، وقيل: الأمل: إرادة الشخص تحصيلَ شيءٍ يمكن حصولُه، فإذا فاته تمناه، والرجاء تعليق القلب بمحبوب ليحصلَ في المستقبل.

والفرق بين الرجاء والتمني: أن التمني يُوْرِثُ صاحبَ الكسلَ، ولا يسلك طريقَ الجهد والجد، وبعكسه صاحب الرجاء؛ فالرجاء محمود، والتمني معلول كالأمل إلا للعالِم في العلم، فلولا طولُ أمله ماصنّف ولا ألّف، وفي الأمل سِرّ لطيف؛ لأنه لولا الأمل، ما تمنى أحد بعيش ولا طابت نفسُه أن يشرع في عمل من أعمال الدنيا، وإنما المذموم منه الاسترسال فيه، وعدم الاستعداد لأمور الآخرة.

(إرشاد الساري، كتاب الرقاق: ١٣/ ٤١٧)

وَقَوْلِهِ اللّٰهِ تَعَالَى : «فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ» /آل عمران: ۱۸۵/ .

وَقَوْلِهِ : «ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ» /الحجر : ۳/ .

ترجمۃ الباب کی آیاتِ کریمہ کی تفسیر

﴿فمن زحزح عن النار وادخل الجنة فقد فاز وما الحياة الدنيا إلّا متاع الغرور﴾

''پس جسے اس دن جہنم کی آگ سے دور رکھا اور جنت میں داخل کیا گیا تو وہ بامراد ہوا اور دنیوی زندگانی محض دھوکہ کا سودا ہے''۔

زُحْزِحَ: یہ باب فعللہ سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔اس کا مجرد زَحَّ یَزُحُّ ـــ زَحاً آتا ہے، جس کے معنی ہیں: کسی چیز کو اس کی جگہ سے ہٹانا، اور زَحْزَحَ کے معنی ہیں: جَذَب بعُجلة: جلدی سے ہٹانا، کھینچنا۔ یہاں اس کے معنی ہیں: دور کرنا اور بچانا۔

دنیوی زندگی کی حقیقت

متاعُ الغُرور: غُرور یا تو مصدر ہے، غَرَّ یُغُرُّ ـــ غُروراً: دھوکہ دینا، یا غارٌّ کی جمع ہے، متاع کے معنی ہیں: ما يتمتع به وينتفع به ممّا يُباع ويُشترىٰ(۲). یعنی خریدی اور بیچی جانے والی قابل انتفاع چیز۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی بے وقعتی اور اس کی خساست پر تنبیہ واشارہ کرنے کے لئے اس کو اس سامان کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس کا مالک اس کے عیب کو چھپاتے ہوئے مشتری کو اس کی خوبیاں گنا کر اس کے خریدنے پر آمادہ کرے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:

''اور یہ جو فرمایا کہ ''دھوکہ کا سودا'' اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ دنیوی زندگی سب

(۲) إرشاد الساري: ۱۳/ ٤١٨، نیز دیکھئے، المفردات للراغب: ٥١٥

کے لئے مضر ہے، مطلب تشبیہ سے صرف یہ ہے کہ یہ اصلی مقصود بنانے کے قابل نہیں، بلکہ اگر کوئی کریم قصداً یہ سودا عمدہ داموں خریدنے لگے تو اس سودے سے محبت نہ کرے، بلکہ غنیمت سمجھ کر بیچ ڈالے، چنانچہ اہل حق اس حیات اور اس کے تمتعات کے عوض اللہ تعالیٰ سے اعمال صالحہ اور جنات عالیہ لے لیتے ہیں" (۳)۔

دوسری آیت کریمہ

﴿ذرهم يأكلوا ويتمتّعوا ويلههم الأمل فسوف يعلمون﴾ "آپ ان کو ان کے حال پر رہنے دیجئے، کہ وہ کھالیں، چین اڑالیں اور خیالی منصوبے ان کو غفلت میں ڈالے رکھیں، ان کو عنقریب حقیقت معلوم ہو جائے گی"۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ جب یہ آپ کی نصیحت پر کان نہیں دھرتے، اس پر عمل نہیں کرتے اور آپ کی بات مان کر نہیں دیتے تو آپ کیوں ان کے غم میں گھلتے ہیں، ان کے کفر پر غم نہ کریں، انہیں ان کے حال پر رہنے دیں کہ چند دن جانوروں کی طرح کھا پی لیں اور مزے اڑالیں اور مستقبل کے متعلق خوب لمبی لمبی امیدیں اور خیالی منصوبے بناتے رہیں، بہت جلد سب کچھ معلوم ہو جائے گا، حقیقت حال کھل جائے گی اور اگلا پچھلا کھایا پیا سب کچھ نکل جائے گا، چنانچہ کچھ تو دنیا ہی میں مجاہدین کے ہاتھوں قید وقتل کے ذریعے حقیقت کھل گئی اور پوری تکمیل آخرت میں دائمی عذاب سے ہو جائے گی۔

ذَرْهُم: ذَرْ بمعنی اُترُكْ امر ہے۔ اس کا ماضی قلیل الاستعمال ہے...... "يأكلوا" جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔ يتمتّعوا اور يُلْهِ یہ دونوں يأكلوا پر معطوف ہونے کی وجہ سے مجزوم ہیں۔ يُلْهِ: أَلْهَى يُلْهِيْ ــــ إِلْهاءً سے فعل مضارع معروف کا واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ اصل میں يُلْهِيْ تھا، یاء بوجہ جزم گر گئی تو "يُلْهِ" ہو گیا (۴)، اس کے معنی ہیں: غافل کرنا۔

---

(۳) بيان القرآن: ۱/ ۳۰۵ (سورة آل عمران)

(٤) دیکھئے، إعراب القرآن للدرويش: ١٧٢/٤

وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ : ٱرْتَحَلَتِ ٱلدُّنْيَا مُدْبِرَةً ، وَٱرْتَحَلَتِ الآخِرَةُ مُقْبِلَةً ، وَلِكُلٍّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا بَنُونَ ، فكُونُوا مِنْ أَبْنَاءِ الآخِرَةِ ، وَلَا تكُونُوا مِنْ أَبْنَاءِ ٱلدُّنْيَا ، فَإِنَّ الْيَوْمَ عَمَلٌ وَلَا حِسَابَ ، وَغَدًا حِسَابٌ وَلَا عَمَلٌ .

«بِمُزَحْزِحِهِ» /البقرة: ٩٦/ : بِمُبَاعِدِهِ .

حضرت علیؓ فرماتے ہیں یہ دنیا ادھر سے کوچ کر کے منہ پھیرے ہوئے چلی جارہی ہے، اور آخرت ادھر سے کوچ کر کے ہماری طرف منہ کئے آرہی ہے۔یعنی دنیا کا ہماری طرف سے منہ پھیر کر اپنی فنا کی طرف بڑھنا اور آخرت کا اپنی بقا کے ساتھ ہماری طرف متوجہ ہونا ظاہر ہورہا ہے اوران دونوں یعنی دنیا وآخرت میں سے ہرایک کے بیٹے ہیں، پس تم نیک عمل اختیار کر کے اور آخرت کی طرف متوجہ ہوکر آخرت کے بیٹے بنو اور آخرت سے بے پروا اور دنیا کی طرف راغب ومتوجہ ہوکر دنیا کے بیٹوں میں نہ ہو، یاد رکھو، آج کا دن عمل کرنے کا ہے، حساب کا دن نہیں ہے، یعنی یہ دنیا دارالعمل ہے، دارالحساب نہیں۔(یہاں بس زیادہ سے زیادہ نیک عمل کئے جاؤ) اور کل قیامت کا دن حساب کا دن ہوگا،عمل کرنے کا نہیں۔

«بِمُزَحْزِحِهِ» /البقرة: ٩٦/ : بِمُبَاعِدِهِ .

مُزَحْزِحه یہ سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۹۶ میں واقع ہے، ﴿وما هو بمزحزحه من العذاب﴾ اس میں مزحزحه کے معنی مباعدہ یعنی دور کرنے والے کے ہیں۔

آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کو جہنم کے عذاب سے ہٹانے والا نہیں ہے۔مقصد یہ ہے کہ وہ جہنم کے عذاب سے بچ نہیں سکے گا۔

﴿فمن زحزح......﴾ کی مناسبت سے امام بخاری رحمہ اللہ نے سورۃ بقرہ کے اس لفظ کو یہاں ذکر کیا، جیسا کہ صحیح بخاری میں امام بخاری رحمہ اللہ کا اسلوب ہے۔

٦٠٥٤ : حدّثنا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ : أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ ، عَنْ سُفْيَانَ قالَ : حدَّثَنِي أَبِي ، عَنْ مُنْذِرٍ ، عَنْ رَبِيعِ بْنِ خُثَيْمٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : خَطَّ النَّبِيُّ ﷺ خطًّا مُرَبَّعًا ، وَخَطَّ خَطًّا فِي الْوَسَطِ خارِجًا مِنْهُ ، وَخَط خُطَطًا صِغَارًا إِلَى هٰذَا الَّذِي فِي الْوَسَطِ مِنْ جانِبِهِ الَّذِي فِي الْوَسَطِ ، وَقالَ : (هٰذَا الإِنْسَانُ ، وَهٰذَا أَجَلُهُ مُحِيطٌ بِهِ - أَوْ : قَدْ أَحَاطَ بِهِ - وَهٰذَا الَّذِي هُوَ خارِجٌ أَمَلُهُ ، وَهٰذِهِ الخُطُطُ الصِّغَارُ الْأَعْرَاضُ ، فَإِنْ أَخْطَأَهُ هٰذَا نَهَشَهُ هٰذَا ، وَإِنْ أَخْطَأَهُ هٰذَا نَهَشَهُ هٰذَا) .

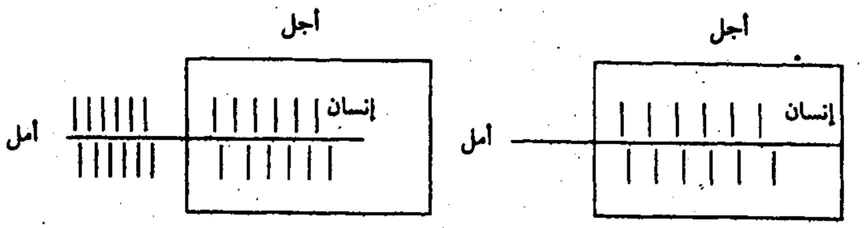
حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چوکھٹا خط کھینچا، پھر اس کے درمیان میں ایک خط کھینچا، جو چوکھٹے خط سے نکلا ہوا تھا، اس کے بعد درمیان والے خط کے اس حصے میں جو چوکھٹے کے درمیان میں تھا، چھوٹے چھوٹے بہت سے خطوط کھینچے اور پھر فرمایا کہ یہ انسان ہے اور یہ اس کی موت ہے جو اُسے گھیرے ہوئے ہے، اور یہ جو (بیچ کے خط کا حصہ) ہے یا باہر نکلا ہوا ہے، وہ اس کی امید ہے اور چھوٹے چھوٹے خطوط مشکلات ہیں، پس انسان جب ایک (مشکل) سے بچ کر نکلتا ہے تو دوسری میں پھنس جاتا ہے اور دوسری سے نکلتا ہے تو تیسری میں پھنس جاتا ہے۔

لمبی امیدوں کی پرفریبی

اس حدیث کے اندر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، انسانی زندگی کی لمبی امیدوں کی پرفریبی بیان فرمائی ہے کہ انسان اپنی زندگی سے لمبی امیدوں کی دنیا قائم کرتا ہے، تمناؤں کی کائنات سجاتا ہے، منصوبوں کا ایک طویل سلسلہ بناتا ہے لیکن اسے خبر نہیں ہوتی کہ اس نے بہت جلد یہاں سے رحلت کرنا ہے، اس کی زندگی ہزار آفتوں اور مصیبتوں میں گھری ہوئی ہے، ایک آفت سے چھٹکارا اور بچاؤ پا بھی لے، دوسری آفت آلیتی ہے اور یوں اس کی زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

نقشے کے ذریعے دنیا کی حقیقت کی مثال

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ حقیقت ایک نقشے کے ذریعے سمجھائی، آپ نے ایک چوکور و مربع خط کھینچا، اس کے درمیان سے ایک خط باہر کی طرف کھینچا اور اس درمیانے خط کے آس پاس چھوٹی چھوٹی لکیریں کھینچیں، اور چوکور ڈبہ نما خط کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ انسان کی موت اور اجل ہے، جس نے اس کا احاطہ اور گھیراؤ کیا ہے اور اس سے آگے انسان بڑھ نہیں سکتا، درمیان کے خط کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ انسان ہے اور چھوٹی لکیروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ وہ آفتیں ہیں جو انسانی زندگی کی طرف متوجہ ہیں، کسی نہ کسی آفت کا انسان شکار ہو ہی جاتا ہے اور آفت کا شکار اگر نہ ہو تو طبعی موت تو بہر حال آنی ہی ہے، علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس کا نقشہ یوں بنایا ہے(۵):



حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے اس پہلے نقشے ہی کو معتمد کہا ہے کہ سیاقِ حدیث اسی پر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت لکھتے ہیں:

"والأول المعتمد، وسياق الحديث يتنزل عليه فالإشارة بقوله: "هذا الإنسان" إلى النقطة الداخلة وبقوله: "وهذا أجله محيط به" إلى المربع وبقوله: "وهذا الذى هو خارج أمله" على الخط المستطيل المنفرد، وبقوله: "وهذه" إلى الخطوط، وهي المذكورة على سبيل المثال؛ لأن المراد

(۵) عمدة القاري: ۲۳/۵۳

إنحصارها في عدد معين يؤيده قوله في حديث أنس بعده: "إذ جاء ه الخط الأقرب"...... فإنه إشارة به إلى الخط المحيط به"(٦).

یعنی: "پہلا نقشہ ہی قابلِ اعتماد ہے، اور حدیث کا سیاق اسی پر اترتا ہے، هذا الإنسان سے اشارہ ہے اندر والے نقطے کی طرف اور وهذا أجله محيط به سے اشارہ ہے چوکھٹے کی طرف اور وهذا الذي هو خارج أمله سے اشارہ ہے لمبے خط کی طرف جو باہر کی طرف نکل گیا ہے اور هذه سے چھوٹے خطوط کی طرف اشارہ ہے"۔

٦٠٥٥ : حدَّثنا مُسْلِمٌ : حَدَّثَنَا هَمَّامٌ ، عَنْ إِسْحٰقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ ، عَنْ أَنَسٍ قالَ : خَطَّ النَّبِيُّ ﷺ خُطُوطًا ، فَقَالَ : (هٰذَا الْأَمَلُ وَهٰذَا أَجَلُهُ ، فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ إِذْ جاءَهُ الخَطُّ الْأَقْرَبُ) .

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چند خطوط کھینچے اور فرمایا: یہ امید ہے اور یہ موت ہے، انسان اسی حالت میں رہتا ہے کہ قریب والے خط یعنی موت تک پہنچ جاتا ہے۔

اذ جاء ه الخط الأقرب

خط اقرب سے اجل مراد ہے، علامہ قسطلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وهو الأجل المحيط به، إذ لاشك أن الخط المحيط، هو أقرب من الخط الخارج عنه"(٧).

چنانچہ بیہقی کی روایت میں "موت" کی اور ترمذی کی روایت میں "اجل" کی تصریح ہے(٨)۔

---

(٦) التعليق الصبيح شرح مشكاة المصابيح، باب الأمل والحرص: ٦١/٦

(٧) إرشاد الساري: ٤٢٠/١٣

(٨) إرشاد الساري: ٤٢٠/١٣

٥ - باب : مَنْ بَلَغَ سِتِّينَ سَنَةً ، فَقَدْ أَعْذَرَ اللّٰهُ إِلَيْهِ فِي الْعُمُرِ .

لِقَوْلِهِ : «أَوَ لَمْ نُعَمِّرْكُمْ ما يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجاءَكُمُ النَّذِيرُ» /فاطر : ٣٧/ : يَعْنِي الشَّيْبَ .

طویل العمری......اتمام حجت ہے

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ ایک شخص کو اللہ جل شانہ نے اگر ساٹھ سال کی زندگی عطا فرمائی تو اب اس کے پاس، آخرت کی تیاری کے سلسلے میں کوئی عذر اور بہانہ نہیں رہا، أعذر باب افعال سے ہے اور اس میں سلب ماخذ کا خاصہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کے عذر کو زائل اور ختم کر دیا، اس قدر طویل عمر پانے کے باوجود اگر کوئی آخرت کی فکر و تیاری سے غافل رہا تو اس کے پاس اس غفلت اور بے توجہی کا کوئی بہانہ نہیں ہوگا کہ وہ پیش کر سکے۔

لِقَوْلِهِ : «أَوَ لَمْ نُعَمِّرْكُمْ ما يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجاءَكُمُ النَّذِيرُ» /فاطر : ٣٧/ : يَعْنِي الشَّيْبَ .

”کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس کو سمجھنا ہوتا وہ اس میں سمجھ سکتا اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی آیا تھا“۔

دوزخ میں پڑے ہوئے کفار چلائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو یہاں سے نکال لیجئے، ہم اب خوب اچھے اچھے کام کریں گے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو جواب دیا جائے گا کہ کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس کو سمجھنا ہوتا وہ سمجھ سکتا اور صرف عمر ہی دینے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ تمہارے پاس ہماری طرف سے ڈرانے والا بھی آیا تھا۔

أولم نعمر کم: حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:

”عمر سے مراد عمر بلوغ ہے کہ بقدر ضرورت اس میں کمال فہم حاصل ہو جاتا ہے، اسی لئے مکلّف ہونے کی بھی یہی حد مقرر کی گئی ہے، حضرت قتادہ سے درمنثور میں یہی تفسیر منقول ہے:قال: اعلموا أن طول العمر حجة نزلت، وأن فيهم لابن ثمان عشرة

سنة. اورمراداس سے بلوغ ہے جیسا کہ امام صاحبؒ نے اکثر بلوغ کی یہی مدت ٹھہرائی ہے اور بعض حدیثوں میں جواس کی تفسیر میں ساٹھ برس آئے ہیں، مراداس سے تخصیص نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس سے اور زیادہ احتجاج ہوگا(۱)۔

استفہام یہاں برائے انکار ہے، واؤ برائے عطف ہے اور معطوف علیہ مقدر ہے اور ''ما'' موصولہ ہے اور تقدیری عبارت یوں ہے: ألم نمهلكم ونعمرّكم الذي، أي: العمر الذي يتذكّر فيه من تذكّر ''ما'' موصوفہ بھی ہوسکتا ہے، ''ما'' کو نافیہ قرار دینا غلط اور مصدریہ ظرفیہ قرار دینا ضعیف ہے۔

وجاء كم النذير: اس کا عطف جملہ استفہامیہ کے معنی اور مدلول پر ہے، گویا یوں کہا گیا: عمرّنا كم وجاء كم النذير. غرض یہ عطف الخبر علی الانشاء کے قبیل سے نہیں۔

آیتِ کریمہ میں نذیر کا مصداق

''نذیر'' سے مراد یا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں، یا قرآن کریم ہے، یا جنسِ نذیر یعنی انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام ہیں۔ بعض نے کہا اس سے مراد ''بخار'' ہے، بعض نے ''عزیز واقارب کی موت''، بعض نے ''کمالِ عقل'' مراد لیا ہے(۲)۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اس سے بالوں کی سفیدی مراد ہے، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں ذکر فرمایا ہے۔

٦٠٥٦ : حَدَّثَنِي عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ مُطَهَّرٍ : حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عَلِيٍّ ، عَنْ مَعْنِ بْنِ مُحَمَّدٍ الْغِفَارِيِّ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : (أَعْذَرَ اللهُ إِلَى امْرِئٍ أَخَّرَ أَجَلَهُ حَتَّى بَلَّغَهُ سِتِّينَ سَنَةً) .

تَابَعَهُ أَبُو حَازِمٍ وَابْنُ عَجْلَانَ ، عَنِ الْمَقْبُرِيِّ .

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اس شخص کا عذر ختم کر دیا جس کی موت کو اس نے اتنا مؤخر کر دیا کہ

(۱) بیان القرآن: ۳/۲۲۵

(۲) روح المعانی: ۲۲/۵۱۲

اسے ساٹھ سال تک پہنچا دیا۔ اس روایت کی متابعت ابوحازم اور ابن عجلان نے بھی مقبری کے واسطے سے کی ہے"۔

فائدہ......

سند کے اندر امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ الشیخ عمر بن علی ہیں، وہ معن بن محمد سے روایت کرتے ہیں، عمر بن علی مدلس ہیں اور یہاں وہ معن سے عن کے ساتھ روایت کر رہے ہیں۔

مدلس کا عنعنہ قبول نہیں، تاہم یہ روایت احمد بن عبدالرزاق نے نقل کی ہے، اس میں عمر بن علی نے سماع کی تصریح کی ہے، البتہ اس روایت میں "معن" کا نام نہیں بلکہ "رجل من بنی غفار" کے الفاظ ہیں، "رجل" سے معن غفاری ہی مراد ہیں (۳)۔

تابعه ابو حازم......

یعنی معن بن محمد غفاری کی متابعت ابوحازم سلمہ بن دینار محمد بن عجلان دونوں نے کی ہے، ابوحازم کی یہ متابعت امام نسائی رحمہ اللہ اور ابن عجلان کی متابعت امام محمد نے موصولاً نقل فرمائی ہے (۴)۔

٦٠٥٧ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا أَبُو صَفْوَانَ عَبْدُ ٱللهِ بْنُ سَعِيدٍ : حَدَّثَنَا يُونُسُ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ قالَ : أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ : أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ ٱللهِ يَقُولُ : (لَا يَزَالُ قَلْبُ الْكَبِيرِ شَابًّا في ٱثْنَتَيْنِ : في حُبِّ ٱلدُّنْيَا وَطُولِ الْأَمَلِ) .

قالَ اللَّيْثُ : حَدَّثَنِي يُونُسُ وَٱبْنُ وَهْبٍ : عَنْ يُونُسَ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ قالَ : أَخْبَرَنِي سَعِيدٌ وَأَبُو سَلَمَةَ .

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

بوڑھے انسان کا دل دو چیزوں کے بارے میں ہمیشہ جوان رہتا ہے، دنیا کی محبت اور لمبی امید۔

---

(٣) إرشاد الساري: ١٣/٤٢١، وفتح الباري: ١١/٢٨٨

(٤) فتح الباري: ١١/٢٨٨

قال الليث......

لیث بن سعد کی اس تعلیق کو اسماعیلی نے موصولاً نقل کیا ہے، اس میں محمد بن شہاب کے دو شیخ ہیں، حضرت سعید بن المسیب اور حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف۔ حضرت سعید کی روایت کے الفاظ بعینہ روایت باب کے الفاظ ہیں، البتہ اس میں "في حب الدنيا" کے بجائے "في حب المال" ہے اور حضرت ابوسلمہ کی روایت کے الفاظ ہیں:

"قلب الشيخ شاب على حب اثنتين: طول الحياة وحب المال"(۳).

یعنی: "بوڑھے کا دل دو چیزوں کی محبت کے سلسلے میں جوان رہتا ہے، ایک لمبی زندگی اور دوسری مال کی محبت"۔

٦٠٥٨ : حدّثنا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ : حَدَّثَنَا هِشَامٌ : حَدَّثَنَا قَتَادَةُ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قالَ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ : (يَكْبَرُ ٱبْنُ آدَمَ وَيَكْبَرُ مَعَهُ ٱثْنَتَانِ : حُبُّ ٱلْمَالِ وَطُولُ ٱلْعُمُرِ) . رَوَاهُ شُعْبَةُ ، عَنْ قَتَادَةَ .

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، انسان کی عمر جوں جوں بڑھتی ہے، اس کے ساتھ دو چیزیں بھی اس کے اندر بڑھتی جاتی ہیں، مال کی محبت اور عمر کی درازی کی۔

امام شعبہ کی ایک خصوصیت

رواه شعبه...... شعبہ کی روایت کو امام مسلم رحمہ اللہ نے موصولاً نقل کیا ہے (۴)۔

شعبہ کی یہ تعلیق امام نے ذکر کر کے انقطاع سند کے وہم کو دور کرنے کی کوشش کی ہے، کیونکہ روایتِ باب کی سند میں

(٣) عمدة القاري: ٢٣/٥٦، إرشاد الساري: ١٣/٤٢٣

(٤) عمدة القاري: ٢٣/٥٦، إرشاد الساري: ١٣/٤٢٣، وفتح الباري: ١١/٢٩٠

قتادہ "عَـنْ" سے روایت نقل کررہے ہیں اور قتادہ مدلس ہیں، جب کہ شعبہ کا معاملہ مختلف ہے وہ مدلس راویوں کی صرف وہی روایات نقل کرتے ہیں جن کے بارے میں تصریح سماع کا ان کو علم ہو تو شعبہ کا قتادہ سے یہ روایت نقل کرنا تصریح سماع کی دلیل ہے، اس لئے امام بخاریؒ نے "رواه شعبه عن قتاده" ذکر فرمایا (۵)۔

٦ - باب : الْعَمَلِ الَّذِي يُبْتَغَى بِهِ وَجْهُ ٱللهِ .

فِيهِ سَعْدٌ . [ر : ١٢٣٣]

اللہ کی خوشنودی والے عمل کی فضیلت

جو عمل خالص اللہ کی رضا کے لئے کیا جاتا ہے، اس کی شریعت میں بڑی اہمیت اور فضیلت ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کئے جانے والے عمل کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

فيه سعد یعنی اس بارے میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو کتاب الجنائز میں باب رثاء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سعد بن خولہ کے تحت گزر چکی ہے، اس میں ہے کہ جو عمل اللہ کی رضامندی کے لئے کیا جائے گا، اس سے درجہ اور رتبہ بلند ہوگا، حدیث کے الفاظ ہیں: "فقلتُ: يا رسول الله، أخلف بعد أصحابي؟ قال: إنك لن تخلف فتعمل عملاً تبتغي به وجه الله إلا ازددت به درجة" (١).

٦٠٥٩ : حدّثنا مُعَاذُ بْنُ أَسَدٍ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ ٱللهِ : أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ : أَخْبَرَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ ، وَزَعَمَ مَحْمُودٌ أَنَّهُ عَقَلَ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ ، وَقَالَ : وَعَقَلَ مَجَّةً مَجَّهَا مِنْ دَلْوٍ كَانَتْ فِي دَارِهِمْ ، قَالَ : سَمِعْتُ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيَّ ، ثُمَّ أَحَدَ بَنِي سَالِمٍ ، قَالَ : غَدَا عَلَيَّ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ ، فَقَالَ : (لَنْ يُوَافِيَ عَبْدٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، يَقُولُ : لَا إِلٰهَ إِلَّا ٱللهُ ، يَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ ٱللهِ ، إِلَّا حَرَّمَ ٱللهُ عَلَيْهِ النَّارَ) . [ر : ٤١٤]

---

(٥) فتح الباري: ١١/٢٩٠، وعمدة القاري: ٥٦/٢٣

(١) فتح الباري: ١١/٢٩١، وعمدة القاري: ٥٦/٢٣

حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ اس یقین کا اظہار کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے ذہن میں خوب محفوظ ہیں، انہوں نے کہا کہ انہیں یاد ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے گھر ایک ڈول سے پانی لے کر کلی کی تھی، انہوں نے کہا: میں نے عتبان بن مالک انصاریؓ سے اور پھر بنی سالم کے ایک اور صاحب سے سنا، انہوں نے بیان کیا: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف لائے اور فرمایا: جو بندہ بھی قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس نے کلمہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا ہوگا اور اس سے اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہوگی تو اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ کو اس پر حرام کردے گا۔

قال: سمعت عتبان بن مالك الأنصاری ثم أحدَ بنی سالم

محمود بن الربیع فرماتے ہیں کہ میں نے عتبان بن مالک انصاری اور پھر بنوسالم کے ایک شخص سے سنا،

أحد بنی سالم میں دو احتمال ہیں:

❶ یہ مرفوع ہے اور اس کا عطف "محمود" پر ہے أي: أخبرني محمود بن الربیع ثم أحد نبي سالم امام زہری فرماتے ہیں کہ مجھے محمود بن الربیع اور بنوسالم کے ایک شخص نے حدیث سنائی ہے، اس شخص سے حصین بن محمد انصاری مراد ہیں جو قبیلۂ بنوسالم کے سرداروں میں سے تھے، امام زہری نے ایک دوسری روایت میں اس کی تصریح کی ہے۔

❷ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس کا عطف "الأنصاري" پر ہے اور یہ منصوب ہے یعنی سمعت عتبان الأنصاری، وأحد بني سالم...... اب اس صورت میں دو مطلب ہو سکتے ہیں:

الف)...... محمود بن الربیع فرمارہے ہیں کہ میں نے عتبان اور بنوسالم کے ایک شخص سے حدیث سنی، گویا کہ ان کے دو شیخ ہیں ایک عتبان، دوم احد بنی سالم، اور "أحد بني سالم" سے حصین بن محمد مراد ہیں جو تابعی ہیں جب کہ محمود بن الربیع صحابی ہیں۔ صحابی تابعی سے روایت کررہے ہیں۔

ب)...... اور "ثم أحد بني سالم" کو "الأنصاری" کے لئے عطف تفسیری بھی بنا سکتے ہیں، یعنی یہ

حدیث میں نے عتبان سے سنی، جوانصاری ہیں اور قبیلہ بنوسالم کے ایک فرد ہیں، عتبان بن مالک کا تعلق بھی قبیلہ بنوسالم سے ہے(۲)۔

٦٠٦٠ : حدّثنا قُتَيْبَةُ : حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ، عَنْ عَمْرٍو ، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ : أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قالَ : (يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالَى : ما لِعَبْدِي الْمُؤْمِنِ عِنْدِي جَزَاءٌ ، إِذَا قَبَضْتُ صَفِيَّهُ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا ثُمَّ احْتَسَبَهُ ، إِلَّا الجَنَّةُ) .

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے اس مومن بندے کا جس کا کوئی عزیز اور محبوب میں دنیا سے اٹھالوں اور وہ اس پر ثواب کی نیت سے صبر کرلے تو اس کا بدلہ میرے یہاں جنت کے سوا اور کچھ نہیں۔

صَفِي (صاد کے فتحہ، فاء کے کسرہ اور یاء کی تشدید کے ساتھ) وہ شخص جو آدمی کو محبوب ہو، جیسے بیٹا، بھائی، مخلص دوست(۳)۔

اِحْتَسَبَه: احتساب کہتے ہیں، ثواب اور اجر کی نیت کرنا، "إلا الجنة" کا تعلق "ما لعبدي المؤمن......" سے ہے(۴)۔ کوئی بھی کام اگر آخرت کے اجر اور ثواب کی نیت اور ارادے سے کیا جائے تو اسے حدیث کی اصطلاح میں احتساب کہتے ہیں۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک مشہور حدیث ہے "من صام رمضان إيماناً واحتساباً غفر له ماتقدم من ذنبه وماتأخر" یعنی جو بھی شخص رمضان کا روزہ رکھے گا ایمان اور آخرت کے اجر کی نیت سے، تو اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔ اس حدیث کے اندر بھی احتساب کے معنی اجر وثواب کی نیت سے روزہ رکھنے کے ہیں۔

---

(٢) عمدة القاري: ٢٣/٥٧

(٣) عمدة القاري: ٢٣/٥٨، وفتح الباري: ١١/٢٩٢

(٤) عمدة القاري: ٢٣/٥٨، وفتح الباري: ١١/٢٩٢

٧ - باب : ما يُحْذَرُ مِنْ زَهْرَةِ ٱلدُّنْيَا وَٱلتَّنَافُسِ فِيهَا .

امام بخاری رحمہ اللہ کا اس ترجمۃ الباب سے مقصد یہ ہے کہ دنیا کی چمک دمک، کشش اور دنیا کے حرص وہوس اور اس میں مقابلہ کرنے سے بچنا چاہیے۔

٦٠٦١ : حدّثنا إسْماعِيلُ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ قالَ : حَدَّثَنِي إسْماعِيلُ بْنُ إبْرَاهِيمَ بْنِ عُقْبَةَ ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ : قالَ ٱبْنُ شِهَابٍ : حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ : أَنَّ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ أَخْبَرَهُ : أَنَّ عَمْرَو بْنَ عَوْفٍ ، وَهُوَ حَلِيفٌ لِبَنِي عامِرِ بْنِ لُؤَيٍّ ، كانَ شَهِدَ بَدْرًا مَعَ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ ، أَخْبَرَهُ : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ بَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الجَرَّاحِ إِلَى الْبَحْرَيْنِ يَأْتِي بِجِزْيَتِهَا ، وَكَانَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ هُوَ صَالَحَ أَهْلَ الْبَحْرَيْنِ وَأَمَّرَ عَلَيْهِمُ الْعَلَاءَ بْنَ الحَضْرَمِيِّ ، فَقَدِمَ أَبُو عُبَيْدَةَ بِمَالٍ مِنَ الْبَحْرَيْنِ ، فَسَمِعَتِ الْأَنْصَارُ بِقُدُومِهِ ، فَوَافَقَتْ صَلَاةَ الصُّبْحِ مَعَ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ ، فَلَمَّا ٱنْصَرَفَ تَعَرَّضُوا لَهُ ، فَتَبَسَّمَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ حِينَ رَآهُمْ وَقَالَ : (أَظُنُّكُمْ سَمِعْتُمْ بِقُدُومِ أَبِي عُبَيْدَةَ ، وَأَنَّهُ جَاءَ بِشَيْءٍ). قَالُوا : أَجَلْ يَا رَسُولَ ٱللهِ ، قَالَ : (فَأَبْشِرُوا وَأَمِّلُوا مَا يَسُرُّكُمْ ، فَوَٱللهِ مَا الْفَقْرَ أَخْشَى عَلَيْكُمْ ، وَلٰكِنْ أَخْشَى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ ٱلدُّنْيَا ، كَمَا بُسِطَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ ، فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا ، وَتُلْهِيَكُمْ كَمَا أَلْهَتْهُمْ) . [ر : ٢٩٨٨]

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ جو بنی عامر بن لؤی کے حلیف تھے اور بدر کی لڑائی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھے، انہوں نے بتایا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو بحرین والوں کا جزیہ لانے کے لئے بھیجا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بحرین والوں سے صلح کر لی تھی، اور ان پر علاء بن حضرمی کو امیر مقرر کیا تھا، جب ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بحرین کا جزیہ کا مال لے کر آئے تو انصار نے ان کی آمد کا سنا اور صبح کی نماز حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی اور جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جانے لگے تو یہ لوگ آپ کے سامنے آ گئے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہیں دیکھ کر مسکرائے اور

فرمایا کہ میرا خیال ہے، ابوعبیدہ کی آمد کے متعلق تم نے سن لیا ہے اور یہ بھی کہ وہ کچھ لے کر آئے ہیں؟ انصار نے عرض کی، جی ہاں یارسول اللہ! حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، پھر تمہیں خوشخبری ہو تم اس کی امید رکھو جو تمہیں خوش کر دے گی، خدا گواہ ہے، فقر و محتاجی وہ چیز نہیں ہے جس سے تمہارے متعلق میں ڈرتا ہوں، بلکہ میں تو اس سے ڈرتا ہوں کہ دنیا تم پر اس طرح کشادہ کر دی جائے جس طرح ان لوگوں پر کر دی گئی تھی، جو تم سے پہلے تھے اور تم بھی اس کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی اسی طرح کوشش کرو جس طرح وہ کرتے تھے اور وہ تمہیں بھی اسی طرح غافل کر دے جس طرح انہیں غافل کیا تھا۔

سند کے اندر تین تابعی ہیں، موسیٰ بن عقبہ، ابن شہاب اور عروہ بن زبیر، دو صحابی ہیں، حضرت مسور بن مخرمہ اور عمرو بن عوف...... یہ سب مدنی ہیں (۱)۔

حضرت علاء بن الحضرمی کا نام عبداللہ بن مالک بن ربیعہ ہے۔

ما الفقرَ أخشى عليكم: الفقر منصوب ہے، ما أضمر عامله على شريطة التفسير کے قبیل سے ہے اور اس کو مبتدا بنا کر مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں، دونوں صورتوں میں "أخشى" کا مفعول بہ محذوف ہوگا، اس صورت میں بوجہ اشتغال وہ "الفقر" میں عمل نہیں کر سکے گا، لہٰذا "الفقر" کا فعل ناصب مقدر ہوگا، جو کہ "أخشى" ہے، جب کہ دوسری صورت میں "الفقر"، "ما" کا اسم ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا اور خبر جب جملہ ہو تو اس میں چونکہ عائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے اس لئے "أخشى" کا مفعول بہ مقدر مانا گیا، جو ضمیر غائب ہے اور "الفقر" کی طرف راجع ہے، تقدیری عبارت یوں ہے: "ما الفقرُ أخشاه عليكم"(۲).

٦٠٦٢ : حدّثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ ، عَنْ أَبِي الخَيْرِ ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عامِرٍ : أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ خَرَجَ يَوْمًا ، فَصَلَّى عَلَى أَهْلِ أُحُدٍ صَلَاتَهُ عَلَى المَيِّتِ ، ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَى المِنْبَرِ ، فَقَالَ : (إِنِّي فَرَطُكُمْ ، وَأَنَا شَهِيدٌ عَلَيْكُمْ ، وَإِنِّي وَاللهِ لَأَنْظُرُ إِلَى حَوْضِي الآنَ ، وَإِنِّي قَدْ أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ خَزَائِنِ الأَرْضِ ، أَوْ مَفَاتِيحَ الأَرْضِ ، وَإِنِّي وَاللهِ ما أَخافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِي ، وَلٰكِنِّي أَخافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنَافَسُوا فِيهَا) . [ر : ١٢٧٩]

---

(١) فتح الباري: ١١/٢٩٤، عمدة القاري: ٢٣/٥٩

(٢) عمدة القاري: ٢٣/٦٠، فتح الباري: ١١/٢٩٥

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو جنگ احد کے شہیدوں پر اس طرح نماز پڑھی جس طرح مردے کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے، پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے اور فرمایا، میں تم سے آگے جاؤں گا اور میں تم پر گواہ ہوں گا، واللہ! میں اپنے حوض کو اس وقت بھی دیکھ رہا ہوں اور مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں یا (فرمایا کہ) زمین کی کنجیاں دی گئی ہیں اور واللہ! میں تمہارے متعلق اس سے نہیں ڈرتا کہ تم میرے بعد شرک کروگے بلکہ مجھے تمہارے متعلق اس کا خوف ہے کہ تم دنیا میں اس کے حصول کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگوگے۔

ابوالخیر کا نام مرثد بن عبداللہ ہے۔

٦٠٦٣ : حدّثنا إسماعيلُ قالَ : حَدَّثَني مالِكٌ ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ قالَ : قالَ رَسُولُ ٱللّهِ ﷺ : (إِنَّ أَكْثَرَ ما أَخافُ عَلَيْكُمْ ما يُخْرِجُ ٱللّهُ لَكُمْ مِنْ بَرَكاتِ الْأَرْضِ) . قِيلَ : وَما بَرَكاتُ الْأَرْضِ ؟ قالَ : (زَهْرَةُ ٱلدُّنْيا) . فَقالَ لَهُ رَجُلٌ : هَلْ يَأْتِي الْخَيْرُ بِالشَّرِّ ؟ فَصَمَتَ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ يُنْزَلُ عَلَيْهِ ، ثُمَّ جَعَلَ يَمْسَحُ عَنْ جَبِينِهِ ، فَقالَ : (أَيْنَ السَّائِلُ) . قالَ : أَنَا . قالَ أَبُو سَعِيدٍ : لَقَدْ حَمِدْنَاهُ حِينَ طَلَعَ لِذٰلِكَ . قالَ : (لَا يَأْتِي الْخَيْرُ إِلَّا بِالْخَيْرِ ، إِنَّ هٰذَا الْمالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ ، وَإِنَّ كُلَّ ما أَنْبَتَ الرَّبِيعُ يَقْتُلُ حَبَطًا أَوْ يُلِمُّ ، إِلَّا آكِلَةَ الخَضِرِ ، أَكَلَتْ حَتَّى إِذَا ٱمْتَدَّتْ خاصِرَتَاهَا ، ٱسْتَقْبَلَتِ الشَّمْسَ ، فَٱجْتَرَّتْ وَثَلَطَتْ وَبالَتْ ، ثُمَّ عادَتْ فَأَكَلَتْ . وَإِنَّ هٰذَا الْمالَ حُلْوَةٌ ، مَنْ أَخَذَهُ بِحَقِّهِ وَوَضَعَهُ فِي حَقِّهِ فَنِعْمَ الْمَعُونَةُ هُوَ ، وَمَنْ أَخَذَهُ بِغَيْرِ حَقِّهِ كانَ كَالَّذِي يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ) .
[ر : ٨٧٩]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میں تمہارے متعلق سب سے زیادہ اس بات سے خوف کھاتا ہوں، جب اللہ تعالیٰ زمین کی برکتیں تمہارے لئے نکال دے گا، پوچھا گیا، زمین کی برکتیں کیا ہیں؟ فرمایا

کہ دنیا کی چمک دمک، اس پر ایک صاحب نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا، کیا بھلائی، برائی کو لائے گی؟ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس پر خاموش ہوگئے اور ہم نے خیال کیا کہ شاید آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے، اس کے بعد آپ پیشانی کو صاف کرنے لگے اور دریافت فرمایا: پوچھنے والے صاحب کہاں ہیں؟ پوچھنے والے نے کہا: میں ہوں۔

ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب اس سوال کا حل ہمارے سامنے آگیا تو ہم نے ان صاحب کی تعریف کی، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، بھلائی تو بھلائی ہی لاتی ہے، لیکن یہ مال سرسبز اور خوشگوار گھاس کی طرح ہے، اور جو چیزیں بھی بہار کے موسم میں اُگتی ہیں، وہ حرص کے ساتھ زیادہ کھانے والوں کو ہلاک یا ہلاکت کے قریب کر دیتی ہیں، سوائے اس جانور کے جس نے پیٹ بھر کھایا، یہاں تک کہ جب اس کی دونوں کوکھیں بھر گئیں تو اس نے سورج کی طرف منہ کر کے جگالی کر لی اور پھر پاخانہ پیشاب کر دیا اور اس کے بعد پھر لوٹ کے کھالیا۔

اور یہ مال بھی بہت شیریں ہے، جس نے اسے حق کے ساتھ لیا اور حق میں خرچ کیا تو وہ بہترین ذریعہ ہے اور جس نے اسے ناجائز طریقہ سے حاصل کیا تو وہ اس شخص جیسا ہے جو کھاتا جاتا ہے لیکن آسودہ نہیں ہوتا۔

لقد حمدناه حين طلع ذلك: یعنی ابتداء میں تو ان کا سوال ہمیں اچھا نہیں لگا کیونکہ ان کا سوال سن کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاموش ہوگئے (ہم سمجھے کہ آپ ناراض ہوگئے) لیکن جب بات واضح ہوئی تو ہم نے ان کی تعریف کی، طلع بمعنی ظهر ہے۔

خَضِرة: خاء کے فتحہ اور ضاد کے کسرے کے ساتھ ہے بمعنی سرسبز وشاداب۔

يَقْتُل حَبَطا أَوْ يُلِمْ: حَبَط زیادہ کھانے کی وجہ سے پیٹ کے پھول جانے کو کہتے ہیں۔

حَبَطت الدابة: جانور نے اس قدر کھایا کہ پیٹ پھول کر مر گیا (۳)۔

---

(۳) حبطت الدَّابةُ حَبَطاً: إذا أصابت مرعىً طيبا، فأ فرطت في الأكل حتى تنتفخ، فتموت (النهاية في غريب الحديث: ۱/۳۲٤)

یُلِمّ: یعنی موسمی بہار جوسبزہ اگاتا ہے، وہ زیادہ کھانے کی وجہ سے ماردیتا ہے یامارنے کے قریب کردیتا ہے۔

آکِلَة الخُضْرَة: آكِلَة: اسم فاعل مؤنث کا صیغہ ہے: کھانے والا جانور۔

اِمْتَدَّتْ خاصرتاه: یعنی اس کے دونوں طرف پھیل گئے اور خوب سیدھا ہوگیا۔

اِجْتَرَّتْ: جگالی کرنا، کھائے ہوئے گھاس چارہ کونکال کر دوبارہ چبانا۔

ثَلَطَتْ: گوبر کرنا(۴)۔

ان هذا المال خَضِرَة حُلْوَة......

خَضِرَة اور حُلْوَة مؤنث ہے اور مال مذکر ہے جب کہ اسم إنّ اوراس کی خبر میں تذکیروتانیث کے اعتبار سے مطابقت ضروری ہے۔

اس لئے عبارت میں مختلف تاویلات کی گئی ہیں:

1. ایک یہ کہ مال سے مراد "الحياة بالمال" ہے اور خضرة اس کی خبر ہے۔
2. دوم یہ کہ مال سے دنیا مراد ہے اوروہ مؤنث ہے۔
3. سوم یہ کہ اس سے تشبیہ مقصود ہے، أي: المال كالبقلة الخضرة الحلوة(٥).

فقال رجل يا رسول الله أوياتي الخير بالشر......

ایک شخص نے عرض کیا، کہ یارسول اللہ! کیا بھلائی اپنے ساتھ برائی بھی لائے گی۔ یعنی ملکی فتوحات واقتدار کی وجہ سے ہم مسلمانوں کو جو مال غنیمت اور سازوسامان حاصل ہوگا، وہ تو ہمارے لئے خدا کی نعمت ہوگی، اور ویسے بھی جائز وسائل وذرائع سے حاصل ہونے والی دولت اور رزق وغیرہ کی وسعت وفراخی ایک اچھی چیز ہے، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا کی عطا کی ہوئی نعمت اور ایک اچھی چیز ہمارے لئے برائی وفتنہ اور ترک طاعات کا

(٤) لغات کی تشریح کے لئے دیکھئے، عمدة القاري: ٦٢/٢٣، وفتح الباري: ٢٩٧/١١

(٥) إرشاد الساري: ٤٢٨/١٣، فتح الباري: ٢٩٧/١١

سبب وذریعہ بن جائے۔

فقال إنه لا يأتي الخير بالشر وإن مما ينبت الربيع مايقتُلُ حَبَطا، أو يُلِمّ إلّا آكِلَة الخضر ......

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ بھلائی اپنے ساتھ برائی نہیں لاتی، یعنی جائز ذرائع سے مال ودولت کا حاصل ہونا اور رزق میں وسعت وفراخی اور خوشحالی کا نصیب ہونا، بھلائیوں میں سے ایک بھلائی ہے اور اس کی وجہ سے کوئی برائی پیش نہیں آتی، بلکہ اصل میں برائی کا پیش آنا ان عوارض کی وجہ سے ہوتا ہے جو دولت مندی اور خوشحالی کے وقت لاحق ہوجاتے ہیں۔ جیسے بخل واسراف اور حد اعتدال سے تجاوز کرنا۔

اور اس کی مثال موسم بہار ہے جو زمین کے پیٹ سے گھاس وغیرہ اگاتا ہے وہ اپنی ذات کے اعتبار سے تو اچھا اور فائدہ مند ہوتا ہے، البتہ اس سے نقصان اس وقت پہنچتا ہے جب کوئی چوپایہ اس کو ضرورت سے زائد کھائے اور بسیار خوری کے سبب ہلاکت میں مبتلا ہوجائے۔

چنانچہ خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی مثال یوں بیان فرمائی کہ موسم بہار جو سبزہ اگاتا ہے وہ حقیقت میں تو بھلائی وفائدہ کی چیز ہوتا ہے کہ وہ اپنے ساتھ کوئی نقصان وبرائی لے کر زمین کے پیٹ سے نہیں اگتا۔ مگر وہ جانور کو اس کا پیٹ پھلا کر ماردیتا ہے، اور اگر وہ مرتا نہیں تو مرنے کے قریب پہنچ جاتا ہے، یعنی جو جانور اس سبزہ کو کھانے میں حد سے تجاوز کرجاتا ہے، وہ اس سبزہ کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے فعل یعنی زیادہ کھانے کی وجہ سے ضرر وہلاکت میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ یوں کہ کھانے والے جانور نے اس سبزہ کو اس طرح کھایا کہ جب بسیار خوری کی وجہ سے اس کی دونوں کوکھیں پھول گئیں تو وہ سورج کے سامنے بیٹھ گیا، جیسا کہ جانور کی عادت ہوتی ہے کہ جب بدہضمی کی وجہ سے اس کا پیٹ پھول جاتا ہے تو وہ دھوپ میں بیٹھ جاتا ہے اور اس کا پیٹ گرمی پاکر نرم ہوجاتا ہے اور اس میں جو کچھ ہوتا ہے، باہر نکل آتا ہے، پھر جب پتلا گوبر اور پیشاب کرکے وہ اپنا پیٹ ہلکا کرلیتا ہے تو چراگاہ کی طرف چل کر سبزہ چرنے لگتا ہے۔

فراوانیِ دولت کب نعمت ہے؟

وان هذا المال خضرة حلوة...... مذکورہ مثال اوراس کی مطابقت بیان کرنے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ''یہ مال وزر بڑا سرسبز تازہ اور نرم ودلکش ہے'' کہہ کر اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا کہ دنیا کے مال وزر، اس کی محبت اور اس کے مصارف کے تعلق سے انسانوں کے حالات وخیالات مختلف ہوتے ہیں، کہ کچھ لوگ تو وہ ہوتے ہیں جو محض ضرورت وحاجت کے بقدر مال واسباب کے حصول پر اکتفا کرتے ہیں اور اس کے حصول کے لئے بھی جائز و درست وسائل وذرائع اختیار کرتے ہیں۔ اسی طرح ان کے پاس جو مال واسباب اور روپیہ پیسہ ہوتا ہے، اس کو وہ اچھے مصارف میں خرچ کرتے ہیں۔

لیکن کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو مال ودولت کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں، ان کی حرص وطمع کسی بھی حد پر قناعت نہیں کرتی، وہ نہ صرف یہ کہ ضرورت واحتیاج سے زائد مال وزر حاصل کرنے کی سعی وکوشش کرتے ہیں، اوراس کے جوڑنے میں لگے رہتے ہیں، بلکہ اس کے حصول میں جائز وناجائز کے درمیان کوئی تمیز نہیں کرتے۔ سخت سے سخت برائی کا ارتکاب کرکے اور حرام ذرائع کو اختیار کرکے دولت سمیٹتے رہتے ہیں۔

اس کے علاوہ ان کے پاس جو مال ودولت اور روپیہ پیسہ ہوتا ہے، اس کو حقداروں پر اور ان مصارف میں خرچ نہیں کرتے، جو خدا کی خوشنودی کا باعث ہوتے ہیں، اور مال ودولت سے متعلق ان کی یہ حرص وطمع ان کو اس شخص کی مانند بنا دیتی ہے جو کھاتا رہتا ہے، مگر غلبۂ حرص کی وجہ سے شکم سیر نہیں ہوتا، یا ان کی حالت اس شخص کی سی ہو جاتی ہے جو استسقاء کا مریض ہوتا ہے کہ کسی وقت بھی سیراب نہیں ہوتا اور جتنا پانی پیتا ہے، اسی قدر پیاس بھڑکتی ہے اور پیٹ پھولتا جاتا ہے۔

٦٠٦٤ : حدَّثني مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ : حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ : سَمِعْتُ أَبَا حَمْزَةَ قَالَ : حَدَّثَنِي زَهْدَمُ بْنُ مُضَرِّبٍ قَالَ : سَمِعْتُ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : (خَيْرُكُمْ قَرْنِي ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ - قَالَ عِمْرَانُ : فَمَا أَدْرِي : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ بَعْدَ قَوْلِهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا - ثُمَّ يَكُونُ بَعْدَهُمْ قَوْمٌ يَشْهَدُونَ وَلَا يُسْتَشْهَدُونَ وَيَخُونُونَ وَلَا يُؤْتَمَنُونَ، وَيَنْذِرُونَ وَلَا يَفُونَ، وَيَظْهَرُ فِيهِمُ السِّمَنُ) . [ر : ٢٥٠٨]

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، پھر ان لوگوں کا زمانہ ہے جو اس کے بعد ہوں گے، حضرت عمران نے بیان کیا کہ مجھے نہیں معلوم حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس ارشاد کو دو مرتبہ دہرایا یا تین مرتبہ، پھر اس کے بعد وہ لوگ ہوں گے جو گواہی دیں گے، لیکن ان سے گواہی طلب نہیں کی گئی ہوگی، وہ خیانت کریں گے اور ان پر سے اعتماد جاتا رہے گا، وہ نذر مانیں گے لیکن پوری نہیں کریں گے اور ان میں موٹاپا پھیل جائے گا۔

ویظهر فیهم السِّمَن: سِمَن موٹاپے کو کہتے ہیں، سنن ترمذی کی روایت میں ہے: "ثم یجیئ قوم یتسمنون ویحبون السِّمَن" (٦). یعنی: "اس کے بعد ایسے لوگ آئیں گے، جو موٹے ہوں گے اور موٹاپے کو پسند کریں گے"۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ إن اللہ یبغض الحبْرَ السمینَ (٧) یعنی اللہ جل شانہ کو موٹا آدمی پسند نہیں ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس سے مراد صرف جسم کا موٹاپا نہیں ہے، بلکہ مقصد تعیش اور عیش وعشرت میں مبتلا ہونا ہے۔ یعنی ایسے لوگ آئیں گے جو عیش وعشرت کو اور آوارگی کو پسند کریں گے۔ چونکہ عموماً موٹاپا بھی لاپرواہی اور عیش وعشرت کے نتیجے میں ہوتا ہے، اس لئے حدیث میں اس کا ذکر آ گیا ہے۔

٦٠٦٥ : حدّثنا عَبْدَانُ ، عَنْ أَبِي حَمْزَةَ ، عَنِ الْأَعْمَشِ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، عَنْ عَبِيدَةَ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ، ثُمَّ يَجِيءُ مِنْ بَعْدِهِمْ قَوْمٌ : تَسْبِقُ شَهَادَتُهُمْ أَيْمَانَهُمْ ، وَأَيْمَانُهُمْ شَهَادَتَهُمْ) . [ر : ٢٥٠٩]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، اس کے بعد ان لوگوں کا، جو اس کے بعد

---

(٦) سنن الترمذي، أبواب الفتن، باب ماجاء في القرن الثالث، رقم الحديث: ٢٢٢١

(٧) الكاف الشاف في تخريج أحاديث الكشاف على حاشيته: ٢/٤٤، والجامع لأحكام القرآن: ٧/٣٧ (سوره الأنعام)

ہوں گے اور اس کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوں گے جن کی گواہیاں ان کی قسموں سے آگے رہیں گی اور قسمیں گواہیوں سے (یعنی جھوٹی گواہیاں دینے کے شوقین ہوں گے)۔

عبدان: عبداللہ بن عثمان مروزی کا لقب ہے، ابوحمزہ کا نام محمد بن میمون ہے۔

عَبیدہ: (عین کے فتحہ اور باء کے کسرہ کے ساتھ ہے) ان کے والد کا نام قیس ہے۔

ثم يجيءُ من بعدهم قوم تسبق شهادتهم

مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد آنے والے لوگوں میں تقویٰ نہیں ہوگا، وہ خوفِ خدا سے عاری ہوں گے، جھوٹی گواہی اور جھوٹی قسم کھانے کے لئے ہر شخص تیار ہوگا۔

٦٠٦٦/٦٠٦٧ : حدّثني يَحْيىٰ بْنُ مُوسىٰ : حَدَّثَنَا وَكِيعٌ : حَدَّثَنَا إِسْماعِيلُ ، عَنْ قَيْسٍ قالَ : سَمِعْتُ خَبَّابًا ، وَقَدِ اكْتَوَى يَوْمَئِذٍ سَبْعًا في بَطْنِهِ ، وَقالَ : لَوْلَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَانا أَنْ نَدْعُوَ بِالْمَوْتِ لَدَعَوْتُ بِالْمَوْتِ ، إِنَّ أَصْحابَ محَمَّدٍ ﷺ مَضَوْا ، وَلَمْ تَنْقُصْهُمُ الدُّنْيا بِشَيْءٍ ، وَإِنَّا أَصَبْنَا مِنَ الدُّنْيا ما لَا نَجِدُ لَهُ مَوْضِعًا إِلَّا التُّرابَ .

قیس بن ابی حازم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا اور اس دن ان کے پیٹ میں سات داغ لگائے گئے تھے: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں موت کی دعا کرنے سے منع نہ کیا ہوتا تو میں اپنے لئے موت کی دعا کرتا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چند صحابہ گزر گئے اور دنیا نے ان کے اعمال خیر میں سے کچھ نہیں گھٹایا تھا، اور ہم نے دنیا سے اتنا کچھ حاصل کیا کہ مٹی کے سوا اس کی کوئی جگہ نہیں۔

(٦٠٦٧) : حدّثني محَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى : حَدَّثَنَا يَحْيىٰ ، عَنْ إِسْماعِيلَ قالَ : حَدَّثَني قَيْسٌ قالَ : أَتَيْتُ خَبَّابًا ، وَهُوَ يَبْنِي حائِطًا لَهُ ، فَقالَ : إِنَّ أَصْحابَنَا الَّذِينَ مَضَوْا لَمْ تَنْقُصْهُمُ الدُّنْيا شَيْئًا ، وَإِنَّا أَصَبْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ شَيْئًا ، لَا نَجِدُ لَهُ مَوْضِعًا إِلَّا التُّرابَ . [ر : ٥٣٤٨]

قیس ابن ابی حازم کہتے ہیں کہ میں حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ اپنے باغ کی چار دیواری بنوا رہے تھے، آپ نے فرمایا کہ ہمارے ساتھی جو گزر گئے، دنیا نے ان کے اعمال میں سے کچھ بھی کمی نہیں کی، لیکن ہم نے ان کے بعد اتنا حاصل کیا کہ مٹی کے سوا ان کے رکھنے کی کوئی جگہ ہی نہیں ملتی۔

٦٠٦٨ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ : عَنْ سُفْيَانَ ، عَنِ الْأَعْمَشِ ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ ، عَنْ خَبَّابٍ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ قالَ : هَاجَرْنَا مَعَ رَسُولِ ٱللَّهِ ﷺ ، قَصَّهُ . [ر : ١٢١٧]

حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی۔

ہجرت کا واقعہ یہاں بیان نہیں کیا، وہ باب الهجرة إلى المدينة میں گزر چکا ہے، اس میں ہے: "فوقع أجرنا على الله، فمنا من مضى لم يأخذ من أجره شيئاً منهم مصعب بن عمير......"(٨).

٨ - باب : قَوْلِ ٱللَّهِ تَعَالَى : «يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ ٱللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الحَيَاةُ ٱلدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللَّهِ الْغَرُورُ . إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا إِنَّمَا يَدْعُو حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ» /فاطر : ٥ ، ٦/ .

جَمْعُهُ سُعُرٌ ، قالَ مُجَاهِدٌ : الْغَرُورُ : الشَّيْطَانُ .

"اے لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے، پس تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں مبتلا نہ کردے اور اللہ کے بارے میں شیطان تمہیں دھوکہ نہ دے دے، بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے اور اسے تم دشمن بنائے رکھو، یقیناً وہ اپنی جماعت کو دعوت دیتا ہے تاکہ وہ جہنمی بن جائے"۔

(٨) إرشاد الساري: ١٣/٤٣٣، وفتح الباري: ١١/٣٠٠

قال مجاهد: الغَرور: الشيطان......

مجاہد نے آیت کریمہ میں "الغرور" کی تفسیر شیطان سے کی ہے، فریابی نے اس تعلیق کو موصولاً نقل کیا ہے(۱)۔

غرور درحقیقت ہر اس چیز کو کہہ سکتے ہیں جو انسان کو دھوکے میں مبتلا کرے، مال، شہوت جاہ اور شیطان، سب پر غرور کا اطلاق ہوسکتا ہے اور شیطان چونکہ اس باب میں سب سے آگے ہے، اس لئے اسے "غرور" کا مصداق قرار دیا گیا ہے(۲)۔

۶۰۶۹ : حدّثنا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ : حَدَّثَنَا شَيْبَانُ ، عَنْ يَحْيىٰ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ الْقُرَشِيِّ قالَ : أَخْبَرَنِي مُعَاذُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ : أَنَّ ابْنَ أَبَانَ أَخْبَرَهُ قالَ : أَتَيْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ بِطَهُورٍ وَهُوَ جالِسٌ عَلَى المَقَاعِدِ ، فَتَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ، ثُمَّ قالَ : رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَتَوَضَّأُ وَهُوَ فِي هٰذَا الْمَجْلِسِ ، فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ قالَ : (مَنْ تَوَضَّأَ مِثْلَ هٰذَا الْوُضُوءِ ، ثُمَّ أَتَى المَسْجِدَ ، فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ ، ثُمَّ جَلَسَ ، غُفِرَ لَهُ ما تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ) . قالَ : وَقالَ النَّبِيُّ ﷺ : (لَا تَغْتَرُّوا) . [ر : ۱۵۸]

ابن ابان کہتے ہیں کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے وضو کا پانی لے کر آیا، آپ چبوترے پر بیٹھے ہوئے تھے پھر آپ نے اچھی طرح وضو کیا، اس کے بعد فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اسی جگہ وضو کرتے ہوئے دیکھا تھا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اچھی طرح وضو کیا پھر فرمایا کہ جس نے اس جیسا وضو کیا اور مسجد میں آکر دو رکعت نماز پڑھی، پھر جماعت کے انتظار میں بیٹھا رہا تو اس کے پچھلے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، انہوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دھوکہ میں نہ آجانا۔

لاتغتروا: یعنی اس دھوکے میں مبتلا نہ ہوجانا کہ اللہ تعالیٰ نماز سے تمام گناہ معاف کردیتا ہے تو

---

(۱) إرشاد الساري: ۱۲/۴۲۳

(۲) إرشاد الساري: ۱۲/۴۲۳

گناہوں سے احتیاط نہ برتی جائے، کیونکہ نمازوں سے صرف چھوٹے گناہ معاف ہوتے ہیں اور اگر بڑے گناہ بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے معاف فرمائے تو وہ مقبول نماز ہی سے معاف ہوں گے اور قبولیتِ صلوۃ کا علم کسی کو نہیں ہوسکتا۔

٩ - باب : ذَهَابِ الصَّالِحِينَ .

وَيُقَالُ : اَلذِّهَابُ الْمَطَرُ .

٦٠٧٠ : حدّثني يَحْيَ بْنُ حَمَّادٍ : حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ ، عَنْ بَيَانٍ ، عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حازِمٍ ، عَنْ مِرْدَاسٍ الْأَسْلَمِيِّ قالَ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (يَذْهَبُ الصَّالِحُونَ ، الْأَوَّلُ فَالْأَوَّلُ ، وَيَبْقَى حُفَالَةٌ كَحُفَالَةِ الشَّعِيرِ ، أَوِ التَّمْرِ ، لَا يبالِيهِمُ اللهُ بَالَةً) .

قالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ : يُقَالُ حُفَالَةٌ وَحُثَالَةٌ . [ر : ٣٩٢٥]

حضرت مرداس اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، نیک بندے یکے بعد دیگرے گزر جائیں گے، اور جو کے بھوسے کی طرح ناکارہ قسم کے لوگ رہ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرے گا۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں: حُفالة اور حُثالة ایک ہی معنی میں بولے جاتے ہیں۔

یقال: الذهاب: المطر...... امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ذہاب کے معنی بارش کے آتے ہیں۔ اس لفظ کو ذهاب الصالحين کی مناسبت سے امام بخاری نے ذکر کیا ہے۔

---

(١) قال ابن بطال: ذهاب الصالحين من أشراط الساعة، إلا إنه إذا بقى الناس فى حفالة كحفالة الشعير أو التمر؛ فذلك إنذار بقيام الساعة وفناء الدنيا، وهذا الحديث معناه الترغيب فى الاقتداء بالصالحين والتحذير من مخالفة طريقهم خشية أن يكون من خالفهم ممن لا يباليه الله ولا يعبأ به. وبَالة: مصدر باليت محذوف منه الياء التى هى لام الفعل، وكان أصله «بالية» فكرهوا ياءً قبلها كسرة، لكثرة استعمال هذه اللفظة في نفى كل ما لا يحفل به، وتقول العرب أيضًا فى مصدر باليت مبالاةً كما تقول بالة. والحفالة: سفلة الناس وأصلها فى اللغة ما تتساقط من قشور التمر والشعير وغيرهما، والحثالة والحشافة مثله.

(وانظر شرح ابن بطال للبخاري: ١٠/ ١٦١)

١٠ – باب : ما يُتَّقَى مِنْ فِتْنَةِ المَالِ .

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى : «إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ» /التغابن : ١٥/ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب میں مال کے فتنے سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے(١)، مال اگر جائز طریقے سے حاصل کیا جائے اور جائز مصارف میں استعمال کیا جائے تو اللہ کی نعمت ہے لیکن ناجائز طریقے سے مال آجائے یا مال غلط مصارف میں استعمال ہونے لگے یا وہ انسان کے گناہوں کا ذریعہ بننے لگے، تو فتنہ اور بڑی آزمائش ہے۔

٦٠٧١ : حدَّثني يَحْيَى بْنُ يُوسُفَ : أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ ، عَنْ أَبِي حَصِينٍ ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قالَ : قالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : (تَعِسَ عَبْدُ الدِّينَارِ ، وَالدِّرْهَمِ ، وَالْقَطِيفَةِ ، وَالخَمِيصَةِ ، إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ ، وَإِنْ لَمْ يُعْطَ لَمْ يَرْضَ) . [ر : ٢٧٣٠]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دینار و درہم کا غلام، عمدہ ریشمی کپڑے اور چادر کا غلام تباہ ہو جائے اگر اس کو دیا جائے تو خوش ہوتا ہے اور اگر نہیں دیا جائے تو ناراض ہوتا ہے۔

ابوحَصین کا نام عثمان بن عاصم ہے، حَصین (حاء کے فتحہ اور صاد کے کسرہ کے ساتھ) ہے۔

القَطيفة: کمبل، کپڑا۔ الخَميصة: سیاہ چادر، حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص دنیا کا اس قدر گرویدہ اور اسیر ہو کہ دنیا ہی اس کی خوشی اور ناراضگی کا اول و آخر سبب ہو، دنیا کی کوئی چیز ملے تو خوش، نہ ملے تو ناراض ہو جاتا ہے، دنیا کے ایسے گرویدہ غلام کے لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بددعا فرمائی۔

---

(١) قال ابن بطال رحمه الله: "معنى الفتنة في كلام العرب: الاختبار والابتلاء، ومنه قوله تعالىٰ: ﴿وفتناك فتونا﴾ [طه: ٤٠] أي: اختبرناك، والفتنة: الإمالة عن القصد، ومنه قوله تعالىٰ: ﴿وان كادوا ليفتنونك﴾ [الإسراء: ٧٣] أي: ليميلونك، والفتنة أيضاً: الإحراق من قوله تعالىٰ: ﴿يوم هم على النار يفتنون﴾ [الذاريات:١٣] أي: يحرقون، هذا قول ابن الأنباري. والاختبار والابتلاء بجمع ذلك كله، وقد أخبر الله تعالىٰ عن الأموال والأولاد أنها فتنة. (شرح ابن بطال: ١٠/١٦٢).

٦٠٧٢/٦٠٧٣ : حدّثنا أَبو عاصِمٍ ، عَنِ ٱبْنِ جُرَيْجٍ ، عَنْ عَطَاءٍ قالَ : سَمِعْتُ ٱبْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُما يَقُولُ : سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ : (لَوْ كانَ لِٱبْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مالٍ لَٱبْتَغَى ثَالِثًا ، وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ٱبْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ ، وَيَتُوبُ ٱللهُ عَلَى مَنْ تَابَ) .

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: اگر انسان کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری کا خواہش مند ہوگا اور انسان کے پیٹ کو مٹی کے سوا اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی اور اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے جو توبہ کرتا ہے۔

ولا يملأ جوف ابن آدم إلا التراب......

ابن آدم کا پیٹ صرف مٹی ہی سے بھر سکتا ہے، مٹی، موت سے کنایہ ہے یعنی جب تک وہ زندہ رہتا ہے مال کی خواہش اس کو رہتی ہے، یہاں تک کہ اس کی موت آجائے، علامہ قسطلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"كناية عن الموت، لاستلزامه الامتلاء، كأنه قال: لايشبع من الدنيا حتى يموت(٢).

(٦٠٧٣) : حدّثني مُحَمَّدٌ : أَخْبَرَنَا مَخْلَدٌ : أَخْبَرَنَا ٱبْنُ جُرَيْجٍ قالَ : سَمِعْتُ عَطَاءً يَقُولُ : سَمِعْتُ ٱبْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ : سَمِعْتُ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ يَقُولُ : (لَوْ أَنَّ لِٱبْنِ آدَمَ مِثْلَ وَادٍ مالاً لَأَحَبَّ أَنَّ لَهُ إِلَيْهِ مِثْلَهُ ، وَلَا يَمْلَأُ عَيْنَ ٱبْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ ، وَيَتُوبُ ٱللهُ عَلَى مَنْ تَابَ) .
قالَ ٱبْنُ عَبَّاسٍ : فَلَا أَدْرِي مِنَ الْقُرْآنِ هُوَ أَمْ لَا .
قالَ : وَسَمِعْتُ ٱبْنَ الزُّبَيْرِ يَقُولُ ذٰلِكَ عَلَى الْمِنْبَرِ .

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر انسان کے پاس مال (بھیڑ بکری وغیرہ) کی پوری وادی ہو تو وہ چاہے گا کہ اسے ویسی ہی ایک اور وادی مل جائے اور انسان کی آنکھ کو مٹی کے سوا اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی اور جو اللہ سے توبہ کرتا ہے وہ اس کی توبہ

(٢) إرشاد الساري: ١٣/ ٤٣٦

قبول کرتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں یہ قرآن میں سے ہے یا نہیں۔

قال ابن عباس: فلا أدري من القرآن هو أم لا؟...... حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ حدیث قرآن کریم کا حصہ ہے، (جس کی تلاوت منسوخ ہوچکی ہے) یا نہیں؟

قال: وسمعت ابن الزبير يقول ذلك على المنبر...... قال کا فاعل عطاء ہے، اور یہ ماقبل سند کے ساتھ متصل ہے، عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو یہ حدیث منبر بیان کرتے ہوئے سنا، چنانچہ اگلی روایت میں ہے: سمعت ابن الزبير على المنبر بمكة في خطبته......

٦٠٧٤ : حدّثنا أَبُو نُعَيْمٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ سُلَيْمانَ بْنِ الْغَسِيلِ ، عَنْ عَبَّاسِ بْنِ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قالَ : سَمِعْتُ ٱبْنَ الزُّبَيْرِ عَلَى الْمِنْبَرِ بِمَكَّةَ فِي خُطْبَتِهِ يَقُولُ : يَا أَيُّهَا النَّاسُ ، إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كانَ يَقُولُ : (لَوْ أَنَّ ٱبْنَ آدَمَ أُعْطِيَ وَادِيًا مَلْأً مِنْ ذَهَبٍ أَحَبَّ إِلَيْهِ ثَانِيًا ، وَلَوْ أُعْطِيَ ثَانِيًا أَحَبَّ إِلَيْهِ ثَالِثًا ، وَلَا يَسُدُّ جَوْفَ ٱبْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ ، وَيَتُوبُ ٱللهُ عَلَى مَنْ تَابَ) .

حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر انسان کو ایک وادی سونا بھر کے دے دی جائے تو وہ دوسری کا خواہش مندرہے گا، اگر دوسری دی جائے تو تیسری کا خواہش مندرہے گا اور انسان کا پیٹ مٹی کے سوا اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی اور اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے جو توبہ کرتا ہے۔

ابونعیم کا نام فضل بن دکین ہے۔

٦٠٧٥ : حدّثنا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ ، عَنْ صَالِحٍ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ قالَ : أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مالِكٍ : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قالَ : (لَوْ أَنَّ لِٱبْنِ آدَمَ وَادِيًا مِنْ ذَهَبٍ أَحَبَّ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَادِيَانِ ، وَلَنْ يَمْلَأَ فَاهُ إِلَّا التُّرَابُ ، وَيَتُوبُ ٱللهُ عَلَى مَنْ تَابَ) .

وَقالَ لَنَا أَبُو الْوَلِيدِ : حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ ، عَنْ ثَابِتٍ ، عَنْ أَنَسٍ ، عَنْ أُبَيٍّ قالَ : كُنَّا نَرَى هٰذَا مِنَ الْقُرْآنِ ، حَتَّى نَزَلَتْ : «أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ» .

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم نے فرمایا، کہ اگر انسان کے پاس سونے کی ایک وادی ہو تو وہ چاہے گا کہ وہ دو ہو جائیں اور اس کا منہ مٹی کے سوا اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی اور اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے جو توبہ کرتا ہے۔

اس حدیث کے اندر "فاہ" یعنی فم کا ذکر ہے، پہلی روایت میں "بطن" اور "عین" کا ذکر آیا ہے، علامہ عینی اور قسطلانی رحمہما اللہ لکھتے ہیں:

"ليس المراد الحقيقة في عضو بعينه بقرينة علامة الانحصار على التراب؛ إذ غيره يملؤه أيضا، بل هو كناية عن الموت؛ لأنه مستلزم للامتلاء، فكأنه قال: لايَشْبَع من الدنيا حتى يموت، فالغرض من العبارات كلها واحد، ليس فيها إلا التفنن في الكلام"(٣).

یعنی: "یہاں متعین طور پر جسم کا کوئی عضو مراد نہیں ہے بلکہ یہ موت سے کنایہ ہے، حدیث کا حاصل یہ ہے کہ دنیا سے انسان اس وقت تک سیر نہیں ہوتا، جب تک اس کی موت نہ آجائے، تمام عبادتوں کا مقصد ایک ہے سوائے کلام کے تنوع کے اور کوئی مقصد نہیں۔

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وهذا يحسن فيما إذا اِخْتَلفت مخارجُ الحديث، وأما إذا تحدث فهو مِن تصرف الرُواة، ثم نسبة الامتلاء للجوف واضحة، والبطن بمعناه، وأما النفس فعَبَربها عن الذات، وأطلق الذات وأراد البطنَ من باب إطلاق الكل، وإرادةِ البعض ...... وأما بالنسبة إلى الفم، فلكونه طريق الوصول إلى الجوف، وأما العين، فلأنها الأصل في الطلب؛ لأنه يرى ما يُعجبه، فيطلبه؛ ليحوزه إليك، وخُصّ البطن في أكثر الروايات؛ لأن أكثر مايطلب المال؛ لتحصيل المستلذات، وأكثرها تكرار الأكل والشرب"(٤).

---

(٣) عمدة القاري: ٢٣/٦٩، وإرشاد الساري: ١٣/٤٣٨

(٤) فتح الباري: ١١/٣٠٨، وارشاد الساري: ١٣/٤٣٩

''یہ توضیح اس وقت درست ہے جب حدیث کے الفاظ مختلف واقع ہوں۔ پھر امتلاء یعنی بھرنے کی نسبت پیٹ کی طرف کرنا واضح ہے۔ بطن کے معنی بھی یہی ہیں اور نفس بول کر شخص اور ذات مراد لیا جاتا ہے۔ ذات بول کر بطن یعنی پیٹ مراد لینا یہ ''اطلاق الکل وارادۃ البعض'' کے قبیل سے ہے۔ یعنی کل بول کر جز مراد لینا اور فم یعنی منہ کی طرف اس کی نسبت اس بناء پر ہے کہ منہ کے ذریعے سے پیٹ تک چیز پہنچتی ہے اور آنکھ کا ذکر اس وجہ سے ہے کہ طلب اور تلاش میں آنکھ اصل ہے اور اکثر روایات میں بطن یعنی پیٹ کا ذکر ہے، اس لئے کہ اکثر جو مال طلب کیا جاتا ہے، وہ لذت حاصل کرنے کے لئے کیا جاتا ہے اور لذت کی بہت سی صورتیں کھانے پینے سے حاصل ہوتی ہیں''۔

وقال لنا أبوالوليد......

ابوالولید ہشام بن عبدالملک طیالسی امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ ہیں، وہ حضرت ابی بن کعبؓ سے نقل کرتے ہیں کہ اس حدیث (لو كان لابن آدم واديان من مال......) کو ہم قرآن کا حصہ سمجھتے تھے، یہاں تک سورۃ تکاثر نازل ہوگئی، تب ہمیں معلوم ہوا کہ یہ قرآن نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی حدیث ہے، کیونکہ سورۃ تکاثر میں حدیث کا یہ مفہوم بہت بلیغ طریقے سے بیان کردیا گیا۔

بعض حضرات نے کہا کہ یہ قرآن کریم کی آیت تھی، جب سورۃ تکاثر نازل ہوئی تو اس کی تلاوت منسوخ ہوگئی لیکن اس کا حکم اب بھی باقی ہے (۵)۔

فائدہ......تعلیقات کے سلسلے میں امام بخاری کا ایک منہج

امام بخاری رحمہ اللہ تعلیقات ''قال فلان'' کہہ کر ذکر فرماتے ہیں لیکن جہاں ''قال لنا......'' کہا ہے، ظاہر ہے وہ تعلیق نہیں، بلکہ موصول ہے، یہاں پر ''قال لنا أبو الوليد'' فرمایا ہے، یہ بھی موصول ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام بخاری یہ اسلوب وہاں اختیار کرتے ہیں، جہاں متنِ حدیث ان کی شرط کے مطابق نہ ہو، یا سند کا کوئی دوسرا راوی ان کی شرط کے مطابق نہ ہو، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

---

(۵) إرشاد الساري: ۱۳/۴۳۹

"قوله: "قال لنا" ظاهر في الوصل، وإن كان بعضهم قال: إنها للإجازة، أو للمناولة، أو لمذاكرة، فكل ذلك في حكم الوصول، وإن كان التصريح بالتحديث أشد اتصالا. والذي ظهر لي بالاستقراء من صنيع البخاري أنه لايأتي بهذه الصيغة، إلا إذا كان المتن ليس على شرطه في أصل موضوع كتاب، كأن يكون ظاهره الوقف، أو في السند من ليس على شرطه في الاحتجاج"(٦).

١١ – باب : قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ : (هٰذَا المَالُ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ).

وَقالَ ٱللّٰهُ تَعَالَى : «زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ ٱلذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الحَيَاةِ ٱلدُّنْيَا» /آل عمران: ١٤/ .
قالَ عُمَرُ : اللَّهُمَّ إِنَّا لَا نَسْتَطِيعُ إِلَّا أَنْ نَفْرَحَ بِمَا زَيَّنْتَهُ لَنَا ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ أَنْ أُنْفِقَهُ فِي حَقِّهِ .

آیت کریمہ کا ترجمہ ہے:

''خوشنما معلوم ہوتی ہے (اکثر) لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی (مثلاً) عورتیں ہوئیں، بیٹے ہوئے، لگے ہوئے ڈھیر ہوئے سونے اور چاندی کے، نشان لگے ہوئے گھوڑے ہوئے، (یا دوسرے) مویشی ہوئے اور زراعت ہوئی (لیکن) یہ سب استعمالی چیزیں ہیں دنیوی زندگانی کی اور انجام کار کی خوبی (کی چیز) تو اللہ ہی کے پاس ہے (جو موت کے کام آئے گی)''۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ معارف القرآن میں اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اس آیت سے معلوم ہوگیا کہ دنیا کی ان مرغوب چیزوں کو انسان کے لئے

(٦) فتح الباري: ٣٠٩/١١

مزیّن کر دینا بھی ایک فعلِ خداوندی ہے، جو بہت سی حکمتوں پر مبنی ہے، اور بعض آیات جن میں اس قسم کی تزئین کو شیطان کی طرف منسوب کیا گیا ہے، جیسے ﴿زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ﴾ ان میں ایسی چیزوں کی تزئین مراد ہے جو شرعاً اور عقلاً بُری ہیں، یا تزئین کا وہ درجہ مراد ہے جو حد سے بڑھ جانے کی وجہ سے برا ہے، ورنہ مباحات کو مزین کر دینا مطلقاً برا نہیں، بلکہ اس میں بہت سے فوائد بھی ہیں، اسی لئے بعض آیات میں اس تزئین کو صراحتاً حق تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، جیسے ابھی بیان کیا گیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دنیا کی لذیذ اور مرغوب چیزوں کو حق تعالیٰ نے اپنے فضل وحکمت سے انسان کے لئے مزیّن فرما کر ان کی محبت اس کے دل میں ڈال دی، جس میں بہت سی حکمتوں میں ایک یہ بھی ہے کہ انسان کا امتحان لیا جائے کہ ان سرسری اور ظاہری مرغوبات اور اس کی چندروزہ لذت میں مبتلا ہونے کے بعد اور ان سب چیزوں کے رب اور خالق ومالک کو یاد رکھتا ہے اور ان چیزوں کو اس کی معرفت اور محبت کا ذریعہ بناتا ہے یا انہی کی محبت میں الجھ کر اصلی مالک وخالق کو اور آخرت میں اس کے سامنے پیشی اور حساب وکتاب کو بھلا بیٹھتا ہے، پہلا آدمی وہ ہے جس نے دنیا سے بھی فائدہ اٹھایا اور آخرت میں بھی کامیاب رہا، دنیا کی مرغوبات اس کے لئے سنگِ راہ بننے کے بجائے سنگِ میل بن کر فلاحِ آخرت کا ذریعہ بن گئیں اور دوسرا شخص وہ ہے جس کے لئے یہی چیزیں حیاتِ آخرت کی بربادی اور دائمی عذاب کا سبب بن گئیں اور اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہ چیزیں دنیا میں بھی اس کے لئے عذاب ہی بن جاتی ہیں۔ قرآن کریم میں ایسے ہی لوگوں کے متعلق ارشاد ہے: ﴿فلا تعجبك اموالهم ولا اولادهم إنما يريد الله ليعذبهم بها في الحيوة الدنيا﴾ یعنی: ''آپ ان کافروں کے مال اور اولاد سے متعجب نہ ہوں کیونکہ ان نافرمانوں کو مال، اولاد دینے سے کچھ ان کا بھلا نہیں ہوا، بلکہ یہ اموال واولاد آخرت میں تو ان کے لئے عذاب بنیں گے ہی، دنیا میں بھی رات دن کی فکروں اور مشاغل کے باعث عذاب ہی بن جاتے ہیں''۔

الغرض دنیا کی جن چیزوں کو حق تعالیٰ نے انسان کے لئے مزین اور مرغوب بنا دیا ہے، شریعت کے مطابق اعتدال کے ساتھ ان کی طلب اور ضرورت کے موافق ان کو جمع کرنا دنیا وآخرت کی فلاح ہے اور ناجائز طریقوں پر ان کا استعمال یا جائز طریقوں میں اتنا غلو اور انہماک جس کے سبب آخرت سے غفلت ہو جائے، باعثِ حکمت ہے، مولانا رومی رحمہ اللہ نے اس کی کیا اچھی مثال بیان فرمائی ہے ؎

آب در کشتی ہلاکِ کشتی است　　　　آب اندر زیرِ کشتی پشتی است

یعنی دنیا کا ساز وسامان پانی کے مانند ہے اور اس میں انسان کا قلب ایک کشتی کی طرح ہے، پانی جب تک کشتی کے نیچے اور ارد گرد رہے تو کشتی کے لئے مفید اور معین اور اس کے مقصدِ وجود کو پورا کرنے والا ہے اور اگر پانی کشتی کے اندر داخل ہو جائے تو یہی کشتی کی غرقابی اور ہلاکت کا سامان ہو جاتا ہے، اسی طرح دنیا کے مال ومتاع جب تک انسان کے دل میں غلبہ نہ پالیں، اس کے لئے دین ودنیا میں معین ومددگار ہیں، اور جس وقت چاہیں اس کے دل پر چھا جائیں تو دل کی ہلاکت ہیں (۱)۔

قال عمر: اللهم إنا لانستطيع إلا أن نفرح بما زينته لنا......

سورۃ آل عمران کی آیت کریمہ میں اللہ جل شانہ نے مختلف دنیوی چیزوں کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں لوگوں کے لئے مزین کر دیا ہے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اے اللہ! جن چیزوں کو تو نے ہمارے لئے مزین بنایا ہے انہیں دیکھ کر اور پا کر سوائے خوش ہونے کے ہمارے لئے کوئی چارہ نہیں، اے اللہ! میں تجھ سے، اس کو اپنے صحیح مصرف میں خرچ کرنے کی دعا کرتا ہوں''۔

اس تعلیق کو دار قطنی نے موصولاً نقل کیا ہے اور اس میں تفصیل ہے کہ جب فتوحات شروع ہوئیں تو حضرت عمرؓ کے پاس مشرق سے مال آیا، حضرت عمرؓ نے کھول کر دیکھا تو اس میں زیورات، جواہر اور دیگر ساز وسامان تھا، حضرت عمرؓ رونے لگے، لوگوں نے پوچھا، امیر المؤمنین! آپ کیوں رو رہے ہیں، یہ تو مال غنیمت

(۱) معارف القرآن، سورہ آل عمران: ۲/۲۹، ۳۰۔

ہے،فرمانے لگے: جس قوم پر یہ فتح حاصل ہوئی، یہ مال ان کو قتل کرنے اور بے آبرو کرنے کے بعد ہی حاصل ہوا، مقصد یہ تھا کہ وہ بغیر جنگ وقتال کے اسلام قبول کر لیتے تو یہ نوبت نہ آتی...... پھر جب وہ مال تقسیم کرنے لگے تو قرآن کریم کی یہ آیت ﴿زین للناس......﴾ تلاوت فرمائی، اور فرمایا کہ یہ دنیوی اشیاء ہمیں بھی محبوب ہیں، اے اللہ! ان کے شر سے مجھے بچا اور مجھے توفیق دے کہ میں اسے صحیح مصرف میں خرچ کرسکوں (۲)۔

٦٠٧٦ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قالَ : سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ يَقُولُ : أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ وَسَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ ، عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ قالَ : سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَأَعْطَانِي ، ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِي ، ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِي ، ثُمَّ قالَ : (هٰذَا الْمَالُ) . وَرُبَّمَا قالَ سُفْيَانُ : قالَ لِي : (يَا حَكِيمُ ، إِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ ، فَمَنْ أَخَذَهُ بِطِيبِ نَفْسٍ بُورِكَ لَهُ فِيهِ ، وَمَنْ أَخَذَهُ بِإِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهُ فِيهِ ، وَكَانَ كَالَّذِي يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ ، وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى) . [ر : ١٣٦١]

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مانگا، تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے عطا فرمایا، پھر میں نے مانگا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پھر عطا فرمایا، پھر میں نے مانگا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پھر عطا فرمایا، پھر فرمایا کہ اے حکیم! یہ مال سرسبز اور خوشگوار ہے، پس جو شخص اسے نیک نیتی سے لیتا ہے اس کے مال میں برکت ہوتی ہے اور جو لالچ کے ساتھ لیتا ہے تو اس کے مال میں برکت نہیں ہوتی، بلکہ وہ اس شخص جیسا ہو جاتا ہے جو کھاتا جاتا ہے لیکن اس کا پیٹ نہیں بھرتا اور اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔

ثم قال: "إن هذا المال، وربما قال سفيان: قال لی: ویاحکیم: إن هذا المال......"(۳).

یعنی راوی سفیان کو شک ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "إن هـذا المال خضرة حلوة......"

---

(۲) إرشاد الساري: ۱۳/٤٤١

(۳) وظاهر السياق أن حكيما قال لسفيان، وليس كذلك؛ لأنه لم يدركه، فإن بين وفاة حكيم ومولد سفيان نحو الخمسين سنة، وإنما المراد أن سفيان رواه مرة بلفظ: "ثم قال: (أي النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم) إن هذا المال" ومرة بلفظ: "ثم قال لی: یاحکیم......". (فتح الباري: ۱۱/۳۱۳، وإرشاد الساري: ۱۲/٤٤٢)

فرمایا"یاحکیم! إن هذا المال خضرة حلوة......" فرمایا،قال لي : یاحکیم...... یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، اے حکیم......

١٢ – باب : ما قَدَّمَ مِنْ مالِهِ فَهُوَ لَهُ .

انسان جو مال اللہ کے راستے اور خیر کے کاموں میں خرچ کر کے اپنے لئے ذخیرۂ آخرت بنادے، وہی اس کا ہے اور اس کے کام آئے گا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب سے اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

٦٠٧٧ : حدّثني عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ : حَدَّثَني أَبي : حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قالَ : حَدَّثَني إِبْرَاهِيمُ التَّيْمِيُّ ، عَنِ الحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ : قالَ عَبْدُ ٱللهِ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (أَيُّكُمْ مالُ وَارِثِهِ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ مالِهِ) . قالُوا : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، ما مِنَّا أَحَدٌ إِلَّا مالُهُ أَحَبُّ إِلَيْهِ ، قالَ : (فَإِنَّ مالَهُ ما قَدَّمَ ، وَمالُ وَارِثِهِ ما أَخَّرَ) .

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں کون ہے جسے اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال عزیز ہو؟ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم میں کوئی ایسا نہیں جسے اپنے مال زیادہ عزیز نہ ہو، آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا پھر اس کا مال وہ ہے جو اس نے (موت سے) پہلے (اللہ کے راستہ میں خرچ) کیا اور اس کے وارث کا مال وہ ہے جو وہ چھوڑ کر مرا(١)۔

---

(١) قال ابن بطال في شرحه:

فإن قيل: هذا الحديث يدل على أن إنفاق المال فى وجوه البر أفضل من تركه لوارثه، وهذا يعارض قوله ﷺ لسعد: «إنك إن تترك ورثتك أغنياء خير من أن تتركهم عالةً يتكففون الناس».

قيل: لا تعارض بينهما، وإنما خص النبى ﷺ سعدًا على أن يترك مالا لورثته؛ لأن سعدًا أراد أن يتصدق بماله كله فى مرضه، وكان وارثه ابنته والابنة لا طاقة لها على الكسب، فأمره ﷺ بأن يتصدق منه بثلثه ويكون باقيه لابنته ولبيت مال المسلمين، وله أجر فى كل من يصل إليه من ماله شيء بعد موته. ....=

۱۳ - باب : المُكْثِرُونَ هُمُ المُقِلُّونَ .

وَقَوْلُهُ تَعَالَى : «مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ . أُولٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ ما صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ» /هود: ۱۵ ، ۱٦/ .

مکثرون سے مالدار لوگ ہیں جن کے پاس دولت کی کثرت ہوتی ہے، فرمایا کہ وہ اجر وثواب میں کم تر ہوں گے، امام بخاری رحمہ اللہ نے باب میں سورۃ ہود کی دو آیات ذکر فرمائیں، جن کا ترجمہ ہے:

''جو شخص (اپنے اعمال خیر سے) محض حیاتِ دنیوی (کی منفعت) اور اس کی رونق (حاصل کرنا) چاہتا ہے (جیسے شہرت و نیک نامی وجاہ اور ثواب آخرت حاصل کرنے کی اس کی نیت نہ ہو) تو ہم ان لوگوں کے (ان) اعمال (کی جزاء) ان کو دنیا ہی میں پورے طور سے بھگتا دیتے ہیں اور ان کے لئے دنیا میں کچھ کمی نہیں ہوتی (یعنی دنیا ہی میں ان کے اعمال کے عوض ان کو نیک نامی اور صحت وفراغ عیش و کثرت اموال واولاد عنایت کر دیا جاتا ہے جب کہ ان کے اعمال کا اثر ان کے اضداد پر غالب ہو اور اگر اضداد غالب ہوں تو پھر یہ اثر نہیں مرتب ہوتا، یہ تو دنیا میں ہوا رہا آخرت میں، سو) یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے لئے آخرت میں بجز دوزخ کے اور کچھ (ثواب وغیرہ) نہیں اور انہوں نے جو کچھ کیا تھا وہ آخرت میں سب (کاسب) ناکارہ (ثابت) ہوگا''۔

آیات کریمہ کی مناسبت، باب سے ظاہر ہے کہ جو لوگ دنیا چاہیں گے، دنیا ان کو مل جائے گی، لیکن آخرت کے اجر سے وہ محروم رہیں گے!

= وحديث ابن مسعود إنما خاطب به ﷺ أصحابه فى صحتهم ونبّه به من شحّ على ماله، ولم تسمح نفسه بإنفاقه فى وجوه البر أن ينفق منه فى ذلك؛ لئلا يحصل وارثه عليه كاملاً موفرًا، ويخيب هو من أجره، وليس فيه الأمر بصدقة المال كله فيكون معارضًا لحديث سعد، بل حديث عبد الله مجمل يفسره حديث سعد، ويدل على صحةً هذا التأويل ما ذكره أهل السير، عن ابن شهاب أن أبا لبابة قال: «يا رسول، إن من توبتى أن أهجر دار قومى التى أصبت فيها الذنب، وأنخلع من مالى صدقة إلى الله ورسوله. قال: يجزئك الثلث» فلم يأمره بصدقة ماله كله. (شرح ابن بطال: ۱۰/ ۱۲۴، ۱۲۵)

٦٠٧٨ : حدّثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ : حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ ، عَنْ زَيْدِ ٱبْنِ وَهْبٍ ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ قالَ : خَرَجْتُ لَيْلَةً مِنَ اللَّيَالِي ، فَإِذَا رَسُولُ ٱللَّهِ ﷺ يَمْشِي وَحْدَهُ ، وَلَيْسَ مَعَهُ إِنْسَانٌ ، قالَ : فَظَنَنْتُ أَنَّهُ يَكْرَهُ أَنْ يَمْشِيَ مَعَهُ أَحَدٌ ، قالَ : فَجَعَلْتُ أَمْشِي فِي ظِلِّ الْقَمَرِ ، فَٱلْتَفَتَ فَرَآنِي ، فَقَالَ : (مَنْ هٰذَا) . قُلْتُ : أَبُو ذَرٍّ ، جَعَلَنِي ٱللَّهُ فِدَاءَكَ ، قالَ : (يَا أَبَا ذَرٍّ تَعَالَ) . قالَ : فَمَشَيْتُ مَعَهُ سَاعَةً ، فَقَالَ : (إِنَّ الْمُكْثِرِينَ هُمُ الْمُقِلُّونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، إِلَّا مَنْ أَعْطَاهُ ٱللَّهُ خَيْرًا ، فَنَفَحَ فِيهِ يَمِينَهُ وَشِمَالَهُ وَبَيْنَ يَدَيْهِ وَوَرَاءَهُ ، وَعَمِلَ فِيهِ خَيْرًا) . قالَ : فَمَشَيْتُ مَعَهُ سَاعَةً ، فَقَالَ لِي : (ٱجْلِسْ هَا هُنَا) . قالَ : فَأَجْلَسَنِي فِي قَاعٍ حَوْلَهُ حِجَارَةٌ ، فَقَالَ لِي : (ٱجْلِسْ هَا هُنَا حَتَّى أَرْجِعَ إِلَيْكَ) . قالَ : فَٱنْطَلَقَ فِي الحَرَّةِ حَتَّى لَا أَرَاهُ ، فَلَبِثَ عَنِّي فَأَطَالَ اللُّبْثَ ، ثُمَّ إِنِّي سَمِعْتُهُ وَهُوَ مُقْبِلٌ وَهُوَ يَقُولُ : (وَإِنْ سَرَقَ ، وَإِنْ زَنَى) . قالَ : فَلَمَّا جَاءَ لَمْ أَصْبِرْ حَتَّى قُلْتُ : يَا نَبِيَّ ٱللَّهِ جَعَلَنِي ٱللَّهُ فِدَاءَكَ ، مَنْ تُكَلِّمُ فِي جَانِبِ الحَرَّةِ ، مَا سَمِعْتُ أَحَدًا يَرْجِعُ إِلَيْكَ شَيْئًا ؟ قالَ : (ذٰلِكَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ، عَرَضَ لِي فِي جَانِبِ الحَرَّةِ ، قالَ : بَشِّرْ أُمَّتَكَ أَنَّهُ مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِٱللَّهِ شَيْئًا دَخَلَ الجَنَّةَ ، قُلْتُ : يَا جِبْرِيلُ ، وَإِنْ سَرَقَ ، وَإِنْ زَنَى ؟ قالَ : نَعَمْ) . قالَ : قُلْتُ : وَإِنْ سَرَقَ ، وَإِنْ زَنَى ؟ قالَ : (نَعَمْ ، وَإِنْ شَرِبَ الخَمْرَ) .

قالَ النَّضْرُ : أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ ، وَحَدَّثَنَا حَبِيبُ بْنُ أَبِي ثَابِتٍ ، وَالْأَعْمَشُ ، وَعَبْدُ الْعَزِيزِ ٱبْنُ رُفَيْعٍ : حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ وَهْبٍ : بِهٰذَا .

قالَ أَبُو عَبْدِ ٱللَّهِ : حَدِيثُ أَبِي صَالِحٍ ، عَنْ أَبِي ٱلدَّرْدَاءِ ، مُرْسَلٌ لَا يَصِحُّ ، إِنَّمَا أَرَدْنَا لِلْمَعْرِفَةِ ، وَالصَّحِيحُ حَدِيثُ أَبِي ذَرٍّ .

قِيلَ لِأَبِي عَبْدِ ٱللَّهِ : حَدِيثُ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ ، عَنْ أَبِي ٱلدَّرْدَاءِ ؟ قالَ : مُرْسَلٌ أَيْضًا لَا يَصِحُّ ، وَالصَّحِيحُ حَدِيثُ أَبِي ذَرٍّ ، وَقالَ : ٱضْرِبُوا عَلَى حَدِيثِ أَبِي ٱلدَّرْدَاءِ هٰذَا : إِذَا مَاتَ قالَ : لَا إِلٰهَ إِلَّا ٱللَّهُ ، عِنْدَ المَوْتِ . [ر : ٢٢٥٨]

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک روز میں باہر نکلا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تنہا چل رہے تھے اور آپ کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا، حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ اس سے میں سمجھا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس بات کو پسند نہیں کریں گے کہ آپ کے ساتھ کوئی رہے، اس لئے میں چاندنی کی چھاؤں میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے چلنے لگا، اتنے میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مڑے اور مجھے دیکھ کر دریافت فرمایا، کون صاحب ہیں؟ میں نے عرض کی، ابوذر! اللہ تعالیٰ، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مجھے قربان کرے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ابوذر یہاں آؤ۔

ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں تھوڑی دیر تک حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ چلتا رہا، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ جو لوگ (دنیا میں) زیادہ مال و دولت جمع کئے ہوئے ہیں، قیامت کے دن وہی کم مایہ ہوں گے، سوا ان کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور انہوں نے اسے دائیں بائیں، آگے پیچھے خرچ کیا ہو اور اسے بھلے کاموں میں لگایا ہو۔

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ پھر میں تھوڑی دیر تک حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ چلتا رہا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، یہاں بیٹھ جاؤ، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے ایک ہموار زمین پر بٹھا دیا جس کے چاروں طرف پتھر تھے اور فرمایا "یہاں اس وقت تک بیٹھے رہو جب تک میں تمہارے پاس لوٹ کے آؤں"۔

ابوذرؓ فرماتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پتھریلی زمین کی طرف چلے گئے اور نظروں سے اوجھل ہو گئے، آپ وہاں رہے اور دیر تک وہیں رہے، پھر میں نے آپ سے سنا آپ یہ کہتے ہوئے تشریف لا رہے تھے وإن سرق وإن زنى...... "چاہے چوری کی، چاہے زنا کیا ہو" ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے تو مجھ سے صبر نہ ہو سکا اور میں نے عرض کی، اے اللہ کے نبی! اللہ مجھے آپ پر قربان

کرے، اس پتھریلی زمین کے کنارے آپ کس سے گفتگو فرما رہے تھے، میں نے تو کسی دوسرے کو آپ سے گفتگو کرتے دیکھا نہیں تھا؟ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے، پتھریلی زمین (حرہ) کے کنارے مجھ سے ملے اور کہا کہ اپنی امت کو خوشخبری سنادو کہ جو شخص بھی اس حال میں مرے کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا ہو تو وہ جنت میں جائے گا، میں نے عرض کی اے جبریل! اگرچہ اس نے چوری کی ہو اور زنا کیا ہو؟ انہوں نے کہا ہاں، میں نے پھر عرض کی، اگرچہ اس نے چوری کی ہو، زنا کیا ہو؟ فرمایا، ہاں، اگرچہ اس نے شراب بھی پی ہو۔

سند کی وضاحت

امام بخاری رحمہ اللہ نے جو روایت ذکر فرمائی ہے، اس کی سند میں ہے "عن عبدالعزیز بن رفیع عن زید بن وهب......" عبدالعزیز زید بن وہب سے "عن" کے ساتھ نقل کر رہے ہیں، نضر بن شمیل کی اس روایت میں شعبہ کے تین شیخ ہیں اول حبیب بن ابی ثابت، دوم سلیمان اعمش اور سوم عبدالعزیز بن رفیع اور یہ تینوں "عَنْ" کی بجائے "حدثنا زید بن وهب بهذا" یعنی تصریح تحدیث کے ساتھ نقل کر رہے ہیں۔ بھذا سے حدیث مذکور مراد ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ قتیبہ بن سعید کے طریق میں اگرچہ عنعنہ ہے، عبدالعزیز بن رفیع، "عَن" کے ساتھ ذکر کر رہے ہیں، لیکن شعبہ کی روایت میں تحدیث کی تصریح ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اسماعیلی نے امام بخاری رحمہ اللہ پر اعتراض کیا ہے کہ شعبہ کے طریق میں مکثرین اور مقلین والا حصہ نہیں، صرف "من مات لا یشرك بالله......" والا حصہ ہے، ایسی صورت میں قتیبہ بن سعید اور شعبہ دونوں کی روایات کو ایک کیسے کہا جا سکتا ہے۔

شارحین نے اس کا جواب یہ دیا کہ درحقیقت حضرت ابوذرؓ کی یہ حدیث تین باتوں پر مشتمل ہے:

❶ ایک مکثرین اور مقلین والی بات۔

❷ دوم مایسرني أن عندي مثل أحد ذهبا (جیسا کہ اگلے باب کی روایت میں آرہا ہے)۔

❸ سوم من مات لایشرك باللّٰه شیئاً.

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ تینوں باتیں، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمائی ہیں۔ ان میں سے ہر بات پر "حدیث" کا اطلاق ہوسکتا ہے، اگر چہ پوری حدیث تین الگ الگ باتوں پر مشتمل ہے(۱)۔

قال أبو عبداللّٰه: حديث أبي صالح، عن أبي الدرداء مرسل لايصح إنما أردنا للمعرفة، والصحيح حديث أبي ذر

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں "أبوصالح عن أبي الدرداء" والی حدیث مرسل ہے اور صحیح نہیں ہے، صحیح حدیث ابی ذر ہی ہے، اس کا تذکرہ ہم نے اس لئے کیا تا کہ صحیح صورت حال اور حقیقت واضح اور معلوم ہوسکے، إنما أردنا للمعرفة، أي: إنما أردنا أن نذكره للمعرفة بحاله.

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت کی تفصیل آپ کے سامنے آگئی، اگلے باب میں یہ روایت آرہی ہے، اس میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے خوش خبری سنائی ہے کہ "من مات لایشرك باللّٰه شیئاً دخل الجنة...... وإن سرق وإن زنی".

ٹھیک اسی طرح کی ایک روایت حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے حضرت ذکوان ابوصالح نے نقل فرمائی ہے۔

حضرت ابوذرؓ سے یہ روایت زید بن وہب نقل فرمارہے ہیں، سلیمان اعمش نے اپنے شیخ زید بن وہب سے پوچھا کہ مجھے تو یہ بات پہنچی ہے کہ یہ حدیث حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو سنائی تھی اور وہ اس کے راوی ہیں، تو زید بن وہب نے کہا کہ مجھے حضرت ابوذرؓ ہی نے یہ حدیث مقام ربذہ میں سنائی تھی (ابوالدرداء نے نہیں) تو سلیمان اعمش نے کہا کہ ابوصالح نے مجھے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے اس طرح کی حدیث نقل فرمائی ہے(۲)۔

---

(۱) إرشاد الساري: ۱۳/۴۴۵، وفتح الباري: ۱۱/۳۱۷، وعمدة القاري: ۲۳/۷۹

(۲) فتح الباري: ۱۱/۳۲۲، وعمدة القاري: ۲۳/۷۸

امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ دونوں الگ الگ حدیثیں ہیں، اگرچہ معنوی لحاظ سے دونوں کا مفہوم ایک ہے، لیکن دو الگ الگ موقعوں پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا(۳)۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے دونوں حدیثوں کے درمیان محاکمہ کرتے ہوئے فرمایا کہ صحیح حدیث ابی ذر ہے اور ابو صالح ذکوان نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے اس طرح کی جو روایت نقل کی ہے، وہ مرسل ہے، صحیح نہیں ہے۔

لیکن صاحبِ تلویح نے امام بخاری رحمہ اللہ کے اس محاکمہ پر تنقید کی ہے اور فرمایا ہے کہ امام نسائی نے یہ حدیث امام مسلم کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ نقل کی ہے(۴)۔

قيل لأبي عبدالله: حديث عطاء بن يسار عن أبي الدرداء، قال: مرسل أيضاً لايصح والصحيح حديث أبي ذر، وقال: اضربوا على حديث أبي الدرداء

امام بخاری رحمہ اللہ سے عطاء بن یسار کی اس روایت کے بارے میں پوچھا گیا، جو انہوں نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے نقل فرمائی ہے، اور جس کی تخریج امام نسائی رحمہ اللہ نے کی ہے، اس کے الفاظ ہیں:

"إنه سمع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وهو يقص على المنبر يقول: ﴿ولمن خاف مقام ربه جنتان﴾ فقلت: وإن زنى، وإن سرق يا رسول الله، فقال: وإن زنى وإنْ سرق، فأعدت، فأعاد، فقال في الثالثة، قال: نعم، وإن رغم أنف أبي الدرداء"(٥).

یعنی: "حضرت ابودردا فرماتے ہیں کہ انہوں ں ے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر بیان کرتے ہوئے سنا: "﴿ولمن خاف مقام ربه جنتان﴾" یعنی جو شخص اپنے

(٣) فتح الباري: ١١/٣٢٣، إرشاد الساري: ١٣/٤٤٥

(٤) إرشاد الساري: ١٣/٤٤٥، وعمدة القاري: ٢٣/٧٩

(٥) السنن الكبرى للنسائي، كتاب التفسير، سورة الرحمن: ٦/٤٧٨، (رقم الحديث: ١١٥٦١)

رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے گا، اس کے لئے دو جنتیں ہیں، تو میں نے کہا کہ اگر چہ اس نے زنا، چوری کی ہو یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا اگر چہ اس نے زنا چوری کی ہو، میں نے دوبارہ کہا، آپ نے دوبارہ یہ ارشاد فرمایا، تیسری مرتبہ آپ نے فرمایا کہ ہاں اگر چہ ابودرداء کی ناک خاک آلود ہو جائے"۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کے بارے میں بھی فرمایا کہ یہ بھی مرسل ہے، صحیح نہیں ہے، صحیح حدیث، حدیثِ ابی ذر ہے، فرمایا، حضرت ابوالدرداء کی اس حدیث پر لکیر کھینچ دو یعنی اسے چھوڑ دو۔ "إذ مات، قال: لا إله إلا الله عند الموت...... کیونکہ وہ مرسل ہے۔

نسخوں کا فرق...... یہاں دو نسخے ہیں:

❶ پہلے نسخے میں "إذا مات، قال: لا إله إلا الله عند الموت" کے الفاظ ہیں، ہم نے جو نسخہ متن کے طور پر اختیار کیا ہے، اس میں "إذا مات" ہے، اس صورت میں "اضربوا على حديث أبي الدرداء هذا......" سے حضرت ابوالدرداءؓ کی حدیث کی طرف اشارہ ہے، حضرت ابوالدرداء کی حدیث کے یہ الفاظ نقل کر کے امام بخاری فرماتے ہیں کہ ابودرداءؓ کی یہ حدیث "إذا مات، قال: لا إله إلا الله......" پر خط کھینچو اور اسے چھوڑ دو، کیونکہ یہ مرسل ہے۔

❷ دوسرا نسخہ ہے "هذا، إذا تاب، قال: لا إله إلا الله عند الموت" ہندوستانی نسخے میں "إذا تاب" کے الفاظ ہیں، اس نسخے کے مطابق اضربوا على حديث أبي الدرداء پر بات ختم ہوگئی اور هذا إذا تاب، قال: لا إله إلا الله عند الموت...... یہ امام بخاری رحمہ اللہ کی طرف سے، حدیث باب پر تبصرہ ہے، حدیث باب میں ہے کہ جس شخص نے "لا إله إلا الله......" کہہ دیا، وہ جنت میں داخل ہوگا، اگر چہ اس نے زنا اور چوری کی ہو، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب اس نے ان گناہوں سے توبہ کر لی ہو اور موت کے وقت کلمہ طیبہ کہہ دیا ہو، ظاہر ہے توبہ سے یہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو ایسا شخص جنت میں جائے گا!

یہ امام بخاری رحمہ اللہ کی تاویل ہے، دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ توبہ نہ بھی کیا ہو، تب بھی جنت میں اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد داخل ہوں گے، "دخل الجنة" سے مراد یہ ہوسکتا ہے کہ بالآخر جنت میں داخل ہوں گے۔ چنانچہ حضرت انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"قوله: قال أبو عبدالله: "هذا إذا تاب، وقال: لا إله إلا الله، عند الموت"...... لما استشكل المصنف النجاة، مع إرتكاب الزنا، والسرقة، حمله على أن المراد من الزنا، والسرقة الذي قد تاب منه، فإذا تاب منه قبل الموت، وقال الكلمة، فذلك يدخل الجنة؛ لأن الكافر يدخلها أبداً حتى يلج الجمل في سم الخياط، وإذا كان المؤمن العاصي داخلها، ولو بعد التعذيب يسيراً، صح الإطلاق في التعبير، فالدخول في الجنة، أو تحريم النار عليه، كله بالنظر إلى حال الكافر، ولما تعلم الناس المسألة في المؤمن المسرف، وتقررت في أذهانهم، صارت عندهم كالبديهي، فزعموه أنها لاتحتاج إلى تنبيه، مع أنه لو لم يعلمنا لما علمنا ﴿وما كنا لنهتدى لولا أن هدانا الله﴾ فهذا هو المراد عندي، والله تعالىٰ أعلم بالصواب"(٦).

بہر حال عطاء بن یسار کی روایت کو بھی امام بخاری نے غیر صحیح، مرسل قرار دیا۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کی بات کو قابل اشکال قرار دیا، وہ فرماتے ہیں کہ عطا کی روایت مرسل نہیں، کیونکہ عطاء ابن یسار کی سماعت ابودرداء سے ثابت ہے، جیسا کہ ابن ابی حاتم اور طبرانی اور بیہقی کی روایت میں ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"قد وقع التصريح بسماع عطاء بن يسار له من أبي الدرداء فى رواية ابن أبي حاتم في تفسيره، والطبراني في معجمه، والبيهقي فى شعبه"(٧).

---

(٦) فيض الباري: ٤/٤٢٥

(٧) فتح الباري: ١١/٣٢٣

١٤ – باب : قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ : (مَا يَسُرُّنِي أَنَّ عِنْدِي مِثْلَ أُحُدٍ هٰذَا ذَهَبًا) .

٦٠٧٩ : حدّثنا الحَسَنُ بْنُ الرَّبِيعِ : حَدَّثَنَا أَبُو الأَحْوَصِ ، عَنِ الأَعْمَشِ ، عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ قالَ : قالَ أَبُو ذَرٍّ : كُنْتُ أَمْشِي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ في حَرَّةِ المَدِينَةِ ، فَاسْتَقْبَلَنَا أُحُدٌ ، فَقَالَ : (يَا أَبَا ذَرٍّ) . قُلْتُ : لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، قالَ : (ما يَسُرُّنِي أَنَّ عِنْدِي مِثْلَ أُحُدٍ هٰذَا ذَهَبًا ، تَمْضِي عَلَيَّ ثَالِثَةٌ وَعِنْدِي مِنْهُ دِينَارٌ ، إِلَّا شَيْئًا أَرْصُدُهُ لِدَيْنٍ ، إِلَّا أَنْ أَقُولَ بِهِ فِي عِبَادِ اللّٰهِ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا) . عَنْ يَمِينِهِ ، وَعَنْ شِمَالِهِ ، وَمِنْ خَلْفِهِ ، ثُمَّ مَشٰى ثُمَّ قالَ : (إِنَّ الأَكْثَرِينَ هُمُ الأَقَلُّونَ يَوْمَ القِيَامَةِ ، إِلَّا مَنْ قالَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا – عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ وَمِنْ خَلْفِهِ – وَقَلِيلٌ ما هُمْ) . ثُمَّ قالَ لِي : (مَكَانَكَ لَا تَبْرَحْ حَتَّى آتِيَكَ) . ثُمَّ انْطَلَقَ فِي سَوَادِ اللَّيْلِ حَتَّى تَوَارَى ، فَسَمِعْتُ صَوْتًا قَدِ ارْتَفَعَ ، فَتَخَوَّفْتُ أَنْ يَكُونَ أَحَدٌ عَرَضَ لِلنَّبِيِّ ﷺ ، فَأَرَدْتُ أَنْ آتِيَهُ فَذَكَرْتُ قَوْلَهُ لِي : (لَا تَبْرَحْ حَتَّى آتِيَكَ) . فَلَمْ أَبْرَحْ حَتَّى أَتَانِي ، قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَقَدْ سَمِعْتُ صَوْتًا تَخَوَّفْتُ ، فَذَكَرْتُ لَهُ ، فَقَالَ : (وَهَلْ سَمِعْتَهُ) . قُلْتُ : نَعَمْ ، قالَ : (ذَاكَ جِبْرِيلُ أَتَانِي ، فَقَالَ : مَنْ ماتَ مِنْ أُمَّتِكَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الجَنَّةَ ، قُلْتُ : وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ ؟ قالَ : وَإِنْ زَنَى ، وَإِنْ سَرَقَ) . [ر : ٢٢٥٨]

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کے پتھریلے علاقہ میں چل رہا تھا، اسی دوران احد پہاڑ ہمارے سامنے آ گیا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا، ابوذر! میں نے عرض کی حاضر ہوں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا مجھے اس سے بالکل خوشی نہیں ہوگی کہ میرے پاس اس احد کے برابر سونا ہو اور اس پر تین دن اس طرح گزر جائیں کہ اس میں ایک دینار بھی باقی رہ جائے، سوا اس تھوڑی سی رقم کے جو میں قرض کی ادائیگی کے لئے رکھ چھوڑوں، بلکہ میں اسے اللہ کے بندوں میں اس طرح خرچ کروں، اپنی دائیں بائیں اور پیچھے (یعنی ہر طرف خرچ

کروں)، پھر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چلتے رہے، اس کے بعد فرمایا، زیادہ مال رکھنے والے ہی قیامت کے دن کم مایہ ہوں گے سوا اس شخص کے جو اس مال کو اس طرح دائیں، بائیں اور پیچھے سے خرچ کرے اور ایسے لوگ کم ہیں۔

پھر مجھ سے فرمایا، یہیں ٹھہرے رہو، یہاں سے اس وقت تک نہ جانا جب تک میں واپس نہ آجاؤں، پھر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رات کی تاریکی میں چلے گئے اور نظروں سے اوجھل ہوگئے، اسکے بعد میں نے آواز سنی جو بلند تھی، مجھے ڈر لگا کہ کہیں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کوئی دشواری نہ پیش آگئی ہو، میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچنے کا ارادہ کیا، لیکن آپ کا ارشاد یاد آگیا کہ اپنی جگہ سے نہ ہٹنا، جب تک میں واپس نہ آجاؤں، چنانچہ جب تک حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف نہیں لائے، میں وہاں سے نہیں ہٹا۔

میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں نے ایک آواز سنی تھی، مجھے خطرہ بھی محسوس ہوا، لیکن پھر آپ کا ارشاد یاد آیا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم نے سنا تھا؟ میں نے عرض کی جی ہاں، فرمایا کہ وہ جبریل علیہ السلام تھے، اور انہوں نے کہا کہ آپ کی امت کا جو شخص اس حال میں مرجائے کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو، تو وہ جنت میں جائے گا میں نے پوچھا اگرچہ اس نے زنا اور چوری بھی کی ہو، انہوں نے کہا کہ ہاں، اگرچہ اس نے زنا اور چوری ہی کیوں نہ کی ہو(۱)۔

---

(۱) قال ابن بطال: فى هذا الحديث أن المؤمن لا ينبغى له أن يتمنى كثرة المال إلا بشريطة أن يسلطه الله على إنفاقه فى طاعته اقتداءً بالنبى ﷺ فى ذلك.

وفيه: أن المبادرة إلى الطاعة أفضل من التوانى فيها، ألا ترى أن النبى ﷺ لم يحب أن يبقى عنده من مقدار جبل أحدٍ ذهبًا، لو كان له، بعد ثلاث إلا دينار يرصده لدين.

وفيه: أن النبى ﷺ كان يكون عليه الدين لكثرة مواساته بقوته وقوت عياله، وإيثاره على نفسه أهل الحاجة، والرضا بالتقلل والصبر على خشونة العيش، وهذه سيرة الأنبياء والصالحين، وهذا كله يدل على أن فضل المال فى إنفاقه فى سبيل الله لا فى إمساكه وإدّخاره. (شرح ابن بطال: ۱۰/۱۶۲)

تمضي علي ثالثة

اس میں "ثالثة" سے "ليلة ثالثة" مراد ہے، باب کی اگلی روایت میں ہے: "أن لا تمر علي ثلاث ليال". أرصده لِدَين: یعنی وہ جو میں نے قرض اتارنے کے لئے رکھا ہوا...... إلا أن أقول به في عباد الله: مگر جو میں اللہ کے بندوں میں خرچ کروں، أقول به سے انفاق مراد ہے، إلا من قال: هكذا وهكذا وهكذا: مگر جو اِس طرف، اُس طرف خرچ کرتا ہو، من قال یعنی: صرف المال في حقه.

٦٠٨٠ : حدّثنا أَحْمَدُ بْنُ شَبِيبٍ : حَدَّثَنَا أَبِي ، عَنْ يُونُسَ . وَقَالَ اللَّيْثُ : حَدَّثَنِي يُونُسُ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ ، عَنْ عُبَيْدِ ٱللهِ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ عُتْبَةَ : قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ : قَالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (لَوْ كانَ لِي مِثْلُ أُحُدٍ ذَهَبًا ، لَسَرَّنِي أَنْ لَا تَمُرَّ عَلَيَّ ثَلَاثُ لَيَالٍ وَعِنْدِي مِنْهُ شَيْءٌ ، إِلَّا شَيْئًا أَرْصُدُهُ لِدَيْنٍ) . [ر: ٢٢٥٩]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو تو مجھے اس میں خوشی ہوگی کہ تین دن بھی مجھ پر اس حال میں نہ گزرنے پائیں کہ میرے پاس کچھ بھی باقی بچے، سوا اس معمولی رقم کے جو میں قرض کی ادائیگی کے لئے رکھ لوں۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وفيه الحث على الإنفاق في وجوه الخيرات، وأنه كان في أعلى درجات الزهد في الدنيا بحيث إنه لايحب أن يبقى في يده شيء من الدنيا، إلا لإنفاقه فيمن يستحقه، وإما لإرصاده لمن له حق"(٢).

یعنی: "اس میں بھلائی کے راستوں میں خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، نیز اس امر پر اکسایا گیا ہے کہ انسان دنیا میں زہد کے اعلیٰ درجہ کو اختیار کرے، اس طور پر کہ وہ یہ

(٢) إرشاد الساري: ١٣/٤٤٨، نیز دیکھئے، فتح الباري: ١١/٣٢٦

خواہش رکھے کہ اس کے ہاتھ میں جتنی دنیا اور مال ودولت ہے، وہ اسے مستحق لوگوں پر خرچ کرے یا صاحبِ حق کے حق کی ادائیگی کے لئے اسے تیار رکھے"۔

۱۵ - باب : الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ .

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالَى : «أَيَحْسَبُونَ أَنَّ مَا نُمِدُّهُمْ بِهِ مِنْ مَالٍ وَبَنِينَ - إِلَى قَوْلِهِ تَعَالَى - هُمْ لَهَا عَامِلُونَ» /المؤمنون : ۵۵ - ۶۳/ .

قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ : لَمْ يَعْمَلُوهَا ، لَا بُدَّ مِنْ أَنْ يَعْمَلُوهَا .

جیسا کہ ترجمۃ الباب سے واضح ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں حدیث کے الفاظ ذکر کئے ہیں، جن کا حاصل یہ ہے کہ اصل مالداری دل کی مالداری ہے۔ اس کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے سورۃ المؤمنون کی آیت نمبر ۵۵ سے لے کر آیت نمبر ۶۳ تک یعنی آٹھ آیتوں کو ترجمۃ الباب میں ذکر فرمایا۔ وہ آیتیں یہ ہیں:

﴿اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ﴾ ○ ﴿نُسَارِعُ لَهُمْ فِى الْخَيْرٰتِ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ﴾ ○ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ﴾ ○ ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ﴾ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ﴾ ○ ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ﴾ ○ ﴿اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ﴾ ○ ﴿وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ ○ ﴿بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِىْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ﴾ ○

ترجمہ: "یہ لوگ یوں گمان کر رہے ہیں کہ ہم ان کو جو کچھ مال واولاد دیتے ہیں تو ہم ان کو جلدی جلدی فائدے پہنچا رہے ہیں (یہ بات ہرگز نہیں) بلکہ یہ لوگ (اس ڈھیل دینے کی وجہ) نہیں جانتے (یعنی یہ ڈھیل تو ان کو بطور استدراج کے دی جا رہی ہے، جو انجام کار اُن کے لئے اور زیادہ عذاب کا سبب بنے گی، کیونکہ ہماری مہلت اور ڈھیل دینے

سے یہ اور مغرور ہو کر سرکشی اور گناہوں میں زیادتی کریں گے اور عذاب زیادہ ہوگا)۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ شریک نہیں کرتے اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور (باوجود اللہ کی راہ میں دینے اور خرچ کرنے کے) ان کے دل اس سے خوفزدہ رہتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس جانے والے ہیں (دیکھئے وہاں جاکر ان صدقات کا کیا ثمرہ ظاہر ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ دینا حکم کے موافق نہ ہو مثلاً مال حلال نہ ہو یا نیت اللہ کے لئے خالص نہ ہو اور نیت میں اخلاص کامل نہ ہونا اور مال کا حرام ہونا ہمیں معلوم نہ ہو تو اُلٹا اس پر مواخذہ ہونے لگے تو جن لوگوں میں یہ صفات ہوں) یہ لوگ اپنے فائدے جلدی جلدی حاصل کر رہے ہیں اور وہ ان کی طرف دوڑ رہے ہیں اور (یہ اعمال مذکورہ کچھ سخت بھی نہیں جن کا کرنا مشکل ہو کیونکہ) ہم کسی کو اُس کی وسعت سے زیادہ کام کرنے کو نہیں کہتے (اس لئے یہ سب کام آسان ہیں اور اس کے ساتھ اُن کا اچھا انجام اور ثمرہ یقینی ہے کیونکہ) ہمارے پاس ایک دفتر (نامۂ اعمال کا محفوظ) ہے جو ٹھیک ٹھیک (سب کا حال) بتلا دے گا اور لوگوں پر ذرا ظلم نہ ہوگا۔ (یہ تو اوپر مؤمنین کی حالت سُنی مگر کفار ایسے نہیں ہیں) بلکہ (برعکس) ان کفار کے قلوب اس دین کی طرف سے (جس کا ذکر بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ میں ہے) جہالت (اور شک) میں (ڈوبے ہوئے) ہیں (جن کا حل اوپر بھی معلوم ہو چکا فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ) اور اس (جہالت وانکار) کے علاوہ ان لوگوں کے اور بھی (بُرے بُرے) عمل ہیں جن کو یہ (مسلسل) کرتے رہتے ہیں"۔

قال ابن عُيَيْنَة: لم يعملوها لابد من أن يعملوها

قرآن کریم کی آیت کریمہ ﴿من دون ذلك هم لها عاملون﴾ کے بارے میں حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بہت سارے وہ برے اعمال جو انہوں نے اب تک نہیں کئے، وہ بھی ضرور کریں گے اور یوں اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق قرار پائیں گے۔

٦٠٨١ : حدّثنا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ : حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ : حَدَّثَنَا أَبُو حُصَيْنٍ ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (لَيْسَ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ ، وَلٰكِنَّ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ) .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، غناء اور مالداری یہ نہیں ہے کہ سامان زیادہ ہو، بلکہ اصل غناء یہ ہے کہ دل بے نیاز ہو۔

آیات کریمہ اور حدیث میں مناسبت

امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں سورۃ مومنون کی جو آیات کریمہ ذکر فرمائی ہیں، حدیثِ باب کے ساتھ ان کی مناسبت بیان کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آیات سے یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ مال فی نفسہ، کسی خیر اور نفع کی چیز نہیں، بلکہ اس کی نافعیت، اس کے متعلق کے اعتبار سے ہے، وہ اگر اسے صحیح مصرف میں استعمال کرے گا تو صحیح اور بہتر مصرف کی وجہ سے اس کی نافعیت اور بہتری واضح اور ظاہر ہوگی، اسی طرح زیادہ مال کے مالک ہونے سے آدمی غنی نہیں بن جاتا جب تک وہ دل کا غنی نہ ہو، دل کا غنی ہوگا تو وہ اسے صحیح اور ضروری مصارف میں خرچ کرے گا، اور اگر دل کا فقیر ہے تو وہ مال خرچ کرنے سے کترائے گا اور یوں وہ مال اس کے دین و دنیا کے کام نہیں آئے گا(۱)۔

١٦ - باب : فَضْلِ الْفَقْرِ .

٦٠٨٢ : حدّثنا إِسْماعِيلُ قالَ : حَدَّثَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حازِمٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ سَهْلِ ابْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّهُ قالَ : مَرَّ رَجُلٌ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ، فَقَالَ لِرَجُلٍ عِنْدَهُ جالِسٍ : (ما رَأْيُكَ في هٰذَا) . فَقَالَ : رَجُلٌ مِنْ أَشْرَافِ النَّاسِ ، هٰذَا وَاللّٰهِ حَرِيٌّ إِنْ خَطَبَ أَنْ يُنْكَحَ ، وَإِنْ شَفَعَ أَنْ يُشَفَّعَ ، قالَ : فَسَكَتَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ مَرَّ رَجُلٌ ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ :

(۱) فتح الباري: ۱۱/۳۲۸، وإرشاد الساري: ۱۳/٤٥٠

(ما رأيك في هذا) . فقال : يا رسول الله ، هذا رجل من فقراء المسلمين ، هذا حري إن خطب أن لا ينكح ، وإن شفع أن لا يشفع ، وإن قال أن لا يسمع لقوله ، فقال رسول الله ﷺ : (هذا خير من ملء الأرض مثل هذا) . [ر : ٤٨٠٣]

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس سے گزرے، تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دوسرے صاحب سے جو آپ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے، پوچھا کہ ان (گزرنے والے) صاحب کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ معزز لوگوں میں ہے، اور بخدا اس قابل ہیں کہ اگر یہ پیغامِ نکاح بھیجیں تو ان سے نکاح کر دیا جائے، اگر یہ سفارش کریں تو ان کی سفارش قبول کر لی جائے۔

حضرت سہلؓ فرماتے ہیں: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس پر خاموش ہو گئے اس کے بعد ایک دوسرے صاحب گزرے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! یہ صاحب مسلمانوں کے غریب طبقہ سے ہیں اور اس قابل ہیں کہ اگر نکاح کا پیغام بھیجیں تو ان کا نکاح نہ کیا جائے، اگر سفارش کریں تو ان کی سفارش قبول نہ کی جائے اور اگر کچھ کہیں تو ان کی بات نہ سنی جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے بعد فرمایا، یہ (غریب) شخص اس (امیر) جیسے دنیا بھر کے انسانوں سے بہتر ہے۔

یہ حدیث، کتاب النکاح میں گزر چکی ہے۔

٦٠٨٣ : حدثنا الحميدي : حدثنا سفيان : حدثنا الأعمش قال : سمعت أبا وائل قال : عدنا خبابا فقال : هاجرنا مع النبي ﷺ نريد وجه الله ، فوقع أجرنا على الله ، فمنا من مضى لم يأخذ من أجره شيئا ، منهم مصعب بن عمير ، قتل يوم أحد وترك نمرة ، فإذا غطينا رأسه بدت رجلاه ، وإذا غطينا رجليه بدا رأسه ، فأمرنا النبي ﷺ أن نغطي رأسه ونجعل على رجليه من الإذخر ، ومنا من أينعت له ثمرته فهو يهدبها . [ر : ١٢١٧]

حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی حاصل کرنے کے لئے ہجرت کی، چنانچہ ہمارا اجر اللہ کے ذمہ رہا، پس ہم میں سے کوئی تو گزر گیا اور اپنا اجر اس دنیا میں نہیں لیا، مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اُنہی میں سے تھے، آپ جنگ احد کے موقع پر شہید ہوئے تھے، اور ایک چادر چھوڑی تھی (اس چادر کا آپ کو کفن دیا گیا تھا) اس چادر سے ہم اگر آپ کا سر ڈھکتے تو آپ کے پاؤں کھل جاتے اور پاؤں ڈھکتے تو سر کھل جاتا تھا۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم ان کا سر ڈھک دیں اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دیں اور ہم میں سے بہت سے ایسے ہیں جن کی محنت کا پھل دنیا میں بار آور ہو گیا اور وہ اس سے چن رہے ہیں۔

ابووائل حضرت شقیق بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے، يَهْدُبُها : يقطعها، هَدَب کے معنی پھل چننے کے آتے ہیں۔

٦٠٨٤ : حدّثنا أَبُو الْوَلِيدِ : حَدَّثَنَا سَلْمُ بْنُ زَرِيرٍ : حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (اطَّلَعْتُ فِي الْجَنَّةِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا الْفُقَرَاءَ ، وَاطَّلَعْتُ فِي النَّارِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ) .

تَابَعَهُ أَيُّوبُ وَعَوْفٌ . وَقالَ صَخْرٌ وَحَمَّادُ بْنُ نَجِيحٍ ، عَنْ أَبِي رَجَاءٍ ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ .
[ر : ٣٠٦٩]

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میں نے جنت میں جھانکا تو اس میں رہنے والے اکثر غریب تھے اور میں نے دوزخ میں جھانکا تو اس میں رہنے والیاں اکثر عورتیں تھیں۔

ابوالولید ہشام بن عبدالملک طیالسی اور ابورجاء عمران بن تمیم عطاردی کی کنیت ہے۔

تابعه أيوب وعوف

ابورجاء کی متابعت ایوب سختیانی اور عوف نے کی ہے، ایوب کی متابعت امام نسائی نے اور عوف کی

متابعت امام بخاری نے موصولاً نقل کی ہے(۲)۔

وقال صخر وحماد بن نجيع عن أبي رجاء عن ابن عباس

صخر بن جویرہ اور حماد بن نجیع کی تعلیق کو نسائی نے موصولاً نقل کیا ہے(۳)، ان دونوں نے یہ روایت حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے۔

٦٠٨٥ : حدّثنا أَبُو مَعْمَرٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ : حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ ، عَنْ قَتَادَةَ ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ قالَ : لَمْ يَأْكُلِ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى خِوَانٍ حَتَّى مَاتَ ، وَما أَكَلَ خُبْزًا مُرَقَّقًا حَتَّى ماتَ .

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی خوان یعنی میز نما تخت پر کھانا تناول نہیں فرمایا، یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی۔

"خِوان" میز نما تختے کو کہتے ہیں، جس پر مالدار لوگ کھانا کھایا کرتے تھے۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"هو ما يؤكل عليه الطعام، وهو من دأب المترفين، وصنع الجبابرة المنعهين، لئلا يفتقروا إلى التطاؤ عند الأكل"(٤).

یعنی: "خوان اس میز نما تختے کو کہتے ہیں، جس پر کھانا کھایا جاتا ہے، یہ عموماً متکبر قسم کے مالدار لوگ استعمال کرتے ہیں، تاکہ کھاتے وقت انہیں سر نہ جھکانا پڑے"۔

☆☆......☆☆

---

(٢) عمدة القاري: ٨٦/٢٣، إرشاد الساري: ٤٥٢/١٣، فتح الباري: ٣٣٧/١١

(٣) عمدة القاري: ٨٦/٢٣، إرشاد الساري: ٤٥٢/١٣، فتح الباري: ٣٣٧/١١

(٤) إرشاد الساري: ٤٥٣/١٣

٦٠٨٦ : حدَّثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ : حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ : حَدَّثَنَا هِشَامٌ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قالَتْ : لَقَدْ تُوُفِّيَ النَّبِيُّ ﷺ وَمَا فِي رَفِّي مِنْ شَيْءٍ يَأْكُلُهُ ذُو كَبِدٍ ، إِلَّا شَطْرُ شَعِيرٍ فِي رَفٍّ لِي ، فَأَكَلْتُ مِنْهُ ، حَتَّى طَالَ عَلَيَّ ، فَكِلْتُهُ فَفَنِيَ . [ر : ٢٩٣٠]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ہماری الماری میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو کسی جاندار کے کھانے کے قابل ہوتی سوا تھوڑے سے جَو کے جو میری الماری میں تھے، میں اس میں سے کھاتی رہی، بہت دن ہوگئے تو میں نے انہیں تولا، آخر وہ بھی ختم ہوگئے۔

رَفّ لکڑی وغیرہ کی الماری کو کہتے ہیں۔ ذُو کَبِد: کلیجی والا۔ مراد اس سے جاندار ہے۔

معاش کے اعتبار سے مومن کی تین حالتیں

معاش کے اعتبار سے ایک مؤمن کی تین حالتیں ہوسکتی ہیں:

❶ پہلی حالت فقر ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب فقر کی فضیلت پر قائم فرمایا ہے، اور اس باب میں جتنی روایات ذکر فرمائی ہیں، ان تمام روایات میں فقر کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی، فقر وغربت والی تھی، جیسا کہ روایاتِ باب سے واضح ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فقر اختیاری تھا اور اکثر حضرات صحابہ کی زندگی بھی فقیرانہ اور درویشانہ تھی۔

❷ دوسری حالت مالداری اور فراوانی دولت ومعاش کی تھی، پہلی حالت جہاں صبر کی ہے، یہ دوسری حالت ایک مؤمن کے لئے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر وحمد کا موقع فراہم کرتی ہے، بہت ساری احادیث میں مالداری کی فضیلت وارد ہوئی ہے:

☆...... کتاب الوصایا میں حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت گزری ہے، جس میں ہے:

"إنك أن تدع ورثتك أغنياء خير من أن تدعهم عالة يتكففون الناس في أيديهم"(٥). یعنی: "تو اپنے ورثہ کو مالدار چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو یہ اس سے

(٥) صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب أن يترك ورثته أغنياء خير من يتكففها الناس، رقم الحديث: ٢٧٤٢

بہتر ہے کہ تو ان کو محتاج اور فقیر چھوڑ کر جائے''۔

☆......حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشورہ کیا کہ وہ اپنا سارا مال اللہ کے راستے میں خرچ کر دیں؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"أمسك عليك بعض مالك؛ فهو خير لك"(٦). یعنی: ''کچھ مال بچا کے رکھا کرو، اس میں تمہارے لئے خیر ہے''۔

☆......اسی طرح ابھی کتاب الدعوات میں "ذهب أهل الدثور بالأجور" والی روایت گزر چکی ہے، جس کے آخر میں ہے "ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء".

☆......حضرت عمرو بن العاص ؓ کی روایت امام احمد رحمہ اللہ نے نقل فرمائی ہے: "نِعْمَ المالُ الصالح للمرء الصالح"(٧). یعنی: ''وہ حلال مال کیا ہی خوب ہے، جو نیک شخص کے پاس ہو''۔

ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن کے پاس مال ودولت کی فراوانی، اس کے حق میں ایک مفید چیز ہے، کیونکہ مال ودولت کی فراوانی، اس کے لئے اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے بہت سارے مواقع فراہم کرے گی اور دین کے بہت سارے کام اس کے ذریعے کر سکے گا۔

❸ ایک تیسری حالت درمیان کی حالت ہے کہ انسان نہ مالدار ہے، نہ فقیر محتاج ہے، بلکہ اس کی ضرورتیں پوری ہو رہی ہیں اور بقدرِ ضرورت اس کے پاس مال ودولت موجود ہے، اس حالت کو "كفاف" کہتے ہیں، علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں اور علامہ ابن بطال نے شرح بخاری میں اس حالت کو سب سے بہتر قرار دیا، کیونکہ اس میں فقر اور مالداری دونوں کے فتنوں سے سلامتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مالداری اور فقر وغربت کے فتنے سے پناہ مانگی ہے(٨)۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ سے مرفوع روایت نقل کی ہے،

---

(٦) صحيح بخاري، كتاب الوصايا، باب إذا تصدق، أو أوقف بعض ماله أو بعض رقيقه، أو دوابه، فهو جائز، (رقم الحديث: ٢٧٥٧)

(٧) مسند احمد: ٦/٩٥، رقم الحديث: ١٧٩١٥

(٨) فتح الباري: ١١/٣٣١، وشرح ابن بطال: ١٠/١٧٠-١٧٤

اس کے الفاظ ہیں:

"قد أفلح من أسلم، ورُزِقَ كفافاً وقنّعه الله بما آتاه"(۹). یعنی: "وہ شخص کامیاب ہے جس نے اسلام قبول کیا، اسے بقدرِ ضرورت روزی دی گئی اور اس نے قناعت اختیار کی"۔

اسی طرح اگلے باب میں روایت آرہی ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أللهم ارزق آل محمد قوتا". یعنی: "اے اللہ! آپ آلِ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو بقدرِ ضرورت رزق عطا فرما"۔

امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں ایک مرفوع روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے، اس میں ہے:

"ما من غني ولا فقير إلا ودَّ يوم القيامة أنه أوتي من الدنيا قُوْتا"(۱۰). یعنی: "قیامت کے روز ہر مالدار اور فقیر شخص یہ تمنا کرے گا، کاش! اسے صرف بقدرِ ضرورت دنیا دی جاتی"۔

ان روایات سے معاش کی تیسری حالت جو فقر وغنا کے درمیان اور بین بین ہے، کی بہتری اور افضلیت معلوم ہوتی ہے۔

فقر افضل ہے یا مالداری؟

اس پر تو تمام علماء کا اتفاق ہے کہ ایسا فقر واحتیاج جس پر انسان صبر نہ کر سکے، اور جو آدمی کے دین وایمان کے لئے خطرے کا باعث ہو اور جو اللہ کی طاعت انسان سے بھلا دے، اس سے وہ مالداری اور غنا افضل ہے، جو اللہ تعالیٰ کے شکر وطاعت کے ساتھ ہو۔

اسی طرح یہ بات متفق علیہ ہے کہ وہ مالداری اور فراوانی دولت جو آدمی کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور عجب

---

(۹) صحيح مسلم، كتاب الزكوة، باب في الكفاف والقناعة: ۲/۷۳۰، رقم الحديث: ۱۰۴۵، وسنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب القناعة: ۲/۱۳۸۶، رقم الحديث: ۴۱۳۸، ولفظه: قد أَفْلَح مَنْ هُدِيَ إلى الإسلام، ورُزِقَ الكفاف، وقنع به، وفتح الباري: ۱۱/۳۳۱

(۱۰) سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب القناعة: ۲/۱۳۸۷، رقم الحديث: ۴۱۴۰

وتفاخر میں مبتلا کردے، انسان کے لئے فتنہ ہے، اس کے مقابلے میں وہ فقر وتنگدستی ہزار درجہ بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ کے صبر وطاعت کے ساتھ ہو (۱۱)۔

البتہ فقر صبر وتقویٰ کے ساتھ ہو اور مالداری شکر وتقویٰ کے ساتھ ہو تو تب ان دونوں میں کون سا افضل وراجح ہے، اس میں علماء کا اختلاف ہے:

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ دونوں برابر ہیں، یعنی کسی ایک کو دوسرے پر فوقیت حاصل نہیں (۱۲)۔

ابو القاسم قشیری اور امام طبری وغیرہ کا خیال ہے کہ فقر کے مقابلہ میں غناء اور مالداری افضل ہے، مطرف بن عبداللہ کا قول ہے:

"لأن أُعَافى فأشكرَ أحب إليّ مِنْ أن أُبْتَلَى فأصبر" (۱۳)۔ یعنی:

''عافیت کے ساتھ مالداری اور شکر مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں فقر کی آزمائش میں مبتلا ہو جاؤں اور صبر کروں''۔

اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ انسان کے لئے شکر کرنا زیادہ آسان ہے، بہ نسبت صبر کرنے کے۔

علامہ ابن الجوزی اور جمہور صوفیاء، غنا اور مالداری کے مقابلے میں فقر کو ترجیح دیتے ہیں کہ اس میں مجاہدۂ نفس ہے جو ترقی منازل کے لئے مفید ہے، علامہ ابن الجوزیؒ نے فرمایا، مالداری کا فتنہ، فقر کے فتنہ سے بڑھ کر ہے (۱۴)۔

---

(۱۱) فتح الباري: ۱۱/۳۳۱

(۱۲) إرشاد الساري: ۱۳/۴۵۳، وفتح الباري: ۱۱/۳۳۲، قال ابن بطال: "فأي الرجلين أفضل: المبتلى بالفقر، أو المبتلي بالغنى إذا صلحت حال كل واحد منهما؟ قيل: السؤال عن هذا لا يستقيم؛ إذ قد يكون لهذا أعمال سوى تلك المحنة يفضل بها صاحبه والآخر كذلك، وقد يكون هذا الذي صلح حاله على الفقر لا يصلح حاله على الغِنى، ويصلح حال الآخر على الفقر والغنى. فإن قيل: فإن كان كل واحد منهما يصلح حاله في الأمرين، وهما في غير ذلك من الأعمال مستاويان، قد أدّى الفقير مايجب عليه فى فقره من الصبر والعفاف والرضاء، وأدّى الغنى مايجب عليه من الإنفاق، والبذل، والشكر، والتواضع، فأي الرجلين افضل؟ قيل: علم هذا عند الله. (وانظر شرح ابن بطال: ۱۰/۱۷۳)

(۱۳) فتح الباري: ۱۱/۳۳۳

(۱۴) فتح الباري: ۱۱/۳۳۲، إرشاد الساري: ۱۳/۴۵۴

١٧ – باب : كَيْفَ كَانَ عَيْشُ النَّبِيِّ ﷺ وَأَصْحَابِهِ ، وَتَخَلِّيهِمْ مِنَ الدُّنْيَا .

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہؓ کی فقیرانہ اور درویشانہ زندگی کی ایک جھلک دکھائی ہے اور ان احادیث کو ذکر کیا ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اہل بیت یا حضرات صحابہ کی تنگدستی اور فقیری کا پتہ چلتا ہے۔

٦٠٨٧ : حدَّثني أَبُو نُعَيْمٍ بِنَحْوٍ مِنْ نِصْفِ هٰذَا الحَدِيثِ : حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ ذَرٍّ : حَدَّثَنَا مُجَاهِدٌ : أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يَقُولُ : آللهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ، إِنْ كُنْتُ لَأَعْتَمِدُ بِكَبِدِي عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الجُوعِ ، وَإِنْ كُنْتُ لَأَشُدُّ الحَجَرَ عَلَى بَطْنِي مِنَ الجُوعِ ، وَلَقَدْ قَعَدْتُ يَوْمًا عَلَى عَلَى طَرِيقِهِمُ الَّذِي يَخْرُجُونَ مِنْهُ ، فَمَرَّ أَبُو بَكْرٍ ، فَسَأَلْتُهُ عَنْ آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللهِ ، مَا سَأَلْتُهُ إِلَّا لِيُشْبِعَنِي ، فَمَرَّ وَلَمْ يَفْعَلْ ، ثُمَّ مَرَّ بِي عُمَرُ ، فَسَأَلْتُهُ عَنْ آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللهِ ، ما سَأَلْتُهُ إِلَّا لِيُشْبِعَنِي ، فَمَرَّ وَلَمْ يَفْعَلْ ، ثُمَّ مَرَّ بِي أَبُو الْقَاسِمِ ﷺ ، فَتَبَسَّمَ حِينَ رَآنِي ، وَعَرَفَ ما فِي نَفْسِي وَمَا فِي وَجْهِي ، ثُمَّ قالَ : (يَا أَبَا هِرٍّ) . قُلْتُ : لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ ، قَالَ : (الْحَقْ) . وَمَضَى فَاتَّبَعْتُهُ ، فَدَخَلَ ، فَأَسْتَأْذِنُ ، فَأَذِنَ لِي ، فَدَخَلَ ، فَوَجَدَ لَبَنًا فِي قَدَحٍ ، فَقَالَ : (مِنْ أَيْنَ هٰذَا اللَّبَنُ) . قالُوا : أَهْدَاهُ لَكَ فُلَانٌ أَوْ فُلَانَةٌ ، قالَ : (أَبَا هِرٍّ) . قُلْتُ : لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ ، قالَ : (الْحَقْ إِلَى أَهْلِ الصُّفَّةِ فَادْعُهُمْ لِي) . قالَ : وَأَهْلُ الصُّفَّةِ أَضْيَافُ الْإِسْلَامِ ، لَا يَأْوُونَ عَلَى أَهْلٍ وَلَا مالٍ وَلَا عَلَى أَحَدٍ ، إِذَا أَتَتْهُ صَدَقَةٌ بَعَثَ بِهَا إِلَيْهِمْ وَلَمْ يَتَنَاوَلْ مِنْهَا شَيْئًا ، وَإِذَا أَتَتْهُ هَدِيَّةٌ أَرْسَلَ إِلَيْهِمْ وَأَصَابَ مِنْهَا وَأَشْرَكَهُمْ فِيهَا ، فَسَاءَنِي ذٰلِكَ ، فَقُلْتُ : وَما هٰذَا اللَّبَنُ فِي أَهْلِ الصُّفَّةِ ، كُنْتُ أَحَقُّ أَنَا أَنْ أُصِيبَ مِنْ هٰذَا اللَّبَنِ شَرْبَةً أَتَقَوَّى بِهَا ، فَإِذَا جَاءَ أَمَرَنِي ، فَكُنْتُ أَنَا أُعْطِيهِمْ ، وَمَا عَسَى أَنْ يَبْلُغَنِي مِنْ هٰذَا اللَّبَنِ ، وَلَمْ يَكُنْ مِنْ طَاعَةِ اللهِ وَطَاعَةِ رَسُولِهِ ﷺ بُدٌّ ، فَأَتَيْتُهُمْ فَدَعَوْتُهُمْ فَأَقْبَلُوا ، فَاسْتَأْذَنُوا فَأَذِنَ لَهُمْ ، وَأَخَذُوا مَجَالِسَهُمْ مِنَ الْبَيْتِ ، قالَ : (يَا أَبَا هِرٍّ) . قُلْتُ : لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ ، قالَ : (خُذْ فَأَعْطِهِمْ) . قالَ : فَأَخَذْتُ

الْقَدَحَ ، فَجَعَلْتُ أُعْطِيهِ الرَّجُلَ فَيَشْرَبُ حَتَّى يَرْوَى ، ثُمَّ يَرُدُّ عَلَيَّ الْقَدَحَ ، فَأُعْطِيهِ الرَّجُلَ فَيَشْرَبُ حَتَّى يَرْوَى ، ثُمَّ يَرُدُّ عَلَيَّ الْقَدَحَ فَيَشْرَبُ حَتَّى يَرْوَى ، ثُمَّ يَرُدُّ عَلَيَّ الْقَدَحَ ، حَتَّى انْتَهَيْتُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَقَدْ رَوِيَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ ، فَأَخَذَ الْقَدَحَ فَوَضَعَهُ عَلَى يَدِهِ ، فَنَظَرَ إِلَيَّ فَتَبَسَّمَ ، فَقَالَ : (أَبَا هِرٍّ) . قُلْتُ : لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، قَالَ : (بَقِيتُ أَنَا وَأَنْتَ) . قُلْتُ : صَدَقْتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، قَالَ : (اقْعُدْ فَاشْرَبْ) . فَقَعَدْتُ فَشَرِبْتُ ، فَقَالَ : (اشْرَبْ) . فَشَرِبْتُ ، فَمَا زَالَ يَقُولُ : (اشْرَبْ) . حَتَّى قُلْتُ : لَا وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ ، مَا أَجِدُ لَهُ مَسْلَكًا ، قَالَ : (فَأَرِنِي) . فَأَعْطَيْتُهُ الْقَدَحَ ، فَحَمِدَ اللّٰهَ وَسَمَّى وَشَرِبَ الْفَضْلَةَ . [ر : ۵۸۹۲]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کی قسم! جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں، میں بھوک کے سبب زمین پر اپنے پیٹ کے بل لیٹ جاتا تھا، میں بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھا کرتا تھا، ایک دن میں راستے میں بیٹھ گیا جس سے صحابہ نکلتے تھے، ابوبکر رضی اللہ عنہ گزرے اور میں نے ان سے کتاب اللہ کی ایک آیت کے بارے میں پوچھا، میرے پوچھنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ مجھے کچھ کھلا دیں، وہ چلے گئے اور کچھ نہیں کیا، پھر عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گزرے، میں نے ان سے بھی قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی اور پوچھنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ مجھے کھلا دیں، وہ بھی گزر گئے اور کچھ نہیں کیا۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گزرے، آپ نے جب مجھے دیکھا تو مسکرائے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے دل کی بات سمجھ گئے اور میرے چہرے کو آپ نے تاڑ لیا، پھر آپ نے فرمایا، اباہر! میں نے عرض کی، لبیک یارسول اللہ! فرمایا میرے ساتھ آجاؤ اور آپ چلنے لگے، میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے ہولیا، پھر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اندر تشریف لے گئے، اجازت چاہی مجھے اجازت ملی، پھر داخل ہوئے تو ایک پیالے میں دودھ ملا، دریافت فرمایا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا ہے، کہا کہ فلاں یا فلاں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہدیہ بھیجا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اباہر! میں نے عرض کی، لبیک یارسول اللہ! فرمایا کہ اہل صفہ کے پاس جاؤ اور انہیں میرے پاس بلالاؤ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل صفہ اسلام کے مہمان تھے وہ نہ کسی کے گھر پناہ ڈھونڈتے نہ کسی کے مال میں اور نہ کسی کے پاس۔

جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس صدقہ آتا تو آپ وہ صدقہ ان کے پاس بھیج دیتے اور خود اُس میں سے کچھ نہ رکھتے، البتہ جب آپ کے پاس ہدیہ آتا تو انہیں بلا بھیجتے اور خود بھی تناول فرماتے اور انہیں بھی شریک کرتے۔

چنانچہ مجھے یہ بات ناگوار گزری اور میں نے سوچا کہ یہ دودھ ہے ہی کتنا! کہ سارے صفہ والوں میں تقسیم ہو جائے، اس کا تو حق دار میں تھا، اسے پی کر کچھ قوت حاصل کرتا، جب اہل صفہ آئیں گے تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھ سے ہی فرمائیں گے اور میں ہی انہیں یہ دودھ دوں گا، مجھے تو شاید اس میں سے کچھ نہیں ملے گا، لیکن اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے سوا بھی کوئی چارہ نہیں تھا۔

چنانچہ میں ان کے پاس آیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پہنچائی، اہل صفہ آگئے اور اجازت چاہی، انہیں اجازت مل گئی، پھر وہ گھر میں اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اباہر! میں نے عرض کی، لبیک یارسول اللہ! فرمایا، لو! اور ان سب حضرات کو دو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک پیالہ پکڑ لیا اور ایک ایک کو دینے لگا، ایک شخص جب دودھ پی کر سیراب ہو جاتا تو مجھے واپس کر دیتا اور اس طرح دوسرا پی کر مجھے پیالہ واپس کر دیتا، اس طرح میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچا، سب لوگ پی کر سیراب ہو چکے تھے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیالہ پکڑا اور اپنے ہاتھ پر رکھ کر آپ نے میری طرف دیکھا اور مسکرا کر فرمایا، اباہر! میں نے عرض کی، لبیک یارسول اللہ! فرمایا، اب میں اور تم باقی رہ گئے ہیں میں نے عرض کی، یارسول اللہ! آپ نے

سچ فرمایا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، بیٹھ جاؤ اور پیو، میں بیٹھا اور دودھ پینے لگا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برابر فرماتے رہے کہ اور پیو، آخر مجھے کہنا پڑا، بس! اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اب گنجائش نہیں ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا پھر مجھے دے دو، میں نے پیالہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دے دیا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد بیان کی اور بسم اللہ پڑھ کر بچا ہوا دودھ خود پی گئے۔

حدثني أبو نعيم من نصف هذا الحديث

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابونعیم (فضل بن دکین) نے مجھے یہ حدیث آدھی بیان کی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ بقیہ آدھا حصہ متصل نہیں، بلکہ بغیر سند کے ہے، امام نے آدھے حصے کی تعیین بھی نہیں کی کہ حدیث کا کون سا نصف مراد ہے، اول نصف یا آخر؟

کتاب الاستئذان میں "باب إذا ادعی الرجل، فجاء، هل يستأذن؟" کے تحت ابونعیم سے اس حدیث کا صرف اتنا جزء نقل کیا ہے:

دخلت مع رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فوجد لبنا في قدح، فقال: يا أباهريرة، الحق أهل الصفة، فادعهم إليّ، قال: فأتيتُهم فدعوتُهم، فأقبلوا، فاستأذنوا، فأذِن لهم، فدخلوا......

یعنی: "میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ گھر میں داخل ہوا، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیالے میں دودھ پڑا ہوا ملا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوہریرہ! جاؤ، اہلِ صفہ کو بلا لاؤ، میں اہل صفہ کو بلا لایا، انہوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اندر آنے کی اجازت مانگی، اجازت ملنے پر وہ اندر آئے"......

لیکن یہ اس طویل حدیث کا صرف ایک جز ہے، نصف نہیں۔

شارحین نے لکھا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ امام نے بطریق وجادۃ یا بطریق اجازہ بقیہ حصہ کی روایت کی ہے

اور یہ بھی ممکن ہے کہ بقیہ نصف براہ راست سننے کے بجائے کسی ایسے شخص سے سنا ہو، جنہوں نے ابونعیم سے براہِ راست سنا ہو(۱)۔

کان يقول: الله الذي لا إله إلا هو

اس میں لفظ "اللہ" منصوب بنزع الخافض ہے اور اس سے پہلے واؤ قسمیہ محذوف ہے(۲)۔

٦٠٨٨ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا يَحْيٰ ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ : حَدَّثَنَا قَيْسٌ قالَ : سَمِعْتُ سَعْدًا يَقُولُ : إِنِّي لَأَوَّلُ الْعَرَبِ رَمٰى بِسَهْمٍ فِي سَبِيلِ ٱللهِ ، وَرَأَيْتُنَا نَغْزُو وَما لَنَا طَعَامٌ إِلَّا وَرَقُ الْحُبْلَةِ ، وَهٰذَا السَّمُرُ ، وَإِنَّ أَحَدَنَا لَيَضَعُ كَمَا تَضَعُ الشَّاةُ ، مَا لَهُ خِلْطٌ ، ثُمَّ أَصْبَحَتْ بَنُو أَسَدٍ تُعَزِّرُنِي عَلَى الْإِسْلَامِ ، خِبْتُ إِذًا وَضَلَّ سَعْيِي . [ر : ٣٥٢٢]

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے بیان کیا کہ میں سب سے پہلا عرب ہوں جس نے اللہ کے راستہ میں تیر چلائے، ہم نے اس حال میں گزارا ہے کہ غزوہ کر رہے ہیں اور ہمارے پاس کھانے کی کوئی چیز حبلہ کے پتوں اور اس ببول کے درخت کے سوا کھانے کے لئے نہیں تھی اور بکری کی مینگنیوں کی طرح براز کرتے تھے، اب یہ بنواسد کے لوگ میرے اسلام پر شک کرنے لگے ہیں (اگر ان کی بات درست ہے) پھر تو میں بالکل نامراد رہا اور میری ساری سعی ضائع ہوگئی۔

٦٠٨٩ : حدّثنا عُثْمَانُ : حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ، عَنْ مَنْصُورٍ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، عَنِ الْأَسْوَدِ ، عَنْ عائِشَةَ قالَتْ : ما شَبِعَ آلُ مُحمَّدٍ ﷺ مُنْذُ قَدِمَ الْمَدِينَةَ ، مِنْ طَعَامِ بُرٍّ ثَلَاثَ لَيَالٍ تِبَاعًا ، حَتَّى قُبِضَ . [ر : ٥١٠٠]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

(۱) إرشاد الساري: ۱۳/٤٥٧، وفتح الباري: ۱۱/٣٤٢

(۲) فتح الباري: ۱۱/٣٤٣، إرشاد الساري: ۱۳/٤٥٥، وعمدة القاري: ٢٣/٨٩

گھر والوں کو مدینہ آنے کے بعد کبھی تین دن تک متواتر گیہوں کھانے کے لئے نہیں ملا تھا، یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔

تباعا یہ فعال کے وزن پر باب مفاعلہ کا مصدر ہے بمعنی پے در پے، مسلسل۔

٦٠٩٠ : حدّثني إسْحٰقُ بْنُ إبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ : حَدَّثَنَا إسْحٰقُ ، هُوَ الْأَزْرَقُ ، عَنْ مِسْعَرِ بْنِ كِدَامٍ ، عَنْ هِلَالٍ ، عَنْ عُرْوَةَ ، عَنْ عائِشَةَ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهَا قالَتْ : مَا أَكَلَ آلُ مُحَمَّدٍ ﷺ أَكْلَتَيْنِ فِي يَوْمٍ إِلَّا إِحْدَاهُمَا تَمْرٌ .

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل وعیال نے اگر کبھی ایک دن میں دو مرتبہ کھانا کھایا، تو لازماً اس میں ایک وقت کھجوریں تھیں۔

٦٠٩١ : حدّثني أَحْمَدُ بْنُ رَجاءٍ : حَدَّثَنَا النَّضْرُ ، عَنْ هِشَامٍ قالَ : أَخْبَرَنِي أَبِي ، عَنْ عائِشَةَ قالَتْ : كانَ فِرَاشُ رَسُولِ ٱللّٰهِ ﷺ مِنْ أَدَمٍ ، وَحَشْوُهُ مِنْ لِيفٍ .

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بستر چمڑے کا تھا اور اس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

٦٠٩٢ : حدّثنا هُدْبَةُ بْنُ خالِدٍ : حَدَّثَنَا هَمَّامُ بْنُ يَحْيَىٰ : حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قالَ : كُنَّا نَأْتِي أَنَسَ بْنَ مالِكٍ وَخَبَّازُهُ قائِمٌ ، وَقالَ : كُلُوا ، فَمَا أَعْلَمُ النَّبِيَّ ﷺ رَأَى رَغِيفًا مُرَقَّقًا حَتَّى لَحِقَ بِٱللّٰهِ ، وَلَا رَأَى شَاةً سَمِيطًا بِعَيْنِهِ قَطُّ . [ر : ٥٠٧٠]

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ کا باورچی وہیں موجود ہوتا، آپ فرماتے کہ کھاؤ، میں نے کبھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پتلی روٹی تناول فرماتے نہیں دیکھا، یہاں تک کہ آپ اللہ سے جا ملے اور نہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی اپنی آنکھ سے بھنی ہوئی مسلّم بکری دیکھی۔

٦٠٩٣/٦٠٩٤ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى : حَدَّثَنَا يَحْيىٰ : حَدَّثَنَا هِشَامٌ : أَخْبَرَنِي أَبِي ، عَنْ عائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قالَتْ : كانَ يَأْتِي عَلَيْنَا الشَّهْرُ ما نُوقِدُ فِيهِ نَارًا ، إِنَّمَا هُوَ التَّمْرُ وَالْمَاءُ ، إِلَّا أَنْ نُؤْتَى بِاللُّحَيْمِ .

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہمارے اوپر ایسا مہینہ بھی گزر جاتا تھا کہ چولہا نہیں جلتا تھا، صرف کھجور اور پانی ہوتا تھا، ہاں اگر کبھی گوشت آ جاتا (تو چولہا جلتا تھا)۔

(٦٠٩٤) : حدّثنا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْأُوَيْسِيُّ : حَدَّثَنِي ٱبْنُ أَبِي حازِمٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ رُومانَ ، عَنْ عُرْوَةَ ، عَنْ عائِشَةَ : أَنَّهَا قالَتْ لِعُرْوَةَ : ٱبْنَ أُخْتِي ، إِنْ كُنَّا لَنَنْظُرُ إِلَى الْهِلَالِ ثَلَاثَةَ أَهِلَّةٍ فِي شَهْرَيْنِ ، وَما أُوقِدَتْ فِي أَبْيَاتِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ نَارٌ ، فَقُلْتُ : ما كانَ يُعِيشُكُمْ ؟ قالَتْ : الْأَسْوَدَانِ التَّمْرُ وَالْمَاءُ ، إِلَّا أَنَّهُ قَدْ كانَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ جِيرَانٌ مِنَ الْأَنْصَارِ ، كانَ لَهُمْ مَنَائِحُ ، وَكانُوا يَمْنَحُونَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مِنْ أَبْيَاتِهِمْ فَيَسْقِينَاهُ . [ر : ٢٤٢٨]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ نے عروہ سے کہا، بیٹے! ہم دو مہینوں میں تین چاند دیکھ لیتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (کی ازواج) کے گھروں میں چولہا نہیں جلتا تھا، میں نے پوچھا کہ پھر آپ لوگ زندہ کس چیز سے رہتی تھیں؟ فرمایا کہ صرف دو کالی چیزوں پر، کھجور پر اور پانی پر، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کچھ انصاری پڑوسی تھے، ان کے یہاں دودھ دینے والے جانور ہوتے تھے، وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے اپنے گھروں سے دودھ بھیج دیتے تھے تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ ہمیں پلا دیتے تھے۔

إن كنّا لننظر إلى الهلال ثلاثة أهلّة في شهرين

دو مہینوں میں ہم تین چاند دیکھتے تھے، تیسرا چاند، تیسرے مہینے کا ہوتا تھا، جو دوسرے ماہ کے ختم ہوتے

ہی دیکھ لیتے تھے(۳)۔

إنْ كُنّا لَننظُرُ: یہ "إنْ"، مخفَّف من المثقّل ہے(۴) اور "لَننظُر" میں لام فارقہ ہے، یہ "إنْ" نافیہ سے فرق کرنے اور جدا کرنے کی غرض سے خبر پر داخل کیا جاتا ہے۔

كان لهم منائح: منائح، مُنيحة کی جمع ہے، دودھ والی اونٹنی کو کہتے ہیں۔

٦٠٩٥ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عُمَارَةَ ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (اللَّهُمَّ ٱرْزُقْ آلَ مُحَمَّدٍ قُوتًا) .

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا کی، اے اللہ! آل محمد کو اتنی روزی دے، کہ بس وہ زندہ رہ سکیں (۵)۔

ابوزرعہ کا نام ہَرَام بن عمرو بن جریر ہے۔

☆☆......☆☆

---

(٣) إرشاد الساري: ١٣/٤٦٠، وعمدة القاري: ٢٣/٩٥

(٤) قال ابن بطال في شرحه:

"اللهم ارزق آل محمد قُوْتاً. فيه دليل على فضل الكفاف وأخذ البلغة من الدنيا، والزهد فيما فوق ذلك رغبةً في تَوْفِير نعيم الآخرة، وإيثاراً لما يبقى على مايفنى، لتقتدي بذلك أمتُه، ويرغبوا فيما رغب فيه نبيهم صلى الله عليه وسلم. وروى الطبري بإسناده عن ابن مسعود، قال: حبذا المكروهان: الموت والفقر، والله ما هو إلا الغنى والفقر وما أبالي بأيهما ابتليت، إن حق الله في كل واحد منهما واجب، إن كان الغنى ففيه التعطف، وإن كان الفقر ففيه الصبر، قال الطبري: فمحنة الصابر أشد من محنة الشاكر، وإن كانا شريفي المنزلة، غير أنّي أقول كما قال مطرف بن عبدالله: لأن أعافى فأشكر أحب إليّ من أن أبتلى فأصبر. ومن فضل قلة الأكل ما روى يحيى بن أبي كثير، عن أبي سلمة، عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن أهل البيت ليقل طعمهم فتَسْتَنِير بيوتهم".

(شرح ابن بطال: ١٠/١٧٩)

(٥) عمدة القاري: ٢٣/٩٥

۱۸ - باب : الْقَصْدِ وَالْمُدَاوَمَةِ عَلَى الْعَمَلِ .

ترجمۃ الباب کی وضاحت

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس ترجمۃ الباب کے اندر دو باتیں بیان فرمائی ہیں، ایک قصد ومیانہ روی اور دوم مداومت۔ طاعات وعبادات کے اندر، یہ دونوں وصف شریعت میں مطلوب ومحمود ہیں اور ان میں بھی قصد ومیانہ روی چونکہ مداومت اور استقامت کا ذریعہ اور سبب ہے، اس لئے دونوں کو ساتھ ذکر کیا، اگر حد سے تجاوز اور مبالغہ کر کے کوئی نیک عمل اختیار کیا جائے تو عموماً انسان بالآخر اکتاہٹ کا شکار ہو جاتا ہے، لیکن اپنی طاقت کے پیش نظر میانہ روی کے ساتھ اعمال انجام دیئے جائیں تو ذوق وشوق بھی باقی رہتا ہے اور دوام واستقامت بھی حاصل رہتی ہے۔

۶۰۹۶/۶۰۹۷ : حدّثنا عَبْدَانُ : أَخْبَرَنَا أَبِي ، عَنْ شُعْبَةَ ، عَنْ أَشْعَثَ قَالَ : سَمِعْتُ أَبِي قَالَ : سَمِعْتُ مَسْرُوقًا قَالَ : سَأَلْتُ عائِشَةَ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهَا : أَيُّ الْعَمَلِ كَانَ أَحَبَّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ ؟ قالَتِ : ٱلدَّائِمُ ، قالَ : قُلْتُ : فَأَيَّ حِينٍ كانَ يَقُومُ ؟ قالَتْ : كانَ يَقُومُ إِذَا سَمِعَ الصَّارِخَ .

حضرت مسروقؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا، کون سا عمل نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو زیادہ پسند تھا؟ فرمایا کہ ایسا عمل جو ہمیشہ کیا جائے، مسروق فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (رات کو) کب تک نماز پڑھتے رہتے تھے؟ فرمایا کہ جب مرغ کی آواز سن لیتے، اس وقت تک آپ نماز (تہجد) پڑھتے رہتے تھے۔

عبدان، عبداللہ بن عثمان بن حبلہ کا لقب ہے، اشعث سے ابن ابی الشعثاء مراد ہیں، ابوالشعثاء کا نام سلیم بن الأسود محاربی ہے۔

(٦٠٩٧) : حدّثنا قُتَيْبَةُ ، عَنْ مالِكٍ ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عائِشَةَ أَنَّهَا قالَتْ : كانَ أَحَبُّ الْعَمَلِ إِلَى رَسُولِ ٱللهِ ﷺ الَّذِي يَدُومُ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ . [ر : ١٠٨٠]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ پسندیدہ وہ عمل تھا جس پر صاحب عمل ہمیشگی اختیار کرے۔

٦٠٩٨ : حدّثنا آدَمُ : حَدَّثَنَا ٱبْنُ أَبِي ذِئْبٍ ، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (لَنْ يُنَجِّيَ أَحَدًا مِنْكُمْ عَمَلُهُ) . قالُوا : وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ ٱللهِ ؟ قالَ : (وَلَا أَنَا ، إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِي ٱللهُ بِرَحْمَةٍ ، سَدِّدُوا وَقَارِبُوا ، وَٱغْدُوا وَرُوحُوا ، وَشَيْءٌ مِنَ ٱلدُّلْجَةِ ، وَالْقَصْدَ الْقَصْدَ تَبْلُغُوا) . [ر : ٥٣٤٩]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل نجات نہیں دے سکے گا، صحابہ نے عرض کی اور آپ کو بھی نہیں یا رسول اللہ؟ فرمایا اور مجھے بھی نہیں، سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت کے سایہ میں لے لے، صحیح راستہ پر چلو اور میانہ روی اختیار کرو اور صبح وشام اور رات کے کچھ حصہ میں عبادت کیا کرو، میانہ روی اختیار کرو، میانہ روی، تو منزل مقصود پر پہنچ جاؤ گے۔

ابن ابی الذئب کا نام محمد بن عبدالرحمٰن ہے۔

سَدِّدُوا: صحیح راستہ اختیار کرو۔ علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، معناه: اقصدوا السَّداد أي الصواب(١).

قارِبوا: میانہ روی سے چلو۔ کہتے ہیں، قارب فلان في أموره: اس نے اپنے معاملات میں میانہ روی اختیار کی۔ علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: أي اقتصدوا في الأمور كلها، واتركوا الغلو فيها والتقصير(٢). علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: أي: لا تبلغوا الغاية، بل تقربوا منها.

أُغدوا: صبح کو چلو۔ رُوْحوا: شام کو چلو۔

---

(١) عمدة القاري: ٩٧/٢٣

(٢) النهاية لابن الاثير: ٤٣١/٢

وشيءٌ من الدُّلْجَة: اوررات کے کچھ حصے میں چلو، بعض نسخوں میں "شیئاً" منصوب ہے۔ دُلْجة (دال کے ضمہ اورفتحہ کے ساتھ) رات کے وقت چلنے کو کہتے ہیں (۳)۔

القَصْدَ القَصْدَ: یہ منصوب علی الاغراء ہے۔ اس کا فعل "اِلزَمْ" وجوباً محذوف ہے، یعنی: "اِلْزَمْ القصدَ القصدَ"، میانہ روی کولازم پکڑو۔ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وقد شبه المتعبدين بالمسافرين؛ لأن العابد كالمسافر إلى محل إقامته، وهو الجنة وكأنه قال: لا تستوعبوا الأوقات كلها بالسير، بل اغتنموا أوقات نشاطكم، وهو أول النهار وآخره، وبعض الليل، وارحموا أنفسكم فيما بينهما، لئلا ينقطع بكم"(٤).

یعنی: "یہاں عبادت گزاروں کومسافروں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، کیونکہ عابد مسافر کی طرح ہے، اس کی منزل جنت ہے، گویا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام وقت عبادت میں مت لگایا کرو، بلکہ اپنے نشاط کے اوقات کوغنیمت سمجھو اور اوقاتِ نشاط دن کا اول وآخر حصہ اور رات کا کچھ حصہ ہے، ان کے درمیانی اوقات میں اپنے اوپر رحم کیا کرو، تاکہ رک نہ جاؤ اور کوئی عمل تم سے چھوٹ نہ جائے"۔

٦٠٩٩ : حدّثنا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا سُلَيْمانُ ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ، عَنْ عائِشَةَ : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قالَ : (سَدِّدُوا وَقارِبُوا ، وَٱعْلَمُوا أَنَّهُ لَنْ يُدْخِلَ أَحَدَكُمْ عَمَلُهُ الجَنَّةَ ، وَأَنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ أَدْوَمُها إِلَى ٱللهِ وَإِنْ قَلَّ) . [٦١٠٢]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، راہ صواب اور میانہ روی اختیار کرو اور جان لو کہ تم میں سے کسی کا عمل اسے جنت میں نہیں داخل کرسکے گا، میرے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر ہمیشگی اختیار کی جائے، خواہ وہ کم ہی کیوں نہ ہو۔

(٣) النهاية لابن الأثير: ٥٧٨/١

(٤) إرشاد الساري: ٤٦٣/١٣

٦١٠٠ : حدّثني مُحمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ ، عَنْ عائِشَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهَا أَنَّهَا قالَتْ : سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ : أَيُّ ٱلْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى ٱللهِ ؟ قالَ : (أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ) . وَقالَ : (اكْلَفُوا مِنَ الْأَعْمَالِ مَا تُطِيقُونَ) .

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا، کون سا عمل اللہ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے، فرمایا کہ جس پر ہیشگی اختیار کی جائے، اگر چہ وہ کم ہی ہو اور فرمایا، اُن کاموں کو اپنے سر لو جن کی تم میں طاقت ہو۔

ماتطيقون: اس میں ما مصدریہ بھی ہوسکتا ہے، أي: قدر طاقتكم اور ما موصولہ بھی ہوسکتا ہے، أي الذي تطيقونه.

٦١٠١ : حدّثني عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ : حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ، عَنْ مَنْصُورٍ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، عَنْ عَلْقَمَةَ قالَ : سَأَلْتُ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ عائِشَةَ قُلْتُ : يا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ ، كَيْفَ كانَ عَمَلُ النَّبِيِّ ﷺ ، هَلْ كَانَ يَخُصُّ شَيْئًا مِنَ الْأَيَّامِ ؟ قالَتْ : لَا ، كانَ عَمَلُهُ دِيمَةً ، وَأَيُّكُمْ يَسْتَطِيعُ مَا كانَ النَّبِيُّ ﷺ يَسْتَطِيعُ . [ر : ١٨٨٦]

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا، میں نے پوچھا، ام المومنین! نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل کیسا تھا، کیا آپ نے عمل کے لئے کچھ دن مخصوص کر رکھے تھے؟ فرمایا کہ نہیں، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل میں ہیشگی ہوتی تھی اور تم میں کون ہے جو ان اعمال کی طاقت رکھتا ہے، جن کی حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رکھتے تھے۔

كان عمله ديمة: یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل دائمی ہوتا تھا، دیمۃ اصل میں مسلسل برسنے والی ہلکی بارش کو کہتے ہیں۔ حدیث شریف کا مقصد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ایسا نہیں تھا کہ

چند دنوں تک آپ کوئی عمل مسلسل کرتے رہیں اور اس کے بعد اس کو مستقلاً چھوڑ دیا بلکہ آپ کے معمولات میں ایک استقامت اور ایک ہیشگی ہوا کرتی تھی، اگرچہ بعض مخصوص اوقات اور مخصوص ایام میں آپ مختلف اعمال انجام دیا کرتے تھے، وہ اس کے منافی نہیں ہیں، یہاں صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوام اور معمولات میں آپ کی استقامت کو بتلانا مقصود ہے (۵)۔

٦١٠٢ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الزِّبْرِقانِ : حَدَّثَنَا مُوسى بْنُ عُقْبَةَ ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْن عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ، عَنْ عائِشَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (سَدِّدُوا وَقارِبُوا وَأَبْشِرُوا ، فَإِنَّهُ لَا يُدْخِلُ أَحَدًا الجَنَّةَ عَمَلُهُ) . قَالُوا : وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ ٱللهِ ؟ قالَ : (وَلَا أَنَا ، إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ ٱللهُ بِمَغْفِرَةٍ وَرَحْمَةٍ) .

قالَ : أَظُنُّهُ : عَنْ أَبِي النَّضْرِ ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ ، عَنْ عائِشَةَ .

---

(۵) قال ابن بطال: إن قول عائشة: إن النبى لم يكن يخص شيئًا من الأيام بالعمل؛ يعارضه قولها: ما رأيت رسول الله أكثر صيامًا منه فى شعبان. قيل: لا تعارض بين شيء من ذلك، وذلك أنه كان كثير الأسفار فى الجهاد، فلا يجد سبيلا إلى الصيام الثلاثة الأيام من كل شهر، فيجمعها فى شعبان، ألا ترى قول عائشة: كان يصوم حتى نقول لا يفطر، ويفطر حتى نقول لا يصوم فهذا يبين أنه كان لا يخصّ شيئًا من الزمان؛ بل كان يوقع العبادة على قدر نشاطه، وفراغه لذلك من جهاده وأسفاره، فيقل مرةً ويكثر أخرى، هذا قول المهلب وقد قيل فى معنى كثرة: صيامه فى شعبان وجوه آخر قد ذكرتها فى باب صوم شعبان فى كتاب الصيام.

فإن قيل: فما معنى ذكر حديث أنس فى هذا الباب؟ قيل: معناه ان يوجب ملازمة العمل وإدمانه ما مثل له من الجنة للرغبة، ومن النار للرهبة، فكان فى ذلك فائدتان: إحداهما: تنبيه للناس أن يتمثلوا الجنة والنار بين أعينهم إذا وقفوا بين يدى الله، كما مثلها الله لنبيه، وشغله بالفكرة فيهما عن سائر الأفكار الحادثة عن تذكير الشيطان بما يسهيه حتى لا يدرى كم صلّى، والثانية: أن يكون الخوف من النار الممثلة والرغبة فى الجنة نصب عينى المصلى فيكونا باعثين له على الصبر، والمداومة على العمل المبلغ إلى رحمة الله والنجاة من النار برحمته. (شرح ابن بطال: ۱/۱۸۲، ۱۸۳)

وَقالَ عفَّانُ : حدَّثَنَا وُهَيْبٌ ، عَنْ مُوسى بْنِ عُقْبَةَ قالَ : سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ ، عَنْ عائِشَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : (سَدِّدُوا وَأَبْشِرُوا) . [ر : ٦٠٩٩]

وَقالَ مُجَاهِدٌ : «سَدِيدًا» /النساء: ٩/ : سَدَادًا : صِدْقًا .

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، راہ صواب اور میانہ روی اختیار کرو اور تمہیں بشارت ہو، کیونکہ کوئی بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں نہیں جائے گا، صحابہ نے عرض کی اور آپ بھی نہیں یا رسول اللہ؟ فرمایا اور میں بھی نہیں، سوا اس کے کہ اللہ اپنی مغفرت و رحمت کے سایہ میں مجھے لے لے۔

محمد بن زبرقان

محمد بن زِبْرِقان (زاء کے کسرہ، با کے سکون اور راء کے کسرہ کے ساتھ) کی بخاری میں صرف یہی ایک روایت ہے، ائمہ جرح وتعدیل میں سے، ابو حاتم، ابوزرعہ، نسائی دارقطنی اور ابن المدینی نے ان کی توثیق کی ہے، ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کو لیا ہے اور کہا ہے، ربما أخطأ، امام بخاری نے تاریخ کبیر میں ان کو "معروف الحدیث" کہا ہے(٦)۔

قال: أظنه عن أبي النضر عن أبي سلمة عن عائشة

امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ علی بن عبداللہ مدینی فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے موسیٰ بن عقبہ ابوسلمہ سے براہ راست نقل نہیں کر رہے بلکہ ابوالنضر سالم بن ابی امیہ کا درمیان میں واسطہ ہے، ابوالنضر، ابوسلمہ سے نقل کر رہے ہیں۔

اوپر متن کی سند میں "موسیٰ بن عقبه عن أبي سلمة......" ہے، علی بن عبداللہ کو شک ہے کہ موسیٰ

---

(٦) فتح الباري: ٣٦٢/١١، وإرشاد الساري: ٤٦٥/١٣، وعمدة القاري: ٩٩/٢٣

تهذيب الكمال: ٢١٠/٢٥، ثقات ابن حبان: ٤٤١/٧، الجرح والتعديل: ٧/، رقم الترجمة: ١٤١٩، وتاريخ البخاري الكبير: ١/، رقم الترجمة: ٢٣٩، وتهذيب التهذيب: ١٦٦/٩

نے یہ روایت ابو سلمہ سے براہ راست نہیں سنی، بلکہ ابو النضر کے واسطے سے سنی ہے۔

لیکن امام بخاری رحمہ اللہ عفان بن مسلم کی تعلیق، اس کے متصل بعد ذکر کر کے علی مدینی کے اس وہم کو دور کر دیا، کیونکہ عفان کی روایت میں موسیٰ بن عقبہ نے سماع کی تصریح کر دی ہے، اس میں ہے: "سمعت أبا سلمة، عن عائشة......".

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے عفان کی تعلیق کو اپنی مسند میں موصولاً نقل کیا ہے (۷)۔

ایک اشکال اور اس کے جوابات

اس روایت اور ماقبل کی روایت میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص کا نیک عمل، اس کو جنت میں داخل نہیں کرا سکے گا، بلکہ جنت میں جو بھی داخل ہوگا، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے سبب داخل ہوگا، گویا کہ اعمال صالحہ، دخول جنت کا سبب نہیں، بلکہ اللہ کا فضل و کرم شامل حال ہوگا تو جنت میں داخلہ ملے گا۔

جب کہ قرآن کریم کی آیات سے دخول کا سبب، عمل صالح معلوم ہوتا ہے۔

سورۃ زخرف میں ہے: ﴿وتلك الجنة التي أورثتموها بما كنتم تعملون﴾.

سورۃ نحل میں ہے: ﴿سلام عليكم ادخلوا الجنة بما كنتم تعملون﴾.

❶ اس تعارض کا حل یہ نکالا گیا ہے کہ جنت کے اندر نفس دخول تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہوگا، جیسا کہ احادیث باب میں ہے، البتہ جنت کے مختلف منازل اور درجات میں اعمال کے اعتبار سے داخلہ ہوگا، درجات کی تقسیم، اعمال صالحہ کے اعتبار سے ہوگی، حاصل یہ ہے کہ اعمال صالحہ منازلِ جنت کے داخلے کا سبب ہیں اور آیت کریمہ ﴿ادخلوا الجنة......﴾ میں مضاف "منازل" محذوف ہے، أي: "ادخلوا منازل الجنة"(۸).

❷ بعض حضرات نے کہا کہ دنیا کے اندر اعمال صالحہ کی توفیق، اللہ کے فضل و کرم سے ملتی ہے، اس لئے دخولِ جنت کا سبب اگرچہ عمل صالح ہے (جیسا کہ آیات کریمہ میں ہے) لیکن عمل صالح کا سبب اللہ کا فضل و کرم اور توفیق ہے، اللہ کی توفیق شامل حال نہ ہوتی تو عمل صالح نہ ہوتا، اور عمل صالح نہ ہوتا تو جنت میں داخل

---

(۷) فتح الباري: ۳٦۲/۱۱

(۸) إرشاد الساري: ۱۳/، وفتح الباري: ۳٥۷/۱۱، وعمدة القاري: ۹۷/۲٤

بھی نہ ملتا (۹)۔

وقال مجاهد: سدادا سديداً: صِدْقا

مجاہد فرماتے ہیں کہ سداد اور سدید کے معنی صدق اور راست بازی کے ہیں، سورۃ نساء کی آیت ﴿قولا سديداً﴾ آیا ہے، طبرانی نے اس تعلیق کو موصولاً نقل کیا ہے (۱۰)۔

٦١٠٣ : حدّثني إبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ قالَ : حَدَّثَنِي أَبِي ، عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مالِكٍ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ قالَ : سَمِعْتُهُ يَقُولُ : إِنَّ رَسُولَ ٱللّٰهِ ﷺ صَلَّى لَنَا يَوْمًا الصَّلَاةَ ، ثمَّ رَقِيَ الْمِنْبَرَ ، فَأَشَارَ بِيَدِهِ قِبَلَ قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ ، فَقَالَ : (قَدْ أُرِيتُ الآنَ مُنْذُ صَلَّيْتُ لَكُمُ الصَّلَاةَ ، الْجَنَّةَ وَالنَّارَ ، مُمَثَّلَتَيْنِ فِي قُبُلِ هٰذَا ٱلْجِدَارِ ، فَلَمْ أَرَ كَالْيَوْمِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ ، فَلَمْ أَرَ كَالْيَوْمِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ) . [ر : ٤٠٩]

حضرت ہلال بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں ایک دن نماز پڑھائی، پھر منبر پر چڑھے اور اپنے ہاتھ سے مسجد کے قبلہ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ اس وقت جب میں نے تمہیں نماز پڑھائی تو مجھے جنت اور دوزخ دکھائی گئی، اس کی شکلیں اس دیوار کے آگے بنادی گئی تھیں۔ آج کی طرح میں نے خیر اور شر کبھی نہیں دیکھا۔

باب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

باب کے ساتھ حدیث کی مناسبت بیان کرتے ہوئے علامہ قسطلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وفي هذا الحديث تنبيه المصلي على أن يُمَثِّل الجنة والنار بين عَيْنَيْه، ليكونا شاغلين له عن الأفكار الحادثة عن تذكر الشيطان ومَن مَثَّلهما

(۹) فتح الباري: ۱۱/۳۵۷

(۱۰) فتح الباري: ۱۱/۳۶۳

بين يديه بعثه ذلك على المواظبة على الطاعة، والكف عن المعصية، وبهذا تحصل المطابقة بين الحديث والترجمة(١١).

یعنی: ”اس حدیث میں نمازی کو اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ جنت اور دوزخ کو اپنے پیشِ نظر رکھے، تاکہ یہ دونوں اس کو شیطان کی یاد دلانے والے افکار سے ہٹائے رکھے، جو شخص جنت اور دوزخ کو اپنی نگاہوں کے سامنے رکھے گا تو یہ اسے اللہ کی طاعت پر دوام اور اللہ کی نافرمانی سے بچنے کا باعث بنے گا، اس تقریر سے حدیث اور ترجمۃ الباب میں مطابقت حاصل ہو جائے گی“۔

یعنی حدیث میں اگر چہ مداومت فی العمل اور میانہ روی کا ذکر نہیں ہے، جس پر امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب قائم فرمایا ہے، لیکن چونکہ جہنم اور جنت کو پیشِ نظر رکھنا مداومت اور میانہ روی کا باعث اور ذریعہ بن سکتا ہے اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث اس باب کے تحت ذکر فرمائی۔

حدیث باب، کتاب الصلوۃ میں باب رفع البصر إلى الأمام کے تحت گزر چکی ہے۔

١٩ - باب : الرَّجاءِ مَعَ الخَوْفِ.

”رجـــاء“ امید کو کہتے ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل وکرم کی امید کے ساتھ ساتھ، اللہ تعالیٰ کا خوف بھی دامن گیر رہنا چاہیے، صرف امید ہی امید انسان لگائے رکھے تو انسان بے عملی اور مکر وفریب کا شکار ہو سکتا ہے، اور صرف خوف بغیر امید کے انسان مایوسی تک پہنچا تا ہے(١)۔

بعض علماء نے فرمایا کہ خوف اور رجاء ایک مؤمن کے لئے پرندے کے دو پروں کے برابر ہیں دونوں پر ٹھیک ہوں تو پرواز ہو سکتی ہے اور اگر کسی ایک میں خرابی یا کوتاہی ہو تو پرواز نہیں ہو سکتی (٢)۔

---

(١١) إرشاد الساري: ١١/٤٦٦، نیز دیکھئے، فتح الباري: ١١/٣٦٣

(١) فتح الباري: ١١/٣٦٣، عمدة القاري: ٢٣/١٠١، إرشاد الساري: ١٣/٤٦٧

(٢) إرشاد الساري: ١٣/٤٦٧

اس لئے علماء اور اسلاف میں یہ جملہ مشہور ہے "الإيمان بين الخوف والرجاء"(۳).

بعض علماء نے لکھا ہے کہ جوانی اور صحت کے زمانے میں خوف کا غلبہ رہنا اور بڑھاپے اور ضعف وکمزوری میں رجاء اور امید کا غلبہ بہتر رہتا ہے(۴)۔

حضرت مدنی رحمہ اللہ کی رائے

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ خوف ورجاء کے متعلق اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''مسئلہ مذکورہ میں کچھ غلطی ہے، خواہ آپ کی یادداشت یا استاد کے بیان میں متحقق نہ ہوئی ہو، ایمان کو ہمیشہ "بين الخوف والرجاء" ہونا چاہیے، ﴿وادعوه خوفا وطمعا﴾ نص قرآنی ہے اور اس معنی پر مختلف آیاتِ صریحہ موجود ہیں، مگر حالتِ زندگی میں غلبہ، خوف کا ہونا چاہیے اور قربِ موت میں غلبہ، رجاء کا ہونا چاہیے......لقوله عليه السلام في الحديث القدسي: أنا عند ظني عبدي بي. وقال سبحانه تعالىٰ: ﴿افَأَمِنَ أهل القرىٰ ان يأتيهم بأسنا بياناً وهم نائمون﴾ ٥ ﴿اَوَ اَمِنَ اهل القرىٰ اَن يأتيهم بأسنا ضحى وهم يلعبون﴾ ٥ ﴿اَفَاَمِنُوْا مكر اللّٰهِ فلا يَأمَنُ مكر اللّٰهِ إلا القوم الخَاسِرُون﴾٥ وقال: ﴿ولا تَيئسوا من روح اللّٰه......﴾(٥).

حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے اپنے اس مکتوب کے اندر ابتدا میں جن تین آیات کا ذکر فرمایا ہے، ان میں اللہ جل شانہ کے عذاب سے خوف کا بیان ہے اور آخری آیت میں مایوس نہ ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ایمان، خوف اور رجاء دونوں کا نام ہے۔

☆☆......☆☆

---

(۳) بعض حضرات نے اس کو حدیث کہا ہے، لیکن یہ حدیث نہیں ہے۔

(٤) فتح الباري: ١١/٣٦٤

(٥) معارف مدني، ص: ١٩٧.

وَقالَ سُفْيَانُ : مَا فِي الْقُرْآنِ آيَةٌ أَشَدُّ عَلَيَّ مِنْ : «لَسْتُمْ عَلَى شَيْءٍ حَتَّى تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ» /المائدة : ٦٨/ .

سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں قرآن کریم کی اس آیت ﴿قل یا أهل الکتاب لستم علی شيء......﴾ سے زیادہ بھاری مجھ پر اور کوئی آیت نہیں، کیونکہ اس آیت میں قرآن کے سارے احکام کے مکلّف بنانے کا حکم ہے، آیت کریمہ میں اہل کتاب سے خطاب ہے یعنی اے اہل کتاب! جب تک تم توریت، انجیل اور تمہارے رب کی طرف سے نازل کئے گئے قرآن پر عمل قائم نہیں کرو گے تم کسی راہ پر نہیں رہو گے۔

ترجمۃ الباب سے آیتِ کریمہ کی مناسبت

ترجمۃ الباب سے آیت کریمہ کی مناسبت بیان کرتے ہوئے علامہ قسطلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”ووجه المناسبة للترجمة أن الآية تدل على أن من لم يعمل بما تضمنه الكتاب الذي أنزل عليه لم تحصل له النجاة، ولا ينفعه رجاؤه من غير عمل ما أمر به“(٦).

یعنی: ”ترجمۃ الباب کے ساتھ اس کی مناسبت اس طور پر ہے کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب کے مقتضیٰ پر عمل نہ کیا تو اسے نجات نہیں ملے گی اور نہ عمل کے بغیر محض امید و رجاء اس کے کام آئے گی“۔

٦١٠٤ : حدَّثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ : حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ، عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ : (إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الرَّحْمَةَ يَوْمَ خَلَقَهَا مِائَةَ رَحْمَةٍ ، فَأَمْسَكَ عِنْدَهُ تِسْعًا وَتِسْعِينَ رَحْمَةً ،

(٦) إرشاد الساري: ١٣/ ٤٦٨

وَأَرْسَلَ فِي خَلْقِهِ كُلِّهِمْ رَحْمَةً وَاحِدَةً ، فَلَوْ يَعْلَمُ الْكَافِرُ بِكُلِّ الَّذِي عِنْدَ اللهِ مِنَ الرَّحْمَةِ لَمْ يَيْأَسْ مِنَ الجَنَّةِ ، وَلَوْ يَعْلَمُ الْمُؤْمِنُ بِكُلِّ الَّذِي عِنْدَ اللهِ مِنَ الْعَذَابِ لَمْ يَأْمَنْ مِنَ النَّارِ) .
[ر : ٥٦٥٤]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کو جس دن پیدا کیا تو اس کے سو حصے کئے اور اپنے پاس ان میں ننانوے رکھے، اس کے بعد تمام مخلوق کے لئے صرف ایک حصہ رحمت کا بھیجا، پس اگر کافر کو وہ تمام رحمتیں معلوم ہوجائیں جو اللہ کے پاس ہیں تو وہ جنت سے مایوس نہ ہو اور اگر مومن کو وہ تمام عذاب معلوم ہوجائیں جو اللہ کے پاس ہیں تو وہ دوزخ سے بے خوف نہ ہو(۷)۔

ترجمۃ الباب سے حدیث کی مناسبت

یہ حدیث وعد اور وعید دونوں پر مشتمل ہے، رجاء وعد کا تقاضہ کرتا ہے اور خوف کا تعلق وعید سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جن نعمتوں کا وعدہ کیا ہے، ان کی امید کرنا اور جس عذاب کا ذکر کیا ہے اس سے ڈرنا چاہیے۔ اس طرح حدیث کی مناسبت ترجمۃ الباب سے واضح ہوجاتی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ومطابقة الحديث للترجمة أنه اشتمل على الوعد والوعيد المقتضيين للرجاء والخوف، فمن عَلِمَ أن من صفات الله تعالىٰ الرحمة لِمَنْ أراد أن يرحمه والانتقَامَ ممن أراد أن ينتقم منه لا يأمن انتقامه من يرجو

---

(۷) قال الحافظ ابن حجر: والمقصود من الحديث أن المكلف ينبغي له أن يكون بين الخوف والرجاء حتى لايكون مفرطاً في الرجاء بحيث يصير من المرجئة القائلين: لا يضر مع الإيمان شيء، ولا في الخوف بحيث لايكون من الخوارج والمعتزلة القائلين بتخليد صاحب الكبيرة، إذا مات عن غير توبة في النار، بل يكون وسطاً بينهما كما قال الله تعالىٰ: ﴿يرجون رحمة ربه ويخافون عذابه﴾ [الإسراء: ۷۵] ومن تتبع دين الإسلام وجد قواعده أصولاً، وفروعاً كلها في جانب الوسط. (فتح الباري: ۱۱/۳٦٦)

رحمته، ولا ييأس من رحمته من يخاف انتقامه، وذلك باعث على مجانبة السيئة، ولو كانت صغيرة، وملازمة الطاعة، ولو كانت قليلة"(۸).

٢٠ – باب : الصَّبْرِ عَنْ مَحَارِمِ اللهِ.

وَقَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ : «إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ» /الزمر: ١/.
وَقَالَ عُمَرُ : وَجَدْنَا خَيْرَ عَيْشِنَا بِالصَّبْرِ.

صبر کے تین معنی مشہور ہیں:

ایک صبر علی الطاعت یعنی اللہ تعالیٰ کی طاعت و بندگی پر استقامت اختیار کرنا۔

دوم صبر فی المصیبت یعنی مصیبت کے وقت شکوہ وشکایت نہ کرنا اور راضی بالقضاء رہنا۔

سوم صبر عن المعصیۃ یعنی گناہوں سے بچے رہنا(۱)...... یہاں ترجمۃ الباب میں صبر عن محارم اللہ سے یہ تیسرے معنی مراد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں حرام کی ہیں، ان سے بچنا اور اجتناب کرنا۔

إنما يوفى الصابرون أجرهم بغير حساب یعنی صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بغیر حساب کے پورا پورا دیا جائے گا۔

وقال عمر: وجدنا خير عيشنا بالصبر

یعنی ہم نے صبر کے سبب بہترین زندگی پائی، حضرت عمرؓ کی اس تعلیق کو امام احمد نے کتاب الزہد میں موصولاً ذکر کیا ہے(۲)۔

٦١٠٥ : حدَّثنا أَبُو الْيَمَانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قالَ : أَخْبَرَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ اللَّيْثِيُّ : أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ أَخْبَرَهُ : أَنَّ نَاسًا مِنَ الْأَنْصَارِ سَأَلُوا رَسُولَ اللهِ ﷺ ، فَلَمْ

(٨) فتح الباري: ١١/٣٦٥، ٣٦٦

(١) إرشاد الساري: ١٣/٤٧٠

(٢) إرشاد الساري: ١٣/٤٦٩

يَسْأَلُهُ أَحَدٌ مِنْهُمْ إِلَّا أَعْطَاهُ حَتَّى نَفِدَ مَا عِنْدَهُ ، فَقَالَ لَهُمْ حِينَ نَفِدَ كُلُّ شَيْءٍ أَنْفَقَ بِيَدَيْهِ : (مَا يَكُونُ عِنْدِي مِنْ خَيْرٍ لَا أَدَّخِرْهُ عَنْكُمْ ، وَإِنَّهُ مَنْ يَسْتَعِفَّ يُعِفَّهُ ٱللهُ ، وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ ٱللهُ ، وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ ٱللهُ ، وَلَنْ تُعْطَوْا عَطَاءً خَيْرًا وَأَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ) . [ر : ١٤٠٠]

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ چند انصاری صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مانگا، اور جس نے بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مانگا، آپ نے اسے دیا، یہاں تک کہ جو مال حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس تھا، وہ ختم ہوگیا آپ نے حضراتِ صحابہ کو سب کچھ اپنے ہاتھ سے دے کر ختم کیا اور پھر فرمایا کہ جو بھی اچھی چیز میرے پاس ہوگی میں اسے تم سے بچا کے نہیں رکھ سکتا، البتہ جو تم میں (سوال سے) بچتا رہے گا اللہ بھی اسے محفوظ رکھے گا اور جو صبر کرے گا، اللہ بھی اسے صبر دے گا اور جو بے نیازی اختیار کرے گا اللہ بھی اسے بے نیاز بنا دے گا، تمہیں صبر سے بڑھ کر اور اس سے زیادہ وسیع کوئی بھی بھلائی نہیں دی گئی۔

یہ حدیث اس سے پہلے کتاب الزکوۃ میں گزر چکی ہے۔

٦١٠٦ : حدّثنا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى : حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ : حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ عِلَاقَةَ قَالَ : سَمِعْتُ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ يَقُولُ : كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي حَتَّى تَرِمَ ، أَوْ تَنْتَفِخَ ، قَدَمَاهُ ، فَيُقَالُ لَهُ ، فَيَقُولُ : (أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا) . [ر : ١٠٧٨]

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اتنی نماز پڑھتے تھے کہ آپ کے قدموں میں ورم آجاتا یا کہا کہ آپ کے پاؤں پھول جاتے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی جاتی (کہ آپ کی خطائیں تو معاف ہیں) تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے کہ کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

حتی ترم أو تنتفخ قدماه...... تَرِم: وَرِم يَرِم (علی وزن وَرِث يَرِث) کے معنی ہیں: پھول

جانا، ورم آجانا، راوی کو شک ہے کہ ترم قدماہ کہا...... یا تنتفخ قدماہ کہا......

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

باب کے ساتھ حدیث کی مطابقت بیان کرتے ہوئے علامہ قسطلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ومطابقة الحديث للترجمة من حيث إنه صبر على الطاعة، حتى تورمت قدماه(۳). یعنی: "حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت بایں طور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طاعت خداوندی پر اس قدر صبر واستقامت کا مظاہرہ فرمایا کہ آپ کے دونوں پاؤں مبارک پھول گئے"۔

صبر کے بارے میں بزرگوں کے چند اقوال

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور معرفت کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی اپنی کسی تکلیف اور مصیبت کا ذکر اللہ کے علاوہ کسی اور سے نہ کرے (۴)۔

ایک مشہور بزرگ احنف کی بینائی جاتی رہی لیکن انہوں نے چالیس سال تک کسی سے اس کا ذکر نہیں کیا (۵)۔

شقیق بلخی فرماتے ہیں غیر اللہ کے سامنے اپنی کسی مصیبت کی شکایت کرنے والا اللہ تعالیٰ کی عبادت وطاعت میں کبھی حلاوت نہیں پا سکے گا (۶)۔ قرآن کریم میں صبر کا لفظ بکثرت استعمال ہوا ہے۔

ذیل میں ہم صبر کے متعلق تفصیل نقل کرتے ہیں جس میں قرآن کریم کے اندر جہاں جہاں صبر مختلف مفاہیم میں استعمال ہوا ہے، ان کی وضاحت کی گئی ہے:

---

(۳) إرشاد الساري: ۱۳/۴۷۰

(٤) إرشاد الساري: ۱۳/٤٧١

(٥) إرشاد الساري: ۱۳/٤٧١

(٦) إرشاد الساري: ۱۳/٤٧١

قرآن کریم کی آیتوں میں وارد صبر کے مختلف معانی

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾(٧).

صبر کی حقیقت پر عوام کی غلط فہمی نے تو پردے ڈال رکھے ہیں کہ وہ اُن کے نزدیک بے بسی و بے کسی کی تصویر ہے، اور اس کے معنی اپنے دشمن سے کسی مجبوری کے سبب ہی انتقام نہ لے سکنا ہیں، لیکن کیا واقعۃً ایسا ہی ہے؟

''صبر'' کے لغوی معنی روکنے، اور سہارے کے ہیں یعنی اپنے نفس کو اضطراب اور گھبراہٹ سے روکنا، اور اس کو اپنی جگہ پر ثابت قدم رکھنا اور یہی صبر کی لغوی حقیقت بھی ہے، یعنی اس کے معنی بے اختیاری کی خاموشی اور انتقام نہ لے سکنے کی مجبوری کے نہیں، بلکہ پامردی، دل کی مضبوطی، اخلاقی جرأت اور ثباتِ قدر کے ہیں۔

حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے قصہ میں ایک ہی آیت میں تین جگہ یہ لفظ آیا ہے، اور ہر جگہ یہی معنی مراد ہیں۔ حضرت حضر علیہ السلام کہتے ہیں:

﴿إنك لن تستطيع معي صبراً، وكيف تصبر على مالم تحط به خبراً﴾(٨)، یعنی: ''تم میرے ساتھ صبر نہ کرسکو گے، اور کیسے اس بات پر صبر کرسکتے ہو، جس کا علم تمہیں نہیں''۔

حضرت موسیٰ جواب میں فرماتے ہیں: ﴿ستجدني إن شاء الله صابراً﴾(٩) یعنی: ''اگر خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے''۔

اس صبر سے مقصود لاعلمی کی حالت میں غیر معمولی واقعات کے پیش آنے سے دل میں اضطراب اور بے چینی کا پیدا نہ ہونا ہے، کفار اپنے پیغمبروں کے سمجھانے کے باوجود پوری تندہی اور مضبوطی کے ساتھ اپنی بت پرستی پر قائم رہتے ہیں، تو اس کی حکایت اُن کی زبان سے قرآن یوں کرتا ہے:

---

(٧) سورة احقاف: ٤

(٨) سورة كهف: ٩

(٩) سورة كهف: ٩

﴿إن كاد ليضلّنا عن ألهتنا لولا أن صبرنا عليها﴾(١٠). یعنی: ''یہ شخص (پیغمبری کا مدعی) تو ہم کو اپنے خداؤں (بتوں) سے ہٹا ہی چکا تھا، اگر ہم اُن پر صابر (ثابت) نہ رہتے''۔

﴿ولو أنهم صبروا حتی تخرج إليهم لكان خيراً لهم﴾(١١) یعنی: ''اور اگر وہ ذرا صبر کرتے (یعنی ٹھہر جاتے) یہاں تک کہ تم (اے رسول) نکل کر ان کے پاس آتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا''۔

قرآن پاک میں صبر کا لفظ اسی ایک معنی میں مستعمل ہوا ہے، گو حالات کے تغیر سے اس کے مفہوم میں کہیں کہیں ذرا ذرا فرق پیدا ہو گیا ہے، بایں ہمہ ان سب کا مرجع ایک ہی ہے، یعنی ثابت قدمی اور استقامت، صبر کے یہ مختلف مفہوم جن میں قرآن پاک نے اس کو استعمال کیا ہے، حسب ذیل ہیں:

وقت مناسب کا انتظار کرنا

پہلا یہ ہے کہ ہر قسم کی تکلیف اٹھا کر اور اپنے مقصد پر جمے رہ کر کامیابی کے وقت کا انتظار کرنا، آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے جب شروع میں لوگوں کے سامنے توحید کی دعوت اور اسلام کی تبلیغ پیش کی، تو عرب کا ایک ایک ذرہ آپ کی مخالفت میں سرگرم جولان ہو گیا۔ ہر طرف سے عداوت اور دشمنی کے مظاہرے ہونے لگے اور گوشہ گوشہ سے قدم قدم پر مخالفین اور رکاوٹیں پیش کی جانے لگیں، تو اس وقت بشریت کے اقتضاء سے آپ کو اضطراب ہوا اور کامیابی کی منزل دور نظر آنے لگی، اس وقت تسلی کا یہ پیام آیا کہ اضطراب اور گھبراہٹ کی ضرورت نہیں، آپ مستعدی سے اپنے کام میں لگے رہیں، خدا آپ کا نگہبان ہے، خدا کا فیصلہ اپنے وقت پر آئے گا، فرمایا:

﴿واصبر لحكم ربك فإنك بأعيننا﴾(١٢). یعنی: ''(اے رسول) تو

---

(١٠) سورة فرقان: ٤

(١١) سورة حجرات: ١

(١٢) سورة طور: ٢

اپنے پروردگار کے فیصلہ کا ثابت قدم رہ کر منتظر رہ، کیونکہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے"۔

﴿فاصبروا حتی یحکم اللّٰہ بیننا﴾(۱۳)، یعنی: تم ثابت قدم رہ کر منتظر رہو، یہاں تک کہ خدا ہمارے درمیان فیصلہ کردے"۔

﴿واصبر حتی یحکم اللّٰہ وهو خیر الحٰکمین﴾ (۱٤) یعنی: "اور ثابت قدم رہ کر منتظر رہ، یہاں تک کہ خدا فیصلہ کردے، وہ سب فیصلہ کرنے والوں میں بہتر ہے"۔ ﴿فاصبر إن العاقبة للمتقین﴾(۱۵)، یعنی: "ثابت قدم رہ کر وقت کا منتظر رہ، بلاشبہ آخر کار کامیابی پرہیزگاروں ہی کی ہے"۔

اس انتظار کی کشمکش کی حالت میں جب ایک طرف حق کی بے کسی، بے چارگی اور بے بسی پاؤں کو ڈگمگا رہی ہو، اور دوسری طرف باطل کی عارضی شورش اور ہنگامی غلبہ دلوں کو کمزور کر رہا ہو، حق پر قائم رہ کر اس کی کامیابی کی پوری توقع رکھنی چاہیے۔ ﴿فاصبر إن وعد اللّٰہ حق﴾(۱٦)، یعنی: "ثابت قدمی کے ساتھ منتظر رہ بے شک خدا کا وعدہ سچا ہے"۔

ایسا نہ ہو کہ وعدۂ الٰہی کے ظہور میں اگر ذرا دیر ہو تو مشکلات سے گھبرا کر حق کا ساتھ چھوڑ دو، اور باطل کے گروہ میں مل جاؤ۔

﴿فاصبر لحکم ربك ولا تطع منهم آثما أو کفوراً﴾(۱۷)، یعنی: "اپنے پروردگار کے فیصلہ کا ثابت قدمی سے منتظر رہ، اور ان (مخالفین میں) سے کسی گنہگار یا کافر کا کہنا مان لے"۔

---

(۱۳) سورة اعراف: ۱۱

(۱٤) سورة یونس: ۱۱

(۱۵) سورة هود: ٤

(۱٦) سورة روم، سورة مومن: ٦، ۸

(۱۷) سورة دهر: ۲

بے قرار نہ ہونا

صبر کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ مصیبتوں میں اضطراب اور بے قراری نہ ہو، بلکہ ان کو خدا کا حکم اور مصلحت سمجھ کر خوشی خوشی جھیلا جائے اور یہ یقین رکھا جائے کہ جب وقت آئے گا تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے خود ان کو دور فرمادے گا، اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی مدح فرمائی: ﴿والصابرین علی ما أصابهم﴾(۱۸)، یعنی: ''اور جو مصیبت میں صبر کریں''۔

حضرت یعقوب علیہ السلام بیٹوں سے جھوٹی خبر سن کر کہ بھیڑیئے نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کھالیا، فرماتے ہیں: ﴿بل سوّلت لکم أنفسکم أمراً فصبر جمیل واللّٰه المستعان علی ما تصفون﴾(۱۹)، یعنی: ''بلکہ تمہارے دلوں نے ایک بات گھڑ لی ہے، تو بہتر صبر ہے اور خدا سے اس پر مدد چاہی جاتی ہے، جو تم بیان کرتے ہو''۔

پھر اپنے دوسرے بیٹے کے مصر میں روک لئے جانے کا حال سن کر کہتے ہیں: ﴿بل سولت لکم أنفسکم امرا فصبر جمیل عسی اللّٰه أن یاتینی بهم جمیعاً﴾(۲۰)، یعنی: ''بلکہ تمہارے دلوں نے گھڑ لیا ہے، تو بہتر صبر ہے، عنقریب خدا ان سب کو ساتھ لائے گا''۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے جسمانی اور مالی مصیبتوں کو جس رضا وتسلیم کے ساتھ پامردی سے برداشت کیا، اس کی مدح خود اللہ تعالیٰ نے فرمائی: ﴿إنا وجدنه صابراً نعم العبد إنه أوّاب)(۲۱) یعنی: ''ہم نے بے شک ایوب کو صابر پایا، کیسا اچھا بندہ، وہ خدا کی طرف رجوع ہونے والا ہے''۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے شفیق اور مہربان باپ کی چھری کے نیچے اپنی گردن رکھ کر فرماتے ہیں:

﴿یا أبت افعل ما تؤمر ستجدني إن شاء اللّٰه من الصابرین﴾(۲۲)،

---

(۱۸) سورة حج: ۳۵

(۱۹) سورة یوسف: ۱۸

(۲۰) سورة یوسف: ۸۳

(۲۱) سورة ص: ٤٤

(۲۲) سورة صافات: ۱۰۲

یعنی: ''اے باپ جو تجھے کہا جاتا ہے، وہ کرگزر، خدا نے چاہا تو تو مجھے صابروں میں سے پائے گا''۔

مشکلات کو خاطر میں نہ لانا

صبر کا تیسرا مفہوم یہ ہے کہ منزلِ مقصود کی راہ میں جو مشکلیں اور خطرے پیش آئیں، دشمن جو تکلیفیں پہنچائیں اور مخالفین جو طعن وطنز کریں، ان میں کسی چیز کو خاطر میں نہ لایا جائے اور ان سے بددل اور پست ہمت ہونے کے بجائے اور زیادہ استقلال اور استواری پیدا ہو، بڑے بڑے کام کرنے والوں کی راہ میں یہ روڑے اکثر اٹکائے گئے مگر انہوں نے استقلال اور مضبوطی کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا اور کامیاب ہوئے۔

اس قسم کے مواقع اکثر انبیاء علیہم السلام کو پیش آئے، چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس اعلیٰ مثال کی پیروکاری کا حکم ہوا: ﴿فاصبر كما صبر أولو العزم من الرسل ولا تستعجل لهم﴾(۲۳) یعنی: ''(اے محمد!) تو بھی اسی طرح پامردی کر جس طرح پختہ ارادہ والے پیغمبروں نے کی، اور ان (مخالفوں) کے لئے جلدی نہ کر''۔

حضرت لقمان علیہ السلام کی زبان سے بیٹے کو یہ نصیحت سنائی گئی کہ حق کی دعوت وتبلیغ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض پوری استواری سے ادا کر اور اس راہ میں جو مصیبتیں پیش آئیں ان کا مردانہ وار مقابلہ کر:

> ﴿وامر بالمعروف وانه عن المنكر واصبر على ما أصابك إن ذلك من عزم الأمور﴾(٢٤)، یعنی: ''نیکی کا حکم کر اور برائی سے روک اور جو مصیبت پیش آئے اس کو برداشت کر، یہ بڑی پختہ باتوں میں سے ہے''۔

کفار عذابِ الٰہی کے جلد نہ آنے یا حق کی ظاہری بے کسی وبے بسی کے سبب سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے دلدوز طعنوں سے تکلیفیں پہنچاتے تھے، حکم ہوا کہ ان طعنوں کی پروا نہ کر اور نہ ان سے دل کو اداس کر، بلکہ اپنی دھن میں لگا رہ، اور دیکھ کہ تجھ سے پہلے پیغمبروں نے کیا کیا۔ ﴿اصبر على مايقولون واذكر عبدنا داود﴾(۲۵)، یعنی:

(۲۳) سورة احقاف: ۳۵

(٢٤) سورة لقمان: ١٧

(۲۵) سورة ص:۱۷

''ان کے کہے پر صبر کراور ہمارے بندہ داؤد کو یاد کر''۔

اس قوتِ صبر کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ خدا سے لو لگائی جائے اور اس کی طاقت پر بھروسہ کیا جائے۔ ﴿فاصبر علی مایقولون وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس﴾(٢٦)، یعنی: ''تو اُن کے کہنے پر صبر کر اور صبح وشام اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ پاکی بیان کر''۔

نہ صرف یہ کہ مخالفوں کے اس طعن وطنز کا دھیان نہ کیا جائے بلکہ اس کے جواب میں ان سے لطف ومروت برتا جائے، فرمایا: ﴿واصبر علی مایقولون واهجر هم هجراً جميلاً﴾(٢٧)، یعنی: ''ان کے کئے پر صبر کر، اور ان سے خوبصورتی سے الگ ہو جا''۔

درگذر کرنا

صبر کا چوتھا مفہوم یہ ہے کہ برائی کرنے والوں کی برائی کو نظر انداز اور جو بدخواہی سے پیش آئے اور تکلیفیں دے، اس کے قصور کو معاف کیا جائے، یعنی تحمل اور برداشت میں اخلاقی پامردگی دکھائی جائے، قرآن پاک کی کئی آیتوں میں صبر اس مفہوم میں استعمال ہوا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وإن عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعو قبتم به ولئن صبرتم لهو خيرٌ للصابرين ○ واصبر وما صبرك إلا بالله ولا تحزن عليهم ولا تك في ضيق مما يمكرون﴾(٢٨)، یعنی: ''اور اگر تم سزا دو تو اسی قدر جس قدر تم کو تکلیف دی گئی، اور البتہ اگر صبر (برداشت) کرو تو صبر کرنے والوں کے لئے یہ بہتر ہے اور تو صبر کر، اور تیرا صبر کرنا نہیں، لیکن خدا کی مدد سے، اور ان کا غم نہ کر اور نہ ان کی سازشوں سے دل تنگ ہو''۔

یہ صبر کی وہ قسم ہے جو اخلاقی حیثیت سے بہت بڑی بہادری ہے، مسلمانوں کو اس بہادری کی تعلیم بار بار دی گئی ہے، اور بتایا گیا ہے کہ یہ صبر وبرداشت کمزوری سے یا دشمن کے خوف سے یا کسی اور سبب سے نہ ہو، بلکہ صرف خدا کے لئے ہو:

---

(٢٦) سورة ق: ٣٩

(٢٧) سورة مزمل: ١٠

(٢٨) سورة نحل: ١٢٦-١٢٧

﴿والذين صبروا ابتغاء وجه ربهم وأقاموا الصلوة وأنفقوا مما رزقنا هم سراً وعلانية ويدرءُون بالحسنة السيئة أولئك لهم عقبى الدار﴾(۲۹)، یعنی: ''اور جنہوں نے اپنے پروردگار کی ذات کے لئے صبر کیا اور نماز قائم کی، اور جو ہم نے ان کو روزی دی اس میں سے چھپے اور علانیہ (راہ خدا میں) خرچ کیا اور برائی کو نیکی سے دفع کرتے ہیں، ان کے لئے آخرت کا انجام ہے''۔

فرشتے ان کو مبارک باد دیں گے اور کہیں گے: ﴿سلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار﴾(۳۰)، یعنی: ''تم پر سلامتی ہو کیونکہ تم نے صبر کیا تھا، تو آخرت کا انجام کیا اچھا ہوا''۔

ایک خاص بات اس آیت میں خیال کرنے کے لائق ہے، کہ اس کے شروع میں چند نیکیوں کا ذکر ہے، صبر، نماز، خیرات، برائی کی جگہ بھلائی مگر فرشتوں نے اس مومن کے جس خاص وصف پر اس کو سلامتی کی دعا دی، وہ صرف صبر یعنی برداشت کی صفت ہے کیونکہ یہی اصل ہے جس میں یہ جوہر ہوگا وہ عبادت کی تکلیف بھی اٹھائے گا، مصیبتوں کو بھی جھیلے گا اور دشمنوں کی بدی کا جواب نیکی سے بھی دے گا، چنانچہ ایک اور آیت میں اس کی تشریح بھی کردی گئی ہے کہ درگزر اور بدی کے بدلہ نیکی کی صفت اس میں ہوگی، جس میں صبر ہوگا۔

﴿ولا تستوي الحسنة ولا السيئة ادفع بالتي هي أحسن فإذا الذي بينك وبينه عداوة كأنه ولي حميم وما يلقّها إلا الذين صبروا وما يلقّها إلا ذو حظ عظيم﴾(۳۱)، یعنی: ''بھلائی اور برائی برابر نہیں، برائی کا جواب اچھائی سے دو، تو یکبارگی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے، وہ قریبی دوست سا ہو جائے گا، اور یہ بات اسی کو ملتی ہے جو صبر کرتے ہیں، اور یہ اسی کو ملتی ہے جو بڑی قسمت والا ہے''۔

جو لوگوں پر ظلم کرتے پھرتے ہیں اور ملک میں ناحق فساد برپا کرتے رہتے ہیں ان پر خدا کا عذاب ہوگا، اس لئے ایک صاحب عزم مسلمان کا فرض یہ ہے کہ دوسرے اس پر ظلم کریں تو بہادری سے اس کو برداشت

---

(۲۹) سورة رعد: ۲۲

(۳۰) سورة رعد: ۲۳

(۳۱) سورة حم سجده: ۳٤-۳۵

کرے اور معاف کردے، فرمایا:

﴿إنما السبیل علی الذین یظلمون الناس ویبغون في الارض بغیر الحق أولئك لهم عذاب ألیم ۝ ولمن صبر وغفر ان ذلك لمن عزم الأمور﴾(۳۲)، یعنی: ''راستہ انہیں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں، اور ملک میں ناحق فساد کرتے ہیں، یہی ہیں جن کے لئے پردرد عذاب ہے، اور البتہ جس نے برداشت کیا، اور بخش دیا، بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے''۔

ثابت قدمی

صبر کا پانچواں اہم مفہوم لڑائی پیش آجانے کی صورت میں میدانِ جنگ میں بہادرانہ استقامت اور ثابت قدمی ہے، قرآن پاک نے اس لفظ کو اس مفہوم میں بارہا استعمال کیا ہے اور ایسے لوگوں کو جو اس وصف سے متصف ہوئے، صادق القول اور راست باز ٹھہرایا ہے، کہ انہوں نے خدا سے جو وعدہ کیا تھا، پورا کیا، فرمایا:

﴿والصابرین في البأساء والضرّاء وحین البأس أولئك الذین صدقوا وأولئك هم المتقون﴾(۳۳)، یعنی: ''اور صبر کرنے والے (ثابت قدمی دکھانے والے) مصیبت میں اور نقصان میں اور لڑائی کے وقت، وہی ہیں جو سچ بولے اور وہی پرہیزگار ہیں''۔

اگر لڑائی آپڑے تو اس میں کامیابی کی چار شرطیں ہیں، خدا کی یاد، امامِ وقت کی اطاعت، آپس میں اتحاد و موافقت اور میدانِ جنگ میں بہادرانہ صبر و استقامت۔

﴿یا أیها الذین آمنوا إذا لقیتم فئةً فاثبتوا واذکروا الله کثیراً لعلکم تفلحون ۝ واطیعوا الله ورسوله ولاتنازعوا فتفشلوا وتذهب ریحکم واصبروا إن الله مع الصابرین﴾(۳٤)، یعنی: اے ایمان والو! جب تم کسی دستہ سے مقابل ہو، تو

---

(۳۲) سورة شوریٰ: ٤

(۳۳) سورة بقره: ۲۲

(۳٤) سورة انفال: ٦

ثابت قدم رہو، اور اللہ کو بہت یاد کرو، تاکہ فلاح پاؤ، اور خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو، اور آپس میں جھگڑو نہیں، ورنہ تم سست ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، اور صبر دکھاؤ، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔

حق کے مددگاروں کی ظاہر قلتِ تعداد کی تلافی اسی صبر وثبات کی روحانی قوت سے ہوتی ہے، تاریخ کی نظر سے یہ مشاہدے اکثر گزرے ہیں کہ چند مستقل مزاج اور ثابت قدم بہادروں نے فوج کی فوج کو شکست دے دی ہے، اسلام نے یہ نکتہ اسی وقت اپنے جانثاروں کو سکھا دیا تھا، جب ان کی تعداد تھوڑی اور دشمنوں کی بڑی تھی:

﴿یا أیها النبي حرض المؤمنین علی القتال إن یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین وإن یکن منکم مائة یغلبوا ألفاً من الذین کفروا بأنهم قوم لا یفقهون ○ الآن خفف اللّٰه عنکم وعلم أن فیکم ضعفاً فإن یکن منکم مائة صابرة یغلبوا مأتین وإن یکن منکم ألف یغلبوا ألفین بإذن اللّٰه واللّٰه مع الصبرین﴾(۳۵).

یعنی: ''اے پیغمبر! ایمان والوں کو (دشمنوں کی) لڑائی پر ابھار، اگر یہ بیس صبر کرنے والے (ثابت قدم) ہوں تو وہ دوسو پر غالب ہوں گے، اور اگر سو ہوں تو کافروں میں سے ہزار پر غالب ہوں گے، کیونکہ وہ لوگ سمجھتے نہیں، اب اللہ نے تم سے تخفیف کر دی اور اس کو معلوم ہے کہ تم میں کمزوری ہے، تو اگر سو صبر کرنے والے (ثابت قدم) ہوں تو دوسو پر غالب ہوں گے اور اگر ہزار (صبر والے) ہوں تو دو ہزار پر خدا کے حکم سے غالب ہوں گے، اور اللہ صبر کرنے والوں (ثابت قدموں) کے ساتھ ہے''۔

میدانِ کارزار میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی عددی قلت کی پروا نہ کریں، اور صبر وثبات کے ساتھ اپنے سے دو چند کا مقابلہ کریں، اور تسلی دی گئی کہ اللہ تعالیٰ کی مدد انہی لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو صبر اور ثبات سے کام لیتے ہیں، حضرت طالوت اور جالوت کے قصہ میں بھی اسی نکتہ کو ان لفظوں میں ادا کیا گیا ہے:

﴿قالوا لا طاقة لنا الیوم بجالوت وجنوده قال الذین یظنون أنهم مُلقو

(۳۵) سورة انفال: ۹

اللّٰہ کم من فئۃٍ قلیلۃٍ غلبت فئۃً کثیرۃً بإذن اللّٰہ واللّٰہ مع الصابرین O ولما برزوا لـجالـوت وجنودہٖ قالوا ربنا أفرغ علینا صبراً وثبت أقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین﴾(۳٦).

یعنی: "طالوت کے ساتھیوں نے کہا کہ آج ہم میں جالوت اوراس کی فوج کے مقابلہ کی طاقت نہیں، انہوں نے جن کو خیال تھا کہ خدا سے ملنا ہے، یہ کہا کہ بسااوقات تھوڑی تعداد کے لوگ خدا کے حکم سے بڑی تعداد کے لوگوں پر غالب آئے ہیں، اور خدا صبر وثبات دکھانے والوں کے ساتھ ہے، اور جب یہ جالوت اور اس کی فوج کے مقابلہ میں آئے، تو بولے، اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبر بہا اور ہم کو ثابت قدمی بخش اور ان کافروں کے مقابلہ میں ہم کو نصرت عطا کر"۔

اللہ تعالیٰ نے کمزور اور قلیل التعداد مسلمانوں کی کامیابی کی بھی یہی شرط رکھی ہے، اور بتادیا ہے کہ خدا انہیں کا ہے جو صبر اور ثبات سے کام لیتے ہیں، اور خدا کے بھروسہ پر مشکلات کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں، چنانچہ ارشاد ہے: ﴿ثم إن ربك للذین ھاجروا من بعد ما فتنوا ثم جاھدوا وصبروا﴾(۳۷)، یعنی: "پھر تیرا پروردگار ان کے لئے ہے جنہوں نے ایذاء پانے کے بعد گھر بار چھوڑا، پھر لڑتے رہے اور صبر وثبات کے ساتھ ٹھہرے رہے"۔

دنیا کی سلطنت وحکومت ملنے کے لئے بھی اسی صبر واستقامت کے جوہر پیدا کرنے کی ضرورت ہے، بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نکلنے کے بعد اطرافِ ملک کے کفار سے جب مقابلہ آپڑا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو پہلا سبق یہ سکھایا:

﴿قـال موسیٰ لقومہ استعینوا باللّٰہ واصبروا إن الأرض للّٰہ یورثھا من یشاء مـن عبـادہ والعاقبۃ للمتقین﴾(۳۸)، یعنی: "موسیٰ نے اپنے لوگوں سے کہا، کہ خدا سے مدد

---

(۳٦) سورۃ بقرہ: ۲۴۹–۲۵۰

(۳۷) سورۃ نحل: ۱۱۰

(۳۸) سورۃ اعراف: ۱۲۸

چاہو اور صبر واستقامت سے کام لو، بے شک زمین خدا کی ہے، وہ جس کو چاہتا ہے، اپنے بندوں میں سے اس کا مالک بناتا ہے، اور انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے''۔

چنانچہ بنی اسرائیل مصر وشام وکنعان کی آس پاس بسنے والی بت پرست قوموں سے تعداد میں بہت کم تھے، لیکن جب انہوں نے ہمت دکھائی، اور بہادرانہ استقامت اور صبر اور ثابت قدمی سے مقابلے کئے تو ان کی ساری مشکلیں حل ہوگئیں، اور کثیر التعداد دشمنوں کے نرغہ میں پھنسے رہنے کے باوجود ایک مدت تک خود مختار سلطنت پر قابض اور دوسری قوموں پر حکومت کرتے رہے، اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی اس کامیابی کا راز اسی ایک لفظ میں ظاہر کیا ہے، فرمایا:

﴿وأورثنا القوم الذين كانوا يستضعفون مشارق الأرض ومغاربها التي باركنا فيها وتمت كلمة ربك الحسنى على بني اسرائيل بما صبروا ودمرنا ما كان يصنع فرعون وقومه وما كانوا يعرشون﴾(٣٩).

یعنی: ''اور ان لوگوں کو جو کمزور سمجھے جاتے تھے، اس زمین کی وراثت بخشی جس میں ہم نے برکت نازل کی ہے، اور تیرے پروردگار کی اچھی بات بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر وثبات کے سبب سے پوری ہوئی اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کے کاموں کو اور تعمیروں کو برباد کردیا''۔

اس سے ظاہر ہوا کہ بنی اسرائیل جیسی کمزور قوم فرعون جیسی طاقت کے سامنے اس لئے سربلند ہوئی کہ اس نے صبر اور ثابت قدمی سے کام لیا، اور اسی کے نتیجہ کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ان کو شام کی بابرکت زمین کی حکومت عطا فرمائی، چنانچہ اسی کی تصریح اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے موقع پر یوں فرمائی:

﴿وجعلنا منهم أئمةً يهدون بأمرنا لما صبروا وكانوا بآياتنا يوقنون﴾(٤٠)، یعنی: ''اور بنی اسرائیل میں سے ہم نے ایسے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے راہ دکھاتے تھے، جب انہوں نے صبر کیا اور ہمارے حکموں پر یقین رکھتے تھے''۔

---

(٣٩) سورة اعراف: ١٣٧

(٤٠) سورة سجده: ٢٤

آیت بالا نے بنی اسرائیل کی گزشتہ پیشوائی کے دو سبب بیان کئے ہیں، ایک احکامِ الٰہی پر یقین اور دوسرے ان احکام کی بجا آوری میں صبر اور ثباتِ قدم، یہی دو باتیں دنیا کی ہر قوم کی ترقی کا سنگ بنیاد ہیں، پہلے اپنے اصول کے صحیح ہونے کا پختہ یقین اور پھر ان اصولوں کی تعمیل میں ہر قسم کی تکلیفوں اور مصیبتوں کو خوشی خوشی جھیل لینا۔

غزوۂ احد میں مسلمانوں کو فتح نہیں ہوئی بلکہ ستر مسلمان خاک وخون میں لتھڑ کر راہِ خدا میں جانیں دیتے ہیں، بعض مسلمانوں میں اس سے افسردگی پیدا ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے اس حزن وملال کے ازالہ کے لئے پچھلے پیغمبروں کی زندگی کی روداد ان کو سناتا ہے:

﴿وكأيّن من نبي قاتل معه ربيون كثير فما وهنوا لما أصابهم في سبيل الله وما ضعفوا وما استكانوا والله يحب الصبرين ٥ وما كان قولهم إلا أن قالوا ربنا اغفرلنا ذنوبنا وإسرافنا في أمرنا وثبت أقدامنا وانصرنا على القوم الكفرين﴾(٤١).

یعنی: ''اور کتنے پیغمبر ہیں جن کے ساتھ ہو کر بہت سے خدا کے طالب لڑے ہیں، پھر خدا کی راہ میں تکلیف اٹھا کر انہوں نے ہمت نہیں ہاری، اور نہ ان کے دل بودے ہوئے، اور اللہ ثابت رہنے والوں (صابرین) کو دوست رکھتا ہے اور وہ یہی کہتے رہے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہوں کو اور کام میں ہماری زیادتی معاف کر، اور ہمارے قدم ثابت قدم رکھ اور کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما''۔

اس آیت پاک نے غلط فہمیوں کے ان تہہ بہ تہہ پردوں کو چاک کر دیا ہے، جو صبر کی اصل حقیقت کے چہرہ پر پڑے ہیں، اور بتادیا کہ صبر دل کی کمزوری، بے بسی کی خاموشی اور بے کسی کے مجبورانہ درگزر کا نہیں، بلکہ دل کی انتہائی قوت وہمت کی بلندی، عزم کی استواری اور مشکلات اور مصائب کے خدا کو بھروسہ پر خاطر میں لانے کا نام ہے۔

ایک صابر کا کام یہ ہے کہ مخالف حادثوں کے پیش آجانے پر بھی وہ دل برداشتہ نہ ہو، ہمت نہ ہارے اور

---

(٤١) سورة ال عمران: ١٥

اپنے مقصد پر جمارہے اور خدا سے دعا کرتا رہے کہ وہ اس کی گزشتہ ناکامی کے قصور کو جو اس کی کمی (ذنب) یا زیادتی (اسراف) سے سرزد ہوا ہے، معاف فرمائے اور اس کو مزید ثباتِ قدم عطا کر کے حق کے دشمنوں پر کامیابی بخشے، اسی لئے اللہ تعالی نے کامیابی کے حصول کے لئے مسلمانوں کو دو باتوں کی تاکید فرمائی، ایک تو خدا کی طرف دل لگانا اور دوسرے مشکلات پر صبر واستقامت سے قابو پانا۔

دنیا کی فتح یابی کے ساتھ آخرت کا عیش بھی جس کا نام جنت ہے، انہی کے حصہ میں ہے، جن کو یہ پامردی، دل کی مضبوطی اور حق پر ثباتِ قدم کی دولت ملی، حق کی راہ میں مشکلات کے پیش آنے کی ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ ان سے کھرے کھوٹے کی تمیز ہو جاتی ہے، اور دونوں الگ الگ معلوم ہونے لگتے ہیں، چنانچہ فرمایا:

﴿أم حسبتم أن تدخلوا الجنة ولما يعلم الله الذين جاهدوا منكم ويعلم الصبرين﴾(٤٢)، یعنی: ”کیا تم سمجھتے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی اللہ نے (آزما کر) ان کو الگ نہیں کر دیا، جو لڑنے والے ہیں، اور جو ثابت قدم (صابر) ہیں“۔

ضبطِ نفس

اشخاص اور قوموں کی زندگی میں سب سے نازک موقع وہ آتا ہے جب وہ کسی بڑی کامیابی یا ناکامی سے دوچار ہوتی ہیں، اس وقت نفس پر قابو رکھنا اور ضبط سے کام لینا مشکل ہوتا ہے، مگر یہی ضبطِ نفس کا اصلی موقع ہوتا ہے، اور اسی سے اشخاص اور قوموں میں سنجیدگی، متانت، وقار اور کردار کی مضبوطی پیدا ہوتی ہے۔

دنیا میں غم و مسرت اور رنج و راحت تو عام ہیں، ان دونوں موقعوں پر انسان کو ضبطِ نفس اور اپنے آپ پر قابو کی ضرورت ہے، یعنی نفس پر اتنا قابو ہو کہ مسرت اور خوشی کے نشہ میں اس میں فخر و غرور پیدا نہ ہو، اور غم و تکلیف میں وہ اداس اور بددل نہ ہو، دل کے اندر دونوں عیبوں کا علاج صبر و ثبات اور ضبطِ نفس ہے، انسانی فطرت کے خالق کا کہنا ہے:

﴿ولئن أذقنا الإنسان منا رحمةً ثم نزعنا ها منه إنه ليؤوس كفورٌ،

---

(٤٢) سورة ال عمران: ١٤

أذقناه نعماء بعد ضراء مسته ليقولن ذهب السيئات عني إنه لفرح فخور ○ إلا الذين صبروا وعملوا الصلحت أولئك لهم مغفرة وأجر كبير﴾(٤٣).

یعنی: ''اور اگر ہم انسان کو اپنے پاس سے کسی مہربانی کا مزہ چکھائیں، پھر اس سے اس کو اتار لیں تو وہ ناامید اور ناشکرا ہو جاتا ہے اور اگر کوئی مصیبت کے بعد اس کو نعمت کا مزہ چکھائیں تو کہتا ہے کہ برائیاں مجھ سے دور ہو گئیں، بے شک وہ شادمان اور نازان ہے، لیکن وہ جنہوں نے صبر (یعنی نفس پر قابو) رکھا اور اچھے کام کئے یہ لوگ ہیں جن کے لئے معافی اور بڑا انعام ہے''۔

ہر طرح کی تکلیف اٹھا کر فرض کو ہمیشہ ادا کرنا

ہنگامی واقعات اور وقتی مشکلات پر صبر و پامردی سے ایک معنی میں بڑھ کر وہ صبر ہے، جو کسی فرض کو عمر بھر پورے استقلال اور مضبوطی سے ادا کرنے میں ظاہر ہوتا ہے، اسی لئے مذہبی فرائض و احکام کو جو بہرحال نفس پر سخت گزرتے ہیں، عمر بھر پوری مضبوطی سے ادا کرتے رہنا بھی صبر ہے، ہر حال اور ہر کام میں خدا کے حکم کی فرمانبرداری اور عبودیت پر ثباتِ نفسِ انسانی کا سب سے بڑا امتحان ہے، اسی لئے حکم ہوا:

﴿رب السمٰوت والارض ومابينهما فاعبده واصطبر لعبادته﴾(٤٤)

یعنی: ''آسمان کا پروردگار اور زمین کا، اور جو اِن دونوں کے بیچ میں ہے سب کا، تُو اس کی بندگی کر اور اس کی بندگی پر ٹھہرا رہ (صبر کر)''۔

ایک اور آیت میں نماز پڑھتے رہنے اور اپنے اہل و عیال پر بھی اس کی تاکید رکھنے کے سلسلہ میں ہے:

﴿وامر أهلك بالصلوة واصطبر عليها﴾(٤٥)، یعنی: اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کر اور آپ اس پر قائم رہ''۔ یعنی تمام عمر یہ فریضہ پابندی کے ساتھ ادا ہوتا رہے۔

---

(٤٣) سورة هود: ١٠-١١

(٤٤) سورة مريم: ٦٥

(٤٥) سورة طه: ١٣٢

حسبِ ذیل آیتوں میں غالباً صبر اسی مفہوم میں ہے وہ لوگ جو خدا کے سامنے حاضری کے دن سے ڈرا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ ان کو خوشخبری سناتا ہے:

﴿فوقاهم الله شرّ ذلك اليوم ولقاهم نضرة وسروراًo وجزاهم بما صبروا جنة وحريراً﴾(٤٦)، یعنی ''تو اللہ نے ان کو اس دن کی برائی سے بچالیا اور ان کو تروتازگی وشادمانی سے ملایا اور ان کے صبر کرنے (یعنی احکام الٰہی پر ٹھہرے رہنے) کے سبب سے باغ اور ریشمی لباس بدلہ میں دیا''۔

وہ لوگ جو خدا کی بارگاہ میں توبہ کریں، ایمان لائیں، نیک کام کریں، فریب کے کاموں میں شریک نہ ہوں، بے ہودہ اور لغو کاموں کے سامنے سے ان کو گزرنا پڑے تو بزرگی کے رکھ رکھاؤ سے گزر جائیں اور خدا کی باتوں کو سن کر اطاعت مندی سے اس کو قبول کریں اور اپنی اور اپنی اولاد کی بہتری اور پیشوائی کی دعائیں مانگیں، ان کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم کی یہ بشارت سناتا ہے:

﴿أولئك يجزون الغرفة بما صبروا﴾(٤٧)، یعنی: ''ان کو بہشت کا بالا خانہ بدلہ میں ملے گا کہ وہ صبر کرتے رہے''۔

ان دونوں آیتوں میں صبر کا مفہوم یہی ہے کہ نیک کاموں کو بار خاطر اور تکلیف ومشقت ہونے کے باوجود خوشی خوشی عمر بھر کرتے رہے اور بری باتوں سے باوجود اس کے کہ ان میں ظاہری خوشی اور آرام ہے، بچتے رہے، راتوں کو نرم بستروں سے اٹھ کر خدا کے آگے سربسجود ہونا، صبح کو خوابِ سحر کی لذت سے کنارہ کش ہو کر دوگانہ ادا کرنا، الوان نعمت کی لذتوں سے محروم ہو کر روزے رکھنا، تکلیف ومشقت ہونے کے باوجود خطرناک موقعوں پر بھی سچائی سے باز نہ آنا، قبولِ حق کی راہ میں شدائد کو آرام وراحت جان کر جھیل لینا، سود کی دولت سے ہاتھ اٹھالینا، حسن وجمال کی بے قید لذت سے متمتع نہ ہونا، غرض شریعت کے احکام کی بجا آوری اور پھر اس پر عمر بھر استواری اور پائیداری، صبر کی بہت ہی کڑی منزل ہے، اور اسی لئے ایسے صابروں کی جزا بھی خدا کے ہاں بھاری ہے۔ ان آیات پاک کی اس تشریح میں وہ حدیث یاد آتی ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

---

(٤٦) سورة دهر: ١١-١٢.

(٤٧) سورة فرقان: ٧٥

نے فرمایا:

"حجبت (حفت) الجنة بالمكارة وحجبت النار بالشهوات"(٤٨).

یعنی: "جنت ناخوشی کے کاموں، اور دوزخ نفسانی لذتوں کے کاموں سے ڈھانپی گئی ہے"۔

یعنی نیکی کے ان کاموں کا کرنا جن کا معاوضہ جنت ہے، اس وقت دنیا میں نفس پر شاق گزرتا ہے اور گناہوں کے وہ کام جن کی سزا دوزخ ہے اس وقت دنیا میں بڑے پرلطف اور لذت بخش معلوم ہوتے ہیں، اس عارضی وہنگامی ناخوشی یا خوشی کی پروا کیے بغیر احکامِ الٰہی کی پیروی کرنا بڑے صبر اور برداشت کا کام ہے، کسی قارون کے خزانہ مال ودولت کی فراوانی اور اسبابِ عیش کی بہتات کو دیکھ کر اگر کسی کے منہ میں پانی نہ بھر آئے اس وقت بھی مالِ حرام کی کثرت کے لالچ کے بجائے، مال حلال کی قلت کو صبر کر کے خوشی کے ساتھ برداشت کر لے، تو یہ بڑی قوت کا کام ہے، جو صرف صابروں کو ملی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جو قارون تھا، اس کے مال ودولت کو دیکھ کر بہت سے ظاہر پرست لالچ میں پڑ گئے، جن میں صبر وبرداشت کا جوہر تھا، ان کی چشم بینا اس وقت بھی کھلی ہوئی تھی، اور ان کو نظر آتا تھا کہ یہ فانی اور آنی جانی چیز کتنے دن کی ہے، خدا کی وہ دولت جو نیکوکاروں کو بہشت میں ملے گی، وہ لازوال، غیر فانی اور جاودانی ہے:

﴿قال الذين يريدون زينة الحيوة الدنيا يٰليت لنا مثل ما أوتي قارون إنه لذو حظ عظيم ٥ وقال الذين أوتوا العلم ويلكم ثواب الله خير لمن اٰمن وعمل صٰلحا ولا يلقٰها إلا الصٰبرون﴾(٤٩).

یعنی: "جو لوگ حیات دنیاوی کی آزمائش کے خواہاں تھے، وہ بولے: اے کاش!...... ہمارے پاس بھی وہ ہوتا جو قارون کو دیا گیا، وہ بڑا خوش قسمت ہے اور جنہیں علم

(٤٨) صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب حجبت النار بالشهوات، رقم الحديث: ٦٤٨٧، وصحيح مسلم، كتاب الجنة، وصفة نعيمها وأهلها: ٢١٧٤/٤، رقم الحديث: ٢٨٢٢

(٤٩) سورة قصص: ٧٩-٨٠

ملا تھا انہوں نے کہا تمہارا برا ہو، اللہ کی جزاء ان کے لئے جو ایمان لایا اور نیک کام کئے، سب سے اچھی چیز ہے اور اس حقیقت کو وہی پا سکتے ہیں، جو صابر ہیں''۔

یہ اجر اور جزا بہتر سے بہتر ہوگی، کیونکہ یہ اس خزانے سے ملے گی، جو لازوال اور باقی ہے:

﴿ما عند کم ینفد وما عند اللہ باقٍ، ولنجزین الذین صبروا أجرھم بأحسن ما کانوا یعملون﴾(۵۰)، یعنی: ''جو تمہارے پاس ہے، وہ چک جائے گا، اور جو خدا کے پاس ہے وہ رہ جانے والا ہے، اور یقیناً ہم ان کو جنہوں نے صبر کیا، ان کی مزدوری ان کے بہتر کاموں پر دیں گے''۔

ایک اور جگہ فرمایا کہ نمازیں ادا کیا کرو کہ نیکیاں بدیوں کو مٹا دیتی ہیں، اس پیغام میں نصیحت قبول کرنے والوں کے لئے نصیحت اور یاد دہانی ہے، اس کے بعد ہے:

﴿واصبر فإن اللہ لا یضیع أجر المحسنین﴾(۵۱)، یعنی: ''اور صبر کر کہ بے شک اللہ نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا''۔

صبر کے فضائل اور انعامات

یہ اجر کیا ہوگا، یہ حد اور شمار سے باہر ہوگا۔ ﴿إنما یوفی الصابرون أجرھم بغیر حساب﴾(۵۲)، یعنی: ''صبر کرنے والوں کو تو ان کا اجر بے حساب ملے گا''۔

جن محاسن اور صفات اور اعلیٰ اخلاق کا درجہ اس دنیا اور آخرت میں سب سے زیادہ ہے، ان میں صبر و برداشت کا بھی شمار ہے:

﴿إن المسلمین والمسلمات والمؤمنین والمؤمنات، والقٰنتین والقانتات، والصدقین والصادقات، والصبرین والصبرات، والخشعین

(۵۰) سورة نحل: ۹۶

(۵۱) سورة هود: ۱۱۵

(۵۲) سورة زمر: ۱۰

والخاشعات، والمتصدقين والمتصدقات، والصائمين والصائمات، والحفظين فروجهم والحافظات، والذاكرين الله كثيراً والذاكرات أعد الله لهم مغفرة وأجراً عظيما﴾(٥٣)

یعنی: ''بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان دار مرد اور ایمان دار عورتیں اور بندگی کرنے والے مرد اور بندگی کرنے والی عورتیں اور مشقت سہنے والے مرد (صابرین) اور مشقت سہنے والی عورتیں (صابرات) اور (خدا کے سامنے) جھکنے والے مرد اور جھکنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں، اور خدا کو بہت یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں، اللہ نے ان کے لئے تیار رکھی ہے، معافی اور بڑا اجر''۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ صبر کا مرتبہ بڑی بڑی نیکیوں کے برابر ہے، اس سے انسان کی پچھلی غلطیاں حرفِ غلط کی طرح مٹ جاتی ہیں اور دین و دنیا کا بڑا سے بڑا اجر اس کے معاوضہ میں ملتا ہے، یہی بشارت ایک اور آیت میں بھی ہے:

﴿الذين يقولون ربنا إننا آمنا فاغفرلنا ذنوبنا وقنا عذاب النار ٥ الصبرين والصدقين والقنتين والمنفقين والمستغفرين بالأسحار﴾(٥٤).

یعنی: ''(جنت اور خدا کی خوشنودی ان کو حاصل ہوگی) جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لاچکے، ہمارے گناہوں کو معاف کر اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا، اور صبر کرنے والے (یعنی مشکلات کی محنت کو اٹھا لینے والے) اور سچ بولنے والے اور بندگی میں لگے رہنے والے اور (خدا کی راہ میں) خرچ کرنے والے اور پچھلی راتوں کو

---

(٥٣) سورة احزاب: ٣٥

(٥٤) سورة ال عمران: ١٦-١٧

خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے والے''۔

اس آیت میں ایک عجیب نکتہ ہے، اس خوش قسمت جماعت کے اوصاف کا آغاز بھی دعا سے اور خاتمہ بھی دعا پر ہے، اور ان دونوں کے بیچ میں ان کے چار اوصاف گنائے ہیں، جن میں پہلا درجہ صبر، یعنی مشقت سہنے، تکلیف جھیلنے اور پامردی دکھانے کا ہے، دوسرا راستی اور راست بازی کا، تیسرا خدا کی بندگی وعبودیت کا، اور چوتھا راہِ خدا میں خرچ کرنے کا۔

فتحِ مشکلات کی کنجی صبر اور دعا

بعض آیتوں میں ان تمام اوصاف کو صرف دو لفظوں میں سمیٹ لیا گیا ہے، دعا اور صبر، اور فرمایا گیا ہے کہ یہی دو چیزیں مشکلات کے طلسم کی کنجی ہیں، یہود جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیغام کو قبول نہیں کرتے تھے، اس کے دو سبب تھے، ایک یہ کہ ان کے دلوں میں گداز اور تاثر نہیں رہا تھا، اور دوسرے یہ کہ پیغامِ حق قبول کرنے کے ساتھ ان کو جو جانی و مالی دشواریاں پیش آئیں، یہ عیش وعشرت اور ناز ونعمت کے خوگر ہو کر ان کو برداشت نہیں کر سکتے تھے، اسی لئے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طب روحانی نے ان کی بیماری کے لئے یہ نسخہ تجویز کیا:

﴿واستعينوا بالصبر والصلوة﴾(۵۵)، یعنی: ''اور صبر (محنت اٹھانے) اور دعا مانگنے سے قوت پکڑو''۔

دعا سے ان کے دل میں اثر اور طبیعت میں گداز پیدا ہوگا اور صبر کی عادت سے قبولِ حق کی راہ کی مشکلیں دور ہوں گی، ہجرت کے بعد جب قریش نے مسلمانوں کے برخلاف تلواریں اٹھائیں اور مسلمانوں کے ایمان کے لئے اخلاص کی ترازو میں تلنے کا وقت آیا تو یہ آیتیں نازل ہوئیں:

﴿يا أيها الذين امنوا استعينوا بالصبر والصلوة إن الله مع الصابرين ۝ ولا تقولوا لمن يقتل فى سبيل الله أموات بل أحياء ولكن لاتشعرون ۝

(۵۵) سورة بقره: ۱۵۳

ولنبلونكم بشيءٍ من الخوف والجوع ونقصٍ من الأموال والا نفس والثمرات وبشر الصّبرين ٥ الذين إذا أصابتهم مصيبة قالوا إنا لله وانا إليه راجعون ٥ أولئك عليهم صلوات من ربهم ورحمة وأولئك هم المهتدون٥﴾(٥٦).

یعنی: ''اے ایمان والو! صبر (ثابت قدمی) اور دعا سے قوت پکڑو بے شک اللہ صبر والوں (ثابت قدم رہنے والوں) کے ساتھ ہے، اور جو خدا کی راہ میں مارے جاتے ہیں ان کو مردہ نہ کہو، بلکہ زندہ ہیں، لیکن تم کو خبر نہیں، اور ہم تم کو کسی قدر خطرہ اور بھوک اور مال وجان اور پیداوار کے کچھ نقصان سے آزمائیں گے، اور صبر والوں (یعنی ثابت قدم رہنے والوں) کو خوشخبری سنادو جن کو جب کوئی مصیبت پیش آئے تو کہیں کہ ہم اللہ کے ہیں، اور ہم کو اللہ ہی کے پاس لوٹ کر جانا ہے، یہ لوگ ہیں، ان پر ان کے پروردگار کی شاباش اور مہربانیاں ہیں اور یہی ہیں ٹھیک راہ پر''۔

ان آیات نے بتایا کہ مسلمانوں کو کیونکر زندہ رہنا چاہیے، جان ومال کی جو مصیبت پیش آئے اس کو صبر، ضبط نفس اور ثابت قدمی سے برداشت کریں، اور یہ سمجھیں کہ ہم خدا کے محکوم ہیں، آخر بازگشت اسی کی طرف ہوگی، اس لئے حق کی راہ میں مرنے اور مال ودولت کولٹانے سے ہم کو دریغ نہ ہونا چاہیے، اگر اس راہ میں موت بھی آجائے تو وہ حیاتِ جاوید کی بشارت ہی ہے(۵۷)۔

☆☆......☆☆

---

(٥٦) سورة بقره: ١٥٣-١٥٧

(٥٧) سيرة النبي: ٢٤٦/٥

٢١ – باب : «وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ» /الطلاق: ٣/.

وَقَالَ الرَّبِيعُ بْنُ خُثَيْمٍ : مِنْ كُلِّ مَا ضَاقَ عَلَى النَّاسِ.

توکل کے لغوی اور اصطلاحی معنی

توکل کے لغوی معنی بھروسہ کرنے اور کسی پر اعتماد کرنے کے آتے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں توکل کے معنی ہیں: اسباب اختیار کر کے نتائج کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور اعتماد کرنا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وأصل التوكل الوكول، ويقال: وكلت أمري إلى فلان، أي: ألجأتُه إليه، واعتمدتُ فيه عليه، والمراد بالتوكل اعتقاد مادلَّت عليه هذه الآية ﴿وما من دابة في الارض إلا على الله رزقها﴾(١).

یعنی: "توکل، وکول سے ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: وكلتُ أمري إلى فلان، یعنی میں نے فلاں شخص کو اپنا معاملہ سپرد کر دیا اور اس معاملہ میں میں نے اس پر بھروسہ کیا، توکل سے مراد اِس آیت کے مدلول کا اعتقاد رکھنا ہے، ﴿ومامن دابة في الأرض إلا على الله رزقها﴾".

یاد رہے کہ توکل اسباب ترک کرنے اور جد و جہد اور کوشش کو چھوڑنے کا نام نہیں۔

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب لکھتے ہیں:

"توکل کے لفظی معنی بھروسہ کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں خدا پر بھروسہ کرنے کو کہتے ہیں لیکن کسی بات میں بھروسہ کرنا، کسی کام کے کرنے میں یا نہ کرنے میں؟ جھوٹے صوفیوں نے ترکِ عمل، اسباب وتدابیر سے بے پروائی اور خود کام نہ کر کے دوسروں کے سہارے جینے کا نام توکل رکھا ہے، حالانکہ توکل نام ہے کسی کام کو پورا ارادہ وعزم اور

(١) فتح الباري: ١١/ ٢٧٠

تدبیر وکوشش کے ساتھ انجام دینے اور یہ یقین رکھنے کا کہ اگر اس کام میں بھلائی ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں ضروری ہم کو کامیاب فرمائے گا۔

اگر تدبیر اور جدوجہد وکوشش کا ترک ہی توکل ہوتا، تو دنیا میں لوگوں کو سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ پیغمبروں کو مبعوث نہ کرتا اور نہ ان کو اپنی تبلیغ، رسالت کے لئے جدوجہد اور سعی وسرگرمی کی تاکید فرماتا اور نہ اس راہ میں جان ومال کی قربانی کا حکم دیتا، نہ بدرواحد اور خندق وحنین میں سواروں، تیراندازوں، زرہ پوشوں اور تیغ آزماؤں کی ضرورت پڑتی اور نہ رسول کو ایک ایک قبیلہ کے پاس جاجا کر حق کی دعوت کا پیغام سنانے کی حاجت ہوتی۔

توکل مسلمانوں کی کامیابی کا اہم راز ہے، حکم ہوتا ہے کہ جب لڑائی یا کوئی مشکل کام پیش آئے، تو سب سے پہلے اس کے متعلق لوگوں سے مشورہ لے لو، مشورہ کے بعد جب رائے ایک نقطہ پر ٹھہر جائے تو اس کے انجام دینے کا عزم کرلو، اور اس عزم کے بعد کام کو پوری مستعدی اور تندہی کے ساتھ کرنا شروع کردو، اور خدا پر توکل اور بھروسہ رکھو کہ وہ تمہارے کام کا حسب خواہش نتیجہ پیدا کرے گا، اگر ایسا نتیجہ نہ نکلے تو اس کو خدا کی حکمت ومصلحت اور مشیت سمجھو، اور اس سے مایوس اور بودے نہ بنو، اور جب نتیجہ خاطر خواہ نکلے تو یہ غرور نہ ہو کہ یہ تمہاری تدبیر اور جدوجہد کا نتیجہ اور اثر ہے، بلکہ یہ سمجھو کہ خدا تعالیٰ کا تم پر فضل وکرم ہوا اور اسی نے تم کو کامیاب اور بامراد کیا۔ آل عمران میں ہے:

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ، إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾.

''اور کام (یا لڑائی) میں ان سے مشورہ لے لو، پھر جب پکا ارادہ کرلو تو اللہ پر بھروسہ رکھو، بے شک اللہ (اللہ پر) بھروسہ رکھنے والوں کو پیار کرتا ہے، اگر اللہ تمہارا مددگار ہو تو کوئی تم پر غالب نہ آسکے گا اور اگر وہ تم کو چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرسکے، اور اللہ ہی پر چاہیے کہ ایمان والے بھروسہ رکھیں''۔

ان آیات نے توکل کی پوری اہمیت اور حقیقت ظاہر کردی، کہ توکل بے وسعت وپائی اور ترکِ عمل کا نہیں، بلکہ اس کا نام ہے کہ پورے عزم وارادہ اور مستعدی سے کام کو انجام دینے کے ساتھ اثر اور نتیجہ کو خدا کے بھروسہ پر چھوڑ دیا جائے، اور یہ سمجھا جائے کہ خدا مددگار ہے تو کوئی ہم کونا کام نہیں کرسکتا، اور اگر وہی نہ چاہے تو کسی کی کوشش ومدد کارآمد نہیں ہوسکتی، اس لئے ہر مومن کا فرض ہے کہ وہ اپنے کام میں خدا پر بھروسہ رکھے" (۲)۔

وقال الربیع بن خُثَیْم: من کل ماضاق علی الناس

ربیع بن خثیم جلیل القدر تابعی اور مشہور بزرگ ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی صحبت میں رہے اور حضرت ان سے فرمایا کرتے: لورآك رسول الله لأحبك یعنی اگر رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ کو دیکھتے تو آپ سے محبت کرتے (۳)۔

یہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی آیت ﴿ومن یتق الله یجعل له مخرجا﴾ (جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا، اللہ اس کے لئے نکلنے کا راستہ بنادے گا) میں مخرج سے مراد نکلنے کا راستہ ہے، یعنی لوگوں کی تنگی سے، اس کے لئے سبیل پیدا ہوگی اور ہر تنگی سے وہ نکل سکے گا۔

طبرانی نے اس تعلیق کو موصولاً نقل کیا ہے (۴)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے ربیع بن خثیم کی اس تعلیق کو "ومن یتق الله......" سے متعلق نہیں کیا، بلکہ "ومن یتوکل علی الله فهو حسبه" سے متعلق مانا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"من کلّ ماضاق أرادَ ﴿من یتوکل علی الله فهو حسبه﴾ مِنْ کل ماضاق علی الناس، وقال الکرماني: من کل ماضاق یعني: التوکل علی الله عام من کل أمر مضیق علی الناس، یعني: لا خصوصیة في التوکل في أمر، بل هو جار في جمیع الأمور التی تضیق علی الناس"(۵).

---

(۲) سیرة النبی صلی الله علیه وسلم: ۲۲۷/۵، ۲۲۸

(۳) فتح الباري: ۳۷۰/۱۱، وعمدة القاري: ۱۰۵/۲۳

(٤) فتح الباري: ۳۷۰/۱۱، وإرشاد الساري: ٤٧١/١٣

(٥) عمدة القاري: ۱۰۵/۲۳

یعنی: "مِنْ کل ماضاق" سے ان کی مراد یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ رکھے گا، تو اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہر تنگی سے اس کے لئے کافی ہوگا، علامہ کرمانی کہتے ہیں: "من کل ماضاق" سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کسی خاص امر میں مقصود نہیں ہے، بلکہ تمام ایسے امور میں اللہ تعالیٰ پر توکل کیا جاسکتا ہے، جو لوگوں پر تنگی کا باعث بنتے ہیں"۔

٦١٠٧ : حدَّثني إسْحٰقُ : حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قالَ : سَمِعْتُ حُصَيْنَ ٱبْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قالَ : كُنْتُ قاعِدًا عِنْدَ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ فَقَالَ : عَنِ ٱبْنِ عَبَّاسٍ : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قالَ : (يَدْخُلُ الجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ ، هُمُ الَّذِينَ لَا يَسْتَرْقُونَ ، وَلَا يَتَطَيَّرُونَ ، وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ) . [ر : ٣٢٢٩]

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت کے ستر ہزار افراد بے حساب جنت میں جائیں گے، یہ وہ لوگ ہیں جو جھاڑ پھونک نہیں کرتے بدفالی نہیں لیتے اور اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں۔

حدیث کی مناسبت ترجمۃ الباب سے واضح ہے۔

٢٢ - باب : ما يُكْرَهُ مِنْ قِيلَ وَقالَ .

قیل وقال میں دو احتمال ہیں:

❶ یہ دونوں فعل ہیں، قیل ماضی مجہول اور قال ماضی معروف ہے، دونوں کا آخری حرف جو کہ لام ہے مبنی بر فتحہ ہونے کی وجہ سے مفتوح پڑھا جائے گا، مقصد یہ ہے کہ کثرت کے ساتھ لوگوں کی باتیں نقل کرنا، قال کذا وکذا، قیل کذا وکذا (فلاں نے یہ بات کہی، وہ بات کہی، یہ کہا گیا، وہ کہا گیا) یہ مکروہ اور ایک ناپسندیدہ شغل ہے۔ بہت ساری باتیں غلط نقل ہو جاتی ہیں، کئی باتیں بذات خود غلط ہوتی ہیں۔

❷ دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ دونوں اسم ہیں، قیل اور قال دونوں بطور مصدر استعمال ہوتے ہیں، قال یقول

قَوْلاً وقِيْلاً وقالاً...... اس صورت میں "من قيلٍ وقالٍ" دونوں معرب اور مجرور ہوں گے اور آخری حرف لام پر تنوین پڑھی جائے گی اور مقصد اس صورت میں بھی واضح ہے کہ زیادہ بولنے اور بے فائدہ بحثیں کرنا پسندیدہ نہیں ہے(۱)۔

٦١٠٨ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ مُسْلِمٍ : حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ : أَخْبَرَنَا غَيْرُ وَاحِدٍ ، مِنْهُمْ مُغِيرَةُ وَفُلَانٌ وَرَجُلٌ ثَالِثٌ أَيْضًا ، عَنِ الشَّعْبِيِّ ، عَنْ وَرَّادٍ ، كَاتِبِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ : أَنَّ مُعَاوِيَةَ كَتَبَ إِلَى الْمُغِيرَةِ : أَنِ اكْتُبْ إِلَيَّ بِحَدِيثٍ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ ، قالَ : فَكَتَبَ إِلَيْهِ الْمُغِيرَةُ : إِنِّي سَمِعْتُهُ يَقُولُ عِنْدَ انْصِرَافِهِ مِنَ الصَّلَاةِ : (لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ) . ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ، قالَ : وَكانَ يَنْهٰى عَنْ قِيلَ وَقالَ ، وَكَثْرَةِ السُّؤَالِ ، وَإِضَاعَةِ الْمَالِ ، وَمَنْعٍ وَهَاتِ ، وَعُقُوقِ الْأُمَّهَاتِ ، وَوَأْدِ الْبَنَاتِ .

وَعَنْ هُشَيْمٍ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ قالَ : سَمِعْتُ وَرَّادًا يُحَدِّثُ هٰذَا الْحَدِيثَ ، عَنِ الْمُغِيرَةِ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . [ر : ٨٠٨]

حضرت معاویہؓ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کو خط لکھا کہ مجھے ایسی حدیث لکھ کر بھیجیں جو آپ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو، حضرت مغیرہ نے ان کو لکھا کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ پڑھتے تھے: "لا إله إلا الله......" "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، ملک اُسی کا ہے اور تمام تعریفیں اُسی کے لئے ہیں اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات تین مرتبہ پڑھے۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیل وقال

(١) فتح الباري: ١١/٣٧١، وعمدة القاري: ٢٣/١٠٦، وإرشاد الساري: ١٣/٤٧٣.

٦١٠٨ : (قيل وقال) فعلان ماضيان ، وهما كناية عن حكاية أقاويل الناس . (إضاعة المال) صرفه في غير حقه ومحله . (منع وهات) منع ما وجب من الحقوق وطلب ما ليس بحق . (عقوق الأمهات) الإساءة إليهن وقطع الصلة بهن وعدم الإحسان إليهن ، والعقوق من العق وهو الشق . (وأد البنات) دفنهن وهن أحياء .

(حجت بازی، اور زیادہ سوال کرنے) مال ضائع کرنے، اپنی چیز محفوظ رکھنے اور دوسروں کی چیز مانگتے رہنے، ماؤں کی نافرمانی کرنے اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے منع کرتے تھے۔

أخبرنا غير واحد، منهم مغيرة وفلان ورجل ثالث أيضاً عن الشعبي

ہشیم فرماتے ہیں کہ مجھے ایک سے زائد شیوخ نے حدیث سنائی، ان میں ایک مغیرہ بن مِقْسَم ہیں اور ایک فلاں ہیں، فلاں سے مجالد بن سعید مراد ہیں، جیسا کہ صحیح ابن خزیمہ میں ہے(۲)۔

اور ایک تیسرے آدمی نے بھی...... رجل ثالث سے مراد داود بن ابی ہند ہیں، جیسا کہ صحیح ابن حبان میں ہے، یا زکریا بن ابی زائدہ یا اسماعیل بن ابی خالد مراد ہیں جیسا کہ طبرانی کی روایت میں ہے(۳)۔

وعن هشيم أخبرنا عبدالملك...... یہ ماقبل سند کے ساتھ متصل ہے۔

٢٣ - باب : حِفْظِ اللِّسَانِ .

وَقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ : (مَنْ كانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ) .
وَقَوْلِهِ تَعَالَى : «ما يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ» /ق : ١٨/ .

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب کے اندر زبان کی حفاظت کی اہمیت بیان فرمائی۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے شعب الایمان میں حضرت ابوجحیفہ کی ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے، اس کے الفاظ ہیں:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أيّ الأعمال أحب إلى الله؟

قال: فسكتوا فلم يجبه أحد، قال: هو حفظ اللسان". یعنی: زبان کی حفاظت کرنا اللہ کے ہاں ایک محبوب عمل ہے(۱)۔

﴿مايلفظ من قول إلا لديه رقيب عتيد﴾ انسان کوئی بھی بات کرتا ہے، ایک نگہبان تیار فرشتہ

(٢) فتح الباري: ١١/٣٧٣، وإرشاد الساري: ١٣/ ٤٧٢

(٣) فتح الباري: ١١/٣٧٢، وإرشاد الساري: ١٣/٤٧٢

(١) شعب الإيمان للبيهقي، باب الرابع والثلاثون، باب في حفظ اللسان: ٤/٢٤٥، رقم الحديث: ٤٩٥٠

اس کے پاس موجود ہوتا ہے، وہ اس کو ضبط کرتا رہتا ہے، رقیب کے معنی نگہبان اور حافظ کے ہیں، اور عتید کے معنی تیار و حاضر کے ہیں۔

حضرت حسن بصری اور حضرت قتادہ کے نزدیک یہ فرشتہ انسان کی زبان سے نکلنے والے ہر کلمے کو ضبط کرتا ہے (۲)۔

اور حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت میں ہے کہ صرف وہ کلمات ضبط اور محفوظ کئے جاتے ہیں، جو باعثِ ثواب یا باعثِ عتاب ہوں (۳)۔

ایک اور روایت میں اس کی تفصیل ہے کہ ضبط اور محفوظ تو سب کلمات کئے جاتے ہیں، زبان سے نکلنے والا ہر کلمہ لکھا جاتا ہے، البتہ خیر اور شر سے متعلق کلمات باقی رکھے جاتے ہیں اور بقیہ مٹا دیئے جاتے ہیں، سورۂ رعد کی آیت کریمہ ﴿يمحو الله مايشاء ويثبت وعنده أم الكتاب﴾ میں اسی طرف اشارہ ہے (۴)۔

٦١٠٩ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ : حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عَلِيٍّ : سَمِعَ أَبَا حازِمٍ ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ ، عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قالَ : (مَنْ يَضْمَنْ لِي ما بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَما بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الجَنَّةَ) . [٦٤٢٢]

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے لئے جو شخص دونوں جبڑوں کے درمیان کی چیز (زبان اور دانت) اور دونوں پاؤں کے درمیان کی چیز (شرمگاہ) کی (حفاظت کی) ذمہ داری دے دے گا، میں اس کے لئے جنت کی ذمہ داری دے دوں گا۔

مابين لحييه

دو جبڑوں کے درمیان دو چیزیں ہیں، ایک زبان، دوم دانت۔ مقصد یہ ہے کہ جو شخص مجھے اس بات کی

(٢) فتح الباري: ١١/٣٧٤، وعمدة القاري: ٢٣/١٠٨، وإرشاد الساري: ١٣/٤٧٣

(٣) إرشاد الساري: ١٣/٤٧٣، ٤٧٤

(٤) فتح الباري: ١١/٣٧٤، عمدة القاري: ٢٣/١٠٨، وإرشاد الساري: ١٣/٤٧٤

ضمانت دے گا کہ وہ اپنی زبان کو حرام باتوں سے بچائے گا اور اپنے دانتوں کو اور منہ کو حرام چکھنے سے محفوظ رکھے گا، میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

مابين رجليه

اس سے شرم گاہ مراد ہے یعنی جو شخص اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے گا، شہوت پر قابو پائے گا، اور اس کو حرام سے بچائے گا تو اس کے لئے جنت کی ضمانت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لی ہے۔

٦١١٠ : حدّثني عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (مَنْ كانَ يُؤْمِنُ بِٱللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ ، وَمَن كانَ يُؤْمِنُ بِٱللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جارَهُ ، وَمَنْ كانَ يُؤْمِنُ بِٱللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ) . [ر : ٣١٥٣]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ اچھی بات کہے ورنہ خاموش رہے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔

٦١١١ : حدّثنا أَبُو الْوَلِيدِ : حَدَّثَنَا لَيْثٌ : حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ ، عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْخُزَاعِيِّ قالَ : سَمِعَ أُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِي : النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ : (الضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ ، جائِزَتُهُ) . قِيلَ : مَا جائِزَتُهُ ؟ قالَ : (يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ ، وَمَنْ كانَ يُؤْمِنُ بِٱللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ ، وَمَنْ كانَ يُؤْمِنُ بِٱللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَسْكُتْ) . [ر : ٥٦٧٣]

حضرت ابوشریح خزاعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے دونوں کانوں نے سنا ہے اور میرے دل نے محفوظ رکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا، مہمانی تین دن کی ہے اور اسی میں مہمان کا جائزہ (انعام) بھی ہے، پوچھا گیا کہ اس کا جائزہ

کیا ہے؟ فرمایا کہ ایک دن اور ایک رات (کی خاص مہمان نوازی) اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے اپنے مہمان کی عزت کرنی چاہیے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ اچھی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔

ابوالولید کا نام ہشام بن عبدالملک ہے، ابوشریح کا نام خویلد ہے۔

الضيافة ثلاثة ايام: جائزته ......

جائزته مرفوع ہے، یہ مبتدا ہے، خبر محذوف ہے، أي منها جائزته اور اس کو منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں، اس صورت میں اس کا فعل ناصب محذوف ہوگا، أي أعطُوا جائزته (۵).

٦١١٢/٦١١٣ : حدَّثني إبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ : حَدَّثَنِي ٱبْنُ أَبِي حازِمٍ ، عَنْ يَزِيدَ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ ، عَنْ عِيسَى بْنِ طَلْحَةَ التَّيْمِيِّ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ : سَمِعَ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ يَقُولُ : (إِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ ، مَا يَتَبَيَّنُ فِيهَا ، يَزِلُّ بِهَا فِي النَّارِ أَبْعَدَ مِمَّا بَيْنَ الْمَشْرِقِ) .

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، بندہ ایک بات کہتا ہے اور اس کے متعلق سوچتا نہیں (کہ کتنی غلط نازیبا بات ہے) جس کی وجہ سے وہ پھسل کے دوزخ میں مشرق اور مغرب کے فاصلے سے بھی زیادہ دور چلا جاتا ہے۔

ابن ابی حازم کا نام عبدالعزیز بن سلمہ بن دینار ہے، یزید کے والد کا نام عبداللہ ہے اور یہ ابن الہاد سے مشہور ہے، سند کے تمام راوی مدنی ہیں اور اس میں یزید، محمد بن ابراہیم اور عیسیٰ بن طلحہ تینوں تابعی ہیں (٦)۔

---

(٥) إرشاد الساري: ١٣/٤٧٧، وعمدة القاري: ٢٣/١٠٩، وقال: "لو صحت الرواية بالرفع كان تقديره: المتوجه عليكم جائزته".

(٦) فتح الباري: ١١/٣٨٦، وإرشاد الساري: ١٣/٤٧٧، وعمدة القاري: ٢٣/١٠٩

٦١١٢ : أخرجه مسلم في الزهد والرقائق ، باب : التكلم بالكلمة يهوي بها في النار (حفظ اللسان) ، رقم : **٢٩٨٨**.

(ما يتبين فيها) لا يتدبرها ولا يتفكر في قبحها وما يترتب عليها . (يزل بها) ينزلق بسببها ويقرب من دخول النار . (أبعد مما ..) وفي بعض النسخ (أبعد ما) كناية عن عظمها ووسعها ، كذا في جميع نسخ البخاري (أبعد مما بين المشرق) . وفي مسلم (أبعد ما بين المشرق والمغرب) .

أبعد مابين المشرق

صحیح بخاری کے نسخوں میں اسی طرح واقع ہے، لفظِ ''بین'' متعدد چیزوں پر دخول کا تقاضا کرتا ہے اور یہاں صرف مشرق کا ذکر ہے جو ایک ہے، متعدد نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مشرق معنوی لحاظ سے متعدد ہوسکتا ہے، مثلاً گرمی کے زمانے کا مشرق، سردی کے زمانے کے مشرق سے مختلف ہوتا ہے۔

اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہاں پر دو متقابلین میں سے ایک کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے۔

صحیح مسلم کی روایت میں "أبعد مابين المشرق والمغرب"...... مشرق مغرب دونوں کا ذکر ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"كذا في جميع النسخ التي وقعت لنا في البخاري، وكذا في رواية إسماعيل القاضي عن إبراهيم بن حمزة شيخ البخاري فيه عند أبي نعيم، وأخرجه مسلم والإسماعيلي من رواية بكر بن مضر عن يزيد بن الهاد بلفظ "أبعد مابين المشرق والمغرب" وشرحه الكرماني على ماوقع عند البخاري فقال: قوله "ما بين المشرق" لفظ بينَ يقتضي دخولَه على المتعدد، والمشرق متعدد معنىً؛ إذ مشرق الصيف غير مشرق الشتاء، وبينهما بُعدٌ كبير، ويحتمل أن يكون اكتفى بأحد المتقابلين عن الآخر مثل ﴿سرابيل تقيكم الحر﴾ [النحل: ٨١] قال: وقد ثبت في بعضها بلفظ "بين المشرق والمغرب".

(فتح الباري: ٣٧٦/١٠)

☆☆......☆☆

(٦١١٣) : حدّثني عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مُنِيرٍ : سَمِعَ أَبَا النَّضْرِ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ ، يَعْنِي ٱبْنَ دِينَارٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (إِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ ٱللهِ ، لَا يُلْقِي لَهَا بَالاً ، يَرْفَعُ ٱللهُ بِهَا دَرَجاتٍ ، وَإِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ ٱللهِ ، لَا يُلْقِي لَهَا بالاً ، يَهْوِي بِهَا فِي جَهَنَّمَ) .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، بندہ اللہ کی خوشنودی کے لئے ایک بات زبان سے نکالتا ہے، اس کو کوئی اہمیت نہیں دیتا، لیکن اسی کی وجہ سے اللہ اس کے درجے بلند کر دیتا ہے اور دوسرا بندہ ایک ایسا کلمہ زبان سے نکالتا ہے جو اللہ کی ناراضگی کا باعث ہوتا ہے، وہ اسے کوئی اہمیت نہیں دیتا لیکن اس کی وجہ سے وہ شخص جہنم میں چلا جاتا ہے۔

ابوالنضر کا نام ہاشم بن ابی القاسم ہے، اور ابوصالح، ذکوان سمان کی کنیت ہے۔

يَهْوِي بِهَا في جهنم

یعنی اس کلمہ کے ذریعے سے وہ جہنم میں گر جائے گا، هـوَى يَهْوِي ...... کے معنی ہیں: اوپر سے نیچے کی طرف گرنا۔ قرآن کریم میں ہے: ﴿والنجم إذا هوَى......﴾۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ کیا ہے ينزل فيها ساقطاً یعنی وہ جہنم میں گر جاتا ہے اور ایک روایت میں ہے ينـزل بها في النار اس لئے کہ جہنم کے نیچے تک مختلف طبقات ومقامات ہیں۔ بعض لوگوں نے أهوى اور هَوَى میں فرق کیا ہے اور کہا ہے کہ أهوى کے معنی ہیں: قریب سے گرنا، اور هَوَى کے معنی دور سے گرنے کے ہیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ حدیث نقل کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: لا يرى بها بأساً يهوي بها في النار سبعين خريفاً(٧).

ابن عبدالبر فرماتے ہیں "هي كلمة السوء عندالسلطان الجائر یعنی: "ظالم بادشاہ کی خوشنودی کی

(٧) الحديث أخرجة الترمذي في كتاب الزهد، باب فيمن تكلم بكلمة يضحك بها الناس: ٥٥٧/٤، رقم الحديث: ٢٣١٣، تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح الباري: ٣٧٧/١١، وعمدة القاري: ١١٠/٢٣

خاطر گناہ کی بات کہنا مراد ہے"۔

اور عز الدین ابن عبد السلام فرماتے ہیں:

"هي الكلمة التي لايُعْرَف حُسنُهَا مِنْ قبحها، فيحرم على الإنسان أن يتكلم بمالا يُعْرَف حُسْنُه مِنْ قبحه"(٨).

یعنی: "اس سے وہ کلمہ مراد ہے جس کے اچھے اور برے ہونے کی تمیز نہ ہو سکے، لہٰذا انسان کے لئے ایسی بات کرنا حرام ہے جس کی خوبی و بدی کی تمیز نہ ہو سکے"۔

حدیث باب کا مطلب

حدیث شریف کا مقصد یہ ہے کہ بسا اوقات انسان زبان سے کوئی جملہ نکالتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا جملہ ہوتا ہے، اس جملے کی اہمیت اور اس کی عظمت کا کہنے والے کو احساس بھی نہیں ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ اس کی بدولت کہنے والے کے درجات بلند فرما دیتے ہیں۔

اس کے برعکس، بسا اوقات انسان زبان سے کوئی کلمہ کہہ دیتا ہے، اس کی شناعت اور قباحت کا آدمی کو احساس نہیں ہوتا لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی پر مشتمل ایک سنگین جملہ ہوتا ہے، آدمی کو پتہ بھی نہیں چلتا، اور اس کی وجہ سے وہ جہنم میں چلا جاتا ہے۔

اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ زبان سے نکلنے والے ہر کلمے، ہر جملے کی ادائیگی سے پہلے غور

(٨) فتح الباري: ١١/٣٧٦، ٣٧٧، وإرشاد الساري: ١٣/٤٧٧

قال ابن بطال: قال أهل العلم: هي الكلمة عند السلطان بالبغي والسعي على المسلم، فربما كانت سبباً لهلاكه، وإن لم يرد ذلك الباغي، لكنها آلت إلى هلاكه، فكُتِبَ عليه إثم ذلك، والكلمة التي يكتب الله له بها رضوانه الكلمة يريد بها وجهَ الله بين أهل الباطل، أو الكلمة يدفع بها مظلمة عن أخيه المسلمِ، ويفرج عنه بها كربة من كرب الدنيا، فإن الله تعالىٰ يفرج عنه كربةً من كرب الآخرة، ويرفع بها درجات يوم القيامة. (شرح ابن بطال: ١١/١٨٩)

کیا جائے اور سوچ سمجھ کر زبان کھولی جائے کہ زبان کے اس چھوٹے سے گوشت کے ٹکڑے کا معاملہ بڑا حساس ہوتا ہے۔ جِرْمه صغير، وجُرْمه كبير (اس کا وجود چھوٹا لیکن جرم بڑا ہوسکتا ہے)۔

حضرت سفیان ابن عبداللہ ثقفی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یا رسول اللہ! میرے حق میں سب سے خطرناک چیز کیا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا: یہ۔ اسی طرح حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ انہوں نے بھی ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یا رسول اللہ! نجات کی کیا صورت ہے؟ آپ نے فرمایا: اپنی زبان کو قابو میں رکھیں (۹)۔

---

(۹) قال الحافظ ابن حجر رحمه الله:

وورد في فضل الصمت عدة أحاديث: منها حديث سفيان بن عبدالله الثقفي...... **قلت يا رسول الله ما أخوف ما تخاف علي؟ قال: هذا وأخذ بلسانه** أخرجه الترمذي، وقال حسن صحيح.

وتقدم في الإيمان حديث: **المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده.**

ولأحمد وصححه ابن حبان من حديث البراء: **وكف لسانك إلا من خير.**

وعن عقبة بن عامر: **قلت يا رسول الله ما النجاة؟ قال: أمسك عليك لسانك.** الحديث أخرجه الترمذي وحَسَّنَه.

وفي حديث معاذ مرفوعاً: **ألا أخبرك بملاك الأمر كله؟ كف هذا، وأشار إلى لسانه، قلت يا رسول الله وإنا لمؤاخذون بما نتكلم به؟ قال: وهل يكب الناس في النار على وجوههم إلا حصائد ألسنتهم** أخرجه أحمد، والترمذي، وصححه، والنسائي، وابن ماجه كلهم من طريق أبي وائل عن معاذ مطولاً، وأخرجه أحمد أيضاً من وجه آخر عن معاذ.

وزاد الطبراني في رواية مختصرة: **ثم إنك لن تزال سالماً ما سكت، فإذا تكلمت كتب عليك أو لك.**

وفي حديث أبي ذر مرفوعاً: **عليك بطول الصمت فإنه مطردة للشيطان** أخرجه أحمد، والطبراني وابن حبان، والحاكم، وصححاه.

وعن ابن عمر رفعه: **من صمت نجا** أخرجه الترمذي ورواته ثقات.

وعن أبي هريرة رفعه: **من حسن إسلام المرء تركه ما لا يعنيه** أخرجه الترمذي وحَسَّنَه.

(فتح الباري: ۱۰/۳۷٤)

٢٤ - باب : الْبُكاءِ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ .

٦١١٤ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ : حَدَّثَنَا يَحْيَى ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قالَ : حَدَّثَنِي خُبَيْبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ، عَنْ حَفْصِ بْنِ عاصِمٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ : رَجُلٌ ذَكَرَ اللهَ فَفاضَتْ عَيْناهُ) . [ر : ٦٢٩]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، سات طرح کے لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں پناہ دے گا، (ان میں ایک) وہ شخص ہے جس نے اللہ کو یاد کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔

اللہ کی یاد میں رونے کی فضیلت

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب کے اندر اللہ تعالیٰ کے خوف اور خشیت کی وجہ سے رونے کی فضیلت بیان فرمائی ہے، حدیث باب واضح ہے، امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوریحانہ سے ایک مرفوع روایت نقل فرمائی ہے، اس میں ہے:

"حرمت النار عَلَى عين دمعت أو بَكَتْ مِنْ خشية الله"(١). یعنی:

''اس آنکھ پر جہنم کی آگ حرام ہے جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے آبدیدہ ہوگی''۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا يلج النار أحد بكى من خشية الله عزّوجل حتى يعود اللبن في الضرع" یعنی جو شخص اللہ کے خوف سے رویا، وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا (٢)۔

اللہ کو تنہائی میں یاد کرنے کی صورتیں

ابن ابی جمرۃ الازدی اندلسی رحمہ اللہ نے بخاری شریف کا اختصار لکھا اور اس مختصر کی پھر شرح لکھی، جس کا نام انہوں نے "بهجة النفوس" رکھا ہے، اس کتاب کے اندر انہوں نے احادیث سے تصوف کے مسائل کا

(١) مسند الإمام أحمد بن حنبل: ٨٦١/٥، رقم الحديث: ١٧٣٤٥

(٢) مستدرك الإمام الحاكم، كتاب التوبة والإنابة: ٢٨٩/٤، رقم الحديث: ٧٦٦٧

استنباط فرمایا ہے۔ مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ نے بہجۃ النفوس کا ترجمہ ''رحمۃ القدوس'' کے نام سے کیا ہے، اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

''یہاں ایک سوال اور ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تنہائی میں یاد کرنے سے مراد ظاہری تنہائی ہے یا باطنی یا دونوں کا مجموعہ؟ ظاہری تنہائی کے معنی تو یہ ہیں کہ اپنی جگہ پر تنہا ہو، اس کے پاس کوئی دوسرا نہ ہو اور باطنی تنہائی کے معنی یہ ہیں کہ اس کے رونے کا سبب صرف اللہ کا خوف ہو اور کوئی سبب نہ ہو اور مجموعہ کی صورت یہ ہے کہ اس کے پاس کوئی دوسرا بھی نہ ہو اور رونے کا سبب بھی خوف خدا کے سوا کچھ نہ ہو۔

اگر یہ دونوں باتیں ایک ساتھ جمع ہوں تو اس میں شک نہیں کہ یہ حالت زیادہ کامل ہے اور اگر تنہائی پوری ہو، پاس کوئی نہ ہو مگر (اللہ کو یاد کرتے ہوئے) کسی اور خیال سے رونے لگا، اللہ (کے خوف) کی وجہ سے نہیں رویا، نہ اللہ کی یاد سے (محبت میں) رویا تو بالاتفاق یہ حالت وہ نہیں جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، بلکہ یہ حالت مذموم ہے، کیونکہ یہ دھوکہ (پر مشتمل) ہے، ظاہر تو یہ کر رہا ہے کہ اللہ کی وجہ سے رویا ہے (کیونکہ یاد الٰہی کے ساتھ گریہ طاری ہوا ہے) لیکن حقیقت میں ایسا نہیں بلکہ آنسو اللہ کو یاد کرتے ہوئے ظاہر میں نکل آئے (مگر جب تنہائی میں رونا فرض کیا گیا تو دھوکہ کے کیا معنی؟ دھوکہ کی صورت تو وہ ہے جب کہ مجمع میں ذکر ہو اور اللہ کی یاد سے رویا ہو اور جو صورت شارح نے بیان کی اس میں نہ دھوکہ ہے، نہ ثواب)۔

رہی تیسری صورت کہ مجمع میں اللہ کو یاد کر رہا ہو اور دل ماسوائے اللہ سے خالی ہو، ذکر اللہ ہی کے اثر سے آنسو نکلے ہوں تو امید ہے کہ یہ شخص بھی اُن بابرکت لوگوں میں داخل ہے (جن کا حدیث میں ذکر ہے) کیونکہ اس پر بھی باطناً یہ بات صادق ہے کہ اس نے خلوت میں اللہ کو یاد کیا (کیونکہ اس کا باطن ماسوا سے خالی تھا اگرچہ ظاہراً مجمع میں تھا) اور جو صورت بطور احتمال کے حدیث کے تحت میں ہو وہاں امید تو (ضرور) ہوتی ہے اگرچہ یقینی صورت وہی ہے جہاں حدیث کا مضمون پورا پایا جاتا ہو اور وہ وہی صورت ہے جہاں

دونوں باتیں جمع ہوں (یعنی خلوتِ ظاہر بھی، خلوتِ باطن بھی)۔

ذکراللہ سے کیا مراد ہے؟

یہاں ایک اور سوال ہے، وہ یہ کہ ذکر اللہ سے مراد وہ ذکر ہے جو زبان اور لبوں سے ہو یا وہ جو دل سے ہو، اگر چہ زبان کو حرکت نہ ہو یا جس صورت سے بھی ہو (کیا وہ ہر حال میں) ذاکر کہلائے گا؟

جواب یہ ہے کہ ان صورتوں میں سے ہر ایک پر ذکر اللہ صادق آتا ہے جس کی دلیل سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے، جو صحیح حدیث قدسی میں وارد ہے:

"من ذكرني في نفسه ذكرته في نفسي ومن ذكرني في ملأ من الناس ذكرته في ملأ أكثر منهم وأطيب" یعنی: جس نے مجھے اپنے دل میں یاد کیا، میں اس کو اپنے دل میں یاد کروں گا اور جو مجھے جماعت میں یاد کرے گا، میں اس کو اس سے بہتر جماعت میں یاد کروں گا"۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو ذاکر کا لقب دیا ہے اور طفیلی تو اس سے بھی کمتر بہانہ سے امید وابستہ کر لیتا ہے، پھر مذہبِ صوفیہ پر تو ذکرِ قلبی افضل ہے۔

فائدہ......ذکر کی افضل صورت

حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"حضرت حکیم الامت کی بھی یہی تحقیق ہے کہ سب سے افضل ذکر وہ ذکر ہے جس میں ذکرِ لسانی کے ساتھ ذکرِ قلبی جمع ہو، تنہا ذکرِ قلبی اگر چہ افضل ہے مگر مختلف فیہ ہے، دوسرا تجربہ یہ ہے کہ تنہا ذکرِ قلبی دیر تک نہیں رہتا، کچھ دیر کے بعد دل اِدھر اُدھر متوجہ ہو جاتا ہے اور یہ شخص دھوکہ میں رہتا ہے کہ میں ذکرِ قلبی کر رہا ہوں، البتہ اگر کسی کا دل ذکرِ قلبی میں غیرِ حق کی طرف متوجہ نہ ہوتا ہو تو اس کو ذکرِ لسانی کی ضرورت نہیں، اگر اس سے تشویش ہوتی ہو، خوب سمجھ لو(۱)۔

(۱) مسند الإمام احمد بن حنبل: ۳۳۳/۳، رقم الحديث: ۸۶۳۵

(۲) رحمة القدوس ترجمة بهجة النفوس، ص: ۳۰

٢٥ – باب : الْخَوْفِ مِنَ اللهِ .

٦١١٥ : حدّثنا عُثْمانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ : حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ، عَنْ مَنْصُورٍ ، عَنْ رِبْعِيٍّ ، عَنْ حُذَيْفَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (كانَ رَجُلٌ مِمَّنْ كانَ قَبْلَكُمْ يُسِيءُ الظَّنَّ بِعَمَلِهِ ، فَقَالَ لِأَهْلِهِ : إِذَا أَنَا مُتُّ فَخُذُونِي فَذَرُّونِي فِي الْبَحْرِ فِي يَوْمٍ صَائِفٍ ، فَفَعَلُوا بِهِ ، فَجَمَعَهُ اللهُ ثُمَّ قالَ : مَا حَمَلَكَ عَلَى الَّذِي صَنَعْتَ ؟ قالَ : ما حَمَلَنِي إِلَّا مَخَافَتُكَ ، فَغَفَرَ لَهُ) . [ر : ٣٢٩٢]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، پچھلی امتوں کا ایک شخص جس کا گمان اپنے اعمال کے متعلق خراب تھا، اس نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے گرم دن میں اٹھا کر دریا میں بکھیر دینا، اس کے گھر والوں نے اس کے ساتھ ایسا ہی کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے جمع کیا اور اس سے پوچھا کہ یہ جو تم نے کیا ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ اس شخص نے کہا کہ مجھے اس پر صرف تیرے خوف نے آمادہ کیا تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کر دی۔

رِبْـعِـی (راء کے کسرہ، باء کے سکون اور عین کے کسرہ کے ساتھ) ہے، ان کے والد کا نام حراش (بکسر الحاء) ہے۔

یسیئ الظن بعمله

اپنے عمل کے بارے میں وہ شخص بدگمان تھا، صحیح ابن حبان میں ہے کہ یہ شخص کفن چور تھا(۱)۔

ذَرُّونی: یہ باب تفعیل سے امر حاضر معروف کے جمع مذکر کا صیغہ ہے۔ **تَـذْ رِيةً:** ہوا میں اڑانا، متفرق کرنا۔ **یوم صائف:** گرم دن۔

اس کے خیال میں تھا کہ جب اس کے جسم کے ذرات سمندر کے اندر اس طرح بکھر جائیں گے تو وہ عذاب سے بچ جائے گا!

اگلی روایت میں اس واقعہ کی مزید تفصیل ہے!

(۱) إرشاد الساري: ٤٧٩/١٣، فتح الباري: ٣٨٠/١١

٦١١٦ : حدّثنا مُوسى : حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ : سَمِعْتُ أَبِي : حَدَّثَنَا قَتَادَةُ ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَبْدِ الْغَافِرِ ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ذَكَرَ رَجُلاً : (فِيمَنْ كانَ سَلَفَ ، أَوْ قَبْلَكُمْ ، آتَاهُ ٱللهُ مالاً وَوَلَدًا - يَعْنِي أَعْطَاهُ - قالَ : فَلَمَّا حُضِرَ قالَ لِبَنِيهِ : أَيَّ أَبٍ كُنْتُ لَكُمْ ؟ قالُوا : خَيْرَ أَبٍ ، قالَ : فَإِنَّهُ لَمْ يَبْتَئِرْ عِنْدَ ٱللهِ خَيْرًا - فَسَّرَهَا قَتَادَةُ : لَمْ يَدَّخِرْ - وَإِنْ يَقْدَمْ عَلَى ٱللهِ يُعَذِّبْهُ ، فَٱنْظُرُوا فَإِذَا مُتُّ فَأَحْرِقُونِي ، حَتَّى إِذَا صِرْتُ فَحْمًا فَٱسْحَقُونِي ، أَوْ قالَ : فَٱسْهَكُونِي ، ثُمَّ إِذَا كانَ رِيحٌ عاصِفٌ فَأَذْرُونِي فِيهَا ، فَأَخَذَ مَوَاثِيقَهمْ عَلَى ذٰلِكَ - وَرَبِّي - فَفَعَلُوا ، فَقَالَ ٱللهُ : كُنْ ، فَإِذَا رَجُلٌ قائِمٌ ، ثُمَّ قالَ : أَيْ عَبْدِي ما حَمَلَكَ عَلَى ما فَعَلْتَ ؟ قالَ : مَخَافَتُكَ ، أَوْ فَرَقٌ مِنْكَ ، فَمَا تَلَافَاهُ أَنْ رَحِمَهُ ٱللهُ) .

فَحَدَّثْتُ أَبَا عُثْمَانَ فَقَالَ : سَمِعْتُ سَلْمَانَ ، غَيْرَ أَنَّه زَادَ : (فَأَذْرُونِي فِي البَحْرِ) . أَوْ كَمَا حَدَّثَ .

وَقالَ مُعَاذٌ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ قَتَادَةَ : سَمِعْتُ عُقْبَةَ : سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . [ر : ٣٢٩١]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (پچھلی امتوں کے) ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مال واولاد عطا فرمائی تھی، فرمایا کہ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے لڑکوں سے پوچھا، باپ کی حیثیت سے میں تمہارے لئے کیسا رہا؟ لڑکوں نے کہا کہ آپ بہترین باپ ہیں، پھر اس شخص نے کہا کہ اس نے اللہ کے پاس کوئی نیکی نہیں جمع کی ہے، (قتادہ نے "لم یبتئر" کی تفسیر "لم یدخر" سے کی ہے) کہ اسے اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کیا گیا تو اللہ تعالیٰ اسے عذاب دے گا (اس نے اپنے لڑکوں سے کہا کہ) دیکھو جب میں مرجاؤں تو میری لاش کو جلا دینا اور جب میں کوئلہ ہو جاؤں تو مجھے پیس دینا اور کسی تیز ہوا کے دن مجھے اس میں اڑا دینا، اس نے اپنے لڑکوں سے اس پر عہد لیا، چنانچہ لڑکوں نے اس کے ساتھ وہی معاملہ

کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہوجا۔ چنانچہ آدمی کھڑا نظر آیا، اللہ تعالیٰ نے پوچھا: میرے بندے! تم نے یہ جو حرکت کی ہے، اس پر تجھے کس چیز نے آمادہ کیا تھا؟ اس نے کہا کہ تیرے خوف نے، اللہ تعالیٰ نے رحم کر کے، اس (اس کے گناہوں) کی تلافی فرمادی۔

فاسحقوني أو قال: فاسهكوني

سحق اور سهق دونوں کے معنی کوٹنے اور پیسنے کے ہیں۔

فأَذْرُوني: باب نصر سے ذرا ـــ ذَرْواً، اور باب ضرب سے ذرَیَ ـــ ذَرْیاً اور باب افعال سے أذرَی ـــ إذراءً اور تفعیل سے ذرّی ـــ تَذْرِيَةً...... سب کے ایک ہی معنی ہیں: ریزہ ریزہ کرنا، ریزہ ریزہ کر کے ہوا کے رخ پر چھوڑ دینا (۲)۔

فما تلافاه أن رحمه الله...... علامہ عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"کلمة: ما، موصولة، وکلمة: أنْ مصدرية أي: الذي تلافاه أي: تدارَکه بأن رَحِمَه، أی بالرحمة، والضمير المنصوب فی "تلافاه" يرجع إلی عمل الرجل، ويجوز أن يکون ما نافية، وکلمة الاستثناء محذوفة علی مذهب من يجوز حذفها أي: ما تلافاه إلّا أنْ رَحِمَه"(۳).

یعنی: "یہاں "ما" موصولہ اور "أن" مصدریہ ہے، معنی یوں ہوئے: "الذي تلافاه وتدارَکه بالرحمة" اور "تلافاه" کی ضمیر منصوب کا مرجع عمل رجل ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے اپنی رحمت سے اس آدمی کے عمل کی تلافی کر دی، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "ما" نافیہ ہو اور حرف استثناء محذوف ہو، یہ ان حضرات کے مسلک پر ہے جو حرفِ استثناء کے حذف کو جائز سمجھتے ہیں، اس صورت میں معنی یہ ہوں گے: ماتلافاه إلّا أن رَحِمَه یعنی: اللہ نے اس کی بدعملی کی تلافی کر دی، اس پر رحم فرماتے ہوئے۔

---

(۲) إرشاد الساري: ۱۳/۴۷۹، وفتح الباري. ۱۱/۳۸۰، وعمدة القاري: ۲۳/۱۱۱، ۱۱۲

(۳) عمدة القاري: ۲۳/۱۱٤

فأخذ مواثيقهم على ذلك وربي

مواثيق، ميثاق کی جمع ہے، عہد کو کہتے ہیں، یعنی اس شخص نے سب سے عہد لیا اور ان سے کہا کہ تم میں سے ہر ایک "وربي لأفعلن كذا......" کہے۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ خبر دینے والے نے قسم کھائی ہے کہ اللہ کی قسم! اس شخص نے سب سے عہد لیا، خبر دینے والا قسم کھا کر بتلانا چاہتا ہے کہ وہ اپنی اس بات میں سچا ہے (۴)۔

وقال معاذ:......

معاذ بن معاذ کی اس تعلیق کو امام مسلم رحمہ اللہ نے موصولاً نقل کیا ہے (۵)۔ حدیث باب عقبہ بن عبد الغافر ،حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے "عن" کے ساتھ نقل کر رہے ہیں اور اس تعلیق میں سماع حدیث کی تصریح ہے!

قالوا: خير أب:......

خيرَ أب کو منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں، اس صورت میں اس کا عامل ناصب "كنتَ" مقدر ہوگا، أيْ: كنتَ خيرَ أب اور مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں، اس صورت میں یہ مبتدا محذوف "أنت" کی خبر ہوگا، أي: أنت خيرُ أب (٦).

مخافتك أو فَرَق منك

راوی کو شک ہے کہ مخافتك کہا یا فرق منك کہا، فَرَق (فاء اور راء کے فتحے کے ساتھ) بمعنی خوف ہے۔

ایک اشکال اور اس کے جوابات

اس شخص نے اپنی اولاد کو وصیت کی کہ مرنے کے بعد اس کا جسم جلانے کے بعد ریزہ ریزہ کر کے سمندر میں بکھیر دیا جائے تا کہ آخرت کا حساب اس سے نہ ہو سکے، گویا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حساب سے بچنے کے لئے

---

(٤) إرشاد الساري: ١٣/٤٨٠، وعمدة القاري: ٢٣/١١٤

(٥) عمدة القاري: ٢٣/١١٤، وإرشاد الساري: ١٣/٤٨٠

(٦) عمدة القاري: ٢٣/١١٤، وإرشاد الساري: ١٣/٤٨٠

اس شخص نے یہ تدبیر سوچی، بعض روایتوں میں اس کا یہ قول بھی ہے کہ "فو اللہِ، لئن قَدَر اللہُ عليّ لَيُعذِّبُني" یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے مرنے کے بعد مجھ پر قدرت حاصل کر لی تو مجھے میرے گناہوں کی وجہ سے ضرور عذاب دیں گے...... اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی قدرت سے جاہل تھا، اس کو یہ نہیں معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ انسان کے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے، اگر چہ اس کا جسم ریزہ ریزہ کر کے ہواؤں کے رخ پر بکھیرا جائے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے ناواقف شخص کی کیسی مغفرت کر دی گئی؟

❶ اس کا ایک جواب تو یہ دیا گیا کہ یہ شخص مرنے سے پہلے اپنے سابقہ گناہوں پر نادم ہو گیا تھا، والندمة: التوبة: ندامت توبہ ہے، اس ندامت اور توبہ کی وجہ سے اس کی مغفرت کی گئی، جہاں تک "فو اللہ، لئن قدر اللہ عنيّ لَيعَذِّبُني" والی روایت کا تعلق ہے، اس میں "قدر" کے معنی تنگ کرنے کے ہیں، قدر کے معنی قادر ہونے کے بھی آتے ہیں اور تنگ کرنے کے بھی آتے ہیں، سورۃ طلاق آیت ۷ میں ہے: ﴿ومن قدر عليه رزقه﴾ اور سورۃ فجر، آیت: ۱۶، میں ہے: ﴿وأما إذا ما ابتلاه فقدر عليه رزقه﴾ اس میں "قدر" کے معنی تنگ کرنے کے ہیں، تو اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ مرنے کے بعد اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر تنگی کی اور فراخی کا معاملہ نہیں فرمایا تو مجھے عذاب دیں گے...... اس تفسیر کے مطابق اللہ تعالیٰ کی قدرت سے جہالت کا سوال پیدا نہیں ہوتا!

❷ اور اگر "فو اللہ، لئن قدر اللہ عليّ......" کو قدرت کے معنی میں بھی مان لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ اس نے یہ جملہ اپنی جہالت کی بناء پر غلطی سے کہہ دیا اور جہالت کی بنا پر ایسی غلطی قابل عفو ہو سکتی ہے۔

❸ اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ شدتِ خوف کی وجہ سے، اس کی زبان سے یہ جملہ نکلا، وہ اس کو سمجھ نہیں سکا، شدت خوف کی بناء پر بے سمجھی میں اس نے یہ جملہ کہا، جو قابل عفو ہے، حدیث میں آتا ہے جہنم سے نکل کر جو شخص سب سے آخر میں جنت میں داخل ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس سے کہیں گے: "إن لك مثلَ الدنيا وعشرةِ أمثالها" آپ کے لئے دنیا اور اس جیسی دس گنا جنت ہے تو وہ فرطِ مسرت اور حد درجہ خوشی میں آ کر دو مرتبہ کہہ دے گا "یا رب أنت عبدي وأنا ربك" (یعنی اے میرے رب! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں)...... یہ کلمۂ کفر ہے لیکن خوشی سے مغلوب ہو کر اس کی زبان سے یہ جملہ ناسمجھی میں نکلا، اس لئے اس کو کفر نہیں کہا جائے گا، اور وہ

قابلِ مؤاخذہ نہیں ہوگا۔

اسی طرح اس شخص کا "لئن قَدَرَ اللّٰہ علیّ لَیُعَذِّبُني" کہنا بھی شدتِ خوف کے عالم میں تھا، اور نا سمجھی میں اس کی زبان سے یہ نکلا تو عام حالات میں تو اگرچہ یہ کلمۂ کفر ہے لیکن خوفِ خداوندی سے مغلوب ہو کر چونکہ اس کی زبان سے یہ بات نکلی ہے، اس لئے اس کو اس شخص کے حق میں کفر نہیں کہا جائے گا (۷)۔

٢٦ – باب : الْأِنْتِهَاءِ عَنِ الْمَعَاصِي .

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب کے اندر گناہوں اور معاصی سے رکنے کا وجوب بیان فرمایا ہے۔

٦١١٧ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ : حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ ، عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ ، عَنْ أَبِي مُوسَى قالَ : قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (مَثَلِي وَمَثَلُ ما بَعَثَنِي ٱللهُ ، كَمَثَلِ رَجُلٍ أَتَى قَوْمًا فَقَالَ : رَأَيْتُ الجَيْشَ بِعَيْنَيَّ ، وَإِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْعُرْيَانُ ، فَالنَّجَاءَ النَّجَاءَ ، فَأَطَاعَهُ طَائِفَةٌ فَأَدْلَجُوا عَلَى مَهَلِهِمْ فَنَجَوْا ، وَكَذَّبَتْهُ طَائِفَةٌ فَصَبَّحَهُمُ الجَيْشُ فَٱجْتَاحَهُمْ) . [٦٨٥٤]

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میری اور جو کچھ اللہ نے میرے ساتھ بھیجا ہے اس کی مثال ایک ایسے شخص جیسی ہے جو کسی قوم کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے (تمہارے دشمن کا) لشکر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور میں کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں، پس تیزی سے نکلو، اس پر ایک جماعت نے بات مان لی اور وہ لوگ اطمینان کے ساتھ کسی محفوظ جگہ پر نکل گئے اور نجات پائی اور دوسری جماعت نے جھٹلایا اور لشکر نے صبح کے وقت اچانک انہیں آلیا اور تہ تیغ کر دیا۔

---

(۷) دیکھئے، شرح ابن بطال: ۱۰/۱۹۲، ۱۹۳

٦١١٧ : أخرجه مسلم في الفضائل ، باب : شفقته ﷺ على أمته ، رقم : ٢٢٨٣ .

(الجيش) عسكر العدو مغيرًا . (العريان) الذي تجرد من ثوبه ورفعه بيده إعلامًا لقومه بالغارة عليهم ضرب به النبي ﷺ المثل لأمته لأنه تجرد لإنذارهم . (فالنجاء النجاء) انجوا بأنفسكم وأسرعوا بالهرب . (فأدلجوا) من الإدلاج ، وهو السير في الليل أو أوله . (مهلهم) تأنيهم وسكينتهم . (فصبحهم) أتاهم صباحًا ، أي بغتة . (فاجتاحهم) استأصلهم وأهلكهم .

ابواسامہ،حماد بن سلمہ کی کنیت ہے۔

إني أنا النذير العُرْيان

عریان کے لغوی معنی ہیں: ننگا، بےلباس، یہاں یا تو یہی معنی مراد ہیں، کسی شخص کو دشمنوں نے پکڑ کر ننگا کردیا تھا، وہ اپنی قوم کے پاس، اسی حالت میں آکر دشمنوں کی اطلاع دینے لگا اور ثبوت میں اپنی بےلباسی کو بطور قرینہ وعلامت پیش کیا، لوگوں نے اسے خرق عادت اور خلاف معمول حالت میں دیکھ کر اس کی خبر پر یقین کرلیا۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی مثال، اس شخص سے دی، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیئے گئے معجزات اور خرق عادات نشانیوں کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آپ پر ایمان لایا جائے (۱)۔

بعضوں نے کہا عریان کے معنی فصیح کے آتے ہیں۔ نذیر عریان: وضاحت اور فصاحت کے ساتھ ڈرانے والا (۲)۔

النَّجاء النَّجاء: نجاء کے معنی سرعت اور تیزی کے ساتھ چلنے کے ہیں، یہ منصوب علی الاغراء ہے اور فعل محذوف اطلبوا یا اِلزَموا ہے، أي: الزموا النجاءَ النجاءَ (۳)۔

فَـأَدْلَجُوا: یہ باب افعال "إدلاج" سے ہے، جس کے معنی رات کے ابتدائی حصہ یا رات میں چلنے کے آتے ہیں (۴)۔

عَـلَـى مَهَـلِهـم: مَهَـل: وقار اور اطمینان کو کہتے ہیں، یعنی وہ لوگ اطمینان اور وقار کے ساتھ راتوں رات نکل گئے۔

صَبَّحهم الجيْش: صَبَّح کے معنی صبح کے وقت آنے کے ہیں، أی أتـاهـم صباحاً. لیکن یہ پھر اچانک آنے کے لئے استعمال ہونے لگا۔

اِجْتَاحَهُم: اجتاح: جڑ سے اکھیڑنا اور ختم کرنا۔

---

(۱) فتح الباري: ۴۸۴/۱۱، وعمدة القاري: ۱۱۵/۲۳، وإرشاد الساري: ۳۸۱/۱۳

(۲) فتح الباري: ۴۸۴/۱۱، وعمدة القاري: ۱۱۶/۲۳

(۳) فتح الباري: ۴۸۴/۱۱، وعمدة القاري: ۱۱۶/۲۳، وإرشاد الساري: ۳۸۱/۱۳

(۴) فتح الباري: ۴۸۵/۱۱، وعمدة القاري: ۱۱۶/۲۳، وإرشاد الساري: ۳۸۱/۱۳

٦١١٨ : حدّثنا أَبُو الْيَمَانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ : حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّهُ حَدَّثَهُ : أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ : (إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ النَّاسِ كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا ، فَلَمَّا أَضَاءَتْ ما حَوْلَهُ جَعَلَ الْفَرَاشُ وَهٰذِهِ الدَّوَابُّ الَّتِي تَقَعُ فِي النَّارِ يَقَعْنَ فِيهَا ، فَجَعَلَ يَنْزِعُهُنَّ وَيَغْلِبْنَهُ فَيَقْتَحِمْنَ فِيهَا ، فَأَنَا آخُذُ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ ، وَأَنْتُمْ تَقَحَّمُونَ فِيهَا) . [ر : ٣٢٤٤]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میری اور لوگوں کی مثال ایک ایسے شخص کی ہے جس نے آگ جلائی، جب اس کے چاروں طرف روشنی ہوگئی تو پروانے اور کیڑے مکوڑے جو آگ پر گرتے ہیں، اس پر گرنے لگے اور آگ جلانے والا انہیں اس میں سے نکالنے لگا، لیکن وہ اس کے قابو میں نہیں آئے اور آگ میں گرتے ہی رہے، اس طرح میں تمہاری کمر کو پکڑ کر آگ سے تمہیں نکالتا ہوں اور تم ہو کہ اسی میں گرے جاتے ہو۔

ابوالیمان کا نام حکم بن نافع ہے اور ابوالزناد کا نام عبداللہ بن ذکوان ہے۔

جَعل الفَرَاش: یہ فراشة کی جمع ہے، پروانہ کو کہتے ہیں۔

یقتحمن: یہ باب افتعال سے ہے، اقتحام کے معنی داخل ہونے کے آتے ہیں۔

حُجُز کم: حُجز (حاء کے ضمہ اور جیم کے فتحہ کے ساتھ) یہ حُجزة کی جمع ہے، معقد ازار یعنی ازار باندھنے کی جگہ کو کہتے ہیں، حجز کم میں غائب سے خطاب کی طرف التفات ہے(۵)۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ شرح مشکوۃ میں لکھتے ہیں:

"تحقيقُ التشبيهِ الواقعِ في هذا الحديث يَتوقَّف على معرفة معنى قوله: ﴿ومن يتعد حدود الله فاولئك هم الظالمون﴾ وذلك: أن حدودَ اللّٰه هي محارمُه ونواهيْه إلّا أن حِمَى اللّٰه محارمُه، ورأسُ المحارم حبُّ الدنيا

(۵) إرشاد الساري: ۱۳/ ٤٨٢، نیز دیکھئے، النهاية: ۱/ ۳۳۷

وزينتها، واستيفاءُ لذتها، وشهواتها، فشبَّه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إظهارَ تلك الحدود مِنْ الكتاب، والسنة باستنقاذ الرجال مِنْ النار، وشبَّه فشوَّ ذلك في مشارق الأرض، ومغاربها بإضاءة تلك النارِ ماحول المستوقِد، وشبَّه الناس، وعدمَ مبالاتهم بذلك البيان، وتعدّيَهم حدودَ الله، وحرصَهم على استيفاء تلك اللذات، والشهوات، ومنعَه إياهم عن ذلك بأخذِ حُجَزهم بالفُراشِ التي يَقتَحِمنَ في النار، ويَغلبنَ المستوقِدَ على دفعِهنّ عن الاقتحام، كما أن المستوقِد كان غرضُه مِنْ فعله انتفاعَ الخلق به من الاستضاءة والاستدفاء، وغير ذلك، والفراشُ لجهلها جعلَتْه سبباً لهلاكها، فكذلك القصدُ بتلك البيانات اهتداءُ الأمة، واجتنابُها ما هو سببُ هلاكِهم، وهم مع ذلك لجهلهم جعلُوها مقتضيةً لتردّيهم، وفي قوله: آخذ بحجزكم، استعارةٌ، مثَّلَ حالة منعِه الأمةَ عن الهلاك بحالة رجلٍ أخذ بحجزة صاحبِه الذي كان يَهوِي في مَهواة مُهلِكة......"(٦).

یعنی: "حدیث مبارک میں مذکور تشبیہ کی تحقیق اس آیت کریمہ کے معنی سمجھنے پر موقوف ہے: ﴿ومن يتعدَّ حدود الله فأولئك هم الظالمون﴾، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حدود اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے حرام کئے ہوئے کام اور چیزیں ہیں، "حِمَى الله" سے بھی "محارِم الله" مراد ہیں، ناجائز اور حرام کاموں کی جڑ، دنیا اور اس کی زیب وزینت سے محبت اور دنیا کی لذتوں کا حصول ہے، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتاب وسنت سے حدود ومحارم کے اظہار وبیان کو لوگوں کو جہنم کی آگ سے بچانے سے تشبیہ دی۔

پھر مشرق ومغرب میں اس کے پھیلاؤ کو آگ کی وجہ سے اردگرد کی جگہ روشن ہو جانے سے تشبیہ دی اور لوگوں کا ان بیانات کی پرواہ نہ کرنا اور دنیا کی لذتوں کے حصول میں لگے رہنا، اللہ تعالیٰ کی حدود کو پامال کرنا اور حرام کاموں کا ارتکاب کرنا اور آپ صلی اللہ

(٦) شرح الطيبي، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة: ١/٣٠٧، ٣٠٨، وإرشاد الساري: ١٣/٤٨٣

تعالیٰ علیہ وسلم کا ان کو ان محارم سے روکنا...... اس کی تشبیہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پروانوں کے آگ کی طرف بڑھنے اور انسان کا ان کو آگ میں گھسنے سے روکنے کے ساتھ دی۔

پس جس طرح آگ روشن کرنے والے کی غرض صرف یہ ہوتی ہے کہ لوگ اس آگ سے روشنی اور حرارت کا فائدہ حاصل کرسکیں، مگر پروانے اپنی نادانی کے سبب اسی آگ کو اپنی ہلاکت کا سبب بنا دیتے ہیں۔

اسی طرح قرآن وسنت سے محارم اللہ وحدود اللہ کے بیانات کا مقصد امت کی رہنمائی، ان کی خیر خواہی اور جہنم کی آگ میں دخول اور ہلاکت کے اسباب سے اس کو بچانا ہے، مگر لوگ اپنی نادانی کے سبب انہی چیزوں میں منہمک ہیں جو اُن کی ہلاکت اور دخول فی النار کا سبب ہیں۔

حدیث کے اس جملہ "آخِذ بحُجَز کم" میں استعارہ تمثیلیہ ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امت کو ہلاکت اور جہنم کی وادی میں گرنے سے بچانے کی حالت کو اس شخص کی حالت سے تشبیہ دی ہے، جو گہری کھائی میں گرنے والے اپنے دوست کو اس کے ازار بند سے پکڑ کر گرنے سے روکتا ہے"۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ کا حاصلِ کلام

علامہ طیبی رحمہ اللہ کے اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ حدیث شریف کے اندر تین امور کی تشبیہات تین چیزوں کے ساتھ دی گئی ہیں:

❶ قرآن وسنت کی حدود کے بیان کو، آگ سے بچانے اور نکالنے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، یعنی جس طرح آگ جلانے والا شخص اس کے اندر پروانوں کو گرنے سے بچانے کی کوشش کرتا ہے، اسی طرح قرآن وسنت کے اندر حدود اللہ کا بیان بھی لوگوں کو ہلاکت سے بچانے اور راہِ نجات کی طرف لانے کے لئے ہے۔

❶ قرآنی اور نبوی حدود کے عام ہونے کو آگ روشن کرنے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، یعنی جس طرح اس

شخص نے آگ جلائی، اس سے روشنی پھیلی، حدود اللہ کا عام ہونا، آگ کی اس روشنی کی طرح ہے جو آگ جلانے سے، اس شخص کے اردگرد پھیلی ہوئی ہے۔

❸ لوگوں کا حدود اللہ کو پامال کرتے ہوئے لذت پرستی میں مبتلا ہونے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان کو روکنے کو تشبیہ دی گئی ہے پروانوں کے ساتھ جو آگ کو روشن دیکھ کر اس میں گرتے چلے جاتے ہیں، جب کہ آگ جلانے والا وہ شخص انہیں آگ میں گرنے سے روکنے کی کوشش کرتا ہے۔

٦١١٩ : حدّثنا أَبُو نُعَيْمٍ : حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ ، عَنْ عامِرٍ قالَ : سَمِعْتُ عَبْدَ ٱللهِ بْنَ عَمْرٍو يَقُولُ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ ، وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ ما نَهَى ٱللهُ عَنْهُ) . [ر : ١٠]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، صحیح مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان (کے شر) سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور حقیقۃً ہجرت کرنے والا وہ ہے، جو اِن چیزوں سے ہجرت کرے (اور چھوڑے) جنہیں اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے، (یعنی گناہوں کو ترک کرنے والا صحیح مہاجر ہے اور ہجرت کا اصل ثواب اور فائدہ اسی کو ملے گا)۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

"المسلم" میں الف لام عہد خارجی کا ہے اور اس سے کامل مسلمان مراد ہے یعنی کامل مسلمان وہ ہے کہ دوسرے مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ کے شر سے محفوظ ہوں (۷)۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علمی تحقیق کی حد تک تو ٹھیک ہے آپ کہہ سکتے ہیں کہ الف لام عہد کا ہے اور "المسلم الکامل" یا "المسلم الممدوح" کے معنی میں ہے، لیکن اس صورت میں کلام میں زور باقی نہیں رہتا۔ اگر الف لام کو جنس کے لئے لیا جائے تو مطلب ہوگا کہ مسلم کے لقب کا وہ شخص حق

(۷) عمدة القاري: ١٣٢/١

دار اور مستحق ہے جس کے ہاتھ پاؤں اور زبان کے شر سے دوسرے محفوظ ہوں اگر کوئی دوسروں کو ایذاء اور ضرر پہنچاتا ہے تو وہ موذی اور ضارّ کہلائے گا، مسلم نہیں کہلائے گا، اس صورت میں تنبیہ اور زجر زیادہ ہے۔

یہ بالکل ایسا ہے جیسے اہلِ عرب ''اِبل'' پر ''مال'' کا اور ''عرب'' پر ''ناس'' کا اطلاق کرتے ہیں، "المال الإبل"، "الناس العرب" حالانکہ ابل کے علاوہ مال اور عرب کے علاوہ انسان اور بھی ہیں، لیکن ابل کی اہمیت کو بتانے کے لئے جنسِ مال کا اور عرب کی اہمیت کو بتانے کے لئے جنسِ ناس کا اطلاق ابل اور عرب پر کردیا گیا ہے۔

اسی طرح قاعدہ ہے کہ خانۂ کعبہ پر ''بیت'' کا اطلاق اس کی عظمت کا اظہار کرنے کے لئے کیا جاتا ہے، اسی طرح کتابِ سیبویہ پر "الکتاب" کا اطلاق، یہ بھی اس کی عظمت کے اظہار کے لئے ہے، یہاں بھی الف لام جنس کے لئے لیا جائے اور مطلب یہ ہو کہ جس آدمی کے ہاتھ اور زبان کے شر سے دوسرے لوگ محفوظ نہ ہوں وہ مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہے، گویا یہ تنزیل الناقص بمنزلۃ المعدوم کی قبیل سے ہے، کہ مسلمان صرف وہ شخص کہلاسکتا ہے کہ دوسرے لوگ اس کے شر سے محفوظ ہوں، یہ عنوان اگر اختیار کیا جائے تو اس سے لوگوں کو تنبیہ ہوگی اور وہ ایذاء سے بچنے کا اہتمام کریں گے کہ اگر ہم نے دوسروں کو ضرر یا ایذاء پہنچائی تو ہم مسلمان کہلانے کے بھی حق دار نہیں رہیں گے، لہٰذا ہمیں اس سے بچنا چاہیے (۸)۔

برخلاف پہلی صورت کے کہ اگر وہاں آپ "المسلم الکامل" کا ترجمہ کرتے ہیں تو آدمی یہ سوچ سکتا ہے کہ مجھ میں اور بھی بہت نقائص ہیں اگر یہ ایک کوتاہی بھی رہی تو کیا مضائقہ ہے، اس میں اتنا زجر اور تنبیہ نہیں ہوتی، جتنی تنبیہ الف لام کو جنس کا لینے میں ہوتی ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ اصل میں یہاں بتانا یہ ہے کہ مسلم ''اسلام'' سے ماخوذ ہے، لہٰذا مسلم کی علامت یہ ہونی چاہیے کہ اس سے دوسروں کو اذیت نہ پہنچے، یہاں اس علامت کو بیان کرنا مقصود ہے، جس سے انسان کے اسلام پر استدلال کیا جاسکتا ہے اور جس علامت سے اس کو مسلمان سمجھا جاسکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ دوسرے اس کے شر سے محفوظ ہوں، کسی کو اس سے تکلیف نہ پہنچے (۹)۔

---

(۸) فيض الباري: ۱/ ۸۰، وإيضاح البخاري: ۲/ ۱۷۹

(۹) فضل الباري: ۱/ ۳۲۵

ایک شبہ اور اس کا جواب

یہاں حدیث کے الفاظ "المسلمُ مَنْ سَلِم المسلمونَ من لسانِہ ویدِہ" سے معلوم ہو رہا ہے کہ اگر کوئی شخص دوسروں کو ایذا نہیں پہنچاتا تو بس وہ مسلمان ہے چاہے نماز پڑھے یا نہ پڑھے، روزہ رکھے یا نہ رکھے، اسی طرح دیگر فرائض ادا کرے یا نہ کرے، کیونکہ ان میں سے کسی چیز کا تذکرہ نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں "المسلمُ مَن سلِم المسلمون من لسانِہ ویدِہ" کے ساتھ "مع مُراعاۃِ باقي الأرکان" کی قید بھی ملحوظ ہے (۱۰)، یعنی یہ نہیں ہے کہ اتنی ہی بات مسلمان ہونے کے لئے کافی ہے بلکہ دوسرے ارکانِ اسلام کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اس کا اہتمام ضروری ہے۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں تو صرف اتنی بات بتائی گئی ہے کہ مسلمان میں یہ سلامتی کا وصف پایا جانا چاہیے، ایک چیز کی اہمیت کی وجہ سے اس کا تذکرہ ہوا ہے، اس سے یہ کیسے معلوم ہوگا کہ دوسرے احکام وارکانِ اسلام کی کوئی حیثیت ہی نہیں اور مسلمان ان کی ادائیگی کا مکلّف نہیں ہے، اس کا تو یہاں کوئی ذکر نہیں ہے (۱۱)۔

غیر مسلموں کو ایذاء پہنچانے کا حکم

پھر یہاں "المسلم مَن سَلِم المسلمون من لسانِہ ویدِہ" میں "مسلمون" کی قید پر اشکال ہوتا ہے کہ شر سے حفاظت اہلِ اسلام کے لئے خاص نہیں، دوسرے انسانوں کو بھی اپنے شر سے بچانا چاہیے، بلکہ ایذاء سے تو حیوانات کی حفاظت بھی ضروری ہے، چنانچہ بخاری شریف میں روایت ہے:

"عُذِّبَت امرأۃٌ فی ھرّۃٍ حَبَستْھا حتی ماتَتْ جُوْعاً، فدَخلَتْ فیھا النارَ، قال: فقالوا —واللّٰہ أعلمُ—: لا أنتِ أطعَمْتِھا ولا سَقَیتِھا حینَ حَسَبْتِیھا، ولا أنتِ أرْسَلْتِھا فأکَلَتْ من خُشاشِ الأرضِ" (۱۲).

---

(۱۰) فتح الباري: ۱/۵۳

(۱۱) إمداد الباري: ۵٤/۳۲٤

(۱۲) صحیح البخاري، کتاب المساقاۃ، باب فضل سقي الماء، رقم ۲۳٦۵، وکتاب بدء الخلق، باب إذا وقع الذباب في شراب أحدکم فلیغمسہ...... الخ، رقم ۳۳۱۸، وکتاب أحادیث الأنبیاء، باب (بلاترجمۃ، بعد باب حدیث الغار)، رقم ۳٤۸۲

یعنی: ''ایک عورت کو صرف اس وجہ سے عذاب دیا گیا کہ اس نے ایک بلی کو قید رکھا یہاں تک کہ بھوکی مرگئی، جس کی وجہ سے وہ عورت جہنم میں گئی...... اس سے کہا گیا: تو نے اسے قید کے دوران نہ کھلایا نہ پلایا اور نہ اسے چھوڑا کہ وہ کیڑے مکوڑے یا حشرات الأرض وغیرہ کھالیتی''۔

اس سے معلوم ہوا کہ جانوروں کو بھی ایذاء پہنچانے کی ممانعت ہے، پھر "المسلمون" کی قید کیوں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ مسلمان کا واسطہ زیادہ تر مسلمانوں ہی سے ہوتا ہے، شب وروز اس کا اختلاط اور ملنا جلنا مسلمانوں کے ساتھ رہتا ہے، اس بناء پر "المسلمون" کی قید ذکر کی گئی ہے (۱۳)۔

حاصل یہ ہے کہ قید، قید احترازی نہیں، بلکہ قید واقعی ہے، چونکہ ایک مسلمان کی بود وباش، اس کا رہن سہن اور اس کی معاشرت مسلمانوں کے ساتھ ہی ہے، اس لئے ان کا ذکر کر دیا گیا! کفار کو اذیت پہنچانے، نہ پہنچانے سے متعلق، اس روایت میں کوئی حکم نہیں اور یہ حدیث اس سے خاموش ہے، اس کی الگ تفصیل ہے کہ کفار کی دو قسمیں ہیں: ذمی اور حربی، اگر وہ ذمی ہیں تو "دماؤهم كدمائنا وأموالهم كأموالنا وأعراضهم كأعراضنا" کے اصول کی بناء پر وہ "المسلمون" میں داخل ہیں، چاہے وہ حقیقتاً مسلمان نہ ہوں، لیکن ان کو حکماً اہلِ اسلام میں داخل کیا گیا ہے، اس لئے کہ ان کے دماء، اموال اور اعراض کی حرمت کا وہی حکم ہے، جو مسلمانوں کے دماء، اموال اور اعراض کا حکم ہے۔

کفار اہلِ حرب کی دو قسمیں ہیں: ایک مصالحین جن سے صلح ہو چکی ہے، دوسرے محاربین جن سے صلح نہیں ہوئی، جن سے صلح ہو چکی ہے ان سے تعرض کی اجازت نہیں ہے، اور صلح کے مطابق ان کے اموال، دماء اور اعراض کی حفاظت کی ذمہ داری ہوگی، لہٰذا وہ بھی حکماً "المسلمون" کی قید میں داخل ہوں گے۔

رہ گئے کفار محاربین جو اہلِ حرب ہیں اور ان سے کوئی صلح نہیں تو بے شک وہ ایسے ہیں کہ ان کو ضرر اور نقصان پہنچایا جائے گا اور وہ بھی اس لئے تا کہ وہ اسلام کا مقابلہ کرنا اور اسلام کا راستہ روکنا چھوڑ دیں، بس یہ مستثنیٰ

---

(۱۳) فتح الباري: ۱/۵۳

ہوں گے اور باقی دوسرے مستثنیٰ نہیں، وہ حکماً "المسلمون" ہی میں شامل ہیں (۱۴)۔ چنانچہ دوسری روایت میں آتا ہے: "والمؤمنُ مَن أمِنَه الناسُ علی دِمائِهم وأموالِهم" (۱۵)، یہاں "الناس" کا لفظ عام ہے، اور اس میں مسلمان، ذمی اور حربی مصالح سب داخل ہیں۔

بہرحال حدیث شریف کا مقصد یہ ہے کہ ایک مسلمان اپنی زندگی میں، اپنے کسی قول، اپنے کسی عمل، اپنی کسی ادا اور اپنی کسی حرکت سے، معاشرے کے اندر، دوسروں کے لئے باعث اذیت اور باعث کلفت نہ ہونا چاہیے کہ یہی اس کے اسلام کی تعلیم اور اس کے پیغمبرِ امن وسلامتی کی تربیت اور حکم ہے!

من لسانه ويده

لسان کے شر سے سب وشتم، لعن طعن اور بہتان وغیبت سب داخل ہیں، ہر ایک سے بچنا واجب اور ضروری ہے۔ "من لسانه" فرمایا ہے "من قوله" نہیں فرمایا، اس لئے کہ لسان سے ایذا پہنچانا بغیر تلفظ اور تکلم کے بھی ہوتا ہے، جیسا کہ آدمی اپنی زبان نکال کر منہ چڑا دیتا ہے اس سے بھی ایذاء پہنچتی ہے، تو "لسان" کا لفظ اس لئے استعمال فرمایا تاکہ اس میں تلفظ اور قول بھی شامل ہو جائے اور زبان سے تکلیف واذیت پہنچانے کی دوسری صورتیں بھی شامل ہو جائیں!

"ويده" کا ذکر فرمایا، ہاتھ کے شر میں ضرب اور قتل بھی داخل ہے، دفع اور ہدم بھی، اسی طرح اس میں کتابت بالباطل بھی داخل ہے۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ ایذاء تو دوسرے اعضاء سے بھی پہنچائی جاتی ہے، پھر "يد" کی تخصیص کیوں کی گئی؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ سلطنتِ افعال "يد" ہی سے ظاہر ہوتی ہے، اخذ وبطش، وصل وقطع، منع واعطاء یہ سب ہاتھ سے ہوتے ہیں، یعنی اکثر وبیشتر افعال "يد" کے ذریعہ چونکہ کئے جاتے ہیں، اس لئے اس کا ذکر فرما

---

(١٤) راجع للاستزادة: فضل الباري: ١/٣٢٥، وعمدة القاري: ١/١٣٣

(١٥) سنن النسائي: ٢/٢٦٦، كتاب الإيمان وشرائعه، باب صفة المؤمن، وجامع الترمذي، كتاب الإيمان، باب ماجاء أن المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، رقم: ٢٦٢٧

دیا، دوسرے اعضا سے احتراز مقصود نہیں ہے۔

یا یوں کہیے کہ قبض علی مال الغیر کو چونکہ "یـــد" سے تعبیر کیا جاتا ہے تو قتل وضرب وغیرہ کے ساتھ اس نقصان کو جو قبض علی مال الغیر کی صورت میں ہوتا ہے، شامل کرنے کے لئے یہاں "یـــد" کا عنوان اختیار کیا گیا ہے(۱۶)۔

تقدیم لسان کی وجہ

یہاں یہ سوال کیا گیا ہے کہ "لسان" کو "ید" پر کیوں مقدم کیا گیا، سو اس کی وجہ یہ ہے کہ زبان سے جو تکلیف پہنچائی جاتی ہے وہ عام بھی ہے اور تام بھی ہے۔ اس لئے کہ ہاتھ سے تو اس کو نقصان پہنچا سکتے ہیں، جو آپ کے سامنے ہو اور عموماً یہی ہوتا ہے، جب کہ زبان سے اس آدمی کو بھی نقصان پہنچا سکتے ہیں جو غیر حاضر ہو، یہاں موجود نہ ہو، یا بے چارہ فوت ہو چکا ہو، یا پیدا ہی نہ ہوا ہو، چونکہ زبان کا شر عام اور تام ہے اسی لئے کہا جاسکتا ہے:

جَـراحـاتُ السِّـنـانِ لهـا التِيـامُ
ولا يَـلـتـامُ مـا جَـرحَ اللِّـسـانُ

زبان سے جو زخم لگایا جاتا ہے، وہ کبھی مندمل نہیں ہوتا بلکہ ہرا رہتا ہے، جب کہ ہاتھ کا زخم کچھ عرصے کے بعد درست ہو جاتا ہے، باقی نہیں رہتا(۱۷)۔

والمهاجرُ مَن هَجَر ما نَهَى اللّٰهُ عنه

یہاں بھی وہی صورت ہے کہ یا تو آپ الف لام کو عہد کے لئے لیں گے اور "مہاجر" سے "مہاجر کامل" مراد لیں گے۔

یا آپ الف لام کو جنس کے لئے قرار دیں گے اور مطلب یہ ہوگا کہ ہجرت وہی معتبر ہے جس میں گناہ نہ ہو اور مہاجر کہلانے کا مستحق وہی شخص ہے جو گناہ چھوڑ دے، اس لئے کہ وطن کو چھوڑنا بذاتِ خود کوئی مطلوب شے

---

(۱۶) تفصیل کے لئے دیکھیے، فتح الباري: ۱/۵٤، وعمدة القاري: ۱/۱۳۲، ۱۳۳

(۱۷) عمدة القاري: ۱/۱۳۲

نہیں ہے، ایک وطن سے دوسرے وطن کی طرف ہجرت کرنا تو اسی لئے ہوتا ہے کہ سابق وطن کے اندر اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا مشکل ہوگیا تھا، اس لئے اس کو چھوڑ کر دوسرے وطن کی طرف ہجرت کی جاتی ہے تو ہجرت کا اصل مقصد گناہ کو ترک کرنا ہے، پس اگر کوئی شخص ترکِ وطن کر کے دارالاسلام کی طرف آ گیا ہے مگر گناہوں کا ارتکاب پھر بھی کر رہا ہے تو وہ مہاجر کہلانے کے لائق نہیں ہے۔

پھر "المهاجرُ من هَجر مانَهَى اللّٰه عنه" کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ دراصل مہاجرین مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچتے تھے تو انصار کی طرف سے ان کے لئے ایثار کا مظاہرہ ہوتا تھا، وہ اپنے اموال بھی ان کو پیش کرتے تھے اور بعض اوقات اگر انصاری کی کئی بیویاں ہوتی تھیں تو وہ ان کو بھی پیش کر دیتے تھے اور کہتے تھے کہ تم جس کو پسند کرو، میں طلاق دے دیتا ہوں، تم نکاح کر لینا، تو اس لئے آپ نے تنبیہ کرنے لئے کہ ہجرت میں ان چیزوں کو مطلب و مقصود نہ بنالینا، ورنہ ہجرت کا عمل ضائع ہو جائے گا، فرمایا کہ گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرو، اس سے ہجرت کا مقصد بھی پورا ہو جائے گا، اور ہجرتِ حقیقیہ بھی شامل ہوگی۔

ایک بات یہ بھی تھی کہ جب آپ نے مکہ مکرمہ فتح کر لیا تو فتحِ مکہ کے بعد مسلمان ہونے والوں کو قلق اور افسوس تھا کہ ہم پہلے اگر اسلام لے آتے تو ہمیں بھی ہجرت کی فضیلت حاصل ہوتی، جو بڑی اہم فضیلت تھی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "لو لا الهجرةُ لكنتُ امرءً امِنَ الأنصارِ" (۱۸)۔

اگر ہجرت کی فضیلت نہ ہوتی تو میری تمنا اور آرزو ہوتی کہ میں بھی ایک انصاری ہوتا لیکن ہجرت کی فضیلت کی وجہ سے میں یہ تمنا نہیں کرتا۔ تو وہ حضرات جو فتحِ مکہ کے بعد مسلمان ہوئے اور ہجرت کا شرف انہیں حاصل نہ ہوا، ان کو افسوس تھا، ان کی تسلی اور اطمینانِ قلب کے لئے فرمایا کہ حقیقی ہجرت تو یہ ہے کہ گناہوں سے ہجرت اختیار کی جائے اور جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے ان سے اجتناب کیا جائے اور اس فضیلت کو تم اب بھی حاصل کر سکتے ہو، ان حضرات کی تسلی اور اطمینان کے لئے گویا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا (۱۹)۔

---

(۱۸) راجع: صحيح البخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب قول النبي صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم: لولا الهجرة لكنت امرءً ا من الأنصار، رقم ۳۷۷۹، وكتاب التمني، باب مايجوز من اللو، رقم ۷۲۴۴، و۷۲۴۵، وجامع الترمذي، كتاب المناقب، باب فضل الأنصار وقريش، رقم ۳۷۹۹

(۱۹) فتح الباري: ۱/۵۴، وإرشاد الساري: ۱/۹۴

ہجرت کا حکم

ہجرت کی ایک قسم ظاہری ہے اور ایک قسم باطنی (۲۰)۔

ہجرتِ ظاہرہ کا حکم یہ ہے کہ اگر آدمی کسی دار الکفر میں رہتا ہے اور وہاں حکم اسلام کو ادا کرنے کی اس کے لئے گنجائش نہیں چھوڑی گئی تو اس کے لئے ہجرت کرنا فرض ہے اور اگر وہاں احکامِ اسلام کو ادا کرنے میں کوئی خلل اندازی نہیں کی جاتی تو اس کے لئے ہجرت فرض تو نہیں ہے، لیکن پسندیدہ اور مستحب پھر بھی ہے، اس لئے کہ مسلمانوں کا ایک جگہ پر جتنا زیادہ اجتماع ہوگا، اتنا ہی وہ اسلام اور اہلِ اسلام کے حق میں زیادہ مفید ہوگا۔

ہجرت کی دوسری قسم جو ہجرت باطنہ ہے، اس کو ہجرتِ حقیقیہ بھی کہا جاتا ہے، یعنی ہجرت من الذنوب والمعاصی، کیونکہ دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف جو ہجرت ہو رہی ہے، یہ بذاتِ خود کوئی مقصود نہیں، یہ تو اس لئے ہے تاکہ گناہوں سے اور احکامِ اسلام کے ترک سے آدمی بچا رہے، اس لئے ہجرت من الذنوب والمعاصی، ہجرتِ حقیقیہ اور ہجرت باطنہ ہے، ظاہر ہے یہ ہجرت سب پر لازم اور ضروری ہے (۲۱)۔

۲۷ - باب : قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ : (لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلاً وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا) .

۶۱۲۰ : حدّثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ ، عَنْ عُقَيْلٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ سَعِيدِ ابْنِ المُسَيَّبِ : أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَانَ يَقُولُ : قالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : (لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلاً وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا) . [۶۲۶۱]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر تمہیں معلوم ہوتا وہ جو میں جانتا ہوں تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ! (یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب کی جو ہولناکیاں میرے مشاہدے اور علم میں ہیں، وہ تمہیں معلوم ہو جائیں تو تم کو ہنسی ہی نہ آتی اور بکثرت روتے رہتے)۔

عُقَیل (عین کے ضمہ اور قاف کے فتحہ کے ساتھ) ان کے والد کا نام خالد ہے۔

---

(۲۰) فتح الباري: ۱/۵٤

(۲۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے، کشف الباري، كتاب الإيمان: ۲/۶۷۷

٦١٢١ : حدَّثنا سُلَيْمانُ بْنُ حَرْبٍ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ مُوسَى بْنِ أَنَسٍ ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قالَ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (لَوْ تَعْلَمُونَ ما أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلاً وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا). [ر : ٤٣٤٥]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر تمہیں وہ معلوم ہوتا جو میں جانتا ہوں تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ (۱)۔

اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن مسجد نبوی کی طرف نکلے، تو دیکھا کہ کچھ لوگ بیٹھے باتیں کر رہے ہیں اور ہنس رہے ہیں، آپ نے فرمایا کہ موت کو بکثرت یاد کیا کرو، قسم ہے اس ذات کی! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر تمہیں وہ ہولناکیاں معلوم ہو جائیں جو مجھے معلوم ہیں تو تم ہنسوگے کم اور روؤگے زیادہ۔

---

(۱) قال ابن بطال:

: روى سنيد، عن هشيم، عن كوثر بن حكيم، عن نافع، عن ابن عمر قال: «خرج رسول الله ﷺ إلى المسجد، فإذا قوم يتحدثون ويضحكون، قال: أكثروا ذكر الموت، أما والذى نفسى بيده لو تعلمون ما أعلم لضحكتم قليلاً ولبكيتم كثيرًا».

وخشية الله إنما تكون على مقدار العلم به، كما قال تعالى: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ [فاطر: ٢٨]، ولما لم يعلم أحد كعلم النبى ﷺ لم يخش كخشيته، فمن نور الله قلبه وكشف الغطاء عن بصيرته، وعلم ما حباه الله من النعم، وما يجب عليه من الطاعة والشكر، وأفكر فيما يستقبل من أهوال يوم القيامة، وما يلقى العباد فى تلك المواقف من الشدائد، وما يعاينوه من مساءلة الله عباده عن مثاقيل الذر، وعن الفتيل والقطمير كان حقيقًا بكثرة الحزن وطول البكاء، ولهذا قال أبو ذرّ: لو تعلمون العلم ما ساغ لكم طعام ولا شراب، ولا نمتم على الفرش، ولاجتنبتم النساء، ولخرجتم إلى الصعدات تجأرون وتبكون.

وقال عبد الله بن عمرو: ابكوا، فإن لم تجدوا بكاءً فتباكوا، فلو تعلمون العلم لصلى أحدكم حتى ينكسر ظهره، ولبكى حتى ينقطع صوته. وقال الفضيل: بلغنى عن طلحة أنه ضحك يومًا فوثب على نفسه، وقال: فيم تضحك، إنما يضحك من قطع الصراط، ثم قال: آليت على نفسى ألا أكون ضاحكًا حتى أعلم متى تقع الواقعة، فلم ير ضاحكًا حتى صار إلى الله. (وانظر شرح ابن بطال: ١٠/١٩٥)

۲۸ - باب : حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ .

٦١٢٢ : حدّثنا إسْمَاعِيلُ قالَ : حَدَّثَنِي مالِكٌ ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ ، عَنِ الْأَعْرَجِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قالَ : (حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ ، وَحُجِبَتِ الجَنَّةُ بِالمكارِهِ) .

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، دوزخ خواہشات نفسانی سے ڈھک دی گئی ہے اور جنت مشکلات اور دشواریوں سے ڈھکی ہوئی ہے۔

جہنم اور خواہشاتِ نفسانی

جہنم شہوات اور لذتوں کے ساتھ ڈھک دی گئی ہے، شراب، زنا اور دوسرے ناجائز لذت پرستی کے کام جہنم تک پہنچانے والے ہیں، اس کے مقابلے میں جنت جن کاموں اور امور سے حاصل ہوتی ہے، ان میں نفس کا مجاہدہ اور مشقت ہوتی ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں تفصیل آئی ہے، جس کو امام ابوداود اور امام ترمذی نے مرفوعاً نقل کیا ہے:

”لَمّا خلق اللّٰهُ الجنّةَ، والنارَ أرسَلَ جبريلَ إلى الجنةِ، فقال: انظُرْ إليها، قال فرجَعَ فقال: وعزّتك لايَسمعُ بها أحد إلا دخَلَها، فأمَرَ بها فحُفَّتْ بالمكارِهِ، فقال: ارْجعْ إليها، فرجَعَ فقال: وعزّتِك لقد خِفْتُ أن لايدخُلَها أحدٌ. قال: اذهَبْ إلى النار فانظُرْ إليها، فرجع فقال: وعزّتِك لايَسمعُ بها أحد، فيدخُلَها، فأمر بها فحُفَّتْ بالشَّهَواتِ، فقال: ارجِعْ إليها، فرجع فقال: وعزّتك لقد خَشِيتُ أن لايَنجُوَ منها أحدٌ“(۱).

یعنی: ”اللہ تعالیٰ نے جب جنت اور جہنم پیدا فرمائی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام

(۱) فتح الباري: ۳۷۹/۱۱

کو جنت کی طرف بھیجا اور فرمایا اسے دیکھ کر آؤ، وہ دیکھ کر واپس آئے تو عرض کیا: تیری عزت کی قسم! اس کے متعلق تو جو بھی سنے گا، اس میں داخل ہو کر ہی رہے گا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسے مجاہدات اور پر مشقت اعمال سے ڈھک دیا گیا، اللہ تعالیٰ نے دوبارہ ان کو اس کے دیکھ کر آنے کا حکم دیا، اس بار جب وہ دیکھ کر واپس آئے تو عرض کیا: تیری عزت کی قسم! مجھے خدشہ ہے کہ اس میں کوئی بھی داخل نہیں ہو سکے گا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جہنم کو دیکھ کر آنے کا حکم دیا، جہنم دیکھ کر جب وہ واپس آئے تو عرض کیا: تیری عزت کی قسم! اس کے متعلق جو بھی سنے گا، اس میں داخل نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ نے جہنم کو شہوات اور لذتوں کے ساتھ ڈھکنے کا حکم دیا، پھر ان سے دوبارہ اس کو دیکھ کر آنے کا حکم دیا، اب کی بار جب وہ دیکھ کر واپس آئے تو عرض کیا: تیری عزت کی قسم! مجھے اندیشہ ہے کہ اس سے کوئی بھی نہ بچ سکے گا"۔

٢٩ – باب : (الجَنَّةُ أَقْرَبُ إِلَى أَحَدِكُمْ مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ ، وَالنَّارُ مِثْلُ ذٰلِكَ) .

٦١٢٣ : حدّثني مُوسَى بْنُ مَسْعُودٍ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ مَنْصُورٍ وَالْأَعْمَشِ ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللّٰهِ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ قالَ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (الجَنَّةُ أَقْرَبُ إِلَى أَحَدِكُمْ مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ ، وَالنَّارُ مِثْلُ ذٰلِكَ) .

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جنت تمہارے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے اور اسی طرح دوزخ بھی۔

جنت ایک قدم کے فاصلے پر

مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے تو جنت قریب ہے اور اس کی نافرمانی کی جائے تو جہنم قریب ہے، علامہ ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ حدیث کے معنی یہ ہیں کہ تصحیح نیت کر کے طاعت اختیار کی جائے تو جنت کا ملنا آسان ہے، اور نفسانی خواہش کی موافقت کر کے نافرمانی اختیار کی جائے تو جہنم میں گرنا

آسان ہے(۱)۔

٦١٢٤ : حدّثني مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى : حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ : حَدَّثَنَا شعْبَةُ ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (أَصْدَقُ بَيْتٍ قالَهُ الشَّاعِرُ : أَلَا كُلُّ شَيْءٍ ما خَلَا اللّهَ بَاطِلُ) . [ر : ٣٦٢٨]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، سب سے سچا شعر جسے شاعر نے کہا ہے، یہ ہے: إلا كل شيء ما خلا الله باطل ''ہاں! اللہ کے سوا تمام چیزیں بے بنیاد ہیں''۔

غندر کا نام محمد بن جعفر ہے۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

روایت کے اندر کہا گیا ہے کہ اللہ کے سوا ہر شی باطل ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ دنیا کا ہر وہ کام جو اللہ تعالیٰ کی طاعت اور قرب کا ذریعہ نہ بنے، وہ باطل ہے اور اس میں مشغول رہنا، اپنے آپ کو جنت سے دور کرنا ہے، حالانکہ جنت جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے اور اللہ کی اطاعت والے امور میں مشغول ہونا، جہنم سے دوری کا ذریعہ ہے، وہ جہنم جو جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ انسان کے قریب ہے..... علامہ عینی رحمہ اللہ نے یہ مناسبت بیان کر کے لکھا: "إنه من الفيض إلا لهيّ الذي وَقَع في خاطري......" یعنی: ''یہ مناسبت الہامی ہے، جو اللہ تعالیٰ کے فضل وعنایت سے میرے دل میں آئی'' (۲).

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس دوسری حدیث کی مناسبت واضح نہیں، پھر مناسبت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ترجمۃ الباب اور پہلی حدیث میں اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ طاعت اختیار کی جائے اور معصیت سے بچا جائے، اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جو شخص طاعت اختیار نہیں کرے گا، وہ کسی دنیوی کام کی وجہ سے ایسا کرے گا اور دنیا کا ہر کام باطل اور فانی ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے، لہٰذا عقل کا تقاضا ہے

(۱) فتح الباري: ۱۱/ ۳۹۰

(۲) عمدة القاري: ۲۳/ ۱۲۰، وإرشاد الساري: ۱۳/ ٤٨٦، ٤٨٧

کہ فانی کو باقی پر ترجیح نہ دی جائے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

"مناسبة هذا الحديث الثاني للترجمة خفية، وكأن الترجمة لما تضمنت ما في الحديث الأول من التحريض على الطاعة ولو قلت والزجر عن المعصية ولو قلت فيفهم أن من خالف ذلك إنما يخالفه لرغبة في أمر من أمور الدنيا، وكل ما في الدنيا باطل كما صرح به الحديث الثاني، فلا ينبغي للعاقل أن يؤثر الفاني على الباقي"(۳).

۳۰ - باب: لِيَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْهُ، وَلَا يَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَهُ.

۶۱۲۵: حدّثنا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: (إِذَا نَظَرَ أَحَدُكُمْ إِلَى مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ وَالْخَلْقِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْهُ).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی شخص کسی ایسے آدمی کو دیکھے جو مال اور شکل وصورت میں اس سے بڑھ کر ہے تو اس وقت کسی ایسے شخص کا دھیان کرنا چاہیے جو اس سے کم درجہ ہے۔

اعرج کا نام عبدالرحمٰن بن ھرمز ہے، اور ابوالزناد کا نام عبداللہ بن ذکوان ہے۔

ایک ایمان افروز اصول

اس باب کے اندر امام بخاری رحمہ اللہ نے زندگی کا ایک مؤمنانہ اصول بیان فرمایا ہے کہ مال ودولت کے سلسلے میں انسان کو اپنے سے کم تر کو دیکھنا چاہیے، اپنے سے برتر کی طرف نظر نہیں کرنی چاہیے اس لئے کہ دنیوی اعتبار سے اپنے سے کم تر کو دیکھے گا تو اپنی حالت پر شکر کا جذبہ پیدا ہوگا اور برتر کی طرف دیکھے گا تو دنیوی حرص وہوس میں اضافہ ہوگا اور شکر کی طرف توجہ نہیں رہے گی، یہ دنیا کسمپرسی، بے کسی اور تنگ دستی کے واقعات

(۳) (فتح الباري: ۱۱/۳۹۱، نیز دیکھئے، إرشاد الساري: ۱۳/۴۸۷

سے بھری پڑی ہے اور بہت خستہ حال شخص بھی اپنے سے زیادہ خستہ حال کو تلاش کرے گا، تو اسے مل جائے گا۔

البتہ دین اور اللہ کی طاعت کے سلسلے میں معاملہ اس کے برعکس ہونا چاہیے کہ انسان اپنے سے برتر کی طرف نظر کرے تو اس کے ورع وتقویٰ اور شوقِ عبادت میں یہ اضافے کا ذریعہ بنے گا، اور اپنی دینی حالت اگر اچھی ہے تو اس پر عُجب پیدا نہیں ہوگا۔

چنانچہ عمرو بن شعیب سے ایک مرفوع حدیث منقول ہے، اس میں ہے:

"خَصْلتان مَنْ كانتا فيه كَتَبه الله شاكراً صابراً: من نَظَر في دنياه إلى مَـنْ هـو دُونَـه، فـحمِدَ الله على مافضّلَه به عليه، ومَن نظر في دينِه إلى من هو فوقَه فاقتدَى به"(١).

یعنی "دو خصلتیں جس شخص میں ہوں گی، اللہ جل شانہ اسے شاکر صابر لکھ دیں گے، ایک یہ کہ آدمی دنیا میں اپنے سے کم تر کی طرف دیکھے اور اللہ کا شکر کرے کہ اللہ نے اس کو اس کم تر پر فوقیت عطا فرمائی ہے، دوسری یہ کہ آدمی اپنے دین میں اپنے سے برتر کی طرف دیکھے اور اس کی اتباع کرے"۔

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ، بخاری شریف کی شرح میں حدیثِ باب کے متعلق لکھتے ہیں:

"وهـذا حـديث جامع لمعاني الخير، وذلك أن العبد لايكون بحال من عبـادة ربـه مـجتهـداً فيهـا؛ إلا وجـد مـن هـو فـوقه في ذلك، فمتى طلب نفسه بـالـلحاق بمن هو فوقه استقصر حاله التي هو عليها، فهو أبداً في زيادة تقربه من ربـه، ولا يكون على حالةٍ خسيسةٍ من دنياه إلا وجد من أهلها من هو أخسّ منه حـالا، فـإذا تـأمل ذلك وتفكره وتبين نعم الله عليه؛ علم أنها وصلت إليه تصل إلـى كثيـر من خلقه، فضله الله بها من غير أمر أوجب ذلك له على خالقه، ألزم نفسه من الشكر عليها أن وفق لها ما يعظم به اغتباطه في معاده(٢).

(١) إرشاد الساري: ٤٨٧/١٣، سنن الترمذي، كتاب صفة القيامة، باب: ٦٦٥/٤، رقم الحديث: ٢٥١٢، ولفظه: خصلتان من كانتا فيه كتبه الله شاكراً صابراً، ومن لم تكونا فيه، لم يكتبه الله شاكراً ولا صابراً، من نظر في دينه إلى من هو فوقه فاقتدى به، ونظر في دنياه إلى من هو دونه، فحمدالله على مافضّله به عليه كتبه الله شاكراً صابراً......

(٢) شرح ابن بطال: ١٩٩/١٠

۳۱ - باب : مَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ أَوْ بِسَيِّئَةٍ .

٦١٢٦ : حدّثنا أَبُو مَعْمَرٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ : حَدَّثَنَا جَعْدٌ أَبُو عُثْمَانَ : حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ الْعُطَارِدِيُّ ، عَنِ ٱبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ، فِيمَا يَرْوِي عَنْ رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ : قَالَ : (إِنَّ ٱللهَ كَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ ثُمَّ بَيَّنَ ذٰلِكَ ، فَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا ٱللهُ لَهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً ، فَإِنْ هُوَ هَمَّ بِهَا وَعَمِلَهَا كَتَبَهَا ٱللهُ لَهُ عِنْدَهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ إِلَى أَضْعَافٍ كَثِيرَةٍ ، وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا ٱللهُ لَهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً ، فَإِنْ هُوَ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا ٱللهُ لَهُ سَيِّئَةً وَاحِدَةً) . [ر : ٧٠٦٢]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک حدیث قدسی میں فرمایا، اللہ تعالیٰ نے نیکیاں اور برائیاں مقدر کردی ہیں اور پھر انہیں واضح کردیا ہے، پس جس نے نیکی کا ارادہ کیا، لیکن اس پر عمل نہ کرسکا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ایک مکمل نیکی کا بدلہ لکھا ہے اور اگر اس نے ارادہ کے بعد اس پر عمل بھی کرلیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے یہاں دس گنا سے لے کر سات سوگنا تک نیکیاں لکھی ہیں اور اس سے بھی بڑھاکر اور جس نے برائی کا ارادہ کیا پھر اس پر عمل نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے اپنے یہاں ایک نیکی لکھی ہے اور اگر اس نے ارادہ کے بعد اس پر عمل بھی کرلیا تو اپنے یہاں اس کے لئے صرف ایک برائی لکھی ہے۔

قصد وارادہ کے پانچ مراحل

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے نیکی اور گناہ کے قصد اور ارادہ کا حکم بیان فرمایا ہے۔ حضرات علماء نے قصد وارادہ کے پانچ مراتب بیان کئے ہیں، ان میں سے صرف آخری مرتبہ جمہور علماء کے نزدیک قابل مواخذہ ہے، باقی صورتوں میں مواخذہ نہیں۔

❶ ھاجس: یہ قصد وارادہ کا پہلا درجہ ہے، کہ کسی گناہ کا اور اللہ کی نافرمانی اور معصیت کا خیال بے اختیار

دل ودماغ میں آ کر گزر جائے، اسے ھاجس کہتے ہیں، اور ہوا کے جھونکے کی طرح آنے والے اس طرح کے خیال پر کوئی مواخذہ نہیں۔

❷ خاطر: کسی برائی کا خیال دل میں آ کر ٹھہر جائے اور قرار حاصل کرے جس کی وجہ سے ایک خلجانی کیفیت پیدا ہو جائے، لیکن اس خیال پر عمل کرنے، نہ کرنے کے متعلق کوئی ارادہ پیدا نہ ہو، اس پر بھی کوئی مواخذہ نہیں۔

❸ حدیث النفس: یہ قصد وارادہ کا تیسرا درجہ ہے، کہ دل میں خیال آ کر ٹھہرے اور عمل کرنے اور نہ کرنے کی طرف بھی توجہ ہوئی لیکن تردد کی وجہ سے عمل یا ترک، کسی طرف جھکاؤ نہیں ہوا اور وہ خیال جاتا رہا...... اس مرحلہ پر بھی کوئی مواخذہ نہیں۔

❹ ھم: یہ قصد وارادہ کا چوتھا درجہ ہے، کہ دل میں خیال آ کر قرار پکڑے اور اس پر عمل کی طرف میلان اور جھکاؤ بھی پیدا ہو، لیکن اس میلان میں ابھی پختگی نہیں...... یہ مرحلہ بھی قابل مواخذہ نہیں۔

❺ عزم: یہ پانچواں مرحلہ ہے، اس میں دل میں آنے والا خیال صرف قرار ہی نہیں پکڑتا بلکہ اس پر عمل کرنے کا پختہ عزم اور ارادہ پایا جاتا ہے۔ یہ صورت جمہور علماء کے نزدیک قابل مواخذہ ہے(۱)۔

کسی نے ان پانچ مراتب کو اس شعر کے اندر بیان کر دیا ہے:

مراتب القصد خمس: هاجسٌ ذُكِر ... فخاطرٌ، فحديثُ النفس فاستَمِعا

يَلِيه هَمٌّ، فعَزْمٌ، كلُّها رُفِعتْ ... سوى الآخِر ففيه الأخذُ قد وَقَعا(۲)

قصد وارادہ کی جو صورت قابل مواخذہ ہے، وہ عزم والی صورت ہے، جس میں کسی برے خیال اور معصیت پر آمادہ ہونے کا اس قدر پختہ ارادہ کر لیا جائے کہ اگر کوئی خارجی مانع نہ ہو اور اسباب وذرائع مہیا ہوں تو وہ یقینی طور پر عملی صورت اختیار کرلے اور اس پر عمل کر گزرے۔

---

(۱) فتح الباري: ۱۱/۳۹۸، وفتح الملهم، كتاب الإيمان، باب إذا همّ العبدُ بحسنة كتبت وإذا همّ بسيّئة لم تكتب: ۲/۹٤، والتعليق الصبيح، كتاب الإيمان: ۱/۵۹

(۱) وفتح الملهم، كتاب الإيمان، باب إذا همّ العبد بحسنة كتبت، وإذا همّ بسيّئة لم تكتب: ۲/۹۵

یہ صورت قابلِ مواخذہ ہے، البتہ اس مواخذہ کی نوعیت عملی طور پر ہونے والے گناہ سے کم ہوگی، یہ گناہ، ارادہ کا ہے، عمل کا نہیں...... یہ جمہور علماء کا مسلک ہے، قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اسے فقہاء، محدثین اور جمہور سلف کا مسلک قرار دیا ہے (۳)۔

اس پر صحیح بخاری شریف کی ایک حدیث سے اشکال ہوسکتا ہے جس کے الفاظ ہیں:

"إن اللّٰه تَجاوَزَ عن أمتي ما وَسْوَسَتْ به صدورُها مالم تَعمَلْ أو تَتَكلَّمْ به"(٤).

یعنی: "اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دلوں میں پیدا ہونے والے وسوسوں کو معاف کردیا ہے، الا یہ کہ وہ ان پر عمل کرگزریں یا ان کو زبان پر لے آئیں"۔

اسی طرح صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إن اللّٰه تَجاوَزَ لأمتي ماحَدَّثَتْ به أنفُسُها مالم يَتكلَّموا، أو يَعمَلوا به"(٥).

یعنی: "اللہ تعالیٰ نے دلوں میں پیدا ہونے والے خیالات اور وساوس کو معاف کردیا ہے، الا یہ کہ انہیں زبان پر لایا جائے یا ان پر عمل کیا جائے"۔

صحیح مسلم میں ایک اور روایت ہے، اس میں ہے:

"إذا هَمَّ عبدي بسيئةٍ فلا تَكْتُبُوها عليه، فإن عَمِلَها، فاكتُبوها سيئةً"(٦).

---

(٣) شرح مسلم للنووي، كتاب الإيمان: ١/٣٣٠

(٤) صحيح البخاري، كتاب العتق، باب الخطأ والنسيان في العتاقه والطلاق: ١/٣٤٣

(٥) صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب تجاوز الله من حديث النفس: ١/٣٢٧، رقم: ٣٢٧

(٦) صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب إذا هم العبد بحسنة.....: ١/٣٢٩، رقم: ٢٣٠

یعنی: ''صرف ارادہ گناہ پر میرے بندے کا گناہ نہ لکھو، اگر وہ ارادہ عمل میں لے آیا تو پھر ایک گناہ لکھو''۔

ان احادیث کے ظاہر سے استدلال کر کے بہت سارے علماء فرماتے ہیں کہ جب تک فعل صادر نہ ہو، تو صرف خیال اور عزم کی وجہ سے مواخذہ نہیں ہوگا، امام مازری رحمہ اللہ نے اس کو اکثر فقہاء اور محدثین کا مسلک قرار دیا (۷)۔

جو حضرات عزمِ سیئہ پر مواخذہ کے قائل ہیں، وہ ان احادیث کو ان صورتوں پر محمول کرتے ہیں۔ جب عزم نہ ہو، صرف دل میں خیال آجائے، امام ابوبکر باقلانی نے اسی مسلک کو اختیار کیا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے اسی مسلک کو حسن قرار دیا، وہ فرماتے ہیں عزم قلب پر مواخذہ کا ہونا نصوص شرعیہ سے ثابت ہے، مثلاً آیت کریمہ میں ہے: ﴿إن الذين يحبون أن تشيع الفاحشة في الذين آمنوا لهم عذاب أليم﴾ (۸)...... اسی طرح ایک دوسری آیت کریمہ میں ہے: ﴿اجتنبوا كثيرا من الظن إن بعض الظن اثم﴾ (۹) بدگمانی، حسد، تکبر، کسی مومن کی دل سے تحقیر...... تمام وہ روحانی بیماریاں ہیں، جن کا تعلق دل سے ہے اور ان کے مواخذے پر علماء کا اجماع ہے (۱۰)۔

بعض احادیث سے بھی صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ گناہ کا اگر کسی نے عزم کرلیا تو اس پر مواخذہ ہے۔

تعارضِ روایات اور اس کا حل

امام احمد رحمہ اللہ نے ابوکبشہ انماریؓ سے ایک مرفوع روایت نقل کی ہے، جس میں ہے: دنیا چار آدمیوں کے لئے ہے، اس میں ہے:

"عبدٌ رَزَقَه الله مالا، ولم يَرزُقْه علماً، فهو يعمل في ماله بغير علمٍ

---

(۷) دیکھئے: شرح مسلم للنووي، كتاب الإيمان: ۱/۳۳۰

(۸) سورة النور: ۱۹

(۹) سورة الحجرات: ۱۲

(۱۰) مذکورہ تفصیل کے لئے دیکھئے، شرح مسلم النووي، كتاب الإيمان: ۱/۳۳۰

لایَتَقِي فیه ربَّه، ولا یَصِلُ فیه رَحِمَه، ولا یری للّٰه فیه حقاً، فهذا بأخبَثِ المنازل، ورجلٌ لم یَرزُقْه اللّٰه مالاً ولا علماً، فهو یقول: لو أن لي مالاً، لعَمِلتُ فیه بعملِ فلانٍ، فهما في الوِزْرِ سواء"(۱۱).

یعنی: ''جس بندے کو اللہ نے مال دیا، مگر علم نہ دیا ہو اور وہ اپنے مال میں بغیر علم کے ایسا تصرف کرتا ہے کہ اس کی بابت اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، نہ اسے صلہ رحمی میں خرچ کرتا ہے اور نہ اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی حق سمجھتا ہے، تو یہ بدترین درجے میں ہے اور وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے نہ مال دیا ہو اور نہ علم، مگر اس کی خواہش ہو کہ اس کے پاس اگر مال ہوتا تو وہ بھی اس پہلے والے شخص کی طرح اس مال میں تصرف کرتا تو ان دونوں کا گناہ برابر سرابر ہے''۔

اس حدیث اور حدیثِ باب میں بظاہر تعارض ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کا حل یہی نکالا کہ مسند احمد کی اس حدیث کو عزم پر محمول کیا جائے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"الجمعُ بین الحدیثَین بالتنزیلِ علی حالَتَین: فتُحمَلُ الحالةُ الأولیٰ علی مَن هَمَّ بالمعصِیةِ هَماً مجرّداً من غیر تصمیم، والحالةُ الثانیةُ علی من صَمَّمَ علَی ذلك، وأصرَّ علیه، وهو موافِقٌ لما ذهب إلیه الباقِلّانيُّ"(۱۲).

یعنی: ''ان دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق کی صورت یہ ہے کہ ان کو دو حالتوں پر محمول کیا جائے، پہلی حالت کو اس شخص پر محمول کیا جائے جو گناہ کا ارادہ کرے مگر وہ ارادہ مصمّم اور پختہ نہ ہو اور دوسری حالت کو اس شخص پر محمول کیا جائے جو گناہ کا عزم مصمم کرے، جیسا کہ باقلانی رحمہ اللہ کا مذہب ہے''۔

---

(۱۱) مسند الإمام أحمد: ۲۳۱/٤

(۱۲) فتح الباري: ۳۲۵/۱۱

اسی طرح ایک دوسری مشہور حدیث ہے:

"إذا التقَى المُسلِمان بسَيفَيهما، فالقاتلُ والمقتولُ في النار، قيل: هذا القاتل، فما بال المقتول؟ قال: إنه كان حريصاً على قتلِ صاحبِه"(۱۳).

یعنی: ''جب دو مسلمان تلواریں لے کر ایک دوسرے کے سامنے آجائیں (اور ایک قتل ہوجائے) تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہوں گے، کسی نے عرض کیا: یہ تو قاتل ہے، مگر مقتول کا کیا قصور؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ بھی اس قاتل کو قتل کرنے کا سخت خواہش مند تھا''۔

اس حدیث سے بھی عزمِ گناہ پر مواخذے کی صراحت معلوم ہورہی ہے۔

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ کی تحقیق

لیکن علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے ابوکبشہ انماری اور ان دوسری نصوص کے بارے میں فرمایا کہ ان میں عزم اور مراقب قصد کا ذکر نہیں، بلکہ یہ درحقیقت اخلاقی بیماریاں ہیں اور یہ الگ چیز ہیں، حضرت لکھتے ہیں:

"قلتُ: حديثُ أبي كَبشةَ الأنماريِّ ليس من باب العزم في شيءٍ حتى يَستدِلَّ به من يقولُ بالمؤاخَذة بالعزمِ، فإنَ مدلولَ حديثِ أبي كبشةَ، إنما هو التحسُّرُ على فَواتِ معصيةِ الله، وفُقدانِ أسبابِها، وهذا من الكَيفيَاتِ النفسانيّةِ التي تُلحَقُ بالمَلَكات: كالحسَدِ، والعُجْبِ، والنِّفاقِ، والكِبْرِ، وغيرِها وكذلك حُبُّ شُيوعِ الفاحشةِ، وإساءةِ الظنِّ باللّٰه، وبالمؤمنينَ ليس من مراتبِ القصدِ، بل هما من جنسِ الأخلاقِ الذميمةِ والمَلَكات الرديئة التي يُؤاخَذُ بها العبدُ بالاتّفاقِ، فيَظهَر على هذا رَكاكة الاحتجاجِ بقوله عزوجل:

(۱۳) فتح الملهم، كتاب الإيمان: ۲/۹٤

﴿إن الذين يحبُّون أن تشيع الفاحشة......﴾ وقوله تعالىٰ: ﴿اجتنبوا كثيراً من الظن......﴾ على المؤاخَذِة بالعزم"(١٤).

یعنی: ''میرا خیال ہے، ابوکبشہ انماری کی حدیث کا تعلق عزم سے ہے ہی نہیں کہ اس سے عزم پر مواخذہ کرنے پر استدلال کیا جاسکے، بلکہ اس حدیث کا مدلول ومفہوم یہ ہے کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کی معصیت نہ ہوسکنے اور معصیت کے وسائل واسباب موجود نہ ہونے پر افسوس وحسرت کرتا ہے اور یہ کیفیاتِ نفسانیہ سے تعلق رکھتا ہے، جو برے اخلاق، مثلاً: حسد، عجب، نفاق، تب کر وغیرہ کے حکم میں ہیں، اسی طرح بے حیائی کے پھیلاؤ کی خواہش اور اللہ تعالیٰ اور مومنین کے متعلق بدگمانی بھی مراتبِ قصد میں سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ اخلاق ذمیمہ اور برے ملکات کی جنس سے ہیں جس پر بالاتفاق انسان کا مواخذہ کیا جاتا ہے، اس تفصیل سے یہ بات واضح اور ظاہر ہوگئی کہ عزم پر مواخذہ کے سلسلے میں آیت کریمہ: ﴿إن الذين يحبُّون أن تشيع الفاحشة......﴾ اور آیت کریمہ: ﴿اجتنبوا كثيراً من الظن......﴾ سے استدلال کرنا کس قدر ضعیف اور رکیک ہے''۔

عزم کی دو قسمیں: فائدہ...... بعض حضرات نے عزم کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں:

❶ ایک وہ جن کا تعلق صرف دل سے ہے اور اعضاء وجوارح سے اس کا ظہور نہیں ہوتا، جیسے شک، حسد، بغض وغیرہ۔

❷ دوم وہ جن کا تعلق جوارح سے ہے، مثلاً زنا، چوری وغیرہ...... علماء کا ذکر کردہ اختلاف اس دوسری قسم میں ہے، یعنی ایک شخص نے ایسی برائی کا دل سے ارادہ کیا جس کا تعلق جوارح سے ہے، مثلاً چوری، زنا وغیرہ کا تو اس کا مواخذہ ہوگا یا نہیں؟...... بعض علماء کے نزدیک جب تک عملی شکل اختیار نہ کرلے، مواخذہ نہیں ہوگا، اگرچہ اس نے اس برائی کے ارتکاب کا عزم اور پختہ ارادہ ہی کیوں نہ کرلیا ہو اور اکثر علماء فرماتے ہیں کہ پختہ ارادے کی صورت میں مواخذہ ہوگا(١٥)۔

---

(١٤) فتح الملهم، كتاب الإيمان: ٢/٩٤

(١٥) فتح الملهم، كتاب الإيمان: ٢/٩٥

۳۲ - باب : مَا يُتَّقَى مِنْ مُحقَّرَاتِ الذُّنُوبِ .

گناہ کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیے

گناہوں کو معمولی اور چھوٹا نہیں سمجھنا چاہیے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب کے اندر اس بات کی طرف متوجہ کیا ہے کہ گناہوں کو چھوٹا نہیں سمجھنا چاہیے، اس طرح انسان کے دل میں گناہوں کی سنگینی اور شناعت ختم ہو جاتی ہے اور انسان بڑے بڑے گناہوں کا عادی ہونے لگتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا: یا عائشة، إياك ومحقرات الذنوب، فإن لها من الله طالبا"(۱). یعنی: اے عائشہ! جو گناہ چھوٹے سمجھے جاتے ہیں، ان سے بھی بچیے، اس لئے کہ اللہ کی طرف سے ان کی باز پرس ہوگی"۔

٦١٢٧ : حدّثنا أَبُو الْوَلِيدِ : حَدَّثَنَا مَهْدِيٌّ ، عَنْ غَيْلَانَ ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ قَالَ : إِنَّكُمْ لَتَعْمَلُونَ أَعْمَالاً ، هِيَ أَدَقُّ فِي أَعْيُنِكُمْ مِنَ الشَّعَرِ ، إِنْ كُنَّا لَنَعُدُّهَا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ مِنَ الْمُوبِقَاتِ . قَالَ أَبُو عَبْدِ ٱللَّهِ : يَعْنِي بِذٰلِكَ الْمُهْلِكَاتِ .

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تم لوگ بہت سے اعمال کرتے ہو اور وہ تمہاری نظروں میں بال سے بھی زیادہ معمولی ہوتے ہیں، حالانکہ ہم انہیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں "موبقات" سمجھتے تھے۔

ابو عبداللہ یعنی امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ موبقات سے مراد ہیں: ہلاک کرنے والے گناہ۔

مہدی سے مہدی بن میمون مراد ہے، اور غیلان سے غیلان بن جریر مراد ہیں، علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حافظ ابن حجر نے ہدی الساری مقدمہ فتح الباری میں اس کی وضاحت کی ہے(۲)، اگر چہ فتح الباری میں

---

(۱) فتح الباري: ۱۱/ ٤٠٠

(۲) هدي الساري، الفصل السابع: ٤٩٠

انہوں نے غیلان بن جامع لکھا ہے لیکن مقدمہ والاقول ہی صحیح ہے (۳)۔ تاہم حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں غیلان بن جریر ہی لکھا ہے (۴)، ممکن ہے قسطلانی کے پاس جو نسخہ تھا، اس میں ''ابن جامع'' لکھا ہو!

علامہ عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وكان الصحابة يعدون الصغائر من الموبقات لشدة خشيتهم لله ولم تكن لهم كبائر، والمُحَقَّرَات إذا كثُرَت، صارت كبائر للإصرار عليها"(٥).

یعنی: ''حضرات صحابہ، خوفِ خدا کی وجہ سے چھوٹے گناہوں کو بھی مہلک گناہ سمجھتے تھے، بڑے گناہ تو ان کے تھے ہی نہیں، چھوٹے گناہوں کی بھی جب کثرت ہو جائے تو وہ بڑے بن جاتے ہیں''۔

٣٣ - باب : الْأَعْمَالُ بِالخَوَاتِيمِ ، وَمَا يُخَافُ مِنْهَا .

اعمال کا دارومدار خاتمہ پر ہے

اعمال کا دارومدار خاتمہ پر ہے، انسان کے خاتمہ کے وقت اس کا عمل کیسے رہا؟ اس کے مطابق فیصلہ ہوگا، ایک شخص ساری زندگی گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مبتلا رہا، لیکن آخر عمر میں اللہ تعالیٰ نے توبہ اور خیر کی توفیق دے دی اور اس کا خاتمہ بالخیر ہوگیا، تو وہ ایک کامیاب اور بامراد انسان ہے، اس کے برعکس ایک دوسرا شخص ساری زندگی اللہ کی طاعت میں مصروف رہا، لیکن آخر میں کسی وجہ سے وہ گناہوں میں مبتلا ہوگیا اور اس کا خاتمہ خیر کے ساتھ نہیں ہوا، تو یہ ناکام اور نامراد ہے، اس لئے انسان کو اپنے خاتمے کے بارے میں بڑا فکرمند رہنا چاہیے اور سوء خاتمہ سے ڈرتے رہنا چاہیے کہ اصل اعتبار خاتمہ ہی کا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب سے، اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے......

جس شخص کو اپنے خاتمہ اور عاقبت کی فکر رہے گی، وہ اپنے اعمال کے بارے میں عجب اور خود پسندی میں کبھی مبتلا نہیں ہوگا۔

---

(٣) إرشاد الساري: ١٣/٤٩٠

(٤) دیکھئے فتح الباري: ١١/٤٠٠

(٥) عمدة القاري: ٢٣/١٢٣

٦١٢٨ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَيَّاشٍ الْأَلْهَانِيُّ الْحِمْصِيُّ : حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ : حَدَّثَنِي أَبُو حازِمٍ ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ : نَظَرَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى رَجُلٍ يُقَاتِلُ الْمُشْرِكِينَ ، وَكَانَ مِنْ أَعْظَمِ الْمُسْلِمِينَ غَنَاءً عَنْهُمْ ، فَقَالَ : (مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى هٰذَا) . فَتَبِعَهُ رَجُلٌ ، فَلَمْ يَزَلْ عَلَى ذٰلِكَ حَتَّى جُرِحَ ، فَاسْتَعْجَلَ الْمَوْتَ ، فَقَالَ بِذُبَابَةِ سَيْفِهِ فَوَضَعَهُ بَيْنَ ثَدْيَيْهِ ، فَتَحَامَلَ عَلَيْهِ حَتَّى خَرَجَ مِنْ بَيْنِ كَتِفَيْهِ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (إِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ ، فِيمَا يَرَى النَّاسُ ، عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنَّهُ لَمِنْ أَهْلِ النَّارِ ، وَيَعْمَلُ ، فِيمَا يَرَى النَّاسُ ، عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ ، وَإِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِخَوَاتِيمِهَا) . [ر : ٢٧٤٢]

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو مشرکین سے جنگ میں مصروف تھا، یہ شخص مسلمانوں کے صاحبِ مال و دولت لوگوں میں سے تھا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی چاہتا ہے کہ کسی جہنمی کو دیکھے تو وہ اس شخص کو دیکھ لے، اس پر ایک صاحب اس شخص کے پیچھے ہو گیا، وہ شخص مسلسل لڑتا رہا اور آخر زخمی ہو گیا۔ پھر اس نے چاہا کہ جلدی مر جائے، چنانچہ اپنی تلوار کی دھار اپنے سینے کے درمیان رکھ کر اس پر اپنے آپ کو ڈال دیا اور تلوار اس کے شانوں کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، بندہ بسا اوقات لوگوں کی نظر میں اہلِ جنت کے کام کرتا رہتا ہے حالانکہ وہ اہل جہنم میں سے ہوتا ہے، ایک دوسرا بندہ لوگوں کی نظر میں اہل جہنم کے کام کرتا رہتا ہے، حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے (کیونکہ آخری زندگی میں صالح ہو جاتا ہے)۔ اور اعمال کا اعتبار تو خاتمہ پر ہے۔

ابو غسّان کا نام محمد بن مطرف ہے۔

ذُبابة: تلوار کی دھار، یہ حدیث کتاب الجہاد میں باب لایقال فلان شهید کے تحت گزر چکی ہے، حدیث شریف میں جس آدمی کا ذکر ہے، اس کا نام قزمان (بضم القاف) تھا۔

٣٤ - باب : اَلْعُزْلَةُ رَاحَةٌ مِنْ خُلَّاطِ السُّوءِ.

عُزْلة: (بضم العین وسکون الزاء) خلوت اور تنہائی کو کہتے ہیں۔

خلاط: خلیط کی جمع ہے، خلیط کی جمع خُلَطاء بھی آتی ہے، علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ مصدر بھی ہوسکتا ہے، خلیط سے مراد دوست اور ساتھی ہیں۔ **سوء:** (سین کے فتحہ کے ساتھ) بمعنی برا(۱)۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ خلوت نشینی اور تنہائی میں برے مصاحبین اور غلط قسم کے لوگوں کی صحبت سے انسان محفوظ رہتا ہے۔

امام حاکم نے حضرت ابوذر سے روایت نقل کی ہے، "الوحدة خير من جليس السو......"(۲)۔ یعنی: تنہائی، برے ساتھی سے بہتر ہے۔

ترجمۃ الباب کے جو الفاظ ہیں، یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے، جسے ابن ابی شیبہ نے موصولاً ذکر فرمایا ہے(۳)۔

خلوت نشینی کے فوائد

خلوت نشینی کے بڑے فوائد ہیں، انسان بری صحبت سے اور لوگوں کی غیبت سے محفوظ رہتا ہے، خلوت نشینی اختیار کرنے والا لوگوں کے شر سے اور لوگ اس کی اذیت سے محفوظ ہوتے ہیں، عبادت کے لئے دل جمعی کے ساتھ وقت مل جاتا ہے اور لغو اور فضول باتوں سے آدمی بچا رہتا ہے، حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کا قول مشہور ہے:

"مكابدة العزلة أيسر من مدارة الخلطة"(٤). یعنی: "خلوت نشینی کی مشقت، لوگوں کے اختلاط کے مدارات کے مقابلے میں آسان ہے"۔

---

(١) فتح الباري: ٤٠٢/١١، وعمدة القاري: ١٢٥/٢٣

(٢) فتح الباري: ٤٠٢/١١، مستدرك الإمام الحاكم، كتاب معرفة الصحابة: ٣٨٧/٣، رقم الحديث: ٥٤٦٦

(٣) فتح الباري: ٤٠٢/١١

(٤) فتح الباري: ٤٠٢/١١، وإرشاد الساري: ٤٩٤/١٣

چنانچہ حدیث باب کے اندر مجاہد کے بعد سب سے افضل اُس شخص کو قرار دیا ہے جو لوگوں سے الگ تھلگ رہ کر اللہ کی عبادت اور بندگی میں مشغول رہے۔

خلوت افضل ہے یا اختلاط

خلوت نشینی افضل ہے یا لوگوں کے ساتھ اختلاط اور مل جل کر رہنا..... اس سلسلے میں تفصیل ہے، کوئی شخص اگر لوگوں کے ساتھ رہ کر، ان کی تکالیف پر صبر نہ کرسکتا ہو اور اپنی اذیت رسانی سے، دوسرے مسلمانوں کو بچا نہ سکتا ہو تو اس کے لئے عزلت اور خلوت نشینی بہتر ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص لوگوں میں رہ کر اپنے دین کی حفاظت کرسکتا ہو، تو ایسی صورت میں اختلاط افضل ہے، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اکثر صحابہ کی زندگی خلوت نشینی کی نہیں تھی بلکہ لوگوں میں رہ کر اپنے اور ان کے دین کی حفاظت فرماتے ہیں، دعوت وتبلیغ، درس وتدریس اور دین کے کئی شعبوں کی خدمت الگ تھلگ رہ کر نہیں ہوسکتی۔

دراصل انسانوں کے مزاج کا فرق ہوتا ہے، بعض آدمی زود رنج ہوتے ہیں، بعض لوگوں کے مزاج میں انفعالیت بہت زیادہ ہوتی ہے اور وہ ہر واقعہ اور معمولی سے بات سے حد سے زیادہ متاثر ہوجاتے ہیں، اس کے برعکس کچھ لوگوں کے مزاج میں صبر وتحمل زیادہ ہوتا ہے، اور وہ واقعات وحوادث سے، حد سے زیادہ اثر قبول نہیں کرتے...... خلوت نشینی اور اختلاط کی افضلیت بھی ہر آدمی کے مزاج کے اعتبار سے ہوگی، بنیادی چیز اپنے دین کی حفاظت ہے، جس شخص کا دین جس حالت میں محفوظ رہ سکتا ہے، اس کے لئے وہی حالت افضل اور بہتر ہوگی۔

حدیث باب میں عزلت نشینی کی جو فضیلت ہے، یہ علی الاطلاق نہیں، بلکہ اس شخص کے لئے ہے کہ جس کے دین کی حفاظت عزلت نشینی میں ممکن ہو (۵)، عام حالات میں اختلاط ہی افضل ہے، ایک روایت میں ہے:

"المسلم الذي يخالط الناسَ، ويصبر على أذاهم خير من المسلم الذي لايخالط الناسَ، ولا يصبر على أذاهم"(٦).

---

(٥) راجع للتفصيل: فتح الباري: ١١/٤٠٤

(٦) عمدة القاري: ٢٣/١٢٥

یعنی: ''وہ مسلمان جولوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اوران کی اذیت پر صبر کرتا ہے، بہتر ہے، اس مسلمان کے مقابلے جولوگوں کے ساتھ نہیں رہتا اور نہ ہی لوگوں کی تکلیف دینے پر صبر کرتا ہے!''

٦١٢٩ : حدَّثنا أَبُو الْيَمَانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قالَ : حَدَّثَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ : أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ حَدَّثَهُ قالَ : قِيلَ يَا رَسُولَ ٱللّٰهِ .

وَقالَ مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ : حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ : حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ قالَ : جاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقالَ : يَا رَسُولَ ٱللّٰهِ أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ ؟ قالَ : (رَجُلٌ جاهَدَ بِنَفْسِهِ وَمالِهِ ، وَرَجُلٌ فِي شِعْبٍ مِنَ الشِّعَابِ : يَعْبُدُ رَبَّهُ ، وَيَدَعُ النَّاسَ مِنْ شَرِّهِ) .

تَابَعَهُ الزُّبَيْدِيُّ وَسُلَيْمانُ بْنُ كَثِيرٍ ، وَالنُّعْمَانُ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ .

وَقالَ مَعْمَرٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ عَطَاءٍ ، أَوْ عُبَيْدِ ٱللّٰهِ ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ .

وَقالَ يُونُسُ وَٱبْنُ مُسَافِرٍ وَيَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ ، عَنْ عَطَاءٍ ، عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . [ر : ٢٦٣٤]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا، یارسول اللہ! کون شخص سب سے اچھا ہے؟ فرمایا کہ وہ شخص جس نے اپنی جان اور مال کے ذریعہ جہاد کیا اور وہ شخص جو کسی گھاٹی میں ٹھہرا ہوا اپنے رب کی عبادت کرتا ہے اور لوگوں کو اپنے شر سے چھوڑ دیتا ہے یعنی اپنے شر سے انہیں محفوظ کر دیتا ہے!

سند کی وضاحت

سند کے اندر تحویل ہے، تحویل سے پہلے والی روایت میں ''قیل یارسول اللہ......'' کے الفاظ ہیں، سوال کرنے والے کا ذکر نہیں اور تحویل کے بعد محمد بن یوسف فریابی کی روایت میں ''جاء أعرابي إلی النبي

صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: يارسول الله......" کے الفاظ ہیں، اس میں سوال کرنے والے کا ذکر نہیں ہے، کہ ایک دیہاتی آپ کی خدمت میں آیا، حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ اس کا نام معلوم نہیں ہو سکا (۷)۔

ورجل في شِعْب من الشِعاب

شِعْب (شین کے کسرے اور عین کے سکون کے ساتھ) گھاٹی اور وادی کو کہتے ہیں، شعاب اس کی جمع ہے۔

يدع الناس من شره

لوگوں کو اپنے شر کی وجہ سے چھوڑ دیتا ہے، یعنی اپنی اذیت کی وجہ سے لوگوں سے الگ تھلگ رہتا ہے، اور انہیں اپنے شر سے محفوظ کر دیتا ہے۔ وَدَعَ يَدَعُ کے معنی چھوڑ دینے کے آتے ہیں۔ علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ اس کا ماضی اور مصدر استعمال نہیں ہوتا (۸)۔

تابعه الزبيدى، وسليمان بن كثير والنعمان عن الزهري

یعنی شعیب بن ابی حمزہ کی متابعت ان تین راویوں نے کی ہے، محمد بن الولید زبیدی کی متابعت کو امام مسلم نے، سلیمان بن کثیر کی روایت کو امام ابوداود نے، اور نعمان بن راشد کی متابعت کو امام احمد نے موصولاً نقل کیا ہے (۹)۔

وقال معمر: عن الزهري، عن عطاء أو عبيدالله عن أبي سعيد رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم

معمر بن راشد کی اس تعلیق کو امام احمد نے موصولاً نقل کیا ہے، اس میں امام احمد کو شک ہوا کہ زہری نے عطاء بن یزید سے نقل کیا یا عبیداللہ بن عبداللہ بن عقبہ سے (۱۰)۔

وقال يونس وابن مسافر ويحيى بن سعيد عن ابن شهاب عن عطاء عن بعض أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم

یونس بن یزید کی تعلیق کو امام ذہلی نے "زهريات" میں اور عبدالرحمٰن بن خالد بن مسافر کی تعلیق کو بھی

(۷) فتح الباري: ۱۱/۴۰۳

(۸) النهاية: ۲/۸۳۴

(۹) إرشاد الساري: ۱۳/۴۹۳

(۱۰) إرشاد الساري: ۱۳/۴۹۳

امام ذہلی نے "زہریات" میں اور یحیٰ بن سعید کی تعلیق کو بھی امام ذہلی نے موصولاً نقل کیا ہے (۱۱)۔

لیکن ان تینوں نے صحابی کا نام نہیں لیا، بلکہ "عن بعض أصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم" کہا ہے۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ شاید "بعض اصحاب" سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہی مراد ہیں (۱۲)۔

٦١٣٠ : حدّثنا أَبُو نُعَيْمٍ : حَدَّثَنَا الْمَاجِشُونُ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ : سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ : (يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ ، خَيْرُ مَالِ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ الْغَنَمُ ، يَتْبَعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ ، يَفِرُّ بِدِينِهِ مِنَ الْفِتَنِ) . [ر : ١٩]

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ لوگوں پر ایک ایسا دور آئے گا جب ایک مسلمان کا سب سے بہتر مال بھیڑ بکریاں ہوں گی، وہ انہیں لے کر پہاڑ کی چوٹیوں اور بارش کی جگہوں پر چلا جائے گا، وہ اپنے دین کی حفاظت کے لئے فتنوں سے فرار اختیار کرے گا۔

يأتي على الناس زمان......

اس میں اشارہ کر دیا کہ خلوت نشینی اور لوگوں سے الگ رہنے کی یہ فضیلت آخری زمانے میں ہوگی کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں تو جہاد مطلوب تھا اور جہاد، خلوت نشینی کے ساتھ نہیں ہوسکتا (۱۳)۔

شَعَف الجبال: پہاڑ کی چوٹیاں، یہ شعفة کی جمع ہے۔

(١١) إرشاد الساري: ٤٩٣/١٣

(١٢) راجع: شرح الكرماني للبخاري: ١٦/٢٣

(١٣) إرشاد الساري: ٤٩٣/١٣

مـواقع القَطْر: بارش کے مواقع، مراد اس سے وادیوں کے دامن ہیں۔ یـفـر بدينه: أی بسبب دينه. یعنی وہ اپنے دین کی حفاظت کی غرض سے لوگوں سے راہِ فرار اختیار کرتا ہے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وفيـه أن اعتـزال الـناس عند ظهور الفتن والهرب عنهم أسلم للدين من مخالطتهم"(١٤).

یعنی: ''فتنوں کے ظاہر ہونے کے زمانے میں لوگوں سے الگ رہنا دین کے لئے زیادہ باعث سلامتی ہے، ان کے ساتھ مل جل کر رہنے کے مقابلے میں''!

ابن بطال رحمہ اللہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وذكر علی بن معبد عن عبد الله بن المبارك عن مبارك بن فضالة، عن الحسـن يرفعـه إلى رسول الله ﷺ قال: «يأتی على الناس زمان لا يسلم لذی دين دينـه، إلا مـن فـرّ بدينـه مـن شاهق إلى شاهق وحجر إلى حجر، فإذا كان كذلك لم تنـل المعيشـة إلا بمعصيـة اللـه، فـإذا كان كذلك حلت العزلة، قالوا: يا رسول الله، كيف تحـل العزلـة وأنـت تأمرنـا بـالتزويج؟ قال: إذا كان كذلك كان هلاك الرجل على يدی أبويه، فإن لم يكن له أبوان كان هلاكـه على يدی زوجته، فإن لم تكن له زوجة كان هلاكه على يدی ولده، فإن لم يكن لـه ولـد كان هلاكه على يدی القرابات والجيران. قالوا: وكيف ذلك يا رسول الله؟ قـال: يعيرونـه بضيق المعيشة ويكلفونه ما لا يطيق، فعند ذلك يورد نفسه الموارد التی يهلك فيها». (١٥)

یعنی: ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ دین دار پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرف بھاگ کر ہی اپنے دین کی حفاظت کر سکے گا، ایسی صورتِ حال میں خلوت نشینی جائز ہوگی۔ لوگوں نے پوچھا: یارسول اللہ! خلوت نشینی کیسے جائز ہے، آپ تو ہمیں شادی کا حکم دیتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب یہ

(١٤) عمدة القاري: ٢٣/١٢٧، ٢٠/٢٠٤

(١٥) شرح ابن بطال: ١٠/٢٠٤

صورت حال ہوگی تو آدمی اپنے والدین کے ہاتھوں ہلاک ہوگا، اگر اس کے والدین نہیں ہوں گے تو اپنی بیوی کے ہاتھوں تباہ ہوگا، اگر بیوی نہیں ہوگی تو اپنے بیٹے کے ہاتھوں ہلاک ہوگا، اگر بیٹا نہیں ہوگا تو اپنے رشتے داروں اور پڑوسیوں کے ہاتھوں برباد ہوگا۔

لوگوں نے پوچھا، وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا کہ لوگ اسے طعنہ دیں گے، تنگ دستی اور غربت کا عار دلائیں گے اور اسے ایسی چیزوں کا مکلّف بنائیں گے جو اس کی طاقت سے باہر ہوں گی تو وہ ان کے مطالبات اور خواہشات پوری کرنے کے لئے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دے گا" ۱۶ ۔

مطلب یہ ہے کہ اس کے یہ رشتہ دار اس کو غربت و تنگ دستی کا طعنہ دیں گے اور اسے مجبور کریں گے کہ وہ مال و دولت اور سامانِ عیش و عشرت کسی بھی طریقے سے مہیا کرے اور وہ ان کے مطالبات پورے کرنے کے لئے ناجائز طریقوں سے مال و دولت کمانے کی بھاگ دوڑ میں لگ جائے گا اور یوں اپنے دین کی بربادی کا ذریعہ بنے گا۔

۳۵ - باب : رَفْعِ الْأَمَانَةِ .

ترجمة الباب کا مقصد

جیسے جیسے قیامت قریب آئے گی اور خیر القرون سے دوری ہوگی، بہت سے فتنے پیدا ہوں گے اور دیانت و امانت لوگوں سے ختم ہوتی چلی جائے گی، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں رفع امانت یعنی امانت اٹھائے جانے کا تذکرہ کیا ہے۔

۶۱۳۱ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ : حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ : حَدَّثَنَا هِلَالُ بْنُ عَلِيٍّ ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : (إِذَا ضُيِّعَتِ الْأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ) . قَالَ : كَيْفَ إِضَاعَتُهَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ ؟ قَالَ : (إِذَا أُسْنِدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ) . [ر : ۵۹]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، (جب لوگوں سے) امانت ضائع ہو جائے تو قیامت کا انتظار کرو، پوچھا، یارسول اللہ! امانت کس طرح ضائع ہوگی؟ فرمایا، جب معاملہ نااہل لوگوں کے سپرد کر دیا جائے تو پھر قیامت کا انتظار کرو۔

یہ حدیث کتاب العلم کی ابتداء میں گزر چکی ہے، اس میں ذکر کردہ امانت سے یا تو اس کا عام مفہوم مراد ہے جو خیانت کی ضد ہے اور یا اس سے امانت کا وہ مفہوم مراد ہے جس کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت کریمہ ﴿انا عرضنا الامانة علی السموات والأرض......﴾(۱) میں ہے۔ اس کی تفصیل اگلی حدیث کے تحت آرہی ہے۔

إذا وُسِّد الأمرُ إلى غير أهله

اس میں امر سے مراد خلافت، امارۃ، قضاء وغیرہ ہے، جو دین سے متعلق امور ہیں (۲)، مقصد یہ ہے کہ معاملات جب نااہل لوگوں کے حوالے کئے جائیں گے اور ان کے پاس مناصب آئیں گے تو وہ اپنی نااہلی کی وجہ سے اس میں خیانت کریں گے، ایمانی تقاضوں کو پامال کریں گے، تو یہ قرب قیامت کی علامت ہوگی۔ چنانچہ شارح بخاری، ابن بطال رحمہ اللہ ایک روایت نقل فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"سيأتي على الناس سنوات خداعات يصدق فيها الكاذب، ويكذب فيها الصادق، ويؤتمن فيها الخائن، ويخون فيها الأمين، وينطق الرويبضة، قيل: ومالرويبضة؟ قال: الرجل التافه في أمر العامة".

یعنی: لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں دھوکہ دہی بہت عام ہوگی، اس میں جھوٹے کی تصدیق کی جائے گی اور سچے کی تکذیب کی جائے گی، خیانت کرنے والے کے پاس امانت رکھی جائے گی اور امین شخص خیانت کرے گا اور رویبضہ بولے گا، پوچھا گیا، رویبضہ کیا ہے؟ فرمایا، معمولی شخص یعنی عام لوگوں کے معاملات میں ایک معمولی شخص بھی اپنی رائے کا اظہار کرے گا۔

---

(۱) الأحزاب: ۷۳

(۲) إرشاد الساري: ۱۳/۴۹۴

علامہ بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ان میں سے اکثر علامتیں ہم نے دیکھ لی ہیں اور جو بچ گئی ہیں وہ بھی زیادہ دور نہیں (۳)۔

٦١٣٢ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ : أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ : حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ ، عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ : حَدَّثَنَا حُذَيْفَةُ قالَ : حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ حَدِيثَيْنِ ، رَأَيْتُ أَحَدَهُمَا وَأَنَا أَنْتَظِرُ الآخَرَ : (أَنَّ الْأَمَانَةَ نَزَلَتْ فِي جَذْرِ قُلُوبِ الرِّجالِ ، ثُمَّ عَلِمُوا مِنَ الْقُرْآنِ ، ثُمَّ عَلِمُوا مِنَ السُّنَّةِ) .

وَحَدَّثَنَا عَنْ رَفْعِهَا قالَ : (يَنَامُ الرَّجُلُ النَّوْمَةَ ، فَتُقْبَضُ الْأَمانَةُ مِنْ قَلْبِهِ ، فَيَظَلُّ أَثَرُهَا مِثْلَ أَثَرِ الْوَكْتِ ، ثُمَّ يَنَامُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ فَيَبْقَى أَثَرُهَا مِثْلَ الْمَجْلِ ، كَجَمْرٍ دَحْرَجْتَهُ عَلَى رِجْلِكَ فَنَفِطَ ، فَتَرَاهُ مُنْتَبِرًا وَلَيْسَ فِيهِ شَيْءٌ ، فَيُصْبِحُ النَّاسُ يَتَبَايَعُونَ ، فَلَا يَكادُ أَحَدُهُمْ يُؤَدِّي الْأَمانَةَ ، فَيُقَالُ : إِنَّ فِي بَنِي فُلَانٍ رَجُلاً أَمِينًا ، وَيُقَالُ لِلرَّجُلِ : ما أَعْقَلَهُ وَما أَظْرَفَهُ وَما أَجْلَدَهُ ، وَما فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ) .

وَلَقَدْ أَتَى عَلَيَّ زَمانٌ وَمَا أُبَالِي أَيَّكُمْ بَايَعْتُ ، لَئِنْ كانَ مُسْلِمًا رَدَّهُ عَلَيَّ الْإِسْلَامُ ، وَإِنْ كانَ نَصْرَانِيًّا رَدَّهُ عَلَيَّ سَاعِيهِ ، فَأَمَّا الْيَوْمَ : فَمَا كُنْتُ أُبَايِعُ إِلَّا فُلَانًا وَفُلَانًا .

قالَ الْفَرَبْرِيُّ : قالَ أَبُو جَعْفَرٍ : حَدَّثْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ فَقَالَ : سَمِعْتُ أَبَا أَحْمَدَ بْنَ عاصِمٍ يَقُولُ : سَمِعْتُ أَبَا عُبَيْدٍ يَقُولُ : قالَ الْأَصْمَعِيُّ وَأَبُو عَمْرٍو وَغَيْرُهُمَا : جَذْرُ قُلُوبِ الرِّجالِ : الْجَذْرُ الْأَصْلُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ، وَالْوَكْتُ أَثَرُ الشَّيْءِ الْيَسِيرُ مِنْهُ ، وَالْمَجْلُ أَثَرُ الْعَمَلِ فِي الْكَفِّ إِذَا غَلُظَ . [٦٦٧٥ ، ٦٨٤٨]

---

(۳) شرح ابن بطال: ۱۰/۵۰۲

٦١٣٢ أخرجه البخاري في كتاب: الرقاق، باب: رفع الأمانة (الحديث ٦٤٩٧)، وأخرجه أيضاً في كتاب: الفتن، باب: إذا بقي في حثالة من الناس (الحديث ٧٠٨٦)، وأخرجه أيضاً في كتاب: الاعتصام بالكتاب والسنة، باب: الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ (الحديث ٧٢٧٦) مختصراً، وأخرجه الترمذي في كتاب: الفتن، باب: ما جاء في رفع الأمانة (الحديث ٢١٧٩)، وقال: هذا حديث حسن صحيح. وأخرجه ابن ماجه في كتاب: الفتن، باب: ذهاب الأمانة (الحديث ٤٠٥٣).

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو حدیثیں ارشاد فرمائیں، ایک تو دیکھ چکا ہوں اور دوسری کا منتظر ہوں۔ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا، امانت لوگوں کے دلوں کی گہرائیوں میں اتار دی گئی، پھر انہوں نے اسے قرآن سے جانا، پھر سنت سے جانا اور آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم سے اس کے اٹھ جانے کے متعلق ارشاد فرمایا، فرمایا کہ آدمی ایک نیند سوئے گا اور وہ (اسی میں) امانت اس کے دل سے ختم ہو جائے گی، اور اس کا اثر آبلہ کی طرح باقی رہ جائے گا، جیسے آگ کی چنگاری تمہارے پاؤں میں پڑ جائے اور اس کی وجہ سے پاؤں پھول جائے، تم اسے ابھرا ہوا دیکھو گے، حالانکہ اندر کوئی چیز نہیں ہوتی، حال یہ ہو جائے گا کہ صبح اٹھ کر لوگ خرید وفروخت کریں گے اور کوئی شخص امانت دار نہیں ہوگا، کہا جائے گا کہ بنو فلاں میں ایک امانت دار شخص ہے، کسی شخص کے متعلق کہا جائے گا کہ کتنا عقل مند ہے، کتنا بلند حوصلہ ہے، اور کتنا بہادر ہے!!...... حالانکہ اس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان (امانت) نہیں ہوگا۔ میں نے ایک ایسا وقت بھی گزارا ہے کہ اس کی پروا نہیں کرتا تھا کہ کس سے خرید وفروخت کرتا ہوں، اگر وہ مسلمان ہوتا تو اس کو اسلام (بے انصافی سے) اسے روکتا تھا، اور اگر وہ نصرانی ہوتا تو اس کا مددگار اسے روکتا تھا، لیکن اب میں فلاں اور فلاں کے سوا کسی سے خرید وفروخت نہیں کرتا۔

حدثنا رسول الله ﷺ حديثين، رأيت أحدهما وأنا أنتظر الآخرَ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے دو حدیثیں بیان فرمائیں، ایک کو تو میں نے دیکھ لیا اور دوسری کا انتظار کر رہا ہوں، پہلی حدیث ہے: "إن الأمانة نزلت في جذر قلوب الرجال......" اور دوسری حدیث ہے "وينام الرجل فتقبض......".

إن الأمانة نزلت في جَذْر قلوب الرجال ثم علموا من القرآن ثم علموا من السنة

امانت لوگوں کے دلوں کی جڑ اور گہرائی میں اتری، پھر لوگوں نے اسے قرآن سے سیکھا، پھر سنت سے سیکھا۔ جذر کے معنی جڑ ہیں۔

امانت سے کیا مراد ہے؟

اس میں امانت سے یا تو اس کے مشہور معنی مراد ہیں، یعنی کسی کے حق اور ملکیت میں خیانت نہ کرنا اور یا اس سے مراد وہ امانت ہے جو سورہ احزاب کی آیت کریمہ ﴿انا عرضنا الأمانة......﴾ میں وارد ہے، یعنی وہ تمام شرعی ذمہ داریاں جو ہر مکلف پر عائد کی گئی ہیں، اور جو عہد و میثاق اس سے لیا گیا ہے (۴)۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں:

''اصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی ایک خاص امانت مخلوق کی کسی نوع میں رکھنے کا ارادہ جو اُس امانت کو اگر چاہے تو اپنی سعی و کسب اور قوتِ بازو سے محفوظ رکھ سکے اور ترقی دے سکے۔ تاکہ اس سلسلہ میں اللہ کی ہر قسم کی شئون و صفات کا ظہور ہو۔ مثلاً اس نوع کے جو افراد امانت کو پوری طرح محفوظ رکھیں اور ترقی دیں، ان پر انعام و اکرام کیا جائے۔ جو غفلت یا شرارت سے ضائع کر دیں، ان کو سزا دی جائے اور جو لوگ اس بارے میں قدرے کوتاہی کریں، ان سے عفو و درگزر کا معاملہ ہو۔

میرے خیال میں یہ امانت ایمان و ہدایت کا ایک تخم ہے جو قلوبِ بنی آدم میں بکھیرا گیا۔ جس کو ''ما به التكليف'' بھی کہہ سکتے ہیں۔ ''لا إيمان لمن لا أمانة له'' یعنی (جس شخص میں امانت کی صفت نہیں ہے، اس کا ایمان کامل نہیں ہے)...... اسی کی نگہداشت کرنے سے ایمان کا درخت اُگتا ہے، گویا بنی آدم کے قلوب، اللہ کی زمینیں ہیں، بیج بھی اسی نے ڈال دیا ہے، بارش برسانے کے لئے رحمت کے بادل بھی اس نے بھیجے جن کے سینوں سے وحی الٰہی کی بارش ہوئی (۵)۔

آدمی کا فرض یہ ہے کہ ایمان کے اس بیج کو جو امانت الٰہیہ ہے، ضائع نہ ہونے دے بلکہ پوری سعی و جہد سے اس کی پرورش کرے، کہیں ایسا نہ ہو کہ غلطی یا غفلت سے بجائے درخت اگنے کے بیج بھی ختم ہو جائے اسی کی طرف اشارہ ہے...... حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ''إنّ الأمانة نزلت من السماء في جذر قلوب الرجال ثم علموا من القرآن......'' یہ امانت وہی تخمِ ہدایت ہے جو اللہ کی طرف سے لوگوں کے

---

(٤) فتح الملهم، كتاب الإيمان، باب رفع الأمانة من بعض القلوب: ١٠٩/٢، ومرقاة المفاتيح، كتاب الفتن: ٦/١٠

(٥) فتح الملهم، كتاب الإيمان، باب رفع الأمانة من بعض القلوب: ١٠٩/٢

دلوں میں ڈالا گیا۔ پھر علوم قرآن وسنت کی بارش ہوئی جس سے اگر ٹھیک طور پر انتفاع کیا جائے تو ایمان کا پودا اُگے، بڑھے، پھولے، پھلے اور آدمی کو اس کے ثمرۂ شیریں سے لذت اندوز ہونے کا موقع ملے۔ اگر انتفاع میں کوتاہی کی جائے تو اسی درخت کے ابھرنے اور پھولنے پھلنے میں نقصان رہے یا بالکل غفلت برتی جائے تو سرے سے تخم بھی برباد ہوجائے۔ یہ امانت تھی جو اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان اور پہاڑوں کو دکھلائی۔ مگر کس میں استعداد تھی جو اس عظیم امانت کو اٹھانے کا حوصلہ کرتا، ہر ایک نے بزبانِ حال یا بزبانِ قال، ناقابل برداشت ذمہ داریوں سے ڈر کر انکار کردیا کہ ہم سے یہ بار نہ اٹھ سکے گا۔ خود سوچ لو کہ بجز انسان کے کون سی مخلوق ہے جو اپنے کسب ومحنت سے اس تخمِ ایمان کی حفاظت و پرورش کرکے ایمان کا شجر بارآور حاصل کرسکے۔ فی الحقیقت عظیم الشان امانت کا حق ادا کرسکنا اور ایک افتادہ زمین کو جس میں مالک نے تخم ریزی کردی تھی، خون پسینہ ایک کرکے باغ وبہار بنالینا اسی ظلوم وجہول انسان کا حصہ ہوسکتا ہے، جس کے پاس قابل زمین موجود ہے اور محنت کرکے کسی چیز کو بڑھانے کی قدرت اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا فرمائی ہے۔

''ظلوم'' و''جہول''، ظالم وجاہل کا مبالغہ ہے۔ ظالم وجاہل وہ کہلاتا ہے جو بالفعل، عدل وعلم سے خالی ہو مگر استعداد وصلاحیت ان صفات کے حصول کی رکھتا ہو، پس جو مخلوق ابتدائے فطرت سے علم وعدل کے ساتھ متصف ہے اور ایک لمحہ کے لئے بھی یہ اوصاف اس سے جدا نہیں ہوئے، مثلاً ملائکۃ اللہ یا جو مخلوق ان چیزوں کے حاصل کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی (مثلاً زمین، آسمان، پہاڑ وغیرہ) ظاہر ہے کہ دونوں اس امانت الٰہیہ کے حامل نہیں بن سکتے۔

بے شک انسان کے سوا ''جن'' ایک نوع ہے جس میں فی الجملہ استعداد اس کے تحمل کی پائی جاتی ہے اور اسی لئے ﴿وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون﴾ میں دونوں کو جمع کیا گیا، لیکن انصاف یہ ہے کہ ادائے حقِ امانت کی استعداد اُن میں اتنی ضعیف تھی کہ حملِ امانت کے مقام میں چنداں قابلِ ذکر اور درخورِ اعتناء نہیں سمجھے گئے، گویا وہ اس معاملہ میں انسان کے تابع قرار دیئے گئے جن کا نام مستقل طور پر لینے کی ضرورت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب'' (٦)۔

(٦) (تفسیر عثمانی، ص: ٥٦٩، ٥٧٠)

بعضوں نے کہا کہ اس سے ایمان مراد ہے(٦)، کیونکہ حدیث کے آخر میں الفاظ ہیں:"وما في قلبه مثقال حبة من خردل من إيمان".

امانت کا دل کی جڑ میں اترنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر آدمی کے دل میں ایمان قبول کرنے کی صلاحیت پیدا فرمائی ہے اور ایک نورِ ایمان وہدایت اس کو مہیا کیا ہے، جس کا ذکر قرآن کریم کی آیت ﴿فطرت الله التي فطر الناس عليها﴾(٧) میں ہے اور حدیث شریف میں ہے:"كل مولود يولد على فطرته......"(٨).

مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے مؤمنین کے دلوں میں اولاً نور ہدایت اور حق قبول کرنے اور پہنچاننے کی صلاحیت پیدا فرمائی، پھر اس کے ذریعے، قرآن وحدیث کے احکام کو انہوں نے جانا اور مانا۔

ينام الرجل، فتقبض الأمانة من قلبه

یہ دوسری حدیث ہے، جس کے بارے میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اس کا انتظار ہے، پہلی حدیث کا، تو انہوں نے عہدِ نبوی میں حضرات صحابہؓ کی صورت میں مشاہدہ کرلیا تھا...... ایک آدمی سوجائے گا، تو امانت اس کے دل سے اٹھالی جائے گی، اس سے یا تو حقیقی سونا مراد ہے اور یا غفلت سے کنایہ ہے کہ قرآن وحدیث اور اللہ کے احکام سے غافل اور لاپرواہ ہوجائے گا، جس کے نتیجے میں امانت اٹھالی جائے گی۔

اگر حقیقۃً سونا مراد ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ آدمی سوکر اٹھے گا تو خود بخود اس کے دل سے امانت اور ایمان داری کی کیفیت ختم ہوچکی ہوگی اور دل پر سیاہی اور کدورت طاری ہوگی، گویا کہ بے دینی کی ایک اضطراری حالت اس پر طاری ہوچکی ہوگی۔

اور اگر سونے سے مراد حقیقۃً سونا نہیں، بلکہ دین سے غفلت مراد ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ قرآن وسنت سے بے رخی اختیار کرے گا، گناہوں میں مبتلا ہوگا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ امانت اور ایمان اٹھالئے جائیں

---

(٦) مرقاة المفاتيح، كتاب الفتن: ١٠/٦

(٧) سورة الروم: ٣٠

(٨) سنن أبي داود، كتاب السنة، باب في ذراري المشركين: ٣٢٩/٤، رقم الحديث: ٤٧١٤

گے(۹)...... یہ دوسرے معنی زیادہ مناسب معلوم ہوتے ہیں۔

فيظل أثرها مثل أثر الوَكْتِ

وکت یعنی نقطہ کے نشان کی طرح اس کا نشان باقی رہ جائے گا، وَکْــــت (واؤ پر فتحہ اور کاف کے سکون کے ساتھ) اس نقطے کو کہتے ہیں جو کسی چیز میں مختلف رنگ کا ہو، مثلاً سیاہ کے اندر سفید یا سفید چیز میں سیاہ نقطہ، علامہ قسطلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

الـوَكْـت...... الـنـقطة في الشيء من غير لونه، أو هو السواد اليسير أو اللون المحدث المخالف للون الذي كان قبله"(۱۰).

ثم ينام النومة، فتقبض، فيبقى أثرها مثل المَجْلِ

پھر دوبارہ سوئے گا تو امانت اٹھالی جائے گی اور اس کا نشان آبلے کی طرح باقی رہ جائے گا۔

مَــجْــل (میم کے فتحے اور جیم کے سکون کے ساتھ) کے معنی ہیں: آبلہ، کام کرتے ہوئے ہاتھ کی جو کھال سخت ہو جاتی ہے، جس کو گٹھا بھی کہتے ہیں اس پر بھی مجل کا اطلاق ہوتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جب دین کی مزید غفلت بڑھے گی تو امانت کا تھوڑا بہت حصہ جو رہ گیا تھا، وہ بھی اٹھا لیا جائے گا اور صرف ابھرے ہوئے آبلے کی طرح اس کا نشان رہ جائے گا جو ابھرا ہوا نظر آتا ہے لیکن اندر سے خالی ہوتا ہے۔

كجَمْر دَحْرَجْتَه على رِجْلِك، فَنَفِط، فتراه مُنْتَبِرا، وليس فيه شيء

یعنی جیسے کہ تم آگ کے انگارے کو اپنے پاؤں پر لڑھکا دو اور اس سے آبلہ پڑ جائے تو وہ آپ کو ابھرا ہوا نظر آئے گا لیکن اس کے اندر کچھ نہیں ہوگا۔

نَفِط باب سمع سے ہے اور اس کے معنی ہیں: آبلہ پڑنا، کام کی وجہ سے ہاتھ میں گھٹا نکل آنا۔

منتبرا: أي: مـرتفعا، یہ باب افتعال سے صیغہ اسم فاعل ہے، انتبار کے معنی ارتفاع اور بلندی کے

---

(۹) مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح: ۱۰/ ۷

(۱۰) إرشاد الساري: ۱۳/۴۹۶

آتے ہیں(۱۱)۔

نفط اور فتراہ میں ضمیر ''رِجْل'' کی طرف راجع ہےاوررجل مؤنث سماعی ہے، جب کہ ضمیر مذکر کی ہے، ضمیراور مرجع میں تذکیروتانیث کے اعتبار سے مطابقت نہیں۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ضمیر کا مرجع عضو، یا وہ موضعِ رجل ہے جس پر چنگاری ڈالی گئی ہے، اس اعتبار سے اس کو مذکر ذکر کیا گیا ہے(۱۲)۔

حدیث کی تمثیل کی وضاحت

اس حدیث شریف میں جو مثال پیش کی گئی ہے، حضراتِ محدثین نے اس کے مختلف وضاحتی مطلب بیان کئے ہیں:

❶ جب آدمی شریعت سے غافل ہوجائے گا اور گناہوں میں مبتلا ہوگا تو دل کے اندر ایمان کا نور کم ہوجائے گا اور جب وہ اپنا جائزہ لے گا تو اپنے دل کے اندر ''وکت''، یعنی ایک نقطے کی مقدار کے سوا نورِامانت وایمان میں سے کچھ بھی نہیں پائے گا، پھر جب دوبارہ سوئے گا یعنی دین کے احکام کی طرف سے مزید غافل ہوگا اور گناہوں اور معاصی میں ابتلاء پڑھے گا تو نورِامانت کا رہا سہا بقیہ حصہ بھی غائب ہوجائے گا اور صرف ایک آبلہ نما نشان رہ جائے گا جو ابھرا ہوا نظر آتا ہے لیکن اندر سے صالح مواد سے خالی اور سوائے ناکارہ پانی کے اس میں کچھ بھی نہیں ہوتا، اسی طرح یہ شخص اگرچہ ظاہراً صالح ونیک ہی کیوں نظر نہ آئے لیکن اندر سے ایمان وامانت اور آخرت کے مفید اعمال میں سے کچھ بھی نہیں ہوگا......

خلاصہ یہ کہ ایمان کا نور تدریجاً اور آہستہ آہستہ ختم ہوگا، غفلت کے پہلے مرحلے میں، امانت کا نور کم ہوگا اور صرف ایک نقطے کے بقدر یہ نور باقی رہے گا اور غفلت کے دوسرے مرحلے میں وہ بھی ختم ہوجائے گا اور صرف اس کا ''مجل'' کی طرح ایک نشان رہ جائے گا...... اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایمان وامانت کا حقیقی

---

(۱۱) عمدة القاري: ۱۲۹/۲۳، وإرشاد الساري: ۴۹۶/۱۳

(۱۲) عمدة القاري: ۱۲۹/۲۳، وإرشاد الساري: ۴۹۶/۱۳، ومرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الفتن: ۷/۱۰

نور اگرچہ ختم ہو جائے گا لیکن بہرحال اس کا ایک نشان، ایک علامت اور ایک اثر باقی رہے گا، اگرچہ وہ وکت کے ایک نقطہ کے بقدر یا مجل کے نشان کی طرح کیوں نہ ہو! چنانچہ علامہ عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وحاصله أن القلب يخلو عن الأمانة، بأن تزول عنه شيئاً فشيئاً، فإذا زال جزء منها، زال نورها، وخلفته ظلمة كالوكت، وإذا زال شيء آخر منه، صار كالمجل، وهو أثر محكم لايكاد يزول إذا بعد مدة، ثم شبه زوال ذلك النور بعد ثبوته في القلب، وخروجه منه، واعتقابه إياه بجمر تدحرجه على رجلك حتى يؤثر فيها شهر يزول الجمر، ويبقى النفط"(۱۳).

مطلب یہ ہے کہ جن اہل ایمان کے قوائے فکر وعمل پر غفلت و بے حسی طاری ہو جائے گی اور گناہوں کے ارتکاب کی صورت میں دین شریعت کے ساتھ ان کا تعلق نہایت کمزور پڑ جائے گا، ان کے دلوں سے "امانت" جاتی رہے گی، چنانچہ جب اس کا ایک حصہ زائل ہو جائے گا تو ان کے دلوں میں سے اس کا نور بھی زائل ہو جائے گا اور اس کی جگہ "وکت" کی طرح ظلمت وتاریکی پیدا ہو جائے گی اور اس کی مثال ایسی جیسے کسی چیز میں اس کا مخالف رنگ نمودار ہو جائے (مثلاً سیاہ چیز میں سفید رنگ کا نمودار ہونا) اور جب دین وشریعت سے متعلق غفلت وکوتاہی اور بڑھ جائے گی اور گناہوں کا ارتکاب پہلے سے بھی زیادہ ہو جائے گا تو نور امانت کا جو حصہ باقی رہ گیا تھا، اس میں سے کچھ اور زائل ہو جائے گا اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے جسم کے کسی حصہ پر مجل (یعنی آبلہ یا گٹھے کا نشان) جو اتنا گہرا اور اس قدر سخت ہوتا ہے کہ جلد زائل نہیں ہوتا، پس دوسری مرتبہ جو تاریکی پیدا ہوگی وہ پہلی مرتبہ پیدا ہونے والی تاریکی سے زیادہ پھیلی ہوئی اور گہری ہوگی۔ مذکورہ صورت حال کو اس مثال کے ذریعہ بیان فرمانے کے بعد فرمایا کہ قلب انسانی میں ایمان وامانت کے نور کا پیدا ہوتا اور پھر نکل جانا یا دلوں میں اس نور کا جگہ پکڑنا اور پھر اس کے زائل ہو جانے کے بعد

(۱۳) عمدة القاري: ۲۳/۱۲۹، ۱۳۰

تاریکی کا آجانا ایسی تشبیہ رکھتا ہے جیسا کہ کوئی آگ کا انگارہ لے کر اس کو اپنے پیر پر ڈال لے اور انگارہ پیر سے زائل ہوجائے اور پھر جلی ہوئی جگہ پر آبلہ پڑ جائے''۔

❷ دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا کہ آدمی جن دین سے غافل اور گناہوں اور معاصی میں مبتلا ہوگا تو اس کی وجہ سے ایمان اس کے دل سے تدریجاً اٹھایا جائے گا، جب ایمان کا ایک جز زائل ہوگا تو اس کا نور بھی ختم ہوگا اور اس کی جگہ ظلمت لے لے گی، جو پہلے مرحلے میں دکت کے بقدر ہوگی، پھر جب ایمان کا بقیہ حصہ ختم ہوگا تو وہ ظلمت مجل (آبلے کے نشان) کی طرح ہوگی، چنانچہ ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وقال شارح من علمائنا: يريد أن الأمانة ترفع عن القلوب عقوبة لأصحابها على ما اجترحوا من الذنوب، حتى إذا استيقظوا من منامهم، لم يجدوا قلوبهم على ما كانت عليه، ويبقى فيه أثر تارة مثل الوكت وتارة مثل المجل"(١٤).

صاحب مظاہر حق نے اس مطلب کی وضاحت یوں کی ہے:

''اس ارشاد گرامی کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں امانت کا نور پیدا کیا، تاکہ وہ اس کی روشنی میں فلاح کے راستہ پر چلیں اور دین وشریعت کے پیروکار بنیں، لیکن جب وہ لوگ اس نعمت سے بے پرواہ ہوجائیں گے، دین وشریعت کے بارے میں غفلت وکوتاہی میں پڑ جائیں گے اور گناہوں کا ارتکاب کرنے لگیں گے تو اللہ تعالیٰ سزا کے طور پر ان لوگوں سے یہ نعمت واپس لے لے گا، بایں طور کہ ان کے دل میں سے امانت نکل جائے گی، یہاں تک کہ جب وہ خوابِ غفلت سے بیدار ہوں گے تو محسوس کریں گے کہ ان کے قلب کی وہ حالت نہیں ہے جو امانت کی موجودگی میں پہلے تھی، البتہ ان کے دلوں میں اس امانت کا نشان باقی رہے گا جو کبھی وکت کی طرح ہوگا اور کبھی مجل کی طرح ہوگا۔ پس ''مجل'' اگرچہ مصدر ہے لیکن یہاں اس سے مراد نفس آبلہ ہے اور یہ (یعنی مجل) پہلی مرتبہ

---

(١٤) مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الفتن: ١٠/٨

(یعنی وکت) سے کمتر درجہ ہے، کیونکہ ''وکت'' کے ذریعہ اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ اگر چہ امانت دل میں سے نکل جائے گی مگر نشان کی صورت میں اس کا کچھ نہ کچھ حصہ باقی رہے گا''(۱۵)۔

ويقال للرجل: ما أعْقَلَهُ، وما أظرفه، وما أجلده، وما في قلبه مثقال حبة خردل مِن إيْمَان

ایک شخص کے بارے میں کہا جائے گا کہ کس قدر عقل مند، ظریف (خوش طبع) اور چست وہوشیار ہے، حالانکہ اس کے دل میں رائی برابر ایمان نہیں ہوگا۔

یعنی ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگوں میں مدح وتعریف کے پیمانے بدل جائیں گے، کسی کی تعریف عمل صالح، ایمان اور نیکی کی بناء پر نہیں کی جائے گی بلکہ عقل وظرافت اور چالاکی ومکاری، لوگوں کی مدح وتعریف کا ذریعہ بنے گی، چنانچہ ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”وحاصله أنهم يمدحونه بكثرة العقل والظرافة، والجلادة، ويتعجبون منه، ولا يمدحون أحداً بكثرة العلم النافع، وصلاح العمل الصالح“(١٦).

ما أعقله، ماأظرفه...... تعجب کے صیغے ہیں۔أجلد، جلادة سے ہے جس کے معنی چستی وچالاکی کے ہیں۔

وما في قلبه...... یعنی اس کے دل میں رتی بھر ایمان نہیں ہوگا، اس میں یا تو اصل ایمان کی نفی ہے اور یا کمالِ ایمان کی نفی ہے(۱۷)، پہلی صورت میں کافر اور دوسری صورت میں فاسق ہوگا۔

ولقد أتى عليّ زمان وما أبالي أيكم بايعت

یعنی ایک زمانہ ایسا بھی گزرا جس میں مجھے اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ کس شخص کے ساتھ معاملہ اور

---

(١٥) مظاهر حق جديد: ٨٢٨/٤

(١٦) مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الفتن: ٨/١٠

(١٧) مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الفتن: ٨/١٠

خرید وفروخت کرتا ہے (کیونکہ لوگوں میں امانت اور دیانت داری عام تھی) تو یہ فکر نہیں رہتی کہ کوئی شخص معاملہ کر کے مکر جائے گا اور میرا حق نہیں دے گا۔

بابعت سے خرید وفروخت کے معاملات مراد ہیں (۱۸)۔

لئن كان مسلما رده علي الإسلام، وإن كان نصرانيا ردّه عليّ ساعيه

یعنی اگر وہ مسلمان ہوگا (جس کے ساتھ میں نے معاملہ کیا) تو اس کا اسلام میرا حق مجھے لوٹا دے گا یعنی اس کا اسلام اس کو مجبور کرے گا کہ وہ مجھے میرا حق لوٹا دے۔ ابوذر کے نسخے میں "بالإسلام" ہے (۱۹)، یعنی وہ اسلام کی وجہ سے میرا حق مجھے لوٹا دے گا اور اگر نصرانی ہوگا تو اسلام کا ساعی اور عامل مجھ پر میرا حق لوٹا دے گا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ردّه عليّ ساعيه: أی واليه الذي أقيم عليه لينصف منه، وأكثر ما يستعمل الساعي في وُلاة الصدقة، ويحتمل أن يراد به هنا الذي يتولّى قبض الجزية"(۲۰).

یعنی ساعی سے مراد وہ والی اور حاکم ہے جو حصول انصاف کے لئے مقرر کیا گیا ہے، ساعی کا لفظ اکثر صدقہ وصول کرنے والے والیوں اور عاملوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، یہاں اس سے وہ شخص بھی مراد ہوسکتا ہے جس کو جزیہ وصول کرنے پر مقرر کیا گیا ہو۔

فأم اليوم، فما كنتُ أبايعُ إلّا فلانا وفلانا

لیکن آج میں صرف فلاں فلاں شخص کے ساتھ معاملہ کرتا ہوں (کہ ان پر مجھے اعتماد ہے اور وہ دیانت دار ہیں، ہوسکتا ہے کہ انہوں نے دو آدمیوں کے نام لئے ہوں لیکن راوی نے وہ نام ذکر نہیں کئے، بلکہ فلاں فلاں کہہ دیا)۔

---

(۱۸) فتح الباري: ۱۱/۴۰۶، عمدة القاري: ۲۳/۱۳۰، إرشاد الساري: ۱۳/۴۹۶

(۱۹) فتح الباري: ۱۱/۴۰۶، عمدة القاري: ۲۳/۱۳۰، إرشاد الساري: ۱۳/۴۹۶

(۲۰) فتح الباري: ۱۱/۵۰۶

قال الفِرَبْری قال أبو جعفر: حدثت أبا عبدالله......

فربری کا نام محمد بن یوسف ہے اور ابوجعفر کا نام محمد بن حاتم ہے، یہ امام بخاریؒ کے وراق اور کاتب تھے، ابوعبداللہ، امام بخاری رحمہ اللہ کی کنیت ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابواحمد بن عاصم بلخی سے اور انہوں نے ابوعبید قاسم بن سلام سے سنا کہ امام اصمعی اور ابوعمر نے لفظ ''جذر'' کی تشریح کی کہ ہر چیز کے اصل کو جذر کہتے ہیں، امام اصمعی کا نام عبدالملک بن قریب ہے اور ابوعمرو مشہور قاری ہیں: "وغيرهما" سے سفیان ثوری مراد ہیں، البتہ ابوعمرو کے نزدیک ''جِذر'' جیم کے کسرے کے ساتھ ہے اور امام اصمعی کے نزدیک ''جَذر'' جیم کے فتحے کے ساتھ ہے۔

اور وَکْت کسی شی کے ہلکے نشان کو کہتے ہیں اور مَجْل ہتھیلی میں کام کی وجہ سے پڑنے والے نشان کو کہتے ہیں۔

قال الفربری...... کی یہ عبارت ''ابوذر عن مستملی'' کے نسخے میں ہے، باقی نسخوں میں نہیں (۲۱)۔

۶۱۳۳ : حدّثنا أَبُو الْيَمَانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قالَ : أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ : أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ : (إِنَّمَا النَّاسُ كَالْإِبِلِ الْمِائَةِ ، لَا تَكَادُ تَجِدُ فِيهَا رَاحِلَةً) .

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کی مثال اونٹ کی سی ہے، سو میں بھی ایک مشکل سے سواری کے قابل ملتا ہے۔

---

(۲۱) مذکورہ تفصیل کے لے دیکھئے، فتح الباري: ۱۱/۴۰۶، عمدة القاري: ۲۳/، إرشاد الساري: ۱۳/۴۹۶

(۶۱۳۳) أخرجه الترمذي في كتاب الأمثال، باب ماجاء في مثل آدم وأجله وأمله (رقم الحديث: ۲۸۷۲)
وأخرجه مسلم في فضائل الصحابة ، باب : قوله ﷺ الناس كإبل مائة ، رقم : ۲۵۴۷ .
(راحلة) الجمل النجيب الذي يصلح لسير الأسفار ولحمل الأثقال . ومعنى الحديث : بأني زمان يكون الناس فيه كثيرين ، ولكن المرضي منهم والذي يلتزم شرع الله عز وجل قليل ، شأن الإبل الكثيرة التي تبلغ المائة ، ولا تكاد يوجد منها واحدة تصلح للركوب والانتفاع بها . أو المراد : أن الناس دائمًا شأنهم هكذا ، الصالح فيهم قليل .

كالإبل المائة

"إبل" کا لفظ عرب سو اونٹوں کے لئے استعمال کرتے تھے، کہتے تھے، لفلان إبل یعنی فلاں کے سو اُونٹ ہیں۔ ولفلان إبلان: یعنی اس کے دوسو اونٹ ہیں، لیکن چونکہ لفظ "إبل" سو کے معنی میں زیادہ مشہور نہیں، اس لئے حدیث کے اندر "الإبل" کے بعد "المائة" کا اضافہ کردیا، المائة، الإبل کی تفسیر وتوضیح کے طور پر ہے(۲۲)۔

راحلة میں تا، تانیث کی نہیں، بلکہ یہ تا مبالغہ ہے، اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس پر سواری کی جاتی ہے۔ راحلة اسم فاعل کا صیغہ ہے اور اسم مفعول کے معنی میں ہے(۲۳)۔

حدیث شریف کے دو مطلب

علامہ خطابی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس حدیث کے دو مطلب حضرات محدثین نے بیان فرمائے ہیں:

❶ ایک یہ کہ تمام لوگ، دین کے احکام کے سلسلے میں برابر سرابر ہیں اور اس میں کسی کو، کسی پر کوئی فوقیت وفضیلت یا ترجیح حاصل نہیں، جیسے سو اُونٹ عموماً برابر سرابر ہوتے ہیں اور سب تقریباً باربرداری کے قابل ہوتے ہیں، لیکن سواری کے قابل نہیں ہوتے۔ حاصل یہ کہ دین میں لوگوں کی برابری اور مساوات کو اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے(۲۴)۔

---

(۲۲) فتح الباري: ۱۱/۴۰۷، وعمدة القاري: ۲۳/۱۳۱، إرشاد الساري: ۱۳/۴۹۷

(۲۳) فتح الباري: ۱۱/۴۰۷، وعمدة القاري: ۲۳/۱۳۱، إرشاد الساري: ۱۳/۴۹۷،

(۲۴) وفی شرح مسلم للنووي، كتاب فضائل الصحابة: ۱۶/۳۱۷:

قال ابن قتيبة: الراحلة النجيبة المختارة من الإبل للركوب وغيره، فهي كاملة الأوصاف. فإذا كانت في إبل عرفت. قال: ومعنى الحديث: أن الناس متساوون ليس لأحد منهم فضل في النسب، بل هم أشباه كالإبل المائة. وقال الأزهري: الراحلة عند العرب: الجمل النجيب، والناقة النجيبة. قال: والهاء فيها للمبالغة، كما يقال: رجل فهامة ونسابة. قال: والمعنى الذي ذكره ابن قتيبة غلط. بل معنى الحديث: أن الزاهد في الدنيا الكامل في الزهد فيها، والرغبة في الآخرة قليل جداً، كقلة الراحلة في الإبل. هذا كلام الأزهري، وهو أجود من كلام ابن قتيبة، وأجود منهما قول آخرين: أن معناه المرضي الأحوال من الناس، الكامل الأوصاف، الحسن المنظر، القوي على الأحمال والأسفار. سميت راحلة؛ لأنها ترحل. أي: يجعل عليها الرحل فهي فاعلة بمعنى مفعولة، كعيشة راضية. أي: مرضية ونظائره.

❷ دوسرا مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں قابل، باصلاحیت اور صاحبِ فضل وتقویٰ بہت کم ہوتے ہیں، ناکارہ لوگوں کی کثرت ہوتی ہے جس طرح اونٹوں میں، سواری اور کام کے قابل بمشکل ایک اونٹنی ملتی ہے، اسی طرح کام کے لوگ بہت کم ہوتے ہیں (۲۵)۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے اس دوسرے مطلب کو اس انداز سے بیان کیا کہ ایسا شخص جو لوگوں کے بوجھ اٹھائے، ان کی تکلیفوں کو برداشت کرے اور ان کی خدمت کرے، بہت کم ملتا ہے (۲۶)۔

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ نے فرمایا کہ لوگ تو بہت ہیں لیکن اچھے لوگ کم ہیں، انہوں نے فرمایا کہ لوگوں سے خیر القرون کے لوگ مراد نہیں کیونکہ ان کی فضیلت کی تو خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہی دی ہے! بلکہ بعد میں آنے والے لوگ مراد ہیں، جب قحط الرجال ہوگا، وہ لکھتے ہیں:

”وهذا الحديث إنما يراد به القرون المذمومة في آخر الزمان، ولذلك ذكره البخاري في رفع الأمانة، ولم يرد به أصحابه وتابعيهم؛ لأنه قد شهد لهم بالفضل (٢٧).

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت بیان کرتے ہوئے علامہ قسطلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”ومناسبة الحديث للترجمة من حيث إن الناس كثيرون والمرضي منهم قليل كالراحلة في المائة من الإبل، وغير المرضي هو من ضَيَّعَ الفرائض، وقد فسر ابن عباس الأمانة بالفرائض (٢٨).

یعنی: ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت اس طرح ہے کہ لوگوں کی کثرت ہے لیکن اچھے لوگوں کی کمی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے اور جو بہت ہیں انہوں نے

(٢٥) فتح الباري: ٤٠٧/١١، وعمدة القاري: ٢٣/١٣٠-١٣١، وإرشاد الساري: ٤٩٧/١٣

(٢٦) فتح الباري: ٤٠٧/١١

(٢٧) شرح ابن بطال: ٢٠٦/١٠

(٢٨) إرشاد الساري: ٤٩٧/١٣

فرائض وواجبات کو ضائع کر دیا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے امانت کی تفسیر فرائض سے کی ہے"۔

حاصل یہ ہے کہ اس حدیث کے اندر بتلایا گیا ہے کہ برے لوگوں کی کثرت ہوگی اور ظاہر ہے برے لوگوں میں امانت ودیانت نہیں ہوتی اور ترجمۃ الباب میں رفع امانت ہی کا ذکر ہے۔

٣٦ - باب : الرِّيَاءِ وَالسُّمْعَةِ .

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے دکھاوے اور شہرت کی مذمت بیان فرمائی ہے۔

ریا کی تعریف

ریا کی تعریف ہے:"إظهار العبودية للناس ليحمدوه" یعنی لوگوں کے سامنے اپنی عبادت اور بندگی کا اظہار کرنا تاکہ لوگ اس کی تعریف کریں، ریا کہلاتی ہے۔

اور سُمعة (سین کے ضمے اور میم کے سکون کے ساتھ) لوگوں کو سنانے اور بتانے کی غرض سے کوئی کام کرنا، ریا کا تعلق حاسہ بصر سے اور سمعہ کا تعلق حاسہ سمع سے ہے(۱)۔

بہرحال "ریا" رؤیت سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں اپنے آپ کو لوگوں کی نظر میں نیک اور اچھا بنا کر

---

(۱) فتح الباري: ۱۱/۸/۰٤، وعمدة القاري: ۲۳/۱۳۱، قال الإمام الغزالي رحمه الله: "اعلم أن الرياء مشتق من الرؤية، والسُّمعة مشتقة من السماع. وإنما الرياء أصله طلب المنزلة في قلوب النّاس بإراء تهم خصال الخير، إلا أن الجاه والمنزلة تطلب في القلب بأعمال سوى العبادات، وتطلب بالعبادات، واسم الرياء مخصوص بحكم العادة بطلب المنزلة في القلوب بالعبادات وإظهارها. فحدّ الرياء هو: إرادة المنزلة بطاعة الله عزّوجلّ. فالمرائي هو العابد، والمرا آى له هم الناس المطلوب رؤيتهم لطلب المنزلة في قلوبهم، والمرا آى به هو الخصال التي قصد المرائي إظهارها، والرياء هو: قصده إظهار ذلك، والمراآى به كثير. ويجمعه خمسة أقسام هي مجامع يتزين به العبد للناس، وهو البدن، والزيّ، والقول، والعمل، والاتباع، والأشياء الخارجة. وكذلك أهل الدنيا يراؤون بهذه الأسباب الخمسة، إلا أن طلب الجاه وقصد الرياء بأعمال ليست من الطاعات أهون من الرياء بالطاعات".

(إحياء علوم الدين: ۳/۲۹۰)

پیش کرنا، اپنی عبادت ونیکی کے ذریعہ لوگوں کی نظر میں اپنی قدر ومنزلت چاہنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ریا کا تعلق عبادات سے ہے اور جو چیزیں عبادت سے متعلق نہ ہوں جیسے کثرت مال ومتاع، علم وذہانت کی فراوانی، اشعار وغیرہ کا یاد رکھنا اور نشانہ بازی کی مہارت وغیرہ تو ان میں دکھاوے کے لئے کئے جانے والے کام کو ریا نہیں کہا جاتا بلکہ وہ افتخار وتکبر اور ناز وگھمنڈ کی ایک قسم کہلاتا ہے۔

اسی طرح (نیکی وعبادت کے) ظاہری اعمال میں بھی اگر کئی کام اس صورت میں لوگوں کو دکھانے کے لئے کئے جائیں جب کہ اس کا مقصد عزت وجاہ کی طلب نہ ہو، جیسا کہ بعض مشائخ اپنے مریدوں کو تلقین وتعلیم، لوگوں کے دلوں کو نیک اعمال کی طرف مائل کرنے اور ان کو اتباع وپیروی کی طرف راغب کرنے کے لئے بعض اعمال اس طرح کرتے ہیں کہ لوگ ان کو دیکھیں تو یہ بھی حقیقت کے اعتبار سے ریا نہیں کہلائے گا، اگرچہ ظاہر میں ان کا وہ عمل ریاکاری معلوم ہو اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ رياء الصديقين خير من إخلاص المريدين یعنی اونچے درجہ کے مشائخ اور بزرگوں کا ریا مریدین کے اخلاص (یعنی عدم ریاکاری) سے بہتر ہے۔

یہ بات ملحوظ رہے کہ ریا اصل میں اس کا نام ہے کہ کسی شخص کی ذات میں واقعۃً کوئی صفت وکمال ہو اور وہ اپنے اس واقعی وصف وکمال کو لوگوں کے سامنے نمایاں کرے اور یہ خواہش رکھے کہ لوگ اس کے اس وصف وکمال کو جانیں تاکہ ان کی نظر میں قدر ومنزلت اور عزت ووقعت حاصل ہو۔ لیکن جو شخص کسی ایسے وصف وکمال کو اپنی طرف منسوب کر کے لوگوں پر ظاہر کرے کہ جو واقعۃً اس کی ذات میں نہیں ہے تو اس کو ریا نہیں بلکہ خالص کذب اور منافقت کہا جائے گا۔

ریا کی مختلف صورتوں کا حکم

ریاء کی مختلف اقسام اور صورتیں ہیں:

❶ ریا کی پہلی قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا قصد اور حصول ثواب کا ارادہ قطعاً نہ ہو، بلکہ مقصد لوگوں کو دکھانا اور ان کی نظر میں قدر ومنزلت حاصل کرنا ہو، جیسا کہ خالص ریاکار لوگوں کا شیوہ ہوتا ہے کہ جب وہ لوگوں کے درمیان ہوتے ہیں تو نماز پڑھتے ہیں اور مختلف قسم کے اوراد ووظائف میں مشغول رہتے ہیں، لیکن جب تنہا ہوتے ہیں تو نہ نماز سے سروکار رکھتے ہیں اور نہ اوراد ووظائف سے، ریاکاری کی یہ قسم سب سے خطرناک ہے اور

اللہ تعالیٰ کے سخت غضب وقہر کے نازل ہونے کا باعث ہے، اس صورت میں کیا جانے والا کوئی بھی عمل قطعاً باطل ہوتا ہے۔

❷ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی نیک عمل کرنے میں دونوں چیزیں ہوں یعنی ثواب کا ارادہ بھی ہو اور ریاکاری اور دکھاوا بھی، لیکن ریا کا پہلو غالب اور ارادہ ثواب کا پہلو کمزور وضعیف ہو، کہ عمل کو کرنے والا تنہائی میں ہوتو وہ عمل ہی سرے سے نہ کرے اور اگر بالفرض اس عمل پر کسی قسم کے ثواب اور اجر کا ذکر نہ ہوتا تو بھی محض ریاکاری کا جذبہ ہی اس عمل کو اختیار کرنے کا باعث بن جاتا، اس صورت کا بھی وہی حکم ہے جو پہلی صورت کا ہے۔

❸ تیسری قسم یہ ہے کہ نیک عمل کا جذبہ یعنی ارادۂ ثواب اور لوگوں کو دکھاوا...... دونوں ہوں، اس طرح کہ ان چیزوں نے مل کر اس کو اس عبادت اور نیکی پر آمادہ کیا لیکن اگر ان میں سے ایک بھی چیز نہ ہوتو اس کی آمادگی عمل ختم ہوجائے، حاصل یہ ہے کہ کسی نیک عمل کو اختیار کرنے میں دونوں میں سے کوئی بھی ایک ہوتا تو اس کو اختیار کرنے کا کوئی داعیہ پیدا نہ ہوتا بلکہ اس عمل کی طرف رغبت اسی صورت میں ہوتی جب کہ دونوں چیزیں ایک ساتھ پائی جائیں۔

اس صورت کے بارے میں بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں نفع، نقصان، دونوں برابر ہیں، لیکن احادیث وآثار سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ قسم بھی مذموم اور اس صورت میں کیا جانے والا عمل بھی ناقابل قبول ہوتا ہے! کیونکہ قرآن کریم میں سورہ کہف کی آخری آیات میں ہے: ﴿ولا یشرك بعبادة ربه احدا......﴾. یعنی اس میں شرک سے مفسرین کے نزدیک ریا ہی ہے کیونکہ حدیث کے اندر ریا کو "شرکِ خفی" کہا گیا ہے(۲)۔

❹ چوتھی قسم یہ ہے کہ نیک عمل کا جذبہ، ارادۂ ثواب اور دکھاوا دونوں ہوں لیکن ثواب کی نیت اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا ارادہ، راجح اور غالب ہو۔

اس صورت کو بالکلیہ باطل نہیں کہہ سکتے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس صورت میں اختیار کیا جانے والا عمل نیت وارادہ کے اعتبار سے ثواب اور عتاب دونوں کا یکساں طور پر باعث ہوتا ہے کہ ارادہ ونیت میں جس قدر اخلاص یا عدم اخلاص ہوگا، اسی کے مطابق ثواب یا عتاب ہوگا، اس صورت میں یہ بھی دیکھا جاسکتا

---

(۲) روح المعاني، سورة كهف: ١٦/٤٩٧

ہے کہ قصد عمل میں ریاکاری کی جو آمیزش ہے جو اگرچہ ثواب کے ارادہ ونیت سے کمتر اور ضعیف ہے وہ کب پیدا ہوئی ہے؟ اگر ریاکاری کی آمیزش ابتدائے عمل میں ہوئی ہے تو یہ صورت زیادہ بری کہلائے گی اور اگر عمل کے درمیان پیدا ہوئی ہے تو یہ صورت پہلی صورت سے کم برائی کی حامل ہوگی اور اگر یہ عمل کرنے کے بعد آئی ہے تو یہ صورت دوسری صورت سے بھی کم بری قرار دی جائے گی اور اس کی وجہ سے اختیار کیا جانے والا عمل باطل نہیں کہلائے گا۔

اسی طرح ایک فرق یہ بھی ملحوظ رکھا جائے کہ ریاکاری کا جذبہ اگر پختہ قصد وعزم کی صورت میں ہے تو اس میں زیادہ برائی ہوگی اور اگر محض ایک خیال کی صورت میں ہو اور اس خیال ہی کی حد تک محدود رہا، آگے کچھ نہ ہوا تو یہ صورت حال نقصان دہ نہیں کہلائے گی۔

بہرحال حقیقت یہ ہے کہ ریا ایک ایسا جذبہ ہے جس سے پوری طرح خلاصی نہایت دشوار ہے اور ہر حالت میں حقیقی اخلاص کا پایا جانا بہت مشکل، اسی لئے علماء نے یہاں تک لکھا ہے کہ کسی کے منہ سے اپنی تعریف سن کر خوش ہونا ریا کے پائے جانے کی علامت ہے، اسی طرح تنہائی میں کوئی عمل کرتے وقت بھی دل میں ریا کا خیال آجائے تو وہ بھی ریا ہی کہلائے گا۔ خدا اس سے اپنی پناہ میں رکھے اور بہرصورت اخلاص عطا فرمائے کہ اس کی مدد وتوفیق کے بغیر اس دولت کا ملنا ممکن ہی نہیں ہے۔

یہ صورت ریاکاری کی نہیں

علماء نے ایک خاص صورت وحالت اور بیان کی ہے اور وہ یہ کہ اگر کوئی شخص نیک کام کرے اور کسی عبادت وطاعت میں مصروف ہو اور لوگ اس کو وہ نیک کام اور عبادت وطاعت کرتا ہوا دیکھ لیں تو اس کو چاہیے کہ اس وقت اس بات پر خوشی ومسرت کے جذبات پیدا کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم اور لطف وعنایت سے نیک عمل کی توفیق عطا فرمائی اور لوگوں کی نظر میں باعزت بنانے کا یہ سبب پیدا فرمایا کہ گناہوں اور عیوب کی تو پردہ پوشی فرمائی اور نیک اعمال واخلاق کو آشکار فرمایا اور ان جذبات مسرت کے ساتھ یہ نیت وقصد رکھے کہ اگر میرے نیک عمل کے اظہار سے دین وطاعات کا چرچہ ہوتا ہے تو لوگ دین کی طرف راغب ہوں گے اور ان کے اندر بھی نیک اعمال کو اختیار کرنے کا داعیہ پیدا ہوگا، یہ چیز نہ صرف یہ کہ ریا کے حکم میں داخل نہیں ہوگی، بلکہ اس کو محمود

و مستحسن بھی کہا جائے گا۔ چنانچہ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”وحكم الرياء بغير العبادات حكم طالب المال والجاه، وحكم محض الرياء بالعبادة إبطالها، وإن اجتمع قصد الرياء، وقصد العبادة، أعطي الحكم للأقوى، فيحتمل الوجهين في إسقاط الفرض به، والمصر على إطلاع الغير على عبادته، إن كان لغرض دنيوي كإفضائه إلى الاحترام أو شبهه فهو مذموم، وإن كان لغرض أخروي كالفرح بإظهار الله جميله وستره قبيحه، أو لرجاء الاقتداء به، فممدوح وعليه يحمل مايحدث به الأكابر من الطاعات، وليس من الرياء ستر المعصية، بل ممدوح، وإن عرض له الرياء في أثناء العبادة، ثم زال قبل فراغها لم يضر، ومتى علم من نفسه القوّة أظهر القربة، وقد قيل: اعمل ولو خفت عجبا مستغفراً منه“(۳).

امام غزالی رحمہ اللہ کے نزدیک ریا کی قسمیں

امام غزالی رحمہ اللہ ریا کی حقیقت اور اس کی اقسام بہت تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں کہ ریا کار پانچ طرح کی چیزوں میں اظہارِ نمود و نمائش کرتا ہے:

❶ قسم اول...... بدن میں ریا کاری: بدن میں ریا کاری دین کے بارے میں تو اس طرح ہے کہ بدن پر لاغری اور زردی ظاہر کرے تا کہ لوگوں کو یہ خیال ہو کہ یہ دین میں بہت محنت کرتا ہے، دین کا خوف اس پر غالب ہے اور اسے آخرت کا بہت ڈر ہے یا یہ کہ دبلا ہونے سے معلوم ہو کہ غذا بہت کم کھاتا ہے۔ (یعنی روزے رکھتا ہے) اور زردئ رنگ سے وہم ہو کہ شب بیداری کرتا ہے۔

❷ قسم دوم...... ہیئت اور لباس میں نمود: ہیئت اور لباس میں نمود اور ریا کاری یہ ہے کہ مثلاً سر کے بالوں کو پراگندہ رکھنا ہو، مونچھوں کو مونڈنا، راہ میں گردن ڈال کر چلنا، آہستہ آہستہ حرکت کرنا، سجدہ کا نشان پیشانی پر باقی رکھنا، موٹے کپڑے پہننا، کمبل کی عبا پہننا، اس کے دامن پنڈلیوں کے قریب تک اونچا رکھنا، کپڑوں کو پھٹا ہوا

---

(۳) إرشاد الساري: ۱۱/۳۹۹

رکھنا یہ سب باتیں ریاکاری ہیں کہ معلوم ہو کہ یہ شخص تابع سنت اور اللہ کا نیک بندہ ہے۔

جو لوگ لباس سے نمود کرتے ہیں ان کے کئی طبقات ہیں۔ بعض ایسے لوگ ہیں کہ کپڑے پھٹے پرانے، میلے موٹے پہنتے ہیں تا کہ یہ معلوم ہو کہ ان کو دنیا کی کچھ پرواہ نہیں، اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ وہ اہل اصلاح اور دنیاداروں دونوں فریقین میں مقبول ہوا چاہتے ہیں اس لئے نہایت باریک عبا اور چادریں اور رنگین پیوند کار وغیرہ تلاش کرتے ہیں تا کہ نہ درویش جانیں اور نہ دنیادار۔

❸ قسم سوم...... قول میں ریاکاری: اس میں اہل دین کی ریاکاری اس طرح ہے کہ ریا کے لئے وعظ ونصیحت اور حکمت ودانائی کی بات یا اخبار وآثار کا اس لئے یاد کرنا کہ روزمرہ کے محاوروں میں کام آئے۔ سب کے سامنے ریاکاری سے ہونٹ ہلاتے رہنا۔

❹ قسم چہارم...... عمل میں ریاکاری: مثلاً نماز میں ریا کے لئے دیر تک قیام، طویل رکوع اور سجدہ کرنا، گردن جھکائے رکھنا۔

❺ قسم پنجم...... ملنے والوں میں ریاکاری: مثلاً کوئی شخص اس بات کا بتکلف خواہاں ہو کہ فلاں عالم یا عابد میری ملاقات کے لئے آئے تا کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ شخص بڑا دین دار اور صاحب حیثیت ہے کہ بڑے علماء اور بزرگ اس کے پاس آمد ورفت رکھتے ہیں اور برکت حاصل کرتے ہیں۔ یا ریاکاری کے لئے بکثرت شیوخ ومرشدین کا تذکرہ کرے تا کہ معلوم ہو کہ بہت سے اکابر سے استفادہ کیا ہے (۴)۔

---

(۴) مذکورہ قسموں کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: إحیاء علوم الدین: ۲۹۰/۳

٦١٣٤ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا يَحْيىٰ ، عَنْ سُفْيَانَ : حَدَّثَنِي سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ .
وَحَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ سَلَمَةَ قَالَ : سَمِعْتُ جُنْدَبًا يَقُولُ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ ، وَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا يَقُولُ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ غَيْرَهُ ، فَدَنَوْتُ مِنْهُ ، فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهِ ، وَمَنْ يُرَائِي يُرَائِي اللّٰهُ بِهِ) . [٦٧٣٣]

حضرت سلمہ ابن کہیل فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جندب رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اور میں نے حضرت جندب کے سوا کسی کو یہ کہتے نہیں سنا کہ وہ ''قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کہتا ہو، چنانچہ میں حضرت جندب کے قریب ہوا تو میں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شہرت کا خواہش مند ہوگا، اللہ تعالیٰ اسے مشہور کردے گا اور جو دکھاوے کے لئے کام کرے گا اللہ تعالیٰ بھی اس کی نمود و نمائش کرادے گا۔

حدیث کے مختلف مطالب

اس حدیث کے مختلف مطالب بیان کئے گئے ہیں:

❶ ایک مطلب تو یہ ہے کہ جو شخص شہرت حاصل کرنے، حصول جاہ وعزت کے لئے اور لوگوں کے دکھاوے کے لئے کوئی نیک عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ دنیا کے اندر اس کی بری سرشت کو لوگوں کے سامنے ظاہر کردے گا جس کو وہ لوگوں سے چھپاتا ہے اور یوں اس کی رسوائی اور ذلت کا سامان ہو جائے گا یا یہ ایسے شخص کی بری نیت اور غرض کو اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں لوگوں کے سامنے ظاہر کردے گا اور یوں لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ شخص اپنے اس نیک عمل میں مخلص نہیں، گویا کہ جس مقصد اور غرض کے لئے اس نے وہ نیک عمل اختیار کیا تھا، وہ اس کو حاصل نہیں ہوگا بلکہ اس کے برعکس اس کی فاسد نیت لوگوں کے سامنے آشکار

٦١٣٤ : أخرجه مسلم في الزهد والرقائق ، باب : من أشرك في عمله غير الله (تحريم الرياء) ، رقم : ٢٩٨٦ .

وأخرجه ابن ماجه في كتاب الزهد، باب الرياء والسمعة (رقم الحديث: ٤٢٠٧)

ہو جائے گی (۵)۔

لیکن اس مطلب پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ کئی لوگ ریاکاری کی وجہ سے بہت نیک کام کرتے ہیں اور دنیوی لحاظ سے وہ اس میں کامیاب رہتے ہیں اور ان کی ریاکاری اور بری نیت لوگوں کے سامنے نہیں آتی!

❷ ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص اپنا کوئی نیک عمل لوگوں کو سنانے اور دکھانے کے لئے کرے گا، اللہ تعالیٰ بھی قیامت کے دن اس نیک عمل کا ثواب اسے سنا اور دکھا دے گا، لیکن عطا نہیں کرے گا (۶)۔

❸ ایک مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جو شخص کوئی نیک عمل لوگوں میں مشہور ہونے اور دکھانے کے لئے کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے مقصد کے مطابق اس کا بدلہ اسے دے دے گا اور لوگوں میں اس کے اس عمل کی شہرت ہو جائے گی، لیکن اس عمل کے آخرت میں حقیقی اور لافانی اجر سے وہ محروم رہے گا (۷)، قرآن کریم، سورۃ ہود میں ہے: ﴿من كان يريد الحياة الدنيا وزينتها نوف إليهم اعمالهم فيها وهم فيها لايبخسون﴾ یعنی جو شخص صرف دنیوی زندگی اور اس کی زینت چاہتا ہے ہم انہیں ان کے (نیک) اعمال کا بدلہ دنیا میں پورا پورا دے دیں گے اور دنیا میں ان کے اس بدلے میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی (لیکن آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا)۔

❹ اور ایک معنی یہ بیان کئے گئے کہ جو شخص دنیا کے اندر لوگوں کے دکھاوے اور اپنی شہرت کے لئے کوئی نیک عمل کرے گا اللہ تعالیٰ آخرت کے اندر، اس کی اس فاسد نیت کو سب لوگوں کے سامنے ظاہر کر دے گا۔ چنانچہ حافظ منذری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

أى: من أظهر عمله للناس رياء، أظهر الله نيتَه الفاسدة في مله يوم القيامة، وفضحه على رؤوس الأشهاد(٨).

---

(٥) فتح الباري: ١١/٤٠٩، عمدة القاري: ٢٣/١٣٣، إرشاد الساري: ١٣/٤٩٨

(٦) فتح الباري: ١١/٤٠٩، عمدة القاري: ٢٣/١٣٣، إرشاد الساري: ١٣/٤٩٨

(٧) فتح الباري: ١١/٤٠٩، عمدة القاري: ٢٣/١٣٣، إرشاد الساري: ١٣/٤٩٨

(٨) إرشاد الساري: ١٣/٤٩٨

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس مطلب کو معتمد قرار دیا(۹)، کیونکہ آخرت کی تصریح بعض احادیث میں وارد ہے، چنانچہ مسند احمد اور مسند دارمی میں حضرت ابو ہند داری کی مرفوع حدیث ہے، اس کے الفاظ ہیں:

"من قام مقام رياء وسمعة راء ى الله به يوم القيامة وسمع به"(١٠).

یعنی جو شخص دکھاوے اور لوگوں کو سنانے کے لئے کوئی کام کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بھی، اس کو دکھلا دے گا اور مشہور کر دے گا (کہ اس نے دکھاوے کے لئے یہ عمل کیا تھا)۔

اور طبرانی میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے، اس کے الفاظ ہیں:

"مامن عبد يقوم في الدنيا مقام سمعة ورياء، إلا سمع الله به على رؤوس الخلائق يوم القيامة"(١١). یعنی: دنیا میں جو بھی شخص ریاکاری اور شہرت پسندی کے مقام پر رہے گا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے سامنے، اس کی اس برائی کی شہرت کرا دے گا۔

عن سلمة قال: سمعت جندباً يقول: ـــ ولم أسمع أحدا يقول: قال النبي ﷺ ـــ غيره

یہ سلمہ بن کہیل کا قول ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث جندب سے سنی اور ان کے علاوہ کسی اور کو میں نے "قال النبي صلى الله عليه وسلم" کہتے ہوئے نہیں سنا، ان کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے حضرت جندب کے علاوہ کسی اور صحابی سے حدیث نہیں سنی، جندب سے، حضرت جندب بن عبداللہ بجلی بھی مراد ہیں، جو صغار صحابہ میں سے تھے۔

شارحینِ بخاری کا مباحثہ

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت وہاں پر حضرت جندب کے علاوہ کوئی

---

(٩) فتح الباري: ١١/٤٠٩

(١٠) فتح الباري: ١١/٤٠٩

(١١) فتح الباري: ١١/٤٠٩

اور صحابی موجود نہیں تھے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"مراده: لم يبق من أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حينئذٍ غيره في ذلك المكان"(١٢).

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے علامہ کرمانی پر اعتراض کیا اور کہا کہ حضرت جندب کوفہ میں تھے اور ان کی زندگی میں حضرت ابوجحیفہ اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفی موجود تھے، کیونکہ حضرت ابوجحیفہ نے، حضرت جندب کے چھ سال بعد وفات پائی ہے اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کی وفات ان کے دس سال بعد ہوئی ہے اور حضرت سلمہ نے ان دونوں سے حدیثیں نقل کی ہیں، اس لئے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس وقت وہاں کوئی صحابی موجود نہیں تھے، جیسا کہ علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے سمجھا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضرت جندب سے یہ حدیث سننے کے بعد، انہوں نے کسی اور صحابی سے پھر حدیث نہیں سنی (۱۳)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے حافظ کے اعتراض کو رد کیا اور کہا کہ کرمانی کے کلام میں "ذلك المكان"...... سے کوفہ مراد لینے کے بجائے یہ بھی احتمال ہے کہ جس جگہ انہوں نے حضرت جندب سے حدیث سنی، وہ جگہ مراد ہو اور مطلب یہ ہو کہ سماع حدیث کے اس مقام پر کوئی اور صحابی موجود نہیں تھے، علامہ عینی فرماتے ہیں:

"والعجب من هذا القائل يفسر كلام الكرماني بحسب مايفهمه ثم يرد عليه"(١٤).

یعنی تعجب ہے اس قائل پر کہ اپنی فہم کے مطابق کرمانی کے کلام کی تفسیر کرتا ہے اور پھر اس پر رد کرتا ہے۔

فائدہ......جندب نام کے پانچ صحابہ

جندب نام کے پانچ صحابہ ہیں، جندب بن جنادہ یعنی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ، یہ جلیل القدر اور مشہور صحابی ہیں...... جندب بن مکین جہنی، جندب بن ضمرہ جندعی، جندب بن کعب عبدی اور جندب بن عبداللہ بجلی، ان ہی سے سلمہ بن کہیل روایت نقل کر رہے ہیں (۱۵)۔

---

(١٢) شرح البخاري للكرماني: ٢٠/٢٣

(١٣) فتح الباري: ٤٠٨/١١

(١٤) عمدة القاري: ١٣٢/٢٣

(١٥) عمدة القاري: ١٣٢/٢٣

علامہ عینی رحمہ اللہ نے حافظ کے اس قول کو بھی رد کیا ہے کہ حضرت ابوجحیفہ کی وفات، ان کے چھ سال بعد اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کی وفات ان کے دس سال بعد ہوئی، کیونکہ حضرت جندب بن عبداللہ کی سن وفات، مورخین اور ائمہ جرح وتعدیل میں سے کسی نے نہیں لکھی ہے، ان کی سن وفات معلوم نہیں، تو یہ چھ سال اور دس سال کی تعیین کہاں سے کی گئی (۱۶)۔

علامہ مزی رحمہ اللہ نے ''تہذیب الکمال'' میں ان کا تذکرہ لکھا ہے اور ان کی سن وفات نہیں لکھی (۱۷)، علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے سیر اعلام النبلاء میں لکھا ہے کہ ان کی وفات سن ستر ہجری کی حدود میں ہوئی ہے (۱۸)، واللہ اعلم۔

۳۷ - باب : مَنْ جاهَدَ نَفْسَهُ في طَاعَةِ اللهِ.

اللہ تعالیٰ کی طاعت وعبادت میں مشقت اٹھانے اور مجاہدہ کرنے کی فضیلت اس باب میں بیان کی گئی ہے، اخلاق ذمیمہ سے اپنا تزکیہ کرنا اور اخلاق حسنہ اپنانا، گناہوں سے بچنا اور خواہشات کو کچلنا یہ سب مجاہدہ فی الطاعت میں داخل ہے (۱)! ابو علی دقاق کا قول ہے:

> ''من زَيّن ظاهره بالمجاهدة، حَسَّن اللّٰه سرائرَه بالمشاهدة(۲). یعنی جو شخص اپنے ظاہر کو مجاہدے (والے اوصاف) سے مزین کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے باطن کو مشاہدۂ حق سے مزین کرے گا۔

آیت کریمہ میں ہے: ﴿واما من خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوى......﴾ [النازعات: ٤٠] یعنی جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے گا اور اپنے آپ کو نفسانی

---

(١٦) عمدة القاري: ١٣٢/٢٣

(١٧) تهذيب الكمال: ١٣٧/٥، رقم الترجمة: ٩٧٣

(١٨) سير أعلام النبلاء: ١٧٥/٣

(١) إرشاد الساري: ٥٠٠/١٣

(٢) إرشاد الساري: ٥٠٠/١٣

خواہشات سے روکے گا، تو جنت اس کا ٹھکانہ ہے اور ایک دوسری آیت کریمہ میں ہے: ﴿والذین جاھدوا فینا لنھد ینھم سبلنا......﴾(۲) اور جو لوگ ہمارے راستے میں مجاہدہ کرتے ہیں، ہم انہیں اپنی راہیں دکھادیتے ہیں۔

اہل مجاہدہ کی دس خصلتیں

امام عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے "غنیۃ الطالبین" میں اہل مجاہدہ کی دس خصلتیں بیان کی ہیں:

❶ قسم نہ کھانا (چاہے جھوٹی ہو یا سچی، جان بوجھ کر ہو یا بھول کر)۔

❷ جھوٹ نہ بولنا۔

❸ وعدہ پورا کرنا۔

❹ مخلوق خدا میں سے کسی کی برائی اور اذیت سے بچے رہنا۔

❺ کسی کو بددعا نہ دینا، چاہے کوئی ظالم ہی کیوں نہ ہو۔

❻ کسی کے حق میں شرک اور کفر ونفاق کی گواہی نہ دینا۔

❼ گناہ کی چیزوں کی طرف نہ ظاہر میں نظر کرنا اور نہ ہی باطن میں۔

❽ کسی پر اپنا بوجھ نہ ڈالنا اور خلق خدا کا بار اپنے سر لینا!

❾ کسی کی طرف طمع کا ہاتھ نہ بڑھانا۔

❿ تواضع اختیار کرنا (۳)۔

☆☆......☆☆

---

(۲) سورۃ العنکبوت: ٦٩

(۳) قال الشیخ عبدالقادر الجیلاني رحمه اللّٰه: "أحد أئمة الصوفية والأعلام: وَالْأَصْلُ في المجاهدة مخالفة الهوى فيفطم نفسه عن المألوفات والشهوات واللذات، ويحملها على خلاف ما تهوى في عموم الأوقات، فإن انهمك في الشهوات، ألجمها بلجام التقوىٰ والخوف من اللّٰه، فإذا حرنت ووقفت عند القيام بالطاعات والموافقات ساقها بسياط الخوف وخلاف الهوى ومنع الحظوظ. (وانظر غنية الطالبين (المترجم) مع فتوح الغيب، ص: ١٠٢٤)

٦١٣٥ : حدّثنا هُدْبَةُ بْنُ خالِدٍ : حَدَّثَنَا هَمَّامٌ : حَدَّثَنَا قَتَادَةُ : حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مالِكٍ ، عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : بَيْنَا أَنَا رَدِيفُ النَّبِيِّ ﷺ ، لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ إِلَّا آخِرَةُ الرَّحْلِ ، فَقَالَ : (يَا مُعَاذُ) . قُلْتُ : لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ ٱللهِ وَسَعْدَيْكَ ، ثمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قالَ : (يَا مُعَاذُ) . قُلْتُ : لَبَّيْكَ رَسُولَ ٱللهِ وَسَعْدَيْكَ ، ثُمَّ سارَ ساعَةً ، ثُمَّ قالَ : (يَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ) . قُلْتُ : لَبَّيْكَ رَسُولَ ٱللهِ وَسَعْدَيْكَ ، قالَ : (هَلْ تَدْرِي ما حَقُّ ٱللهِ عَلَى عِبَادِهِ) . قُلْتُ : ٱللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ ، قالَ : (حَقُّ ٱللهِ عَلَى عِبَادِهِ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا) . ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قالَ : (يَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ) . قُلْتُ : لَبَّيْكَ رَسُولَ ٱللهِ وَسَعْدَيْكَ ، قالَ : (هَلْ تَدْرِي ما حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى ٱللهِ إِذَا فَعَلُوهُ) . قُلْتُ : ٱللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ ، قالَ : (حَقُّ العِبَادِ عَلَى ٱللهِ أَنْ لَا يُعَذِّبَهُمْ) .

[ر : ٢٧٠١]

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، سوائے کجاوہ کی لکڑی کے میرے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں تھی، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، معاذ! میں نے عرض کی لبیک وسعدیک یارسول اللہ! (اے اللہ کے رسول میں حاضر ہوں اور تیار ہوں) پھر تھوڑی دیر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چلتے رہے، پھر فرمایا، یامعاذ! میں نے عرض کی لبیک وسعدیک یارسول اللہ! پھر تھوڑی دیر چلتے رہے، اس کے بعد فرمایا، اے معاذ! میں نے عرض کی، لبیک وسعدیک یارسول اللہ! فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ کا اپنے بندوں پر کیا حق ہے؟ میں نے عرض کی، اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے، فرمایا، اللہ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، پھر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھوڑی دیر چلتے رہے اور فرمایا، اے معاذ! میں نے عرض کی، لبیک وسعدیک یارسول اللہ! فرمایا، تمہیں معلوم ہے کہ جب بندے یہ

کرلیں تو ان کا اللہ پر کیا حق ہے، میں نے عرض کی، اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے، فرمایا کہ بندوں کا اللہ پر یہ حق ہے کہ وہ انہیں عذاب نہ دے۔

حدیث باب کی ایک خصوصیت

تنبیہ...... حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وهو من الأحاديث التي أخرجها البخاري في ثلاثة مواضع من شيخ واحد بسند واحد، وهي قليلة جدا في كتابه...... وقد تتبع بعضهم ما أخرجه في موضعين بسند واحد، فبلغ عدتها زيادة على العشرين، وفي بعضها تصرف في المتن بالاختصار منه"(٤).

یعنی یہ ان احادیث میں سے ہے جن کی تخریج، ایک ہی سند اور متن کے ساتھ امام بخاری رحمہ اللہ نے تین مقامات پر کی ہے اور اس طرح کی احادیث صحیح بخاری میں بہت کم ہیں، ایک ہی سند اور ایک ہی متن کے ساتھ دو مقامات پر تخریج کردہ احادیث کی بعض علماء نے تحقیق کی تو ان کی تعداد بیس سے کچھ اوپر تھی، پھر ان میں سے بعض کے اندر متن میں تھوڑا سا اختصار بھی ہے!

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت ظاہر ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا بندوں کے ذمہ حق بتلایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے اور اس کی عبادت وطاعت کا مجاہدہ کرے، جس کو جہاد اکبر کہا جاتا ہے(۵)۔

---

(٤) فتح الباري: ١١/٤١٣

(٥) عمدة القاري: ٢٣/١٣٣، وإرشاد الساري: ١٣/٥٠٠

ليس بيني وبينه إلا آخرة الرحل

آخِرة الرحل: رحل کجاوے کو کہتے ہیں اور آخرة...... خاء کے کسرہ اور الف کے ساتھ......اس لکڑی کو کہتے ہیں جس پر سوار ٹیک لگاتا ہے۔ یعنی میرے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک لکڑی حائل تھی اور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متصل بالکل قریب بیٹھا تھا، مقصد مبالغہ ہے کہ میں نے آپ سے جو کچھ سنا، وہ بہت قریب سے سنا، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وفائدة ذكره: المبالغة في شدة قربه، ليكون أوقع في نفس سامعه أنه ضَبَطَ مار أوه"(٦).

لبيك وسعديك

"لبیک" مفعول مطلق ہے، اس کا فعل وجوباً محذوف ہے، تقدیری عبارت یوں ہے: "أُلِــــبُّ لك إلبـابَيْنِ...... فعل کو حذف کر کے مصدر کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا، پھر مصدر مزید فیہ کو زوائد کے حذف کرنے کے بعد ثلاثی مجرد کی طرف لوٹا دیا گیا، بعد ازاں لام جارہ کو حذف کر کے مصدر ثلاثی کو کاف ضمیر کی طرف مضاف کر دیا گیا تو "لبیک" ہو گیا۔ اس صورت میں یہ "ألبّ بالمكان ـــ إلباباً" سے ماخوذ ہوگا، جس کے معنی ہیں کسی جگہ مقیم ہونا تو "لبیک" کا مطلب ہوا: "میں آپ کی فرمانبرداری پر مقیم اور ثابت ہوں"۔

امام خلیل نحوی کے نزدیک یہ لبَّ يلُبُّ سے ماخوذ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دار فلان تلُبُّ داري یعنی فلاں کا مکان میرے مکان کے بالمقابل ہے۔ لہٰذا "لبیک" کا مطلب ہے: أنا مواجهك بما تحب إجابة لك یعنی آپ جس چیز کا مجھ سے مطالبہ کر رہے ہیں میں آپ کی مرضی کے مطابق اس کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہوں۔

سعديك، سعد متعدی ہے، یہ إسعاد کے معنی میں ہے، یعنی کسی کی مدد کرنا، یہ بھی مفعول مطلق ہے، اس کا فعل بھی وجوباً محذوف ہے، تقدیری عبارت یوں ہے: أسعدك إسعاداً بعد إسعاد یعنی میں آپ کی مدد کے لئے بالکل تیار ہوں۔ لبیک اور سعدیک دونوں اگرچہ تثنیہ کے صیغے ہیں مگر تثنیہ پر دلالت کرنے کے لئے نہیں بلکہ کثرت اور تکرار پر دلالت کرنے کے لئے ہے(٧)۔

---

(٦) فتح الباري: ٤١١/١١

(٧) تفصیل کے لئے دیکھئے: شرح الجامي: ٨٧-٨٨، مختار الصحاح، ص: ٥٨٩، والمعجم المفصل في الإعراب: ٣٨٢/٣

۳۸ - باب : التَّوَاضُعِ .

تواضع کے معنی

تواضع کے کئی ایک معنی بیان کئے گئے ہیں: إظهار التنزل عن المرتبة لمن يراد تعظيمه یعنی جو شخص اس کی تعظیم کا ارادہ کرے، اس کے سامنے اپنے رتبے سے نزول اور فروتنی کو ظاہر کرنا (۱)۔ بعضوں نے کہا هو تعظيم من فوقه لفضله (۲). یعنی بڑے کی تعظیم اور احترام کرنا اس کے فضل اور فوقیت کی وجہ سے!

جنید بغدادیؒ نے فرمایا تواضع خفض الجناح ولين الجانب یعنی نرم مزاجی کا نام ہے۔ فضیل بن عیاض نے فرمایا، حق کے سامنے جھکنا، حق کو سننا اور قبول کرنا تواضع ہے (۳)۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث مسند احمد میں ہے: "من تواضع لله درجةً، رفعه الله درجةً حتى يجعله في عليين" (٤). یعنی جو اللہ تعالیٰ کے لئے ایک درجہ تواضع اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے ایک درجہ رفعت عطا کرے گا اور اس کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے گا۔

امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے:

"وما تواضع أحد لله إلا رفعه الله" (٥). یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے جو بھی تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اسے رفعت و بلندی عطا کرتا ہے۔

امام ابوداؤد نے عیاض بن حمار سے ایک اور روایت نقل کی ہے، اس کے الفاظ ہیں:

"إن الله تعالىٰ أوحى إليّ أن تواضعوا حتى لا يبغي أحد على أحد

---

(١) فتح الباري: ١١/١٤، عمدة القاري: ٢٣/١٣٤، إرشاد الساري: ١٣/٥٠٠

(٢) فتح الباري: ١١/١٤، عمدة القاري: ٢٣/١٣٤، إرشاد الساري: ١٣/٥٠٠

(٣) دیکھئے، عوارف المعارف للسهروردی، الباب الثلاثون فى تفاصيل الأخلاق الصوفيه: ١/٤١٢

(٤) الحديث أخرجه الإمام أحمد في مسنده، مسند أبي سعيد الخدري: ٤/١٩١، رقم: ١١٧٤٧

(٥) أخرجه الإمام الترمذي في سننه كتاب الزهد، باب التواضع: ٤/٢٨، رقم الحديث: ٢٠٢٩

ولايفخر أحد على أحد"(٦). یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی بھیجی کہ تم تواضع اور عاجزی اختیار کرو اور کوئی شخص کسی پر ظلم نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر فخر کرے۔

٦١٣٦ : حدّثنا مالِكُ بْنُ إِسْماعِيلَ : حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ : حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ : كانَ لِلنَّبِيِّ ﷺ نَاقَةٌ .

قالَ : وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ : أَخْبَرَنَا الْفَزَارِيُّ وَأَبُو خالِدٍ الْأَحْمَرُ ، عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ ، عَنْ أَنَسٍ قالَ : كانَتْ نَاقَةٌ لِرَسُولِ ٱللّٰهِ ﷺ تُسَمَّى الْعَضْبَاءَ ، وَكانَتْ لَا تُسْبَقُ ، فَجَاءَ أَعْرَابِيٌّ عَلَى قَعُودٍ لَهُ فَسَبَقَهَا ، فَاشْتَدَّ ذٰلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ ، وَقالُوا : سُبِقَتِ الْعَضْبَاءُ ، فَقَالَ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ : (إِنَّ حَقًّا عَلَى ٱللّٰهِ أَنْ لَا يَرْفَعَ شَيْئًا مِنَ ٱلدُّنْيَا إِلَّا وَضَعَهُ) . [ر : ٢٧١٦]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک اونٹنی تھی، جس کا نام "عضباء" تھا (کوئی جانور دوڑ میں) اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ پھر ایک دیہاتی اپنے اونٹ پر سوار ہو کر آیا اور وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آگے بڑھ گیا، مسلمانوں پر یہ بات بڑی شاق گزری اور کہنے لگے کہ عضباء پیچھے رہ گئی، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ وہ دنیا میں کسی چیز کو بلند نہیں کرتا، مگر یہ کہ اس کو پست بھی کر دیتا ہے۔

حدیثِ باب کے دو طرق

یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے دو طریق سے نقل کی ہے:

❶ ایک طریق میں ان کے شیخ مالک بن اسماعیل، ان کے شیخ زہیر بن معاویہ ہیں اور وہ حمید طویل سے نقل کرتے ہیں۔

---

(٦) الحديث أخرجه الإمام أبوداود في كتاب الأدب، باب التواضع: ٤/٢٧٤، رقم الحديث: ٤٨٩٥

❷ دوسرے طریق میں امام کے شیخ محمد بن سلام ہیں اور ان کے دو شیخ ہیں، مروان بن معاویہ فزاری اور ابوخالد احمر، یہ دونوں حمید طویل سے نقل کرتے ہیں، حمید پر جا کر دونوں طریق جمع ہو جاتے ہیں ابوخالد کا نام سلیمان بن حیان ہے۔

حدیث باب، کتاب الجہاد میں، باب ناقۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت گزر چکی ہے۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت، اس روایت کے دوسرے طرق میں واقع اس جملے کی وجہ سے ہے، "حق على الله أن لا يرفع شيءٌ نفسه في الدنيا إلا وضعه". یعنی کوئی بھی ایسی شی جو دنیا میں اپنا آپ اونچا کرے گی، اللہ تعالیٰ اسے نیچے کر دے گا۔

اس حدیث سے رفع اور تکبر کی مذمت اور تواضع کی ترغیب معلوم ہوتی ہے(۷)۔

٦١٣٧ : حدَّثني مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمانَ بْنِ كَرَامَةَ : حَدَّثَنَا خالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ : حَدَّثَنَا سُلَيْمانُ ابْنُ بِلَالٍ : حَدَّثَنِي شَرِيكُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ ، عَنْ عَطَاءٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قالَ : قالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : (إِنَّ اللهَ قالَ : مَنْ عادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالحَرْبِ ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ : كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا ، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا ، وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ ، وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ أَنَا فاعِلُهُ تَرَدُّدِي عَنْ نَفْسِ المُؤْمِنِ ، يَكْرَهُ المَوْتَ وَأَنَا أَكْرَهُ مَسَاءَتَهُ) .

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی، اسے میری طرف سے اعلان جنگ ہے اور میرا بندہ میری طرف سے فرض کی ہوئی چیزوں پر عمل کرنے سے

(۷) عمدة القاري: ٢٣/١٣٥، وإرشاد الساري: ١٣/٥٠١

جتنا میرے قریب ہوسکتا ہے، کسی اور چیز سے نہیں۔ اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ مجھ سے قرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہو جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں اور اگر وہ میری پناہ کا طالب ہوتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں، (جو میں کام کرنا چاہتا ہوں) اس میں مجھے پس وپیش نہیں ہوتا، جیسا کہ مجھے اس مومن کی جان کے بارے میں پس وپیش اور تردد ہوتا ہے جو موت کو پسند نہیں کرتا اور میں اس کی ناگواری کو پسند نہیں کرتا۔

من عادىٰ لى وليا، فقد آذنته بالحرب

یعنی جو میرے دوست اور ولی سے دشمنی کرے گا، میں اس کے ساتھ جنگ کا اعلان کرتا ہوں۔

ولـــي، فعیل کے وزن پر ہے اور یہ یا تو اسم مفعول کے معنی میں ہے فعیل کا وزن مفعول کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، ولی سے وہ شخص مراد ہے جس کے معاملات اور امور کو اللہ تعالیٰ کی ولایت اور نصرت حاصل ہو۔

سورۃ اعراف آیت ۱۹۶ میں اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے ﴿وهـو يتـولى الصالحين﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ہی صالحین کی ولایت ونصرت کرتا ہے اور انہیں محفوظ رکھتا ہے۔

اور یا یہ اسم فاعل کے معنی میں ہے یعنی وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت وطاعت پر قدرت ولایت حاصل ہو اور اس کی عبادات مسلسل جاری ہوں، علامہ قسطلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"أو هـو فـعيل مبالغة من الفاعل، وهو الذي يتولى عبادة الله وطاعته، فعبادته تجرى على التوالي، من غير أن يتخللها عصيان" (٨).

جس طرح انبیاء کے لئے معصوم ہونا ضروری ہے، اسی طرح ولی کے لئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے

---

(٨) إرشاد الساري: ٥٠٢/١٣

محفوظ ہونا ضروری ہے(۹)، علامہ عینی رحمہ اللہ ولی کی تعریف لکھتے ہیں:

"هو العالم بالله المواظب على طاعته المخلص في عبادته"(١٠).

من عادى وليالي" نہیں کہا بلکہ "لي" کو مقدم کیا، اصل میں "لي"، "وليا" کی صفت ہے، اسے مقدم کر کے حال بنایا ہے(۱۱)، اس میں ایک لطیف نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" وإنما قال: من عادى لي، ولم يقل: وليًا لِي، تفخيما لشأن العداوة؛ لأن في الأول إيذاناً بأن عداوة ولي، كأنها عداوة الله تعالىٰ، بخلاف الثاني"(١٢). یعنی من عادى لي ولياً فرمایا، من عادى ولياً لي نہیں فرمایا، عداوت اور دشمنی کے معاملے کی سنگینی بتلانے کے لئے۔ اس لئے کہ پہلی صورت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کسی اللہ والے سے دشمنی کرنا اللہ سے دشمنی کرنے کے مترادف ہے۔ دوسری صورت میں یہ نکتہ حاصل نہیں ہوگا۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص میرے ولی کو تکلیف پہنچائے گا، اسے اذیت دے گا تو میں اس کے ساتھ اعلانِ جنگ کرتا ہوں، علامہ قسطلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وإذا ثبت هذا في جانب المعاداة، ثبت ضده في جانب الموالاة، فمن وَالَى أولياء الله، أكرمه الله......"(١٣).

وما تقرب إليّ عبدى بشيءٍ إليّ مما افترضت عليه

یعنی بندہ میری قربت جن چیزوں کے ذریعہ حاصل کرتا ہے، ان میں فرائض سے زیادہ کوئی محبوب چیز میرے نزدیک نہیں، مطلب یہ ہے کہ فرائض پر عمل کر کے اللہ جل شانہ کا جو قرب حاصل کیا جا سکتا ہے،

(٩) إرشاد الساري: ١٣/٥٠٢

(١٠) عمدة القاري: ٢٣/٣٧

(١١) فتح الباري: ١١/٤١٦، وعمدة القاري: ٢٣/١٣٦، وإرشاد الساري: ١٣/٥٠٢

(١٢) فيض الباري: ٤/٤٢٧

(١٣) إرشاد الساري: ١٣/٥٠٢

کسی اور چیز کے ذریعہ، اس سے بڑھ کر قرب حاصل نہیں کیا جا سکتا، نوافل کے ذریعہ بھی اللہ کی قربت اسی وقت حاصل کی جاسکتی ہے، جب فرائض کا اہتمام ہو، فرائض چھوڑ کر، نوافل کا اہتمام کرنے والا اللہ تعالیٰ کا محبوب کبھی نہیں بن سکتا، علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے فیض الباری میں اس کی وضاحت فرمائی ہے(۱۴)۔

ولا يزال العبد يتقرب إليّ بالنوافل حتى أحبه:

جیسا کہ کہا گیا ہے کہ نوافل سے مراد نوافل مع الفرائض ہے، یعنی ایک شخص فرائض کا تو اہتمام کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ نوافل کی کثرت بھی اختیار کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا درجہ پالیتا ہے۔

فإذا أَحْبَبْتُه كُنْتُ سَمْعَه الذي يسمَع به، وبصَرَه الذي يبصر به......

اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ جب میں اس بندے سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کا کان بن جاتا ہوں،

---

(١٤) "قوله: [لا يزال عبدي يتقرب إلي بالنوافل]، وههنا بحث للصوفية في فضل القرب بالنوافل، والقرب بالفرائض، فقالوا: إن العبد في القرب الأول يصير جارحة لله جل مجده، والله سبحانه نفسه يكون جارحة لعبده في القرب الثاني، وذلك لأن الفرائض مفروضة من الله تعالىٰ على عباده، وليس لهم بد من الإتيان بها، فكانوا فيها كالجارحة للرجل، وأما النوافل، فالعبد يأتي بها بطوعها، من دون عزم عليه، فاذا تقرب بها إلى الله تعالىٰ كان الله له كالجارحة؛ قلت: أما كون الله تعالىٰ جارحة للعَبد في القرب بالنوافل، فذلك نص الحديث، وأما ماذكروه في القرب بالفرائض، فلا لفظ له في الحديث، إلا أنهم أخذوه بالمقابلة، والذي تبين لي أن القرب في الفرائض أزيد وأكمل، فإنه يجلب المحبوبية له تعالىٰ من أول الأمر، بخلاف القرب في النوافل، فإنها تجلب المحبوبية تدريجاً، وإن كانت ثمرتها في الانتهاء أيضاً هي المحبوبية، ولكن مايحصل من النوافل آخراً يحصل من الفرائض أولا، فأنى يستويان، وإليه ترشد ألفاظ الحديث، فانه قال في الفرائض: ما تقرب إليّ عبدي، أحب إليّ مما افترضت عليه، فجعل مفروضه أحب إليه من أول الأمر، وجعل ثمرته القرب، بخلاف النوافل، فإن القرب منها تدريجي، يتدرج العبد إليه شيئاً فشيئاً، وبالجملة أنها في النتيجة سواء، وهي المحبوبية، غير أنها تحصل بالفرائض أولا، وبالنوافل ثانياً. (فيض الباري: ٤/٤٣٠)

جس سے وہ سنتا ہے، آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے......

حدیثِ باب کے مختلف مطالب

ظاہر ہے کہ یہ الفاظ اپنے حقیقی معنی نہیں ہیں، اللہ جل شانہ جسم اور جسم کے لوازمات سے منزہ اور پاک ہے، اس لئے ان کے مجازی معنی مراد لئے گئے ہیں اور مندرجہ ذیل مطالب بیان کئے گئے ہیں:

❶ اس سے اللہ تعالیٰ کی نصرت وتائید کی طرف اشارہ ہے اور مقصد یہ ہے کہ جو بندہ اللہ کو محبوب بن جاتا ہے، اس کے یہ اعضا اللہ تعالیٰ کی نصرت وتائید سے چلتے، حرکت کرتے اور کام کرتے ہیں، مشہور صوفی بزرگ ابوعثمان حیری نے اس معنی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا "معنى الحديث: كنت أسرع إلى قضاء حوائجه من سمعه في الاستماع، وعينه في النظر، ويده في اللمس، ورجله في المشي" یعنی میں اس کی حاجتوں کو جلد پوری کر دیتا ہوں، اس کے حاسہ سمع سے سننے میں، اس کی آنکھ سے دیکھنے میں، اس کے ہاتھ سے چھونے میں اور اس کے قدم سے چلنے میں۔ اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ اللہ جل شانہ کی نصرت اور تائید ایسے بندے کو حاصل رہتی ہے (۱۵)۔

❷ دوسرے معنی یہ بیان کئے گئے کہ سمع اور بصر اسم مفعول مسموع کے معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایسا بندہ صرف میرا ذکر سنتا، میری قدرتوں کے کرشمے کو دیکھتا ہے اور میری ہی مرضیات میں اس کے ہاتھ پاؤں بڑھتے اور چلتے ہیں (۱۶)۔

❸ بعض حضرات نے کہا کہ یہاں "حافظ" کا لفظ بطور مضاف محذوف ہے، تقدیر عبارت ہے: "كنت حافظ سمعه الذي يسمع به، فلا يسمع إلا مايحل سماعه، وحافظ بصره" یعنی میں اس کے کانوں، اس کی نظر وغیرہ کی حفاظت کرتا ہوں اور یوں وہ گناہ اور نافرمانی سے محفوظ رہتا ہے (۱۷).

❹ بعض علماء نے کہا کہ یہ بطور تمثیل ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح آنکھ، ہاتھ اور دیگر جوارح انسان

---

(۱۵) فتح الباري: ۱۱/۴۱۸، إرشاد الساري: ۱۳/۵۰۳، عمدة القاري: ۲۳/۱۳۸

(۱٦) فتح الباري: ۱۱/۴۱۸، إرشاد الساري: ۱۳/۵۰۳، عمدة القاري: ۲۳/۱۳۸

(۱۷) عمدة القاري: ۲۳/۱۳۸

محبوب ہوتے ہیں اسی طرح میں بھی اسے محبوب ہوجاتا ہوں اور وہ میری نافرمانی نہیں کرتا (۱۸)۔

وماتَرَدَّدْتُ عن شيءٍ أنا فاعله تَرَدُّدِي عن نفس المؤمن

میں کسی کام کو کرنے والا ہوتا ہوں، تو مجھے اس میں تردد نہیں رہتا، جس طرح مؤمن کی جان (لینے) کے بارے میں مجھے تردد ہوتا ہے (۱۹)۔

مقصد یہ ہے کہ میں کوئی بھی کام کرتا ہوں تو مجھے اس میں تردد اور تذبذب نہیں ہوتا کہ یہ کام کرنا چاہیے یا

---

(۱۸) فتح الباري: ۱۱/۴۱۸

(۱۹) علامہ انورشاہ کشمیری رحمہ اللہ نے اس جملے کے متعلق فیض الباری میں بڑا نفیس نکتہ تحریر فرمایا ہے، ذیل میں حضرت کا وہ کلام نقل کیا جارہا ہے:

قوله: [وما ترددت عن شيءٍ أنا فاعله] لاريب أن التردد في جنابه تعالىٰ محال، ولكنه جيءٌ به على شأن خاطر عباده؛ ليعلموا ماقدرهم عند ربهم، وليس له لفظ لمثل هذا الموضع في عالمهم، إلا هو، فحادثهم بحسب مجاري عرفهم، هذا بحسب الجلي من النظر، وعند تدقيق النظر يظهر أن التفاته تعالىٰ إلى أمرين متعارضين هو الذى عني بالتردد، وعبر عنه، فإن اللّٰه تعالىٰ يتوجه أولا إلى توفي العبد، ثم إلى ملالة العبد، بن موته، ولا بدله منه في الدنيا، فكأنه مادة التردد للعبد، فان العبد إذا تردد تردد فيما تتعارض فيه الجهات، فلا يسنح له الترجيح، فيحدث له فيه التردد لامحالة، واللّٰه سبحانه بريءٌ عن التردد، ولكنه عبر عنه فى اللفظ، لكونه مادته عندهم، وبعبارة أخرى: إن العبد يكره موته، وملك الموت يجيء ليتوفاه، فتحدث صورة التصادم والتقابل، وتلك الصورة سميت بالتردد، وإلا فلا تردد في جنابه تعالىٰ، فانه فعال لما يشاء، وحاكم لما يريد، ثم إن تلك الصورة أيضا في المواطن التحتانية، وأما في الفوق، فلا شيء منه، وهذا كما في الحديث: إن البلاء ينزل من السماء، وتصعد الصدقة إليه، فلا يزالان يتصارعان إلى يوم القيامة، حتى لاينزل هذا، ولا يصعد هذا -أو كما قال- فأمعن النظر فيه، هل يوهم في الظاهر أن الصدقة ترد من القدر شيئاً، والوجه فيه أن هذا التصارع إنما هو في علم الأسباب، وأما عند ربك فقد جف القلم بما هو كائن، وقد علم من قبل أن هذا البلاء، يرد عنه لأجل صدقته، ولما كان رده من صدقته لا بد أن يظهر هذا التعليق أيضاً في موطن، وهو كما في الحديث، فهكذا لاتردد عند ربك أصلا، ولكن لما كانت مادة التردد مما تتجاذب فيه الجهات، وهي متحققة فيما نحن فيه، عبر عنه بالتردد بحسب هذا الموطن، مع أنه لاتردد عند ربك، فانه لاصباح عنده، ولا مساء، فافهم.

(فيض الباري: ٤/٤٣٠-٤٣١)

نہیں، سوائے مومن کی جان لینے کے، کہ اس میں تردد رہتا ہے کہ روح قبض کی جائے گی یا نہیں؟ کیونکہ مؤمن موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اس تکلیف کو ناپسند کرتا ہوں......

ظاہر ہے کہ تردد اور تذبذب کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف حقیقی معنی میں درست نہیں کیونکہ تردد ایک انفعالی کیفیت ہے جو کمزوری کی علامت ہوتی ہے اور اللہ جل شانہ ہر قسم کی انفعالیت سے پاک اور منزہ ہے۔

اس لئے یہاں تردد کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف مجازاً ہے اور مراد اس سے ان فرشتوں کا تردد ہے جو کسی بندۂ مومن کی روح قبض کرنے کے لئے جاتے ہیں، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روح قبض کرنے کے لئے جب فرشتہ گیا اور اجازت چاہی تو انہوں نے فرشتے کو طمانچہ رسید کر دیا تھا اور چونکہ یہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم سے جاتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے تردد کی نسبت اپنی طرف کر دی (۲۰)۔

يكره الموتَ وأنا أكره مَسَاءَ ته

مَسَاء ة (میم کے فتحہ کے ساتھ) مؤمن موت کو ناپسند کرتا ہے (کہ روح نکلتے ہوئے بڑی تکلیف ہوتی ہے) اور میں اس کی تکلیف کو ناپسند کرتا ہوں، اس کے دو مطلب بیان کئے ہیں:

۱ اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ مؤمن، موت کو اس کی سختی اور روح کی جسم سے جدائی کی تکلیف کی وجہ سے ناپسند کرتا ہے اور مجھے اس کی یہ اذیت پسند نہیں، یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو مؤمن کی موت پسند نہیں، کیونکہ موت تو اس کو اللہ سے ملانے والی ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ روح قبض ہوتے ہوئے اسے جو طبعی تکلیف ہوتی ہے، اس کی وجہ سے اللہ نے کہا وأنا أكره مساء ته (۲۱).

۲ دوسرا مطلب یہ ہے کہ مؤمن تو موت کو ناپسند کرتا ہے لیکن میں اس کے لئے دنیا میں طویل زندگی کی صعوبتوں اور تکالیف کو ناپسند کرتا ہوں، اس لئے اسے اپنے پاس بلا لیتا ہوں، یعنی مَسَاء ة سے مراد دنیا کی طویل زندگی کی تکالیف اور مصیبتیں ہیں، جب انسان بوڑھا ہوتا اور ارذل عمر تک پہنچتا ہے، بیماریوں میں مبتلا ہوتا ہے تو دنیوی زندگی کی یہ اذیت چونکہ اللہ تعالیٰ کو مؤمن کے لئے پسند نہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ اسے اپنے پاس بلانے کا فیصلہ فرما دیتے ہیں

(۲۰) فتح الباري: ۱۱/۴۲۰، عمدة القاري: ۲۳/۳۱۸، إرشاد الساري: ۱۳/۵۰۳

(۲۱) فتح الباري: ۱۱/۴۲۱، عمدة القاري: ۲۳/۱۳۸، إرشاد الساري: ۱۳/۵۰۳

جب کہ مؤمن موت کو ناپسند کرتا ہے (۲۲)۔

اس حدیث میں اللہ جل شانہ نے اولیاء اللہ کے مقام ومرتبہ کو بیان فرمایا کہ اگر موت کے ٹل جانے کی گنجائش ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان کے حق میں اسے بھی ٹال دیتے کہ اللہ جل شانہ کو اپنے ایسے بندے بہت عزیز اور پیارے ہیں!

حدیث باب پر اعتراض اور اس کا جواب

حدیث باب میں امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ الشیخ خالد بن مخلد قطوانی ہیں، علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے "میزان الاعتدال" میں مختلف محدثین اور ائمہ جرح وتعدیل کی آراء ان کے بارے میں نقل کی ہیں، ان میں سے کئی حضرات نے ان کو ضعیف قرار دیا، چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: "له مناكير"، امام ابوحاتم نے فرمایا "يكتب حديثه ولايحتج به" (٢٣).

ابن سعد نے فرمایا "منكر الحديث مفرط في التشيع" (٢٤) ابن عدی رحمہ اللہ نے "الکامل فی ضعفاء الرجال" میں ان کا ذکر کیا اور ان کی دس احادیث نقل کر کے ان سب کو نسبتاً منکر قرار دیا (۲۵)، علامہ ذہبی نے حدیث باب کا ذکر کر کے کہا "هذا حديث غريب جدا" اگر صحیح بخاری کی ہیبت نہ ہوتی تو محدثین اسے خالد بن مخلد کی منکر احادیث میں شمار کرتے (۲۶)۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام بخاری کے علاوہ کسی اور نے ان سے نقل نہیں کیا، شریک بن عبداللہ اس میں متفرد ہیں اور وہ حافظ نہیں، جب کہ اس سند کے علاوہ، کسی اور سند سے یہ حدیث مروی نہیں اور میرا خیال ہے کہ مسند احمد میں یہ نہیں ہے (۲۷)۔

---

(٢٢) فتح الباري: ٤٢١/١١، وعمدة القاري: ١٣٨/٢٣، إرشاد الساري: ٥٠٣/١٣

(٢٣) دیکھئے: ميزان الاعتدال: ٦٤٠/١، رقم الترجمة: ٢٤٦٣

(٢٤) ميزان الاعتدال: ٦٣٠/١، رقم: ٢٤٦٣

(٢٥) الكامل في ضعفاء الرجال: ٣٦/٣، رقم: ٥٩٥

(٢٦) ميزان الاعتدال: ٦٤٢/١، رقم: ٢٤٦٣

(٢٧) ميزان الاعتدال: ٦٤٢/١

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مسند احمد میں تو یقیناً یہ روایت نہیں ہے لیکن یہ کہنا کہ کسی اور سند سے یہ مروی نہیں، درست نہیں، کیونکہ یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ مندرجہ ذیل صحابہ سے بھی مروی ہے:

❶ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا......ان کی روایت امام احمد اور امام بیہقی نے کتاب الزہد میں اور ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں نقل فرمائی ہے۔

❷ حضرت ابو امامہ......ان کی روایت طبرانی اور بیہقی نے زہد میں نقل فرمائی ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

❸ حضرت علی رضی اللہ عنہ......ان کی روایت اسماعیلی نے مسند علی میں نقل کی ہے۔

❹ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ......ان کی روایت امام طبرانی نے ضعیف سند کے ساتھ نقل فرمائی ہے۔

❺ حضرت انس رضی اللہ عنہ......ان کی روایت ابو یعلی، بزار اور طبرانی نے نقل فرمائی ہے، لیکن اس کی سند بھی ضعیف ہے۔

❻ حضرت حذیفہ......ان کی روایت امام طبرانی نے نقل فرمائی ہے اور اس کی سند حسن غریب ہے۔

❼ حضرت معاذ بن جبل......ان کی روایت امام ابن ماجہ نے سنن میں اور ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں نقل فرمائی ہے اور اس کی سند بھی ضعیف ہے۔

بہرحال اگرچہ انفرادی طور پر یہ سندیں ضعیف ہیں، لیکن سات مختلف صحابہ سے مختلف طرق کے ذریعے اس مفہوم کی حدیث کا منقول ہونا، اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس حدیث کی اصل ضرور ہے (۲۸)۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ، علامہ ذہبی پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ومر عليه الذهبي في "الميزان" وقال: لولا هيبة الجامع لقلت فيه: سبحان الله!، وكان الذهبي لم يتعلم علم المنطق، قلت: إذا صح الحديث، فليضعه على الرأس والعين، وإذا تعالى شيءٌ منه عن الفهم، فليكله إلى أصحابه، وليس سبيله أن يجرح فيه، أما علماء الشريعة فقالوا: معناه أن جوارح العبد تصير تابعة للمرضاة الإلهية، حتى لاتتحرك إلا على مايرضى به

(۲۸) فتح الباري: ۱۱/۴۱۵، وإرشاد الساري: ۱۳/۵۰۴.

ربه، فإذا كانت غاية سمعه وبصره وجوارحه كلها هو الله سبحانه، فحينئذ صح أن يقال: إنه لايسمع إلا له، ولا يتكلم إلا له، فكأن الله سبحانه صار سمعه وبصره. قلت: وهذا عدول عن حق الألفاظ؛ لأن قوله: كنت سمعه، بصيغة المتكلم، يدل على أنه لم يبق من المتقرب بالنوافل إلا جسده وشَبَحه، وصار المتصرف فيه الحضرة الالٰهية فحسب، وهو الذي عناه الصوفية بالفناء في الله، أي الانسلاخ عن دوامي نفسه، حتى لايكون المتصرف فيه إلا هو، وفي الحديث لمعة إلى وحدة الوجود، وكان مشايخنا مولعون بتلك المسألة إلى زمن الشاه عبد العزيز، أما أنا فلست بمتشدد فيها:

ومن عجب أني أحن إليهم　　　وأسأل عنهم دائماً، وهم معي!

وتبكيهم عيني، وهم في سوادها　　　وتشتاقهم روحي، وهم بين أضلعي(۲۹)

یعنی: ''حافظ ذہبیؒ نے ''میزان الاعتدال'' میں اس حدیث پر نقد کرتے ہوئے فرمایا: ''اگر صحیح بخاری کا رعب مانع نہ ہوتا تو اس حدیث کے متعلق میں (طنزاً) ''سبحان اللہ!'' کہتا''...... دراصل حافظ ذہبیؒ علم منطق سے نابلد تھے، میرے خیال میں اگر کسی حدیث کی صحت ثابت ہوجائے تو اسے سرآنکھوں پر رکھنا چاہیے اور اگر اس کے معنی، مفہوم سے بالا ہوں تو ایسی صورت میں اس کے متعلق دوٹوک فیصلہ کرتے ہوئے اسے فوراً مسترد کرنا یا اس میں جرح کرنا مناسب طریقہ نہیں ہے، بلکہ ایسی صورت میں معانی حدیث کے ماہرین (فقہاءکرام) کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

چنانچہ علماء شریعت نے اس حدیث کے معنی یوں بیان کئے ہیں: ''بندہ کے اعضاء وجوارح رضائے الٰہی کے اس درجہ تابع ہوجاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی منشأ اور رضا کے بغیر وہ جنبش تک نہیں کرتے اور جب یہ کیفیت اس درجہ پر پہنچ جاتی ہے کہ اس کے کان، آنکھ اور دیگر جوارح کا اول وآخر مقصد وغایت اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ بن جاتی ہے تو اس وقت یہ

(۲۹) فيض الباري: ٤/٤٢٨

کہا جاسکتا ہے کہ یہ بندہ جو سنتا ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے اور جو بولتا ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے، گویا اللہ تعالیٰ اس کے کان اور آنکھ بن جاتے ہیں''......مگر میرے خیال میں اس مطلب اور معنی سے الفاظِ حدیث میل نہیں کھاتے، بلکہ اس میں الفاظ کی حق تلفی ہے، کیونکہ حدیث مبارک میں ''کنتُ سمعہ'' کے الفاظ صیغہ متکلم کے ساتھ آئے ہیں، جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نوافل کے ذریعے قرب حاصل کرنے والا بندہ گویا فناء (اور بے اختیار) ہوجاتا ہے اور اس کا تو صرف ظاہری جسم اور بدن ہی نظر آتا ہے، ورنہ حقیقت میں وہ پورے کا پورا اللہ تعالیٰ کے زیر تصرف ہوجاتا ہے اور اس کے تمام بدن سے صرف اللہ تعالیٰ کی مرضی ومنشأ کے مطابق افعال صادر ہوتے ہیں، اس کیفیت کو حضرات صوفیہ ''فناء فی الذات'' یا ''فناء فی اللہ'' سے تعبیر کرتے ہیں، اس حدیث میں مسئلہ وحدۃ الوجود کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے۔شاہ عبدالعزیزؒ تک ہمارے مشائخ اس مسئلہ میں بہت زیادہ دلچسپی لیتے رہے ہیں، مگر میں اس بارے میں تشدد سے گریز کرتا ہوں:

۱......تعجب ہے میں ہمیشہ ان کے لئے ترستا رہتا ہوں اور ان کے بارے میں پوچھتا رہتا ہوں حالانکہ وہ میرے ساتھ ہی ہوتے ہیں!

۲......میری آنکھ ان کے لئے آبِ دیدہ رہتی ہے حالانکہ وہ میری آنکھ کی پتلی میں رہتے ہیں اور میری روح ان کے لئے بے تاب رہتی ہے حالانکہ وہ میری پسلیوں کے درمیان بستے ہیں (۳۰)۔

---

(۳۰) حضرت مولانا بدرعالم میرٹھی رحمہ اللہ نے فیض الباری کے حاشیہ میں اور ترجمان السنۃ میں حضرت انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے اس کلام کی مزید وضاحت کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''دو انسانوں کے درمیان مراحل محبت طے کرتے کرتے بسا اوقات ایسے اثرات نظر آنے لگتے ہیں جنہیں ایک اجنبی شخص بھی دیکھ کر یہ اندازہ کرلیتا ہے کہ ضرور ان دو شخصوں میں کوئی ایسا تاثر ومغلوبیت کا تعلق ہے جس نے ان کے ظاہر کو بھی مسخر کرلیا ہے وہ دیکھتا ہے کہ نشست وبرخاست کے اوضاع واطوار سے گزر کر ان کے خط وخال میں بھی صفتِ ہم رنگی پیدا ہوگئی ہے، جب آرزو کے اتحاد، ارادہ کے اتحاد، جذبات کے اتحاد کے ساتھ ظاہر کا یہ اتحاد بھی نظر آنے لگتا ہے تو اس اتحاد کی صحیح ترجمانی کے =

....

= لئے لفظ اتحاد کے سوا کوئی دوسرا لفظ نہیں ملتا:

من توشدم تومن شدی من تن شدم توجاں شدی　　　تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

متنبی کہتا ہے:

مــا الــخــل الا مــن أود بــقــلــبــه　　　وأری بــطــرف لایــری بــســوائــه

فارسی وعربی کے شعراء نے آثارِ محبت کی ادائیگی کے لئے جس مناسب تعبیر کا انتخاب کیا ہے، وہ لفظِ ''اتحاد'' ہے مگر ان الفاظ سے یہاں کسی کو بھی یہ شبہ پیدا نہیں ہوتا کہ اس اتحاد کی وجہ سے ان کی حقیقی اثنینیت باقی نہیں رہتی پھر جب مخلوق کے دائرہ میں ان الفاظ سے یہ کھلی ہوئی غلط فہمی پیدا نہیں ہوتی تو خالق ومخلوق کے درمیان کسی تعبیری توسع سے عقیدہ کی غلط فہمی کیوں پیدا ہو جاتی ہے، بلاشبہ جب ایک بندہ راہِ عبدیت پر گامزن ہوتا ہے اور فرائض ونوافل کے سبب عجز ونیاز کے قدم اٹھاتا چلا جاتا ہے تو یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ اب اس کے ظاہر وباطن کو سلطانِ الوہیت نے پورا پورا مسخر کرلیا ہے، اگر وہ سنتا ہے تو وہی سنتا ہے جسے خدا نے سننے کا امر کیا ہے، اگر دیکھتا اور بولتا ہے تو وہی دیکھتا اور بولتا ہے جس کی اسے اجازت دی گئی ہے، اگر وہ اپنا ہاتھ یا قدم اٹھاتا ہے تو وہیں اٹھاتا ہے جہاں اس کے مولیٰ نے اس کے لئے اٹھانا پسند کیا ہے، اس کے سوا نہ وہ کچھ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے نہ اور کوئی ادنیٰ جنبش کرتا ہے تو اس ربطِ محبت کے اظہار کے لئے لامحالہ وہی الفاظ اختیار کرنے پڑتے ہیں جو اس موقع ومحل کے لئے مانوس ہیں پھر جس طرح وہاں ان الفاظ کا کھلا ہوا مطلب صرف اس رشتۂ محبت کی ترجمانی ہے، اسی طرح یہاں بھی ان الفاظ کا کھلا ہوا مطلب یہی ہے کہ اب یہ بندہ، وادئ محبت طے کرتا ہوا اپنے مولیٰ کی رضا وتسلیم میں فنا ہو چکا ہے اور اوامرِ شریعت کا اس طرح مطیع ومنقاد ہو گیا ہے جیسا کہ ایک شائستہ گھوڑا اپنے سوار کے اشارات کا، نہ اس گھوڑے کی حس وحرکت اپنی ہے نہ اس بندہ کی نقل وحرکت اپنی، دیکھنے میں تو یہ خود ٹھہرتا اور حرکت کرتا ہے اور حقیقت میں اس کی حس وحرکت اس کے مالک ہی کی ہے اس کے جوارح اس کے ارادہ کے مظاہر بنے ہوئے ہیں جب مخلوق کی قوتِ ارادی اس درجہ فنا ہو جاتی ہے کہ اس کا حرکت وسکون دوسرے کے ارادہ کے تابع ہو جائے تو پھر اس کا حکم اسی صاحبِ ارادہ کے تابع ہو جاتا ہے۔ کتا جیسا خبیث جانور معلَّم ہو کر جب اپنی قوتِ ارادی فناء کردیتا ہے اور ہمہ تن اپنے مالک کی رضا کے تابع ہو جاتا ہے تو شریعت نے اس کے جوارح کا اپنا کوئی حکم باقی نہیں رکھا بلکہ جو اس کے مالک کا حکم ہے اس کا بھی وہی حکم رکھ دیا ہے اسی لئے اگر وہ کتا مسلمان کا ہے تو اس کا شکار حلال ہے اور اگر کافر کا ہے تو اس کا شکار حرام ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس درجہ فنائیت کے بعد اب یہ شکار اس کتے کا ہے ہی نہیں بلکہ اس کے مالک کا ہے اگر وہ مسلمان تھا تو یہ بھی حلال ہے اسی طرح جب بندہ اپنے ارادہ کو فنا کردیتا ہے تو پھر یہ اطلاق درست ہو جاتا ہے کہ اس کے سمع وبصر مشیتِ ایزدگی کا مظہر بن گئے ہیں، آپ نے دیکھا کہ فناء ارادہ کے اس مرحلہ پر پہنچ کر کس طرح ایک کتا اپنے مالک کا حکم اختیار کرلیتا ہے مگر جب ایک انسان شریعت کی متابعت کی بجائے اس سے ٹکرانے لگتا ہے تو پھر اس کا حکم جانور سے بدتر ہو جاتا ہے۔ (ترجمان السنة: ۱/۳۱۴)

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

شارحین بخاری نے ترجمۃ الباب کے ساتھ، اس حدیث کی مختلف مناسبتیں بیان فرمائی ہیں:

❶ علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس حدیث میں نوافل کے ذریعہ قربت خداوندی کے حصول کا ذکر ہے اور یہ تقرب چونکہ انتہائی تواضع اور رب کے حضور حد درجہ عاجزی اختیار کرنے کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا، اس لئے اس مناسبت سے حدیث باب کو باب التواضع کے تحت ذکر فرمایا (۳۱)۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے بھی اس کے قریب قریب بات ارشاد فرمائی ہے کہ روایت کے اندر عبادت اور نماز کا ذکر ہے اور نماز انتہائی درجہ خضوع اور تواضع میں ہوتی ہے، روایت کے اندر اس تواضع پر مرتب ہونے والے ثمرہ یعنی رب کے ہاں قبولیت اور بلند رتبہ کے حصول کا ذکر ہے (۳۲)۔

❷ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ترجمۃ الباب "من عادى لي وليا......" سے سمجھ میں آرہا ہے کیونکہ اس کا تقاضا ہے کہ اللہ والوں کی دشمنی سے بچا جائے اور ان کے ساتھ محبت اور دوستی اور اکرام والا معاملہ اختیار کیا جائے اور بزرگوں کی دوستی اور اکرام، تواضع کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا (۳۳)۔

❸ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ترجمۃ الباب "مَنْ عادَى لي وليا......" سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ متواضع شخص کسی سے دشمنی نہیں کرتا، چہ جائیکہ اللہ والوں سے دشمنی کرے، چنانچہ حضرت لکھتے ہیں:

"والأوجه عند هذا العبد الضعيف أن الترجمة في قوله: "مَنْ عادَى لي وليا......" فإن المتواضع لا يعادي أحدا، فضلاً عن الأوليا" (٣٤).

---

(۳۱) شرح الکرمانی للبخاری: ۲۰/۲۳

(۳۲) لامع الدراری: ۷۸/۱۰

(۳۳) فتح الباري: ۴۲۱/۱۱، وإرشاد الساري: ۵۰٤/۱۳

(٣٤) تعليقات لامع الدراری: ۷۸/۱۰

٣٩ - باب : قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ : (بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ) .

«وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ» /النحل: ٧٧/ .

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں قربِ قیامت کو بیان کیا ہے، سورۂ نحل کی جو آیت کریمہ ذکر کی ہے، اس کا ترجمہ ہے: قیامت کا معاملہ پلک جھپک کے برابر ہوگا یا اس سے بھی زیادہ کم وقت۔ بے شک اللہ جل شانہ ہر چیز پر قادر ہے۔

٦١٣٨ : حدّثنا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ : حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ : حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمٍ ، عَنْ سَهْلٍ قالَ : قالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : (بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ) . وَيُشِيرُ بِإِصْبَعَيْهِ فَيَمُدُّهُمَا .
[ر : ٤٦٥٢]

حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اور قیامت اتنے قریب قریب بھیجے گئے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیوں کے اشارہ سے اس قرب کو بتایا، پھر ان دونوں کو پھیلایا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ سعید بن محمد بن الحکم بن ابی مریم ہیں، ان کے شیخ ابو غسان ہیں، جن کا نام محمد بن مطرف ہے اور ابو حازم حضرت سلمہ بن دینار کی کنیت ہے۔

بُعِثْتُ أنا والساعةُ

بُعِثْتُ: ماضی مجہول واحد متکلم کا صیغہ ہے اور "الساعة" مرفوع ہے، کیونکہ اس کا عطف بُعِثْتُ کی ضمیر متکلم پر ہے اور ضمیر متصل پر ضمیر منفصل کے ساتھ تاکید لائے بغیر چونکہ اسم ظاہر کا عطف درست نہیں، اس لئے اس کے بعد ضمیر متصل کی تاکید کے طور پر "أنا" ضمیر منفصل لے آئے، تا کہ اسم ظاہر کا عطف صحیح ہو سکے (١)۔

بعض حضرات نے اس ترکیب پر اعتراض کیا کہ ضمیر متکلم پر عطف درست نہیں، کیونکہ بعثت الساعة (قیامت مبعوث کی گئی) نہیں کہا جاتا، کیونکہ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب پہلے سے کوئی چیز موجود ہو اور پھر اسے

---

(١) فتح الباري: ١١/٤٢٢، وعمدة القاري: ٢٣/١٣٩، وإرشاد الساري: ١٣/٥٠٥

بھیجا جائے اور اٹھایا جائے جب کہ قیامت تو آنے والی ہے، پہلے سے موجود نہیں۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ چونکہ قیامت کا آنا یقینی ہے، اس لئے اس کو بمنزلہ موجود قرار دے کر یہ لفظ استعمال کیا گیا (۲)۔

ابوالبقاء عکبری کے نزدیک "بعثت أنا والساعة" میں واؤ "مع" کے معنی میں ہے اور الساعة مفعول معہ ہونے کی بناء پر منصوب ہے (۳)۔

لیکن قاضی عیاض نے رفع والی صورت کو احسن قرار دیا ہے (۴)۔

ویشیر بإصبعیه فیمد بهما

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیوں کو پھیلا کر اشارہ فرمایا، میں اور قیامت دونوں ایک دوسرے کے اس قدر قریب ہیں، دو انگلیوں سے شہادت کی انگلی اور درمیان والی انگلی مراد ہے چنانچہ کتاب التفسیر کی روایت میں اس کی تصریح ہے (۵)۔

حدیث کے دو مطلب

اس حدیث شریف کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں:

❶ یہ دونوں انگلیاں چونکہ ایک دوسرے کے ساتھ متصل اور قریب ہیں، اس لئے آپ کا مطلب یہ تھا کہ میرے اور قیامت کے درمیان فاصلہ بہت زیادہ نہیں، اور میرے بعد اس کا وقوع بہت زیادہ دور نہیں، ایک دوسرے کے قریب اور متصل ہیں، درمیان میں نہ کسی اور نبی کو آنا ہے اور نہ ہی کوئی اور امت آئے گی، جس طرح ان دو انگلیوں کے درمیان کوئی اور انگلی نہیں، علامہ تورپشتی رحمہ اللہ نے یہ معنی بیان کئے ہیں (۶)۔

---

(۲) فتح الباري: ۱۱/۴۲۲، وعمدة القاري: ۲۳/۱۳۹، وإرشاد الساري: ۱۳/۵۰۵

(۳) فتح الباري: ۱۱/۴۲۲، وعمدة القاري: ۲۳/۱۳۹، وإرشاد الساري: ۱۳/۵۰۵

(٤) فتح الباري: ۱۱/٤۲٤، وعمدة القاري: ۲۳/۱۳۹، وإرشاد الساري: ۱۳/۵۰۵

(۵) دیکھئے: کشف الباري، كتاب التفسير: ۷۲۱

(٦) فتح الباري: ۱۱/٤۲٤، وإرشاد الساري: ۱۳/۵۰٦

❷ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان دوانگلیوں میں درمیان والی انگلی تھوڑی سی بڑی ہوتی ہے اوراس میں تھوڑا سا اضافہ ہوتا ہے، اس قلیل اضافہ کی طرف اشارہ ہے کہ میرے اور قیامت کے درمیان میں، اس قدر تھوڑا سا فاصلہ ہے، چنانچہ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”معنی الحدیث أن نسبة تقدم بعثه صلی الله علیه وسلم علی قیام الساعة کنسبة فضل إحدی الإصبعین علی الاخری“(۷).

اور دونوں معنوں میں باہمی کوئی تضاد نہیں، اتصال کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے اور قلیل فاصلے کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے۔

٦١٣٩ : حدّثني عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ هُوَ الْجُعْفِيُّ : حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ قَتَادَةَ وَأَبِي التَّيَّاحِ ، عَنْ أَنَسٍ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ) .

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اور قیامت ان دونوں (انگلیوں) کی طرح (قریب قریب) بھیجے گئے ہیں۔

٦١٤٠ : حدّثني يَحْيَى بْنُ يُوسُفَ : أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ ، عَنْ أَبِي حَصِينٍ ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ) . يَعْنِي إِصْبَعَيْنِ .
تَابَعَهُ إِسْرَائِيلُ ، عَنْ أَبِي حَصِينٍ .

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اور قیامت ان دو کی طرح بھیجے گئے ہیں، آپ کی مراد دوانگلیوں سے تھی، اس روایت کی متابعت اسرائیل نے ابوحصین سے کی۔

---

(۷) فتح الباري: ۱۱/٤۲٥، وإرشاد الساري: ۱۳/٥۰٦، قال الكرماني: قيل: إشارة إلى قرب المجاورة وقيل: إلى تقارب مابينهما طولا، وفضل الوسطى على السبابة؛ لأنها أطول بشيءٍ يسير، فالوجه الأول بالنظر إلى العرض والثاني بالنظر إلى الطول. وقيل: ليس بينه وبين الساعة نبيٌّ غيره مع التقريب لحينها. (وانظر شرح الكرماني: ۲۲/۲٤)

تابعه إسرائيل عن أبى حَصِيْن

ابو حَصِین (حاء کے فتحہ اور صاد کے کسرے کے ساتھ) کا نام عثمان بن عاصم ہے۔

ابوبکر بن عیاش کی متابعت اسرائیل بن یونس نے کی ہے، یہ متابعت اسماعیلی نے موصولاً نقل کی ہے(۸)۔

٤٠ - باب: طُلُوعِ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا.

یہ باب بلاترجمہ ہے اور ''کالفصل من الباب السابق......'' کے قبیل سے ہے، ہم نے جو نسخہ متن کے طور پر اختیار کیا ہے، اس میں مندرجہ بالا الفاظ کے ساتھ ترجمۃ الباب ہے، لیکن بہت سارے نسخوں میں یہ باب بلاترجمہ ہے۔

چنانچہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

"والأوجه عند هذا العبد الضعيف: أن المصنف ذكره بغير ترجمة لمناسبة قوله تعالىٰ في الباب السابق: ﴿وما امر الساعة الا كلمح البصر......﴾؛ لِمَا ذكر فى حديث الباب من أمور تدل على فجاء ة القيامة، كقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: لتقومن الساعة، وقد نشر الرجلان......"(١).

یعنی ''اس ناکارہ کے نزدیک زیادہ مناسب یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب، بلاترجمہ قائم فرمایا، کیونکہ اس سے پہلے باب میں جو آیت کریمہ ذکر کی گئی ہے، ﴿وما أمر الساعة إلا كلمح البصر﴾ اس کے ساتھ اگلی حدیث کی مناسبت ہے، اس حدیث میں ایسے امور کا تذکرہ ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت اچانک آئے گی، اور سابقہ باب کی آیت کریمہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے!''

---

(٨) فتح الباري: ١١/٤٢٤، وعمدة القاري: ٢٣/١٤٠، وإرشاد الساري: ١٣/٥٠٦

(١) الأبواب والتراجم: ٢/١٣٢

٦١٤١ : حدّثنا أَبُو الْيَمَانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ : حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قالَ : (لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا ، فَإِذَا طَلَعَتْ فَرَآهَا النَّاسُ آمَنُوا أَجْمَعُونَ ، فَذٰلِكَ حِينَ : «لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا» . وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ نَشَرَ الرَّجُلَانِ ثَوْبَهُمَا بَيْنَهُمَا فَلَا يَتَبَايَعَانِهِ ، وَلَا يَطْوِيَانِهِ ، وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدِ انْصَرَفَ الرَّجُلُ بِلَبَنِ لِقْحَتِهِ فَلَا يَطْعَمُهُ ، وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَهُوَ يَلِيطُ حَوْضَهُ فَلَا يَسْقِي فِيهِ ، وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ رَفَعَ أُكْلَتَهُ إِلَى فِيهِ فَلَا يَطْعَمُهَا) . [ر : ٤٣٥٩]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہونے لگے، جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا اور لوگ دیکھ لیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے، یہی وہ وقت ہوگا جب کسی کے لئے اس کا ایمان نفع بخش نہیں ہوگا، جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہوگا یا جس نے ایمان کے بعد عمل خیر نہ کیا ہوگا......

پس قیامت آجائے گی اور دو آدمی کپڑا درمیان میں (خرید وفروخت کے لئے) پھیلائے ہوئے ہوں گے، ابھی خرید وفروخت مکمل بھی نہیں ہوئی ہوگی اور نہ ہی انہوں نے اسے لپیٹا ہوگا (کہ قیامت برپا ہوجائے گی) اور قیامت اس حال میں قائم ہوگی کہ ایک شخص اپنی اونٹنی کا دودھ لے کر آرہا ہوگا اور اسے پی بھی نہیں پائے گا۔ قیامت اس حال میں قائم ہوگی کہ ایک شخص اپنا حوض تیار کررہا ہوگا اور اس کا پانی بھی نہ پی پائے گا، قیامت اس حال میں برپا ہوگی کہ ایک شخص اپنا لقمہ اپنے منہ کی طرف اٹھائے گا اور اسے کھا بھی نہ پائے گا۔

حدیث شریف کا مقصد یہ ہے کہ قیامت اچانک قائم ہوگی اور بہت سارے لوگ اپنے مذکورہ اعمال میں مصروف ہوں گے، ابھی کام پورا نہیں کیا ہوگا کہ قیامت برپا ہوجائے گی۔

لِقْحة

(لام کے کسرہ کے ساتھ) دودھ والی اونٹنی۔

وهو يليط حوضه

لاط يليط ـــ لَيْطاً: لیپنا، بنانا، منڈھیر بنانا...... لاط حوضه إذا مدره أي جمع حجارة فصيرها كالحوض ثم سدّ مابينها من الفرج بالمدر ونحوه(۲).

آمنوا أجمعون...... "أجمعون" تاکید ہونے کی بناء پر مرفوع ہے، یہ "آمنوا" کی ضمیر فاعل کے لئے تاکید ہے۔

حدیث شریف کے اندر ہے کہ لوگ جب مغرب سے سورج کے طلوع کو دیکھ لیں گے تو اس خرقِ عادت اور خلافِ معمول واقعے کو دیکھ کر سب کے سب ایمان لے آئیں گے۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ خرق عادت امور کا صدور تو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر آج تک چلا آرہا ہے، حضرات انبیاء کے ہاتھوں معجزات کا ظہور ہوتا ہے اور حضرات اولیاء کے ہاتھوں کرامات کا ظہور ہوتا ہے لیکن کسی خرق عادت امر کو دیکھ کر سب لوگ مسلمان ہو گئے ہوں، ایسا کبھی نہیں ہوا تو طلوع من مغرب الشّمس کو دیکھ کر سب لوگ ایمان کیسے لائیں گے؟

فرمایا کہ شاید اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ شیاطین، اس موقع پر لوگوں کو گمراہ کرنے اور بے راہ روی پر ڈالنے سے رک جائیں گے، کیونکہ ان کو معلوم ہوگا کہ اس کے بعد ایمان لانا کسی کے لئے مفید نہیں ہو سکتا، لہٰذا لوگوں کو ایمان سے روکنے کی ضرورت نہیں (۳)۔

فائدہ...... قربِ قیامت کی بڑی نشانی کا ظہور

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قرب قیامت میں زمین کے اندر عام حالات کی تبدیلی، جن بڑی آیات اور نشانیوں کے ذریعے سے واقع ہوگی، ان کا آغاز ''خروج دجال'' سے ہوگا اور حضرت عیسیٰ کی وفات

---

(۲) إرشاد الساري: ۱۳/ ۵۱۰

(۳) لامع الدراري: ۱۰/ ۷۸، والأبواب والتراجم: ۲/ ۱۳۲

کے ساتھ ان کا اختتام ہوجائے گا اور عالم بالا میں جن بڑی نشانیوں سے تغیر پیدا ہوگا، ان کا آغاز، مغرب سے سورج طلوع ہونے سے ہوگا اور وقوع قیامت کے ساتھ ان کا اختتام ہوجائے گا (۴)۔

چنانچہ صحیح مسلم کے اندر حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی روایت ہے "أول الآيات طلوع الشمس من مغربها، وخروج الدابة على الناس ضحى، فأيهما خرجت قبل الأخرى، فالأخرى منها قريب" (٥).

امام حاکم نے فرمایا کہ بظاہر مغرب سے طلوع شمس کی نشانی پہلے ظاہر ہوگی اور اس کے بعد خروج دابہ ہوگا (۶)۔

ان نشانیوں کے ظہور کے بعد ایمان لانا معتبر نہیں ہوگا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث طبرانی نے نقل فرمائی ہے:

"إذا خرجت الآيات، طُرِحَت الأقلام، وطُوِيَت الصحف، وخَلَصت الحفظة، وشَهِدَت الأجسامُ على الأعمال" (٧).

یعنی جب قیامت کی ان نشانیوں کا ظہور ہوگا تو قلم پھینک دیئے جائیں گے، صحیفے لپیٹ دیئے جائیں گے، نگرانی کرنے والے فرشتوں کی چھٹی ہوجائے گی اور جسم اعمال پر گواہی دینے لگیں گے۔

٤١ - باب : مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ أَحَبَّ اللهُ لِقَاءَهُ.

ترجمۃ الباب کی وضاحت

جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات چاہے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اسے ملاقات پسند کرے گا، علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات چاہنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے لگے اور آخرت

(٤) فتح الباري: ١١/٤٢٩

(٥) الحديث أخرجه الإمام مسلم في كتاب الفتن وأشراط الساعة، رقم الحديث: ٢٩٤١

(٦) إرشاد الساري: ١٣/٥٠٩

(٧) إرشاد الساري: ١٣/٥١٠

کے لئے تیار رہ کر دنیا میں لمبی زندگی کو پسند نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کا ایسے بندے سے ملاقات چاہنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرما دیتے ہیں(۱)۔

٦١٤٢ : حدّثنا حَجَّاجٌ : حَدَّثَنَا هَمَّامٌ : حَدَّثَنَا قَتَادَةُ ، عَنْ أَنَسٍ ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ ٱللهِ أَحَبَّ ٱللهُ لِقَاءَهُ ، وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ ٱللهِ كَرِهَ ٱللهُ لِقَاءَهُ) .

قالَتْ عائِشَةُ أَوْ بَعْضُ أَزْوَاجِهِ : إِنَّا لَنَكْرَهُ المَوْتَ ، قالَ : (لَيْسَ ذَاكِ ، وَلٰكِنَّ المُؤْمِنَ إِذَا حَضَرَهُ المَوْتُ بُشِّرَ بِرِضْوَانِ اللهِ وَكَرَامَتِهِ ، فَلَيْسَ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا أَمَامَهُ ، فَأَحَبَّ لِقَاءَ ٱللهِ وَأَحَبَّ ٱللهُ لِقَاءَهُ ، وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا حُضِرَ بُشِّرَ بِعَذَابِ ٱللهِ وَعُقُوبَتِهِ ، فَلَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَهَ إِلَيْهِ مِمَّا أَمَامَهُ ، فكَرِهَ لِقَاءَ ٱللهِ وَكَرِهَ ٱللهُ لِقَاءَهُ) .

اَخْتَصَرَهُ أَبُو دَاوُدَ وَعَمْرٌو عَنْ شُعْبَةَ .

وَقالَ سَعِيدٌ : عَنْ قَتَادَةَ ، عَنْ زُرَارَةَ ، عَنْ سَعْدٍ ، عَنْ عائِشَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ .

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص اللہ سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے، اللہ بھی اس سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اور جو اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے، اللہ بھی اس سے ملاقات کو پسند نہیں کرتا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا ازواج مطہرات میں سے کسی اور نے عرض کیا کہ مرنا تو ہم بھی نہیں پسند کرتیں، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ بات نہیں ہے بلکہ جب مومن کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو اسے اللہ کی خوشنودی اور اللہ کے یہاں اس کی عزت کی خوشخبری دے دی جاتی ہے، اس وقت مومن کو کوئی چیز اس سے زیادہ عزیز نہیں رہتی جو اس کے آگے (اللہ سے ملاقات اور اس کی خوشنودی کا حصول) ہوتی ہے۔ اس لئے اللہ سے ملاقات کا وہ خواہش مند ہو جاتا ہے اور اللہ بھی اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جب

---

(۱) عمدة القاري: ۱٤٢/٢٣

کافر کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو اسے اللہ کے عذاب اور اس کی سزا کی خبر دے دی جاتی ہے، اس وقت آنے والے عذاب سے اس کو زیادہ کوئی چیز ناپسند نہیں ہوتی۔

دو الگ الگ چیزیں......موت اور اللہ کی ملاقات

چونکہ بظاہر معلوم ہو رہا تھا کہ ''لقاء اللہ'' سے موت مراد ہے اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یا ازواج مطہرات میں سے کسی اور نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، راوی کو شک ہے کہ سوال کس نے کیا؟ بہر حال پوچھا گیا کہ موت تو ہمیں پسند نہیں، گویا کہ اللہ کی ملاقات موت کے بغیر ممکن نہیں ہے اور موت کو تو ہم ناپسند کرتے ہیں کہیں ہم اللہ کی ملاقات ناپسند کرنے والوں میں داخل تو نہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی کہ موت اور اللہ کی ملاقات دو الگ الگ چیزیں ہیں، چونکہ موت اللہ کی ملاقات کا ایک ذریعہ اور پل ہے، اس لئے اسے بھی ''لقاء اللہ'' سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

حسان ابن اسود رحمہ اللہ کا قول ہے: "الموت جسر يوصل الحبيب إلى الحبيب"(۲) یعنی موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے ملاتا ہے۔

سورۂ عنکبوت میں ہے: ﴿من كان يرجو لقاء الله فان اجل الله لآت﴾(۳) یعنی جو اللہ کی ملاقات کی امید رکھتا ہے تو بے شک اللہ کی طرف سے وقتِ مقرر آنے والا ہے۔

اختصره أبوداود وعمرو، عن شعبة......

ابوداود سلیمان طیالسی نے اس حدیث کا اختصار کیا ہے، امام ترمذی نے اسے موصولاً نقل کیا ہے اور عمرو بن مرزوق کی روایت کو طبرانی نے موصولاً نقل کیا ہے(۴)۔

وقال سعيد عن قتادة ...... سعید بن ابی عروبہ کی یہ تعلیق امام مسلم نے موصولاً نقل کی ہے(۵)۔

---

(۲) إرشاد الساري: ۱۳/۵۱۱

(۳) سورة العنكبوت: ۵

(٤) فتح الباري: ۱۱/٤۳۷، وعمدة القاري: ۲۳/۱٤٤، وإرشاد الساري: ۱۳/۵۱۲

(۵) فتح الباري: ۱۱/٤۳۸، وعمدة القاري: ۲۳/۱٤٤

٦١٤٣ : حدّثني مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ : حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ ، عَنْ بُرَيْدٍ ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ ، عَنْ أَبِي مُوسَى ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ ٱللهِ أَحَبَّ ٱللهُ لِقَاءَهُ ، وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ ٱللهِ كَرِهَ ٱللهُ لِقَاءَهُ) . [ر : ٧٠٦٥]

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جوشخص اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے، اور جوشخص اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔

ابواسامہ کا نام حماد بن سلمہ ہے، ابوبردہ کا نام حارث یا عامر ہے اور برید کے والد کا نام عبداللہ بن ابی بردہ ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں اور ان کا نام عبداللہ بن قیس ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

ایک حدیث کے اندر موت کی تمنا کرنے سے منع کیا گیا ہے، جب کہ حدیثِ باب سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی ملاقات کے لئے موت کی تمنا کرنی چاہیے۔ بظاہر دونوں حدیثوں میں تعارض ہے، علامہ قسطلانی لکھتے ہیں:

”فيه: أن محبة الله لا تدخل في النهي من تمنى الموت؛ لأنها ممكنة مع عدم تمنيه؛ لأن النهي محمول على حال الحياة المستمرة، أماعند الاحتضار، والمعاينة، فلا تدخل تحت النهي، بل هي مستحبة“(٦).

یعنی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی محبت ہونی چاہیے اور وہ موت کے بغیر ممکن نہیں جب کہ دوسری حدیث میں موت کی تمنا سے منع کیا گیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں الگ الگ موقعوں کی ہیں، جب زندگی جاری ہو تو اس حالت میں موت کی تمنا نہیں کرنی چاہیے، نہی اور ممانعت اس حالت پر محمول ہے لیکن موت کا وقت قریب آجائے اور عالم برزخ کا مشاہدہ ہونے لگے تو اللہ سے ملاقات کی خواہش ہونی چاہیے اور یہ خواہش کرنا ممنوع نہیں بلکہ مستحب ہے!

---

(٦) إرشاد الساري: ٥١٢/١٣

٦١٤٤ : حدّثني يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ ، عَنْ عُقَيْلٍ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ : أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ ، وَعُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ فِي رِجَالٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ : أَنَّ عائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قالَتْ : كانَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ يَقُولُ وَهُوَ صَحِيحٌ : (إِنَّهُ لَمْ يُقْبَضْ نَبِيٌّ قَطُّ حَتَّى يَرَى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ ، ثُمَّ يُخَيَّرُ) . فَلَمَّا نَزَلَ بِهِ وَرَأْسُهُ عَلَى فَخِذِي غُشِيَ عَلَيْهِ سَاعَةً ، ثُمَّ أَفَاقَ فَأَشْخَصَ بَصَرَهُ إِلَى السَّقْفِ ، ثُمَّ قالَ : (اللَّهُمَّ الرَّفِيقَ الْأَعْلَى) . قُلْتُ : إِذًا لَا يَخْتَارُنَا ، وَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَدِيثُ الَّذِي كانَ يُحَدِّثُنَا بِهِ ، قالَتْ : فَكَانَتْ تِلْكَ آخِرَ كَلِمَةٍ تَكَلَّمَ بِهَا النَّبِيُّ ﷺ قَوْلُهُ : (اللَّهُمَّ الرَّفِيقَ الْأَعْلَى) . [ر : ٤١٧١]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے — جب آپ تندرست تھے — فرمایا تھا کبھی کسی نبی کی اس وقت تک روح قبض نہیں کی جاتی جب تک جنت میں رہنے کی جگہ اسے دکھا نہیں دی جاتی، تو پھر اسے اختیار دیا جاتا ہے چنانچہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیمار ہوئے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سرِ مبارک میری ران پر تھا، تو آپ پر تھوڑی دیر کے لئے غشی طاری ہوگئی، جب افاقہ ہوا تو آپ چھت کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھنے لگے اور پھر فرمایا، اللهم الرفيق الاعلىٰ میں نے کہا کہ اب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں ترجیح نہیں دے سکتے اور میں سمجھ گئی کہ یہ وہی حدیث ہے جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم سے بیان فرمایا کرتے تھے۔

(وہ حدیث یہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ جب تک دنیا اور آخرت میں کسی نبی کو اختیار نہ دے دیا جائے، اس وقت تک اس نبی کی روح قبض نہیں کی جاتی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آخری کلمہ تھا، جو آپ نے اپنی زبان سے ادا فرمایا، یعنی یہ ارشاد "اللهم الرفيق الأعلىٰ".

في رجال من أهل العلم یعنی دوسرے اہل علم بھی مجلس میں بیٹھے تھے، ان سب کی موجودگی میں

یہ روایت ہم نے حضرت سعید بن المسیب اور حضرت عروہ بن زبیر سے سنی۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو زندگی اور موت میں اختیار دیا گیا تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے موت اختیار فرمائی جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا ذریعہ ہے، اس طرح حدیث کی مناسبت باب سے ظاہر ہو جاتی ہے(۷)۔

٤٢ - باب : سَكَرَاتِ الْمَوْتِ .

سکرات، سکرۃ کی جمع ہے، اور سکر کے معنی ہیں ایسی سختی جو عقل وشعور کو ماوف کر دے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب کے اندر موت کی شدت اور سختی کو بیان فرمایا ہے۔

٦١٤٥ : حدّثني مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ بْنِ مَيْمُونٍ : حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ ، عَنْ عُمَرَ بْنِ سَعِيدٍ قالَ : أَخْبَرَنِي ٱبْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ : أَنَّ أَبَا عَمْرٍو ، ذَكْوَانَ ، مَوْلَى عائِشَةَ أَخْبَرَهُ : أَنَّ عائِشَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهَا كانَتْ تَقُولُ : إِنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ كانَ بَيْنَ يَدَيْهِ رَكْوَةٌ ، أَوْ : عُلْبَةٌ فِيهَا مَاءٌ - يَشُكُّ عُمَرُ - فَجَعَلَ يُدْخِلُ يَدَهُ فِي المَاءِ ، فَيَمْسَحُ بِهَا وَجْهَهُ ، وَيَقُولُ : (لَا إِلٰهَ إِلَّا ٱللهُ ، إِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ) . ثُمَّ نَصَبَ يَدَهُ فَجَعَلَ يَقُولُ : (فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلَى) . حَتَّى قُبِضَ وَمَالَتْ يَدُهُ .

قالَ أَبُو عَبْدِ ٱللهِ : الْعُلْبَةُ مِنَ الخَشَبِ ، وَالرَّكْوَةُ مِنَ الْأَدَمِ . [ر : ٨٥٠]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (کی وفات کے وقت) آپ کے سامنے ایک بڑا برتن رکھا ہوا تھا، جس میں پانی تھا، عمر کو شبہ تھا (کہ برتن کے لئے لفظ رکوۃ کہا تھا یا علبۃ) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنا ہاتھ اس برتن میں ڈالتے اور پھر اس ہاتھ کو اپنے چہرہ پر ملتے اور فرماتے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں،

---

(٧) فتح الباري: ١١/٤٣٨، وعمدة القاري: ٢٣/١٤٥، وإرشاد الساري: ١٣/٥١٣

بلاشبہ موت کی سختیاں ہیں، پھر آپ اپنا ہاتھ اٹھا کر فرمانے لگے، "في الرفيق الاعلىٰ" یہاں تک کہ آپ کی روح قبض ہوگئی اور دست مبارک جھک گیا۔

رکوہ اور علبہ دونوں کے ایک معنی ہیں: پیالہ، بعضوں نے دونوں کے درمیان فرق کیا ہے، رکوہ چمڑے اور علبہ لکڑی کے پیالے کو کہتے ہیں (۱)۔

موت کی سختیاں

جب انسان کی جان نکلتی ہے تو روح کے جسم سے نکلنے کے وقت بڑی تکلیف ہوتی ہے، قرآن کریم کی چار آیتوں کے اندر موت کی سختیاں بیان کی گئی ہیں:

1. سورۂ ق میں ہے: ﴿وجاءت سكرة الموت بالحق﴾ (۲).
2. سورۂ انعام میں ہے: ﴿ولو ترى إذ الظالمون فى غمرات الموت﴾ (۳).
3. سورۂ واقعہ میں ہے: ﴿إذا بلغت الحلقوم﴾ (٤).
4. سورۂ قیامہ میں ہے: ﴿كلا إذا بلغت التراقي﴾ (٥).

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ابن ابی شیبہ نے موصولاً نقل فرمائی ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت قبرستان آئی اور دو رکعت نفل پڑھ کر دعا کی کہ کوئی مردہ ہمیں موت کے بارے میں بتلا دے، ان کی دعا قبول ہوئی، ایک آدمی نے قبر سے سر نکالا اور کہا کہ مجھے مرے ہوئے ایک صدی گزر گئی لیکن موت کی کڑواہٹ آج تک محسوس ہو رہی ہے (٦)۔

---

(١) عمدة القاري: ١٤٦/٢٣

(٢) سورة ق: ١٩

(٣) سورة الأنعام: ٩٣

(٤) سورة الواقعة: ٨٣

(٥) سورة القيامة: ٢٦

(٦) إرشاد الساري: ٥١٤/١٣

اورحلیۃ الاولیاء میں حضرت واثلہؓ کی ایک مرفوع حدیث نقل کی گئی ہے:

"والذي نفسي بيده، لمعاينة ملك الموت أشد من ألف ضربة بالسيف"(۷). یعنی قسم اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، موت کے فرشتے کا مشاہدہ تلوار کی ہزار ضربوں سے زیادہ سخت ہے۔

٦١٤٦ : حدَّثني صَدَقَةُ : أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ ، عَنْ هِشَامٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عائِشَةَ قالَتْ : كانَ رِجَالٌ مِنَ الْأَعْرَابِ جُفَاةً ، يَأْتُونَ النَّبِيَّ ﷺ فَيَسْأَلُونَهُ : مَتَى السَّاعَةُ ، فكانَ يَنْظُرُ إِلَى أَصْغَرِهِمْ فَيَقُولُ : (إِنْ يَعِشْ هٰذَا لَا يُدْرِكْهُ الْهَرَمُ حَتَّى تَقُومَ عَلَيْكُمْ سَاعَتُكُمْ) . قالَ هِشَامٌ : يَعْنِي مَوْتَهُمْ .

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کچھ دیہاتی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے اور پوچھتے تھے کہ قیامت کب قائم ہوگی، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان میں سے سب سے کم عمر کو دیکھ کر فرماتے کہ اگر یہ زندہ رہا تو اس کے بڑھاپے سے پہلے تم پر تمہاری قیامت آجائے گی، ہشام نے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مراد (تمہاری قیامت سے) ان کی موت ہوا کرتی تھی۔

رجال من الأعراب جُفاة

جفاة، جافی کی جمع ہے، جافی ایسے آدمی کو کہتے ہیں جو سخت طبیعت کا ہو۔ کیونکہ عموماً دیہاتی لوگ سخت طبیعت کے ہوا کرتے تھے، اس لئے ان کے لئے یہاں جفاة کا لفظ استعمال کیا۔ اور بعض نسخوں میں حفاة ہے، جو حافی کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں ایسا شخص جو ننگے پاؤں ہو(۸)۔

(۷) وإرشاد الساري: ۵۱٤/۱۳

(۸) إرشاد الساري: ۵۱٤/۱۳

٦١٤٦ : أخرجه مسلم في الفتن وأشراط الساعة ، باب : قرب الساعة ، رقم : ٢٩٥٢ .

(جفاة) غليظون في طبعهم لقلة مخالطة الناس . (لا يدركه الهرم) لا يبلغ في حياته الهرم ، وهو الشيخوخة ونهاية العمر . (موتهم) أي فسر ساعتهم بموتهم وانقراض عصرهم ، لأن من مات فقد قامت قيامته .

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ جواب علی اسلوب الحکیم تھا اور مطلب یہ تھا کہ ان میں سب سے کم عمر کا جب بڑھاپا آئے گا تو ایک عہد گزر چکا ہوگا اور سب کی موت آچکی ہوگی اور ہر انسان کی موت کے ساتھ کم از کم اس کی قیامت تو آہی جاتی ہے، حدیث مشہور ہے "من مات فقد قامت قیامته"(۹).

حدیث میں چونکہ موت کا ذکر ہے اور ہر موت، اپنی سختیوں اور سکرات کے ساتھ آتی ہے، اس مناسبت سے حدیث کو اس باب کے تحت ذکر فرمایا(۱۰)۔

٦١٤٧/٦١٤٨ : حدّثنا إِسْماعِيلُ قالَ : حَدَّثَنِي مالِكٌ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ ، عَنْ مَعْبَدِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مالِكٍ ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ بْنِ رِبْعِيٍّ الْأَنْصارِيِّ أَنَّهُ كانَ يُحَدِّثُ : أَنَّ رَسُولَ ٱللَّهِ ﷺ مُرَّ عَلَيْهِ بِجَنازَةٍ ، فَقَالَ : (مُسْتَرِيحٌ وَمُسْتَرَاحٌ مِنْهُ) . قالُوا : يَا رَسُولَ ٱللَّهِ ، مَا الْمُسْتَرِيحُ وَالْمُسْتَرَاحُ مِنْهُ ؟ قالَ : (الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ يَسْتَرِيحُ مِنْ نَصَبِ ٱلدُّنْيَا وَأَذَاهَا إِلَى رَحْمَةِ ٱللَّهِ ، وَالْعَبْدُ الْفَاجِرُ يَسْتَرِيحُ مِنْهُ الْعِبادُ وَالْبِلَادُ ، وَالشَّجَرُ وَٱلدَّوَابُّ) .

حضرت ربیع انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب سے لوگ جنازہ لے کر گزرے تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "مستریح او مستراح منه". (آرام پانے والا ہے یا اس سے راحت پائی گئی) صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! "المستریح والمستراح منه" کیا چیز ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ بندۂ مومن دنیا کی مشقتوں اور تکلیفوں سے اللہ کی رحمت میں نجات پا جاتا ہے اور فاجر بندہ سے اللہ کے بندے، شہر، درخت اور چوپائے نجات پاتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ اگر مرنے والا اللہ کا نیک بندہ ہے تو وہ دنیا کی زندگی کی تکلیفوں سے راحت پا جاتا ہے اور اگر وہ گناہگار اور نافرمان ہے تو خلقِ خدا اس کی اذیتوں اور تکالیف سے نجات پا لیتی ہے۔

(۹) إتحاف السادة المتقين: ۹/۱۱

(۱۰) عمدة القاري: ۲۳/۱٤۷، وإرشاد الساري: ۱۳/۵۱۵

٦١٤٧ : أخرجه مسلم في الجنائز ، باب : ما جاء في مستريح ومستراح منه ، رقم : ٩٥٠ .

امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ اسماعیل بن ابی اویس ہیں اور وہ امام مالک رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں، ابوقتادہ کا نام حارث ہے اور رِبعی راء کے کسرہ کے ساتھ ہے، یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں پہلی بار ذکر فرمائی ہے، اگلی حدیث بھی اسی کا اختصار ہے۔

(٦١٤٨) : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا يَحْيَىٰ ، عَنْ عَبْدِ رَبِّهِ بْنِ سَعِيدٍ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو ٱبْنِ حَلْحَلَةَ : حَدَّثَنِي ٱبْنُ كَعْبٍ ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (مُسْتَرِيحٌ وَمُسْتَرَاحٌ مِنْهُ ، الْمُؤْمِنُ يَسْتَرِيحُ) .

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرنے والا یا آرام پانے والا ہوتا ہے یا اس سے آرام پایا جاتا ہے۔ مؤمن مستریح یعنی آرام پانے والا ہوتا ہے۔

٦١٤٩ : حدّثنا الحُمَيْدِيُّ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ : حَدَّثَنَا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ : سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مالِكٍ يَقُولُ : قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (يَتْبَعُ المَيِّتَ ثَلَاثَةٌ ، فَيَرْجِعُ ٱثْنَانِ وَيَبْقَىٰ مَعَهُ وَاحِدٌ : يَتْبَعُهُ أَهْلُهُ وَمالُهُ وَعَمَلُهُ ، فَيَرْجِعُ أَهْلُهُ وَمالُهُ وَيَبْقَىٰ عَمَلُهُ) .

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میت کے ساتھ تین چیزیں چلتی ہیں، دو تو واپس آجاتی ہیں، صرف ایک اس کے ساتھ رہ جاتی ہے، اس کے ساتھ اس کے گھر والے، اس کا مال اور اس کا عمل چلتا ہے، اس کے گھر والے اور مال تو واپس آجاتا ہے اور اس کا عمل اس کے ساتھ باقی رہ جاتا ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت امام احمد رحمہ اللہ نے نقل کی ہے کہ پھر مردے کے پاس

(٦١٤٩) أخرجه مسلم في أوائل الزهد والرقائق، رقم الحديث: ٢٩٦٠، وأخرجه الإمام الترمذي في كتاب الزهد، باب ماجاء مثل ابن آدم وأهله وماله وعمله: ٥٨٩/٤، رقم الحديث: ٢٣٧٩،

قبر میں ایک خوبصورت چہرے اور خوبصورت لباس پہنے ایک شخص آتا ہے اور کہتا ہے کہ تمہیں خوش خبری ہو، مردہ اس سے پوچھتا ہے کہ تم کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میں تمہارا نیک عمل ہوں اور کافر کے پاس ایک بدشکل شخص آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تمہارا بدعمل ہوں (۱۱)۔

اس روایت میں میت کا ذکر ہے اور ہر میت، موت کی سکرات سے گزرا ہوتا ہے، اس لئے اس باب کے تحت اس روایت کو ذکر کیا ہے۔

حمیدی امام بخاری رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں اور ان کا نام عبداللہ بن زبیر ہے۔

٦١٥٠ : حدّثنا أَبُو النُّعْمَانِ : حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ، عَنْ أَيُّوبَ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُمَا قالَ : قالَ رَسُولُ ٱللَّهِ ﷺ : (إِذَا مَاتَ أَحَدُكُمْ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ ، غُدْوَةً وَعَشِيَّةً ، إِمَّا النَّارُ وَإِمَّا الجَنَّةُ ، فَيُقَالُ : هٰذَا مَقْعَدُكَ حَتَّى تُبْعَثَ إِلَيْهِ) . [ر : ١٣١٣]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی مرتا ہے تو صبح وشام اس کے رہنے کی جگہ اسے دکھائی جاتی ہے، خواہ وہ دوزخ ہو یا جنت اور کہا جاتا ہے کہ یہ تمہارے رہنے کی جگہ ہے، یہاں تک کہ قیامت آجاتی ہے۔

بوالنعمان کا نام محمد بن الفضل ہے۔ صحاح ستہ میں سے امام بخاری کے علاوہ کسی اور نے یہ حدیث ذکر نہیں کی۔ والحديث من أفراد البخاري(١٢).

٦١٥١ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ الجَعْدِ : أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ ، عَنِ الْأَعْمَشِ ، عَنْ مُجَاهِدٍ ، عَنْ عائِشَةَ قالَتْ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ ، فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا إِلَى ما قَدَّمُوا) . [ر : ١٣٢٩]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مُردوں کو برا بھلا نہ کہو، کیونکہ جو کچھ انہوں نے آگے بھیجا تھا، اس کے پاس وہ خود پہنچ چکے ہیں۔

---

(١١) إرشاد الساري: ١٣/٥١٧

(١٢) إرشاد الساري: ٢٣/٥١٨

اس باب کے اندر ذکر کردہ تمام احادیث میں موت یا میت کا ذکر ہے، اس سے سکرات الموت ہیں از خود دلالت ہو جاتی ہے۔

٤٣ - باب : نَفْخِ الصُّورِ .

قالَ مُجَاهِدٌ : الصُّورُ كَهَيْئَةِ الْبُوقِ . «زَجْرَةٌ» /الصافات : ١٩/ : صَيْحَةٌ .

وَقالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : «النَّاقُورِ» /المدثر : ٨/ : الصُّورِ . «الرَّاجِفَةُ» /النازعات : ٦/ : النَّفْخَةُ الْأُولَى ، و «الرَّادِفَةُ» /النازعات : ٧/ : النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ .

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں نفخ صور کا ذکر کیا ہے، صور درحقیقت ایک سینگ ہے جس میں حضرت اسرافیل علیہ السلام پھونک ماریں گے، اس میں پھونک مارنے کو ''نفخ صور'' کہا جاتا ہے، یہ نفخ صور کتنی مرتبہ ہوگا اس میں اختلاف ہے......

قیامت کے دن تعدادِ نفخات

قیامت کے دن نفخات کی تعداد میں اختلاف ہے، علامہ ابن حزم فرماتے ہیں کہ چار نفخات ہوں گے، پہلا نفخہ ہوگا جس سے تمام زندہ مر جائیں گے، دوسرا نفخہ ہوگا جس سے تمام مردے زندہ ہو جائیں گے اور حساب کے لئے جمع ہوں گے، تیسرا نفخہ ہوگا جس سے عام بے ہوشی طاری ہو جائے گی اور چوتھا نفخہ ہوگا جس سے طاری ہونے والی بے ہوشی سے افاقہ ہوگا(۱)۔ حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے(۲)۔

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے ''لامع الدراری'' میں تین (۳) اور ''کوکب الدری'' میں چار نفخات کا قول اختیار کیا ہے، ایک نفخۂ اماتت، دوسرا نفخۂ احیاء، تیسرا نفخۂ صعقہ اور چوتھا نفخۂ افاقہ۔ نفخۂ صعقہ اس وقت

(۱) فتح الباري: ٦/٤٤٤، كتاب أحاديث الانبياء، باب وفاة موسى وذكره بعد

(۲) دیکھئے: تفسير عثماني: ٦٢٠،

(۳) دیکھئے: لامع الدراری: ٨/٥٨، كتاب الأنبياء

ہوگا جب حساب کے لئے ظہور فرمائیں گے (۴)۔

بعض حضرات نے پانچ نفخات کا قول اختیار کیا ہے، چنانچہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے سورۃ النمل کی تفسیر میں پانچ نفخات ذکر کئے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

''ایک بار صور پھنکے گا جس سے خلق مرجائے گی، دوسرا پھنکے گا تو جی اٹھیں گے، اس کے بعد پھنکے گا تو گھبرا جائیں گے، پھر پھنکے گا تو بے ہوش ہوجائیں گے اور پھر پھنکے گا تو ہوشیار ہوں گے'' (۵)۔

صاحبِ جُمل نے اس پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ''وقد سمعنا بمن زاد في الطنبور نغمة، ولم نسمع بمن زاد في الصور نفخة'' (٦) یعنی یہ تو ہم نے سنا کہ ساز میں کسی نغمہ کا کسی شخص نے اضافہ کردیا ہے (کہ ایک نغمہ نیا ایجاد کردیا ہے) لیکن صور میں نفخہ کے اضافہ کا قول ہم نے کبھی نہیں سنا۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے تین کے قول کو ترجیح دی ہے (۷)۔ ابن عربی رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں، ایک نفخہ فزع ہے جس کا ذکر قرآن کریم کی سورۂ نمل میں ہے، ﴿ويوم ينفخ في الصور ففزع من في السموات ومن في الأرض﴾ (٨). اور دوسرا نفخہ صعق ہے اور تیسرا نفخہ بعث ہے، ان دونوں کا ذکر سورۂ زمر کی اس آیت کریمہ میں ہے: ﴿ونفخ في الصور فصعق من في السموات ومن في الأرض إلا من شاء الله ثم نفخ فيه أخرى فإذا هم قيام ينظرون﴾ (٩).

اس کی تائید طبری کی ایک روایت سے ہوتی ہے، اس میں ہے: ''ثم ينفخ في الصور ثلاث نفخات: نفخة الفزع فيفزع أهل السماء والأرض بحيث تذهل كل مرضعة عما أرضعت، ثم

(٤) تعليقات لامع الدراري: ٥٩/٨، كتاب الانبياء

(٥) (دیکھئے: تفسير عثماني: ٦١٢، سورة النمل)

(٦) تعليقات لامع الدراري: ٥٩/٨، كتاب الأنبياء

(٧) دیکھئے: روح المعاني: ٣٨٨/٢٤

(٨) سورة النمل: ٨٧

(٩) سورة الزمر: ٦٨

نفخة الصعق، ثم نفخة القيام لرب العالمين"(١٠). اس روایت میں تین نفخات کا ذکر ہے، لیکن اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

جمہور اور علمائے محققین کے نزدیک کل دو مرتبہ نفخ صور ہوگا (۱۱)، جن کا تذکرہ سورۃ زمر کی مذکورہ آیت میں کردیا گیا ہے کہ پہلی مرتبہ نفخِ صور ہوگا تو آسمان وزمین کے تمام جاندار بے ہوش ہوجائیں گے، مگر جس کو اللہ چاہے ﴿إلا من شاء الله﴾ سے بعض نے حضرت جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت مراد لئے ہیں، بعض کے نزدیک انبیاء وشہداء مراد ہیں اور بعضوں نے کہا کہ اس سے وہ جاندار مراد ہیں جو نفخۂ اولیٰ سے پہلے مر چکے ہوں (۱۲)۔

روایتِ باب امام بخاری رحمہ اللہ نے "کتاب احادیث الانبیاء" میں بھی نقل کی ہے (۱۳)۔

قال مجاهد: الصور كهيئة البُوْق

سورۃ زمر میں ہے: ﴿ونفخ فی الصور......﴾ مشہور مفسر حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ صور بوق کی شکل کا ہوتا ہے، بوق سینگ کو کہتے ہیں، فریابی نے یہ تعلیق موصولاً نقل کی ہے (۱۴)۔

زَجْرَة: صيحة

سورۃ النازعات کی آیت میں ہے: ﴿فانما هی زجرة واحدة﴾ مجاہد نے اس میں لفظ زجرة کی تفسیر صیحة سے کی ہے، صیحہ کے معنی اگرچہ ایک چیخ کے آتے ہیں لیکن علامہ قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نفخۂ ثانیہ ہے، جس طرح سورۃ یٰس آیت نمبر ۴۹ میں نفخۂ اولیٰ کے لئے یہ لفظ استعمال ہوا ہے، ﴿ماينظرون إلا صيحة واحدة تاخذهم......﴾(١٥).

---

(١٠) إرشاد الساري: ٥١٩/١٣

(١١) دیکھئے: تفسير عثماني: ٦٢٠

(١٢) دیکھئے: الجامع لأحكام القرآن: ٢٨٠/١٥

(١٣) دیکھئے: صحيح البخاري مع فتح الباري، كتاب احاديث الأنبياء، باب وفاة موسىٰ وبعده: ٤٤١/٦

(١٤) إرشاد الساري: ٥١٨/١٣

(١٥) إرشاد الساري: ٥١٨/١٣

حضرت مجاہد کی اس تعلیق کو فریابی نے موصولاً نقل کیا ہے(۱۶)۔

وقال ابن عباس: الناقور: الصور

سورہ مدثر، آیت نمبر ۸ میں ہے: ﴿فإذا نقر في الناقور﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس آیت میں ناقور سے صور مراد ہے، طبری اور ابن ابی حاتم نے اس تعلیق کو موصولاً نقل کیا ہے(۱۷)۔

الراجفة: النفخة الأولىٰ، والرادفة: النفخة الثانية

سورۃ نازعات میں ہے: ﴿يوم ترجف الراجفة، تتبعها الرادفة﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ راجفہ سے پہلا نفخہ اور رادفہ سے دوسرا نفخہ مراد ہے، یہ تعلیق بھی ابن ابی حاتم اور طبری نے موصولاً نقل کی ہے(۱۸)۔

٦١٥٢ : حدّثني عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ قالَ : حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجِ أَنَّهُمَا حَدَّثَاهُ : أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قالَ : ٱسْتَبَّ رَجُلَانِ : رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَرَجُلٌ مِنَ الْيَهُودِ ، فَقَالَ الْمُسْلِمُ : وَالَّذِي ٱصْطَفَى مُحَمَّدًا عَلَى الْعَالَمِينَ ، فَقَالَ الْيَهُودِيُّ : وَالَّذِي ٱصْطَفَى مُوسٰى عَلَى الْعَالَمِينَ ، قالَ : فَغَضِبَ الْمُسْلِمُ عِنْدَ ذٰلِكَ فَلَطَمَ وَجْهَ الْيَهُودِيِّ ، فَذَهَبَ الْيَهُودِيُّ إِلَى رَسُولِ ٱللهِ ﷺ ، فَأَخْبَرَهُ بِمَا كانَ مِنْ أَمْرِهِ وَأَمْرِ الْمُسْلِمِ ، فَقَالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (لَا تُخَيِّرُونِي عَلَى مُوسٰى ، فَإِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، فَأَكُونُ فِي أَوَّلِ مَنْ يُفِيقُ ، فَإِذَا مُوسٰى بَاطِشٌ بِجَانِبِ الْعَرْشِ ، فَلَا أَدْرِي أَكانَ مُوسٰى فِيمَنْ صَعِقَ فَأَفَاقَ قَبْلِي ، أَوْ كانَ مِمَّنِ ٱسْتَثْنَى ٱللهُ) . [ر : ٢٢٨٠]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو افراد نے آپس میں گالی گلوچ کیا، ایک مسلمان تھا اور دوسرا یہودی، مسلمان نے کہا کہ "اس ذات کی قسم جس نے محمد صلی

(۱٦) إرشاد الساري: ١٣/٥١٨

(١٧) إرشاد الساري: ١٣/٥١٨

(١٨) إرشاد الساري: ١٣/٥١٨

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام جہان میں منتخب و برگزیدہ بنایا''، یہودی نے کہا کہ ''اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ کو تمام جہان میں منتخب و برگزیدہ بنایا''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسلمان یہودی کی اس بات پر غصے ہو گیا اور اس کے منہ پر طمانچہ مارا، تو یہودی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آیا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنا اور مسلمان کا معاملہ بیان کیا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام پر میری برتری کا دعویٰ نہ کرو، کیونکہ قیامت کے دن تمام لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جسے ہوش آئے گا، اس وقت میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھوں گا کہ وہ عرش الٰہی کا کنارہ پکڑے ہوئے ہوں گے، مجھے نہیں معلوم کہ وہ بھی ان لوگوں میں ہوں گے جو بے ہوش ہوئے تھے، اور پھر مجھ سے پہلے ہی ہوش میں آ گئے تھے، یا ان میں سے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس بے ہوشی سے مستثنیٰ کر دیا تھا۔

أو كان ممن استثنى الله......

قرآن کریم کی سورۂ زمر، آیت ۶۸ میں ہے: ﴿ونفخ في الصور فصعق من في السموات ومن في الأرض إلا ما شاء الله......﴾ دو مرتبہ نفخ صور ہوگا، پہلی مرتبہ نفخ صور ہوگا تو سب کے ہوش اڑ جائیں گے، جتنے زندہ ہیں وہ سب مر جائیں گے اور جو مر چکے تھے، ان کی ارواح پر بے ہوشی طاری کر دی جائے گی، اس کے بعد دوسرا نفخ صور سے بے ہوش ہونے والوں سے کچھ مستثنیٰ بھی ہوں گے، آیت کریمہ میں ﴿إلا ماشاء الله﴾ سے استثناء کیا گیا۔

مستثنیٰ کون ہوں گے؟ جیسا کہ گزر گیا کہ اس میں مختلف اقوال ہیں:

اول: مردے کہ وہ پہلے ہی سے بے ہوش ہیں، دوم: شہداء، سوم: حضرات انبیاء، چہارم: حضرت جبرائیل، حضرت میکائیل، حضرت عزرائیل اور حضرت اسرافیل علیہم السلام، پنجم: عرش کو اٹھانے والے فرشتے، ششم: حضرت موسیٰ علیہ السلام، ہفتم: علامہ ابن حزم نے فرمایا کہ تمام فرشتے اس سے مراد ہیں (۱۹)۔ علامہ طبری

(۱۹) عمدة القاري: ۲۳/۱۵٤، وفتح الباري: ۱۱/٤۵۱

رحمہ اللہ نے شہداء والے قول کو ترجیح دی ہے۔

٦١٥٣ : حدّثنا أَبُو الْيَمَانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ : حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ ، عَنِ الْأَعْرَجِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (يَصْعَقُ النَّاسُ حِينَ يَصْعَقُونَ ، فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ قامَ ، فَإِذَا مُوسَى آخِذٌ بِالْعَرْشِ ، فَمَا أَدْرِي أَكَانَ فِيمَنْ صَعِقَ) .

رَوَاهُ أَبُو سَعِيدٍ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . [ر : ٢٢٨٠ ، ٢٢٨١]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، بے ہوشی کے وقت تمام لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور سب سے پہلے اٹھنے والا میں ہوں گا، اس وقت حضرت موسیٰ عرش الٰہی کو پکڑے ہوں گے، اب مجھے نہیں معلوم کہ موسیٰ ان میں سے تھے جو بے ہوش ہوئے تھے (یا نہیں)۔

ابوالیمان کا نام حکم بن نافع، ابوالزناد کا نام عبداللہ بن ذکوان اور اعرج کا نام عبدالرحمٰن بن ھرمز ہے۔

رواه أبو سعيد......

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے، کتاب احادیث الأنبیاء میں موصولاً نقل فرمائی ہے(٢٠)۔

٤٤ - باب : يَقْبِضُ ٱللهُ الْأَرْضَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .

رَوَاهُ نَافِعٌ ، عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . [ر : ٦٩٧٧]

ترجمۃ الباب کا مقصد

قبض کے معنی کسی چیز کو جمع کرنے اور لپیٹنے کے بھی ہیں اور فنا اور ختم ہونے کے بھی ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا باب سے یہ مقصد ہے کہ قیامت کے دن اللہ جل شانہ اس دنیا کی زمین کو ختم فرمادیں گے۔ اور حشر کی زمین ایک نئی زمین ہوگی۔ چنانچہ قرآن کریم کی آیتِ کریمہ میں ہے:

(٢٠) عمدة القاري: ٢٣/١٥٤

ارض محشر کون سی اور کیسے ہوگی؟

﴿یوم تبدل الأرض غیر الأرض والسموات وبرزو الله الواحد القهار﴾ یعنی: قیامت کا دن ایسا ہوگا کہ اس میں موجودہ زمین بھی بدل دی جائے گی اور آسمان بھی اور سب کے سب اللہ واحد وقہار کے سامنے حاضر ہوں گے۔

زمین وآسمان کے اندر یہ تبدیلی ذاتی بھی ہوسکتی ہے اور صفاتی بھی، اس کے بدل دینے کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ ان کی صفات اور شکل وصورت بدل دی جائے، جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ پوری زمین ایک سطح مستوی بنادی جائے گی، جس میں نہ کسی مکان کی آڑ ہوگی، نہ درخت وغیرہ کی، نہ کوئی پہاڑ اور ٹیلہ رہے گا نہ غار اور گہرائی، قرآن کریم کی ایک دوسری آیت کریمہ میں ہے: ﴿لا تریٰ فیها عوجاً ولا امتاً﴾ یعنی تعمیرات اور پہاڑوں کی وجہ سے جو آج کل راستے اور سڑکیں مڑکر گزرتی ہیں اور کہیں اونچائی ہے کہیں گہرائی، یہ صورت نہ رہے گی بلکہ سب صاف میدان ہوجائے گا۔

اور یہ تبدیلی ذاتی بھی ہوسکتی ہے کہ بالکل ہی اس زمین کے بدلے میں دوسری زمین اور اس آسمان کی جگہ دوسرے آسمان بنادیئے جائیں، اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں، بعض احادیث سے صرف صفات کی تبدیلی معلوم ہوتی ہے اور بعض سے ذات کی تبدیلی۔

اختلاف روایات اور ان میں تطبیق کی صورت

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں روایت نقل کی ہے:

"تبدل الأرض أرضا، كأنها فضة، لم يسفك فيها دم حرام، ولم يعمل عليها خطيئة"(۱). یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محشر کی زمین بالکل نئی زمین چاندی کی طرح سفید ہوگی اور یہ زمین ایسی ہوگی جس پر کسی نے کوئی گناہ نہیں کیا ہوگا جس پر کسی کا ناحق خون نہیں گرایا گیا۔

---

(۱) فتح الباري: ۱۱/۴۵۴، والمستدرك للإمام حاكم، كتاب الأهوال: ۳/۶۱۴، رقم الحديث: ۸۶۹۹

یہ روایت مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح مروی ہے لیکن اس کا موقوف طریق اصح ہے!

یہاں باب میں آگے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت آ رہی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز لوگ ایک ایسی زمین پر اٹھائے جائیں گے جو ایسی صاف وسفید ہوگی جیسے میدے کی روٹی، اس میں کسی کی کوئی علامت (مکان، باغ، درخت، پہاڑ، ٹیلہ وغیرہ کی) کچھ نہ ہوگی، یہی مضمون بیہقی نے حضرت عبداللہ بن ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے (۲)۔

اس طرح کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ محشر کی زمین اس موجودہ زمین کے علاوہ کوئی اور ہوگی اور جس تبدیلی کا ذکر اس آیت میں ہے، اس سے ذات کی تبدیلی مراد ہے۔

لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تبدیلی صرف صفات میں ہوگی چنانچہ امام حاکم نے سند قوی کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے:

"تمد الأرض يوم القيامة مد الأديم لعظمة الرحمن، ثم لايكون لبشر من بني آدم إلا موضع قدميه، ثم أدعى أول الناس، فأخِرّ ساجدا، ثم يؤذن لي في الشفاعة، فأقول: يا رب عبادك عبدوك في أطراف الأرض...... فذلك المقام المحمود"(۳).

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز یہ زمین اس طرح کھینچی جائے گی، جیسے چمڑے کو کھینچا جائے جس سے اس کی سلوٹیں اور شکن نکل جائیں (اس کی وجہ سے زمین کے غار اور پہاڑ سب برابر ہو کر ایک سطح مستوی بن جائے گی اور اس وقت تمام اولادِ آدم اس زمین پر جمع ہوگی، اس ہجوم کی وجہ سے ایک انسان کے حصہ میں صرف اتنی ہی زمین ہوگی، جس پر وہ کھڑا ہو سکے، پھر محشر میں سب سے پہلے مجھے بلایا جائے گا، میں رب العزت کے سامنے سجدہ میں گر پڑوں گا، پھر مجھے شفاعت کی اجازت دی جائے گی تو میں تمام مخلوق کے لئے شفاعت کروں گا (کہ ان کا حساب کتاب جلد ہو جائے) یہی مقام محمود ہے۔

(۲) فتح الباري: ۱۱/٤٥٤

(۳) المستدرك، كتاب الأهوال: ٤/٦١٤

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین میں تبدیلی صرف صفت کی ہوگی کہ غار اور پہاڑ اور درخت نہ رہیں گے، مگر ذاتِ زمین یہی باقی رہے گی۔ چنانچہ امام قرطبی نے ابوالحسن بن حیدرہ سے بھی اسی طرح دونوں قسم کی روایات میں تطبیق نقل فرمائی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"انه جمع بين هذه الأخبار بأن تبديل السموات والأرض يقع مرتين، إحداهما تبدل صفاتهما فقط، وذلك عند النفخة الأولى...... ثم بين النفختين تطوى السماء والأرض وتبدل السماء والأرض"(٤).

یعنی مختلف احادیث کے اندر تطبیق یوں ہوسکتی ہے کہ آسمان اور زمین کی یہ تبدیلی دو مرتبہ واقع ہوگی، پہلی مرتبہ صفات کی تبدیلی ہوگی اور یہ نفخہ اولیٰ کے وقت ہوگا پھر دو نفخوں کے درمیان کی جو مدت ہے، اس میں آسمان وزمین کو لپیٹ دیا جائے گا اور نئے آسمان اور زمین پیدا ہوں گے تو دوسری مرتبہ کی یہ تبدیلی ذاتی ہوگی۔

یعنی ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں، ہوسکتا ہے کہ پہلے نفخۂ صور کے وقت اسی موجودہ زمین کی صفات تبدیل کی جائیں اور پھر حساب کتاب کے لئے ان کو کسی دوسری زمین کی طرف منتقل کیا جائے۔ حضرت عکرمہ رحمہ اللہ کے ایک قول سے اس کی تائید ہوتی ہے، اس میں ہے:

"بلغنا أن هذه الأرض تطوى وإلى جنبها أخرى يحشر الناس منها إليها"(٥). یعنی یہ زمین سمٹ جائے گی اور اس کے پہلو میں ایک دوسری زمین ہوگی، جس پر لوگوں کو حساب کتاب کے لئے کھڑا کیا جائے گا۔

صحیح مسلم میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی عالم آیا اور یہ سوال کیا کہ جس دن یہ زمین بدلی جائے گی تو آدمی کہاں ہوں گے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ پل صراط کے پاس ایک اندھیری میں موجود ہوں گے(٦)۔

---

(٤) فتح الباري: ١١/٤٥٨

(٥) فتح الباري: ١١/٤٥٦

(٦) صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب بيان صفة مني الرجل والمرأة، رقم الحديث: ٣١٥

اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ زمین سے بذریعہ پل صراط لوگوں کو دوسری طرف منتقل کیا جائے گا اور ابن جریر نے اپنی تفسیر میں متعدد صحابہ وتابعین کے یہ اقوال نقل کئے ہیں کہ اس وقت موجودہ زمین اور اس کے سب دریا آگ ہو جائیں گے، گویا یہ سارا علاقہ جس میں اب دنیا آباد ہے، اس وقت جہنم کا علاقہ ہو جائے گا(۷)۔

بہرحال اس سلسلے میں مختلف روایات وارد ہیں اور بعض روایات بظاہر ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔ آخرت کی حقیقت اور صحیح صورت حال کا علم اللہ ہی کو ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قدر اور جتنا امت کو بتلا دیا، اس پر ایمان لانا فرض وواجب ہے۔

---

(۷) مولانا شمس الحق افغانی صاحب علوم القرآن میں لکھتے ہیں:

''زمین محشر بھی زمین دنیا سے مختلف ہوگی۔ قرآن مجید میں: ﴿یوم تبدل الأرض غیر الأرض﴾ یعنی جس دن زمین تبدیل کی جائے گی، پہلی زمین سے مختلف...... یہ تبدیلی ذاتی ہوگی یا صفاتی؟ ایک قول یہ ہے کہ ذاتی ہوگی، دوم یہ کہ صرف صفاتی ہوگی، سوم یہ کہ ایک بار صرف صفاتی ہوگی اور دوسری مرتبہ ذاتی۔ قولِ مختار یہی ہے کہ صرف صفاتی ہوگی۔ بخاری ومسلم میں سہل بن سعد سے مرفوع حدیث ہے "یحشر الناس یوم القیامة علی أرض بیضاء عفراء کقُرصة النقي لیس فیها عَلَم لأحد" اور صحیحین میں ابوسعید خدری سے مرفوع حدیث آئی ہے، تکون الأرض خُبزة واحدة جس کا معنی یہ ہے کہ لوگ ایسی زمین پر اٹھائے جائیں گے جو سفید گندم گونی کی طرف مائل ہوگی، جیسے میدے کی روٹی، اس پر کسی قسم کا نشان نہ ہوگا، ابوسعید کی روایت میں ہے کہ ''ہو جائے گی یہ زمین ایک روٹی'' اور بعض روایات میں جو چاندی کا ذکر آیا ہے، اس کا مطلب سفیدی میں چاندی سے مشابہت ہے، نہ یہ کہ زمین درحقیقت چاندی کی ہوگی۔ بیہقی میں ابن مسعود سے بسندِ صحیح یہ الفاظ آئے ہیں: تبدل الأرض أرضاً کأنها فضة، یعنی دنیا کی زمین ایسی زمین کی صورت میں تبدیل ہوگی کہ وہ چاندی کی طرح سفید ہوگی، ابن جریر نے زید بن ثابت سے مرفوعاً حدیث نقل کی ہے: إنها تکون یومئذٍ بیضاء مثل الفضة، یعنی یہ زمین اس دن چاندی کی طرح سفید ہو جائے گی...... راجح صفات کی تبدیلی ہے''۔

(دیکھئے: علوم القرآن، از مولانا شمس الحق افغانی: ۲۴۶)

٦١٥٤ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ ٱللهِ : أَخْبَرَنَا يُونُسُ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ : حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (يَقْبِضُ ٱللهُ الْأَرْضَ ، وَيَطْوِي السَّمَاءَ بِيَمِينِهِ ، ثُمَّ يَقُولُ : أَنَا الْمَلِكُ ، أَيْنَ مُلُوكُ الْأَرْضِ) . [ر : ٤٥٣٤]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ زمین کو اپنی مٹھی میں لے لے گا اور آسمان کو اپنے ہاتھ سے لپیٹ دے گا اور پھر فرمائے گا کہ میں ہوں بادشاہ دنیا کے بادشاہ کہاں ہیں۔

یمین سے اللہ جل شانہ کی قدرت مراد ہے، یہ حدیث، حدیث صفات میں سے ہے، جس کی تفصیل آگے ''باب الصراط......'' کے تحت آرہی ہے۔

٦١٥٥ : حدّثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ ، عَنْ خالِدٍ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (تَكُونُ الْأَرْضُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ خُبْزَةً وَاحِدَةً ، يَتَكَفَّؤُهَا الْجَبَّارُ بِيَدِهِ كما يَكْفَأُ أَحَدُكُمْ خُبْزَتَهُ فِي السَّفَرِ ، نُزُلاً لِأَهْلِ الْجَنَّةِ) . فَأَتَى رَجُلٌ مِنَ الْيَهُودِ فَقَالَ : بَارَكَ الرَّحْمٰنُ عَلَيْكَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ ، أَلَا أُخْبِرُكَ بِنُزُلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ؟ قَالَ : (بَلَى) . قالَ : تَكُونُ الْأَرْضُ خُبْزَةً وَاحِدَةً ، كَمَا قالَ النَّبِيُّ ﷺ ، فَنَظَرَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَيْنَا ثُمَّ ضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ ، ثُمَّ قالَ : أَلَا أُخْبِرُكَ بِإِدَامِهِمْ ؟ قالَ : إِدَامُهُمْ بَالَامٌ وَنُونٌ ، قالُوا : وَمَا هٰذَا ؟ قالَ : ثَوْرٌ وَنُونٌ ، يَأْكُلُ مِنْ زَائِدَةِ كَبِدِهِمَا سَبْعُونَ أَلْفًا .

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن زمین ایک روٹی کی طرح ہوجائے گی، جسے اللہ تعالیٰ اہل جنت کی میزبانی کے لئے اس طرح سمیٹ کر رکھ لے گا جس طرح تم سفر کے موقع پر اپنی روٹی سمیٹ کر رکھتے ہو، پھر ایک یہودی آیا اور بولا، ابوالقاسم! تم پر رحمٰن برکت نازل

کرے، کیا میں تمہیں قیامت کے دن اہل جنت کے سب سے پہلے کھانے کی جس سے ان کی ضیافت کی جائے گی، خبر نہ دوں؟ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیوں نہیں، تو اس نے وہی کہا جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ زمین ایک روٹی ہو جائے گی، پھر آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہماری طرف دیکھا اور مسکرائے جس سے آپ کے آگے کے دانت دکھائی دینے لگے، پھر پوچھا میں تمہیں اس کے سالن کے متعلق خبر نہ دوں؟ کہنے لگا کہ ان کا سالن ''بالام ونون'' ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کیا، یہ کیا چیز ہے؟ کہنے لگا...... بیل اور مچھلی جس کی کلیجی کے چھوٹے ٹکڑے کو ستر ہزار افراد کھا کر سیر ہو جائیں گے۔

تكون الأرض خبزة واحدة

زمین ایک روٹی بن جائے گی، زمین سے دنیا کی زمین مراد ہے۔

يَكْفَؤها الجبارُ كما يَكْفَأُ أحدُكم خُبْزَتَه في السفر

یعنی اللہ تعالیٰ اس کو اس طرح پلٹے گا جس طرح تم میں سے کوئی شخص سفر کے اندر اپنی روٹی پلٹتا ہے، كَفَأ باب فتح سے ہے، اس کے معنی پلٹنے، الٹنے اور پھیرنے کے آتے ہیں، آٹے کے پیڑے سے جب روٹی بنائی جاتی ہے تو اس کو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کی طرف پھیرتے اور منتقل کرتے رہتے ہیں تاکہ وہ بالکل ٹھیک ہو جائے، اسی طرح روٹی پکنے کے بعد اس کو ہاتھوں میں الٹ پلٹ کر ٹھیک کیا جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ نووی رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ کیا ہے: أي يُميلها مِنْ يد إلى يد حتى تجتمع وتستوى(۸) اور علامہ خطابی رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ کیا ہے یعنی خبز المَلّة الذي يصنعه المسافر؛ فإنها لا تُدحى كما تدحى الدُقاقة، وإنما تُقْلب على الأيدي حتى تستوى(۹) یعنی روٹی کا پیڑا جس کو مسافر بناتا ہے، کیونکہ وہ چپاتی کی طرح پھیلا ہوا اور سیدھا نہیں ہوتا (بلکہ گول ہوتا ہے) اس کو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کی طرف پھیر پھیر کر سیدھا کر دیا جاتا ہے اور یوں اسے روٹی بن جاتی ہے۔

(۸) شرح مسلم للنووي، كتاب صفات المنافقين، باب نزل أهل الجنة: ۱۷/ ۱۳۳

(۹) فتح الباري: ۱۱/ ٤٥٣

في السَّفر سفر کی قید اتفاقی ہے، بعض نسخوں میں سُفَر (سین کے ضمہ اور فاء کے فتحہ کے ساتھ) ہے، وہ سُفرۃ کی جمع ہے، سفرہ مسافر کے لئے جو کھانا تیار کیا جاتا ہے، اس کو بھی کہتے ہیں اور دسترخوان کو بھی کہتے ہیں (۱۰)۔

نُزُلًا لأهل الجنه

نُزُل (نون اور زاء کے ضمہ کے ساتھ) مہمان کے سامنے جو ماحضر پیش کیا جاتا ہے، اسے کہتے ہیں۔

حدیث شریف کے دو مطلب

❶ اس حدیث کو بعض علماء نے حقیقی معنی کے بجائے مجازی معنی پر محمول کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ زمین کا روٹی بن جانا اور اہل جنت کا اس سے کھانا اللہ تعالیٰ کی قدرت کے اعتبار سے تو کوئی بعید نہیں لیکن دوسری روایات میں آتا ہے کہ دنیا کی یہ زمین آگ بن کر جہنم کا حصہ بن جائے گی تو جنتیوں کے لئے روٹی کا کام کیسے دے گی، اس لئے "تكون الأرض خبزة واحدة" کو حقیقی معنی کے بجائے مجازی معنی پر محمول کیا جانا مناسب ہے کہ بطور تشبیہ وتمثیل کہا گیا کہ زمین روٹی کی طرح سیدھی اور مستوی بنادی جائے گی چنانچہ اسی باب کے اندر حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں "كقرصة النقي" کے الفاظ آئے ہیں اس لئے کہا جائے گا کہ روٹی کے ساتھ مثال پیش کر کے زمین کو دو معنوں میں تشبیہ دی گئی ہے. ایک تو اس زمین کی حالت اور ہیئت کا بیان مقصود ہے کہ وہ روٹی کی طرح بالکل سیدھی ہوگی، دوم اہل جنت کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو روٹی تیار کی ہے، اس کا بیان ہے کہ وہ زمین کی طرح بڑی اور عظیم ہوگی، چنانچہ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"إن هذا الحديث مشكل جدا، لا مِنْ جهة إنكار صُنْع الله وقدرته على مايشاء، بل لعدم التوقيف على قلب جِرم الأرض مِنْ الطبع الذي عليه إلى طبع المطعوم والماكول، مع ماثبت في الآثار أن هذه الأرض تصير يوم القيامة نارا، وتنضم إلى جهنم، فلعل الوجه فيه أن معنى قوله: "خبزة واحدة" أي كخيزة واحدة مِنْ نعتها كذا وكذا، وهو نظير مافي حديث سهل: "كقُرصة النقي" فضرب المثل بها، لاستدارتها، وبياضها، فضرب المثل في

(۱۰) فتح الباري: ۱۱/۴۵۳، عمدة القاري: ۲۳/۱۵۷

هـذا الحديث بخبزة تُشبه الأرض في معنيين: أحدهما بيان الهيئة التي تكون الأرض عـليهـا يـومـئذ، والآخر بيان الخبزة التي يُهَيّؤُها الله تعالىٰ نُزْلًا لأهل الجنة، وبيان عظم مقدارها ابتداعا واختراعاً(١١).

❷ لیکن علامہ طیبی، حافظ ابن حجراور اکثر علماء کے نزدیک یہ حدیث اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے، وہ فرماتے ہیں یہ زمین روٹی بن جائے گی اور میدان حشر میں حساب سے پہلے جنت میں جانے والے اس سے کھائیں گے، نـزلًا لأهـل الـجنة کا یہی مطلب ہے کہ اہل جنت اس موقع پر اس سے کھائیں گے (۱۲) اور بعد میں وہ جنت کے اندران کے لئے نزل اور ضیافت بن جائے گی، اس کی تائید حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ کے ایک قول سے بھی ہوتی ہے جسے امام طبری نے نقل کیا ہے، کہ زمین سفید روٹی بن جائے گی اور مومن اپنے قدموں کے نیچے سے کھائے گا (۱۳)، اسی طرح بیہقی نے حضرت عکرمہ کا قول نقل کیا ہے، "تبدل الأرض مثل الخبزة يأكل منها أهل الإسلام حتى يفزعوا من الحساب"(١٤).

باقی جہاں تک تعلق ہے ان آثار کا جن میں کہا ہے کہ یہ زمین آگ بن جائے گی، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سے ''ارض بحر'' مراد ہے یعنی دنیا کے اندر کے جس حصے پر سمندر قائم ہے صرف وہ حصہ آگ بن کر جہنم کے ساتھ ملا دیا جائے گا، چنانچہ امام طبری رحمہ اللہ نے حضرت کعب احبار کا قول نقل کیا ہے جس میں اس کی تصریح ہے، وہ فرماتے ہیں "يـصـيـر مكان البحر ناراً" حضرت ابی بن کعب سے بھی اس کی صراحت منقول ہے، لہٰذا دونوں طرح کی روایات میں کوئی تعارض نہیں (۱۵)۔

---

(١١) فتح الباري: ١١/٤٥٣-٤٥٤، وشرح الطيبي للمشكاة: ١/١٢٩

(١٢) شرح مشكوة للطيبي، كتاب الفتن: ١/١٢٩، وفتح الباري: ١١/٤٥٢، وإرشاد الساري: ١٣/٥٢٢

(١٣) فتح الباري: ١١/٤٥٣، إرشاد الساري: ١٣/٥٢٢

(١٤) فتح الباري: ١١/٤٥٣، إرشاد الساري: ١٣/٥٢٢

(١٥) دیکھئے: فتح الباري: ١١/٤٥٧، مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے تکملہ فتح الملہم میں لکھا ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حدیث کے معنی حقیقی کو ترجیح دی ہے، لیکن ان آثار کا جواب نہیں دیا، جن میں زمین کے آگ میں ڈھل جانے کا ذکر ہے، (دیکھئے: تكملة فتح الملهم: ٦/٦٠، باب نزل أهل الجنة) حالانکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کردہ جواب دیا ہے لیکن زیر بحث حدیث میں نہیں بلکہ اسی باب کی اگلی حدیث میں مندرجہ بالا جواب دیا ہے۔ شاید حضرت کی نظر وہاں نہیں گئی!

فأتى رجل من اليهود

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس شخص کا نام مجھے معلوم نہیں (۱۶)۔

ثَوْرونون

بالام کی تشریح اس نے ثور سے کی ثور بیل کو کہا جاتا ہے اور نون مچھلی کو کہتے ہیں۔

يأكل مِنْ زائدة كَبِدهما سبعون ألفاً

ستر ہزار لوگ بیل اور مچھلی کے زائد حصے سے کھائیں گے۔

زائدة الكَبِد

جگر کے پاس ایک چھوٹا سا حصہ اور ٹکڑا ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں، یہ بڑا مفید اور عمدہ ہوتا ہے (۱۷)۔

مسلم شریف کے اندر حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: "تحفة أهل الجنة زيادة كَبِد النون" (۱۸). یعنی اہل جنت کا تحفہ مچھلی کے جگر کا زائد ٹکڑا ہے۔

٦١٥٦ : حدّثنا سَعيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ : أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قالَ : حَدَّثَنِي أَبُو حازِمٍ قالَ : سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ قال : سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ : (يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيامَةِ عَلَى أَرْضٍ بَيْضاءَ عَفْرَاءَ ، كَقُرْصَةِ نَقِيٍّ) . قالَ سَهْلٌ أَوْ غَيْرُهُ : (لَيْسَ فِيهَا مَعْلَمٌ لِأَحَدٍ) .

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن لوگ سفید وصاف ٹکیہ کی طرح ایک سفید چپٹی زمین پر جمع

(۱٦) فتح الباري: ١١/٤٥٤

(۱۷) فتح الباري: ١١/٤٥٥

(۱۸) فتح الباري: ١١/٤٥٥

٦١٥٦ : أخرجه مسلم في صفات المنافقين وأحكامهم ، باب : في البعث والنشور وصفة الأرض .. ، رقم : ٢٧٩٠ .
(عفراء) بيضاء مشوبة بحمرة . (كقرصة نقي) كرغيف مصنوع من دقيق خالص من الغش والنخالة .
(معلم) علامة يستدل بها ، أي مستوية لا حدب فيها ولا بناء عليها ولا شيء سواه .

کئے جائیں گے، سہل یا ان کے علاوہ کسی اور نے بیان کیا کہ اس زمین پر کسی کا کوئی نشان نہیں ہوگا۔

بیضاء عَفْراء

سفید مائل بہ سرخی۔ عَــفْــراء: ایسا رنگ جو خالص سفید نہ ہو، بلکہ گندم گوں ہو، بعضوں نے کہا کہ عفرا خالص سفید رنگ کو کہتے ہیں لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے پہلے قول کو معتمد قرار دیا (۱۹)۔

كقُرْصَة النَّقِي

جیسے میدے کی روٹی ہوتی ہے، قُرْصة روٹی اور ٹکیہ کو کہتے ہیں۔ نقي بروزن ولی میدہ۔

قال سهل أو غيرُه: ليس فيها مَعْلَم

یہ ماقبل سند کے ساتھ متصل ہے۔ راوی حدیث سہل نے کہا، یا سہل کے علاوہ کسی اور نے کہا...... یعنی روایت کرنے والے کو کہنے والے کے بارے میں شک ہے کہ قائل سہل ہے یا کوئی اور ہے؟

ليس فيها مَعْلَم یعنی اس زمین میں کوئی علامت اور نشان نہیں ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ "ليس فيها مَـعْـلَـم" کے الفاظ حدیث مرفوع کا حصہ نہیں بلکہ یہ راوی کی طرف سے بطور تشریح مدرج ہے "غيـره" سے کون مراد ہے، حافظ نے لاعلمی ظاہر فرمائی ہے (۲۰)۔

مَعْلَم کے معنی علامت کے ہیں یعنی وہ زمین بالکل برابر ہوگی اس میں کسی تعمیر اور کسی گھر، کوٹھی وغیرہ کا کوئی نشان نہیں ہوگا۔

☆☆......☆☆

---

(۱۹) فتح الباري: ۴۵۵/۱۱

(۲۰) فتح الباري: ۴۵۶/۱۱

٤٥ - باب : كَيْفَ الحَشْرُ .

حشر کے معنی اور قسمیں

حشر کے معنی جمع کرنے کے آتے ہیں، مرنے کے بعد جب آخرت کی زندگی شروع ہوگی تو قیامت قائم ہونے کے بعد تمام اولین وآخرین، دنیوی زندگی کے حساب کے لئے ایک میدان میں جمع کئے جائیں گے، اسے حشر کہتے ہیں اور یہی سب سے مشہور معنی ہیں۔ بعض شارحین نے حشر کی تین قسمیں لکھی ہیں:

❶ ایک حشر وہ ہے جو دنیا میں واقع ہوگا اور وہ علامات قیامت میں سے ہے کہ قرب قیامت میں لوگ شام کے علاقوں میں ایک آگ سے بھاگ کر جمع ہوں گے، یہ قیامت سے پہلے، ان دس نشانیوں میں ایک ہے جن کا ذکر حدیث میں آیا ہے۔

❷ دوسرا حشر میدان محشر کا ہے یعنی حشر الأموات من القبور جس کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں ہے: ﴿وحشر ناهم فلم نعادر منهم احدا﴾. اور ہم سب کو جمع کریں گے اور ان میں کسی کو نہیں چھوڑیں گے۔

❸ تیسرا حشر جنت وجہنم ہے، یہ حساب کے بعد ہوگا کہ اہل جنت، جنت میں اور جہنمی دوزخ میں جمع کئے جائیں گے!(۱)

٦١٥٧ : حدّثنا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ : حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ ، عَنِ ٱبْنِ طَاوُسٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى ثَلَاثِ طَرَائِقَ : رَاغِبِينَ رَاهِبِينَ ، وَٱثْنَانِ عَلَى بَعِيرٍ ، وَثَلَاثَةٌ عَلَى بَعِيرٍ ، وَأَرْبَعَةٌ عَلَى بَعِيرٍ ، وَعَشَرَةٌ عَلَى بَعِيرٍ . وَتَحْشُرُ بَقِيَّتَهُمُ النَّارُ ، تَقِيلُ مَعَهُمْ حَيْثُ قَالُوا ، وَتَبِيتُ مَعَهُم حَيْثُ بَاتُوا ، وَتُصْبِحُ مَعَهُمْ حَيْثُ أَصْبَحُوا ، وَتُمْسِي مَعَهُمْ حَيْثُ أَمْسَوْا) .

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح الباري: ٤٦٠/١١

٦١٥٧ : أخرجه مسلم في الجنة وصفة نعيمها ، باب : فناء الدنيا وبيان الحشر يوم القيامة ، رقم : ٢٨٦١ .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، لوگوں کا حشر تین طرح پر ہوگا، (ایک اس طرح کہ) لوگ رغبت کرنے والے لیکن ڈرتے ہوئے ہوں گے، (دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہوگا کہ) ایک اونٹ پر دو آدمی ہوں گے، کسی اونٹ پر تین ہوں گے کسی پر چار ہوں گے اور کسی پر دس ہوں گے۔ اور (تیسرا گروہ ان کا ہوگا جن کو آگ جمع کرے گی) جب وہ قیلولہ کریں گے تو آگ بھی اس وقت ان کے ساتھ آرام کے وقت موجود ہوگی، جب وہ رات گزاریں گے تو آگ بھی ان کے ساتھ رات کے وقت موجود ہوگی، جب وہ صبح کریں گے تو آگ بھی ان کے ساتھ صبح کے وقت موجود ہوگی اور جب وہ شام کریں گے تو آگ بھی ان کے ساتھ موجود ہوگی، یعنی وہ جہاں جائیں گے آگ وہاں پہنچے گی۔

وہیب بن خالد، عبداللہ بن طاوس سے نقل کررہے ہیں اور عبداللہ، اپنے والد طاوس بن کیسان سے نقل کررہے ہیں۔

یحشر الناس علی ثلاث طرائق

لوگ تین طریقوں سے جمع کیے جائیں گے، یعنی حشر کے وقت لوگوں کی تین قسمیں ہوں گی، ایک راغبین راہبین، دوم، اونٹوں پر سوار اور سوم، آگ سے بھاگنے والے!

حدیث باب میں وارد حشر کا مصداق

اس حدیث شریف میں حشر سے کیا مراد ہے؟ حضرات علماء کا اس میں اختلاف ہے:

❶ بعض علماء کے نزدیک اس سے حشر آخرت سے مراد ہے اور حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ لوگ جب قبروں سے اٹھ کر محشر کی طرف جائیں گے تو ان کی تین قسمیں ہوں گی:

☆...... ایک تو راغبین راہبین یعنی عام مؤمنین ہوں گے جن کو اپنے ایمان اور اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید بھی ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کا خوف بھی ہوگا، یہ خوف ورجاء والی کیفیت میں ہوں گے، یہ اصحاب میمنہ ہوں گے۔

☆......دوم وہ حضرات ہوں گے جو اونٹوں پر سوار ہوکر محشر کا رخ کریں گے، ایک اونٹ پر دو دو، تین تین اور چار چار حسب مراتب سوار ہوں گے، یہ وہ صلحاء ہوں گے جن کا درجہ عام مؤمنین سے بڑھ کر ہوگا۔

ایک اونٹ پر دو دو تین تین بیک وقت سوار ہوں گے کہ وہ اونٹ، ان کا تحمل کر سکے گا، اور یا دنیا کی طرح باری باری اس پر مختلف تعداد کے یہ حضرات سواری کریں گے(۲)۔

☆......سوم وہ کافر ہوں گے جن کو آگ ہانکے گی، یہ اصحاب مشأمہ ہیں۔

فضل اللہ توریشتی، علامہ طیبی اور مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے اس قول کو ترجیح دی ہے(۳)۔

مصابیح کی شرح میں علامہ توریشتی رحمہ اللہ نے بڑا زور دے کر دلائل کے ساتھ ثابت کیا کہ اس سے حشر دنیا مراد نہیں، بلکہ آخرت کا حشر مراد ہے۔

شارح مشکوۃ علامہ طیبی رحمہ اللہ نے پہلے بہت تفصیل کے ساتھ، علامہ توریشتی رحمہ اللہ کے قول کو رد کیا اور کہا کہ اس سے حشر آخرت نہیں، بلکہ دنیا کا حشر مراد ہے جو قرب قیامت میں واقع ہوگا اور جو قیامت کی دس بڑی نشانیوں میں سے ایک ہوگا، لیکن اس کے بعد لکھا کہ یہ ساری تفصیل میں نے اپنے اجتہاد سے لکھی تھی، پھر میں نے صحیح بخاری شریف میں، باب الحشر میں حدیث دیکھی اس میں "یوم القیامة" کی تصریح ہے اس میں ہے "یحشر الناس یوم القیامة علی ثلاث طرائق......"، "یوم القیامة" کی تصریح کے بعد اب گنجائش نہیں کہ اس سے دنیا کا حشر مراد لیا جائے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> "هذا ما سنح لي على سبيل الاجتهاد، ثم رأيت في صحيح البخاري في باب المحشر: يحشر الناس يوم القيامة على ثلاث طرائق...... فعلمت من ذلك أن الذي ذهب إليه الإمام التوربشتي هو الحق الذي لا محيد عنه"(٤).

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بخاری کی کسی روایت میں "یوم القیامة......" کی تصریح مجھے

(٢) فتح الباري: ٤٦١/١١

(٣) شرح الطيبي للمشكوة، كتاب الفتن، باب الحشر: ١٥٩/١٠، وفيض الباري: ٤٣٣/٤

(٤) شرح الطيبي للمشكوة، كتاب الفتن، باب الحشر: ١٦٣/١٠

معلوم نہیں ہوسکی (۵)۔

مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے نسخوں میں یہ موجود ہے (۶)۔

حقیقت یہ ہے کہ بعض نسخوں میں يوم القيامة کا اضافہ ہے، غالباً حافظ کے پاس جو نسخے تھے، ان میں یہ اضافہ نہیں تھا۔

❷ لیکن علماء کی ایک بڑی جماعت کے نزدیک اس سے مراد حشر آخرت نہیں، بلکہ دنیا کا حشر ہے جو قیامت کے قریب واقع ہوگا اور جو علاماتِ قیامت میں سے ہے اور جس کا ذکر حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے جو امام مسلم رحمہ اللہ نے کتاب الفتن میں ذکر فرمائی ہے، اس میں ہے:

"إنها لن تقوم حتى ترون قبلها عشر آيات، فذكر الدخان، والدجال، والدابة، وطلوع الشمس من مغربها، ونزول عيسى بن مريم، ويأجوج ومأجوج، وثلاثة خسوف...... وآخر ذلك نار تخرج من اليمن تطرد الناس إلى محشرهم" (۷)...... یعنی جب تک تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو، اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی، وہ دس نشانیاں یہ ہیں: دخان، دجال، دابہ، سورج کا مغرب سے نکلنا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول، یاجوج ماجوج کا نکلنا، اور تین خسوف (خسف سے مراد زمین کے اندر دھنسنا ہے) اور آگ جو یمن سے نکلے گی اور لوگوں کو محشر کی طرف دھکیلے گی۔

اس کے علاوہ مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر اور مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایت میں بھی اس حشر کا ذکر ہے۔ مستدرک حاکم کی حدیث کے الفاظ ہیں: "تبعث نار على أهل المشرق، فتحشرهم إلى المغرب تبيت معهم حيث باتوا، وتقيل معهم حيث قالوا" (۸).

---

(٥) فتح الباري: ١١/٤٦٤

(٦) فيض الباري: ٤/٤٣٣

(٧) صحيح مسلم، كتاب الفتن، باب في الآيات التي تكون قبل الساعة: ١٨/٢٣٥، رقم الحديث: ٧٢١٤

(٨) مستدرك الإمام الحاكم، كتاب الفتن والملاحم: ٤/٥٩١، رقم الحديث: ٨٦٤٧

ان روایات کی تفصیلات کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے قریب قعر عدن سے ایک آگ نمودار ہوگی، لوگ اس آگ سے دوسرے علاقوں کی طرف بھاگیں گے اوران کی تین قسمیں ہوں گی:

❶ ایک قسم تو ان لوگوں کی ہوگی جن کے پاس سواری اور زادسفر کا انتظام ہوگا، آنے والے حالات میں ان کو رغبت ہوگی اور پچھلے حالات سے خوف زدہ ہوکر وہ نکلے ہوں گے، حدیث میں راغبین راہبین سے یہی لوگ مراد ہیں۔

❷ دوسری قسم ان لوگوں کی ہوگی جو پہلی قسم کے مقابلے میں کم مایہ ہوں گے، سواری اور زادسفر کا انتظام ان کے پاس معمولی ہوگا اور ایک اونٹ پر دو دو، تین تین اور باری باری سوار ہوکر نکلیں گے!

❸ تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کے پاس بالکل انتظام نہیں ہوگا اور وہ جہاں جائیں گے، آگ ان کا پیچھا کرے گی، "تبیت معھم حیث باتو......" سے یہی مراد ہے۔

علامہ خطابی، حافظ ابن حجر نے اس دوسرے قول کو ترجیح دی ہے کہ اس سے حشر دنیا مراد ہے (۹)۔

پھر اس میں جس آگ کا ذکر ہے، اس کو حقیقت پر محمول کیا ہے اور بعضوں نے اس سے "نار فتنہ" یعنی فتنہ کی آگ مراد لی ہے اور یہ مطلب بیان کیا ہے کہ سخت فتنہ اٹھے گا جو شام میں نسبتاً کم اور دوسرے علاقوں میں زیادہ ہوگا، اس لئے لوگ شام کی طرف زیادہ جائیں گے (۱۰)۔

٦١٥٨ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْبَغْدَادِيُّ : حَدَّثَنَا شَيْبَانُ ، عَنْ قَتَادَةَ : حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مالِكٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ : أَنَّ رَجُلاً قالَ : يَا نَبِيَّ ٱللهِ ، كَيْفَ يُحْشَرُ الْكافِرُ عَلَى وَجْهِهِ ؟ قالَ : (أَلَيْسَ الَّذِي أَمْشَاهُ عَلَى الرِّجْلَيْنِ فِي ٱلدُّنْيَا قادِرًا عَلَى أَنْ يُمْشِيَهُ عَلَى وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ) . قالَ قَتَادَةُ : بَلَى وَعِزَّةِ رَبِّنَا . [ر : ٤٤٨٢]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے عرض کی، یا نبی! اللہ کافروں کو ان کے چہرں کے بل کس طرح جمع کرے گا، (قیامت کے دن)

---

(۹) وفتح الباري: ١١/٤٦٤

(۱۰) فتح الباري: ١٠/٤٦٣

آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا وہ ذات جس نے دنیا میں دو پاؤں پر چلایا، اس پر قادر نہیں ہے کہ قیامت کے دن انہیں چہرے کے بل چلائے، قتادہ نے فرمایا، بلی وربنا! کیوں نہیں، ہمارے رب کی عزت کی قسم۔

۶۱۵۹/۶۱۶۱ : حدّثنا عَليٌّ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ : قالَ عَمْرٌو : سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ : سَمِعْتُ ٱبْنَ عَبَّاسٍ : سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ : (إِنَّكُمْ مُلَاقُو ٱللهِ حُفَاةً عُرَاةً مُشَاةً غُرْلًا) . قالَ سُفْيَانُ : هٰذَا مِمَّا نَعُدُّ أَنَّ ٱبْنَ عَبَّاسٍ سَمِعَهُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ .

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تم اللہ سے (قیامت کے دن) ننگے پاؤں، ننگے بدن اور پیادہ پا ملاقات کروگے، سفیان نے بیان کیا کہ یہ حدیث ان میں سے ہے جن کے متعلق ہم سمجھتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی ہیں۔

عمرو سے عمرو بن دینار مراد ہیں۔

حُفَاة: حفِي کی جمع ہے، ایسا شخص جو ننگے پاؤں ہو۔

عُراة: عاري کی جمع ہے، بے لباس۔

مُشَاة: ماشي کی جمع ہے، پیدل چلنے والا۔

غُرْل: أغرَل کی جمع ہے، ایسا شخص جس کا ختنہ نہ ہوا ہو۔

(۶۱۶۰) : حدّثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ عَمْرٍو ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ ، عَنِ ٱبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا قالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ يَخْطُبُ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُولُ : (إِنَّكُمْ مُلَاقُو ٱللهِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا) .

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ منبر پر خطبہ دے رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ تم اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملوگے کہ ننگے پاؤں، ننگے جسم اور غیر ختنہ شدہ ہوگے۔

تعارض روایات اور اس کا حل

یہاں روایات باب میں ہے کہ قبروں سے مردے ننگے بدن نکلیں گے، جب کہ امام ابوداود اور امام حاکم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے موت کے وقت نئے کپڑے منگوائے اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ "ان المیت یبعث فی ثیابه التي یموت فیها" یعنی مردہ انہی کپڑوں میں اٹھایا جائے گا جن میں اس کی موت آئی ہوگی" (۱۱)......اسی طرح حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "أحسنوا أکفان موتاکم، فإنهم یحشرون فیها" (۱۲) (اپنے مردوں کو اچھا کفن پہنایا کرو کہ اسی کپڑے میں ان کا حشر ہوگا)۔

ان دو حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے، قبروں سے نکلنے والے مردے، ننگے نہیں ہوں گے بلکہ ملبوس ہوں گے، اس تعارض کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں:

❶ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ والی روایت تو ضعیف ہے، قابل استدلال نہیں ہے اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ''میت'' سے عام مردہ نہیں مراد، بلکہ شہید مراد ہے، لیکن حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اسے عام میت پر محمول فرمایا، حاصل یہ کہ احادیثِ باب میں عام مردوں کے اٹھنے کا حال بیان کیا گیا ہے اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ والی روایت میں شہید کی حالت کا بیان ہے۔

❷ دوسرا جواب یہ دیا گیا کہ قیامت کے دن کچھ لوگ ننگے نکلیں گے اور کچھ لباس میں ہوں گے۔

❸ تیسرا جواب یہ دیا گیا کہ شروع میں سب اپنے کفن کے ساتھ ہوں گے، حضرت ابوسعید والی روایت میں اس کا ذکر ہے، بعد میں کفن ہٹالیا جائے گا اور سب بےلباس ہوکر جائیں گے، روایاتِ باب میں اس بعد والی حالت کا ذکر ہے۔

❹ اور چوتھا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ثیاب سے اعمال مراد ہیں، قرآن کریم میں ہے: ﴿ولباس التقوىٰ ذلك خير﴾ (۱۳) ...... یہ مختلف جوابات دیئے گئے ہیں، لیکن پہلا جواب راجح اور وزنی معلوم ہوتا ہے (۱۴)۔

---

(۱۱) أخرجه أبوداود في كتاب الجنائز، باب مايستحب من تطهير الميت: ۱۹۰/۳، رقم الحديث: ۳۱۱٤، وأخرجه الإمام الحاكم في المستدرك، كتاب الجنائز: ۳٤۰/۱

(۱۲) أورده ابن عراق فی تنزيه الشريعة: ۳۷۳/۳

(۱۳) سورة اعراف: ۲٦

(۱٤) دیکھئے، نسيم الرياض في شرح شفاء للقاضي عياض، فصل في تفضيله بالشفاعة والمقام المحمود: ۲۰۲/۳

(٦١٦١) : حدّثني مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ : حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ النُّعْمَانِ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قالَ : قامَ فِينَا النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ فَقَالَ : (إِنَّكُمْ تُحْشَرُونَ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلاً : «كما بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ» . الآيَةَ ، وَإِنَّ أَوَّلَ الخَلَائِقِ يُكْسَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِبْرَاهِيمُ ، وَإِنَّهُ سَيُجَاءُ بِرِجالٍ مِنْ أُمَّتِي فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ ، فَأَقُولُ : يَا رَبِّ أَصْحَابِي ، فَيَقُولُ : إِنَّكَ لَا تَدْرِي ما أَحْدَثُوا بَعْدَكَ ، فَأَقُولُ كما قالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ : «وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ما دُمْتُ فِيهِمْ – إِلَى قَوْلِهِ – الحَكِيمُ» . قالَ : فَيُقَالُ : إِنَّهُمْ لَمْ يَزَالُوا مُرْتَدِّينَ عَلَى أَعْقَابِهِمْ) .
[ر : ٣١٧١]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ تم لوگ قیامت کے دن اس حال میں جمع کئے جاؤ گے کہ ننگے پاؤں اور ننگے جسم ہوں گے، جس طرح کہ ہم نے تخلیق کی ابتداء کی تھی، اسی طرح لوٹا دیں گے۔ الآیۃ۔ اور تمام مخلوقات میں سب سے پہلے جسے کپڑا پہنایا جائے گا وہ ابراہیم علیہ السلام ہوں گے، اور میری امت کے بہت سے لوگ لائے جائیں گے جن کے اعمال نامے بائیں ہاتھ میں ہوں گے، میں اس پر کہوں گا، اے میرے رب! یہ تو میرے ساتھی ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ انہوں نے تیرے بعد کیا نئی چیزیں پیدا کر دی تھیں، اس وقت میں بھی وہی کہوں گا جو نیک بندے (عیسیٰ علیہ السلام) نے کہا ﴿وكنت عليهم شهيدا مادمت فيهم فلما توفيتني كنت انت الرقيب عليهم، وانت على كل شيء شهيد ○ ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفر لهم فانك أنت العزيز الحكيم﴾ یعنی کہ جب میں ان میں موجود تھا، اس وقت تک میں ان پر گواہ تھا اور جب آپ نے مجھے اٹھایا تو آپ ہی ان پر نگہبان تھے.....'' تو (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے) کہا جائے گا کہ بعد میں وہ الٹے پاؤں لوٹ گئے تھے (یعنی آپ

کی وفات کے بعد یہ لوگ مرتد ہوگئے تھے اور آپ کے دین برحق پر برقرار نہیں رہے تھے)۔

فيقال: إنهم لم يزالوا مرتدين على أعقابهم

اس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں مرتد ہونے والے لوگ مراد ہیں، راجح قول یہی ہے (۱۵)۔

٦١٦٢ : حدّثنا قَيْسُ بْنُ حَفْصٍ : حَدَّثَنَا خالِدُ بْنُ الحَارِثِ : حَدَّثَنَا حاتِمُ بْنُ أَبِي صَغِيرَةَ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قالَ : حَدَّثَنِي الْقَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ : أَنَّ عائِشَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهَا قالَتْ : قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (تُحْشَرُونَ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلاً) . قالَتْ عائِشَةُ : فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، الرِّجالُ وَالنِّساءُ يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ ؟ فَقَالَ : (الْأَمْرُ أَشَدُّ مِنْ أَنْ يُهِمَّهُمْ ذَاكِ) .

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تم ننگے پاؤں، ننگے جسم غیر ختنہ شدہ اٹھائے جاؤ گے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس پر میں نے پوچھا یا رسول اللہ! تو کیا مرد عورتیں ایک دوسرے کو دیکھتی ہوں گی؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت معاملہ اس سے کہیں زیادہ سخت ہوگا، کہ انہیں اس کا خیال آئے۔

ابوصَغیرہ کا نام مسلم قشیری ہے، صَغیرہ صاد کے فتحہ اور غین کے کسرے کے ساتھ ہے اور ابوملیکہ کا نام زہیر ہے۔

٦١٦٣ : حدّثني مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ : حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ ، عَنْ عَمْرِو ٱبْنِ مَيْمُونٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ قالَ : كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ فِي قُبَّةٍ ، فَقَالَ : (أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُونُوا رُبُعَ أَهْلِ الجَنَّةِ) . قُلْنَا : نَعَمْ ، قالَ : (أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُونُوا ثُلُثَ أَهْلِ الجَنَّةِ) . قُلْنَا : نَعَمْ ، قالَ : (أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُونُوا شَطْرَ أَهْلِ الجَنَّةِ) . قُلْنَا : نَعَمْ ، قالَ : (وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ ، إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ

(١٥) فتح الباري: ١١/٤٦٩، وعمدة القاري: ٢٣/١٦٥، وإرشاد الساري: ١٣/٥٢٨

تكُونُوا نِصْفَ أَهْلِ الجَنَّةِ ، وَذٰلِكَ أَنَّ الجَنَّةَ لَا يَدْخُلُهَا إِلَّا نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ ، وَمَا أَنْتُمْ فِي أَهْلِ الشِّرْكِ إِلَّا كَالشَّعْرَةِ الْبَيْضَاءِ فِي جِلْدِ الثَّوْرِ الْأَسْوَدِ ، أَوْ كَالشَّعْرَةِ السَّوْدَاءِ فِي جِلْدِ الثَّوْرِ الْأَحْمَرِ) .
[٦٢٦٦]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک خیمہ میں تھے، آپ نے فرمایا کیا تم اس پر خوش ہو گے کہ تم لوگ اہل جنت کا ایک چوتھائی ہو گے، ہم نے عرض کیا کہ جی ہاں، آپ نے فرمایا، کیا تم اس پر راضی ہو کہ اہل جنت کا ایک تہائی ہو؟ ہم نے عرض کیا کہ جی ہاں...... آپ نے فرمایا، کیا تم اس پر راضی ہو کہ اہل جنت کا آدھا حصہ ہو؟ ہم نے کہا، جی ہاں، پھر آپ نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، مجھے امید ہے کہ تم لوگ (امت مسلمہ) اہل جنت کا آدھا حصہ ہو گے اور ایسا اس لئے ہوگا کہ جنت میں مسلمان روح کے سوا اور کوئی داخل نہ ہوگا اور تم لوگ اہل شرک کے درمیان اس طرح ہو جیسے سیاہ بیل کے جسم پر سفید بال ہوتے ہیں، یا جیسے سرخ بیل کے جسم پر سیاہ بال ہوتے ہیں۔ (یعنی جس طرح سیاہ بیل کے جسم میں کچھ سفید بال ہوں تو وہ اس کے پورے جسم کے مقابلے میں بہت کم اور آٹے میں نمک کے برابر ہوتے ہیں اسی طرح مشرکین کی نسبت سے تمہاری تعداد بہت کم جہنم میں ہو گی)۔

٦١٦٤ : حدَّثنا إِسْماعِيلُ : حَدَّثَنِي أَخِي ، عَنْ سُلَيْمانَ ، عَنْ ثَوْرٍ ، عَنْ أَبِي الْغَيْثِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قالَ : (أَوَّلُ مَنْ يُدْعَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ آدَمُ ، فَتَرَاءَى ذُرِّيَّتُهُ ، فَيُقَالُ : هٰذَا أَبُوكُمْ آدَمُ ، فَيَقُولُ : لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ ، فَيَقُولُ : أَخْرِجْ بَعْثَ جَهَنَّمَ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ ، فَيَقُولُ : يَا رَبِّ كَمْ أُخْرِجُ ، فَيَقُولُ : أَخْرِجْ مِنْ كُلِّ مِائَةٍ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ) . فَقَالُوا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، إِذَا أُخِذَ مِنَّا مِنْ كُلِّ مِائَةٍ تِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ ، فَمَاذَا يَبْقَى مِنَّا ؟ قالَ : (إِنَّ أُمَّتِي فِي الْأُمَمِ كَالشَّعْرَةِ الْبَيْضَاءِ فِي الثَّوْرِ الْأَسْوَدِ) .

٦١٦٣ : أخرجه مسلم في الإيمان ، باب : كون هذه الأمة نصف أهل الجنة ، رقم : ٢٢١ .

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن سب سے پہلے آدم علیہ السلام کو پکارا جائے گا، پھر ان کی نسل انہیں دیکھے گی تو کہا جائے گا کہ یہ تمہارے جدامجد آدم ہیں، وہ کہیں گے، لبیک وسعدیک۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اپنی نسل کے جہنمیوں کو نکال ڈالو، آدم عرض کریں گے، اے رب! کتنوں کو نکالوں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہر سو میں سے ننانوے کو نکال ڈالو (یعنی ہر سو میں سے ننانوے جہنمی ہوں گے)، صحابہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! جب ہم سو میں سے ننانوے نکال دیئے جائیں گے تو پھر باقی کیا رہ جائیں گے؟...... حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوسری امتوں کے مقابلے میں میری امت اتنی ہی تعداد میں ہوگی جیسے سیاہ بیل کے جسم پر سفید بال ہوتے ہیں۔ (یعنی میری امت کی تعداد ان جہنمیوں میں بہت قلیل ہوگی)۔

باب کی ان آخری دو حدیثوں میں اگرچہ صراحۃً حشر کا ذکر نہیں لیکن جنت، جہنم کا ذکر ہے۔ جن میں داخل ہونے کا سلسلہ حشر کے فوراً بعد ہوگا، اس مناسبت سے یہ حدیثیں یہاں ذکر فرمائی گئی ہیں۔ اس حدیث کے تمام راوی مدنی ہیں اور یہ حدیث صرف امام بخاری نے نقل فرمائی ہے (۱۶)۔

٤٦ - باب : قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ : «إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ» /الحج : ١/. «أَزِفَتِ الآزِفَةُ» /النجم : ٥٧/. «اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ» /القمر : ١/.

ان زلزلة الساعة شيء عظيم......

یہ سورۃ حج کی پہلی آیت کریمہ ہے، پوری آیت ہے ﴿یا ایها الناس اتقوا ربکم ان زلزلة الساعة شیء عظیم﴾ لوگو! اللہ سے ڈرو، بے شک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے۔

---

(١٦) "ورواته كلهم مدنيون وهو من أفراده". (إرشاد الساري: ١٣/٥٣١)

آیت کریمہ میں وارد زلزلہ کا مصداق

اس زلزلے کے بارے میں دو قول ہیں:

❶ ایک یہ کہ اس سے قیامت سے پہلے آنے والا زلزلہ مراد ہے، جو طلوع شمس من المغرب سے کچھ پہلے ہوگا اور قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت کے طور پر ہوگا، ساعۃ یعنی قیامت کی طرف اس کی نسبت قرب کی وجہ سے کی گئی ہے۔

❷ دوسرا قول ہے کہ اس سے وقوع قیامت کا زلزلہ مراد ہے(۱۷)، ظاہر ہے جب قیامت ختم ہوگی اور یہ نظام وکائنات مٹائے جائیں گے تو زلزلہ آئے گا اور یہ پہاڑ، زمین، دریا، سمندر سب ختم ہوں گے، مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''قیامت کے عظیم الشان زلزلے (بھونچال) میں ایک عین مقام قیامت کے وقت یا نفخۂ ثانیہ کے بعد، دوسرا قیامت سے کچھ بیشتر جو علامات قیامت میں سے ہے اگر یہاں دوسرا مراد ہو تو آیت اپنے ظاہر معنی پر رہے گی اور پہلا مراد ہو تو دونوں احتمال ہیں، حقیقتاً زلزلہ آئے اور دودھ پلانے والی یا حاملہ عورتیں اپنی اس ہیئت پر محشور ہوں، یا زلزلہ سے مراد وہاں کے اہوال وشدائد ہوں اور ﴿ویوم ترونها تذهل كل مرضعة﴾ کو تمثیل پر حمل کیا جائے یعنی اس قدر گھبراہٹ اور سختی ہوگی کہ اگر دودھ پلانے والی عورتیں موجود ہوں تو مارے گھبراہٹ اور شدت ہول کے اپنے بچوں کو بھول جائیں اور حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں، اس وقت لوگ اس قدر مدہوش ہوں گے کہ دیکھنے والا شراب کے نشہ کا گمان کرے حالانکہ وہاں نشہ کا کیا کام!......خدا کے عذاب کا تصور اور اہوال وشدائد کی سختی ہوش گم کردے گی......اگر یہ گھبراہٹ سب کو عام ہو تو ﴿لا يحزنهم الفزع الاكبر﴾ میں نفی باعتبار اکثر احوال کے اور یہاں اثبات باعتبار ساعت قلیلہ کے لیا جائے گا اور اگر آیت حاضرہ اکثر ناس کے حق میں ہو سب کے حق میں نہ ہو تو سرے سے اشکال ہی نہیں'' (۱۸)۔

---

(۱۷) فتح الباري: ۱۱/٤٧٥، وإرشاد الساري: ۱۳/٥۳۱

(۱۸) تفسير عثماني، سورة الحج: ٤٤٢

آزِفَتِ الآزِفَةُ: اقتربَتِ الساعةُ

آزِفَتِ الآزِفَة کا ترجمہ امام نے کیا"اقتربت الساعة" یعنی قیامت قریب ہے،أزِف باب سمع سے ہے،أزْف کے معنی قرب کے ہیں،أزِف کذا: قریب ہونا،قیامت کو آزِفہ کہتے ہیں کیونکہ اس کا وقوع قریب ہے(۱۹)،﴿ازفت الآزفة﴾ سورہ نجم کی آیت ۵۷ ہے،﴿اقتربت الساعة﴾ کو اگرچہ یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر و ترجمہ کے طور پر ذکر کیا ہے،لیکن یہ سورہ قمر کی پہلی آیت بھی ہے۔

٦١٦٥ : حدَّثني يُوسُفُ بْنُ مُوسَى : حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ، عَنِ الْأَعْمَشِ ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قالَ : قالَ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ : (يَقُولُ ٱللّٰهُ : يَا آدَمُ ، فَيَقُولُ : لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ ، قَالَ : يَقُولُ : أَخْرِجْ بَعْثَ النَّارِ ، قَالَ : وَمَا بَعْثُ النَّارِ؟ قَالَ : مِنْ كُلِّ أَلْفٍ تِسْعَمِائَةٍ وَتِسْعَةً وَتِسْعِينَ ، فَذَاكَ حِينَ يَشِيبُ الصَّغِيرُ ، وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا ، وَتَرَى النَّاسَ سَكْرَى وَمَا هُمْ بِسَكْرَى ، وَلٰكِنَّ عَذَابَ ٱللّٰهِ شَدِيدٌ) . فَٱشْتَدَّ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ فَقَالُوا : يَا رَسُولَ ٱللّٰهِ ، أَيُّنَا ذٰلِكَ الرَّجُلُ ؟ قَالَ : (أَبْشِرُوا ، فَإِنَّ مِنْ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ أَلْفًا وَمِنْكُمْ رَجُلاً ، ثُمَّ قَالَ : وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ ، إِنِّي لَأَطْمَعُ أَنْ تَكُونُوا ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ) . قَالَ : فَحَمِدْنَا ٱللّٰهَ وَكَبَّرْنَا ، ثُمَّ قَالَ : (وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ ، إِنِّي لَأَطْمَعُ أَنْ تَكُونُوا شَطْرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ ، إِنَّ مَثَلَكُمْ فِي الْأُمَمِ كَمَثَلِ الشَّعَرَةِ الْبَيْضَاءِ فِي جِلْدِ الثَّوْرِ الْأَسْوَدِ ، أَوْ كَالرَّقْمَةِ فِي ذِرَاعِ الْحِمَارِ) .

[ر : ٣١٧٠]

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا اے آدم! آدم علیہ السلام عرض کریں گے، حاضر ہوں تیرے حکم کی بجا آوری کے لئے، تمام بھلائیاں تیرے ہاتھ میں ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا جو لوگ جہنم میں ڈالے جائیں گے انہیں نکال دو، آدم

(۱۹) هو من الأزف (بفتح الزاء) وهو القرب، يقال: أزِف كذا: أى قَرُب، وسميت الساعة آزفة، لقربها أو لضيق وقتها (فتح الباري: ۱۱/۴۷۳)

پوچھیں گے، جہنم میں ڈالے جانے والے لوگ کتنے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہر ایک ہزار میں سے نوسوننانوے،...... یہی وہ وقت ہوگا جب بچے بوڑھے ہوجائیں گے اور حاملہ عورت اپنا حمل گرادے گی اور تم لوگوں کو نشہ کی حالت میں محسوس کروگے، حالانکہ وہ واقعی نشہ کی حالت میں نہیں ہوں گے، بلکہ اللہ کا عذاب سخت ہوگا۔

صحابہ کو یہ بات بہت سخت معلوم ہوئی تو عرض کیا، یارسول اللہ! پھر ہم میں وہ شخص کون ہوگا ؟ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں خوشخبری ہو، ایک ہزار یا جوج ماجوج کی قوم سے ہوں گے اور تم میں سے وہ ایک ہوگا (یعنی جہنم میں جانے والے یاجوج ماجوج میں سے اگر ہزار ہوں گے تو تم میں سے صرف ایک ہوگا......) پھر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے، مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا ایک تہائی حصہ ہوگے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس پر اللہ کی حمد و بڑائی بیان کی، پھر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے، مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا آدھا ہوگے، تمہاری مثال دوسری امتوں کے مقابلہ میں ایسی ہے، جیسے سیاہ بیل کے جسم پر سفید بالوں کی ہوتی ہے یا وہ سفید داغ جو گدھے کے آگے کے پاؤں پر ہوتا ہے۔

رَقْمة: سفید ٹکڑے کو کہتے ہیں (۲۰)۔

اس روایت میں چونکہ سورۃ حج کی پہلی آیات کا ذکر ہے، اس لئے حدیث اور آیت کی مناسبت ظاہر ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”أشار بهذه الترجمة إلى ماوقع في بعض طرق الحديث الأول أنه صلى الله عليه وسلم تلا هذه الآية عند ذكر الحديث“(۲۱). یعنی امام بخاری رحمہ اللہ نے حسب معمول ترجمۃ الباب سے حدیث باب کے بعض طرق کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ نبی

---

(۲۰) رَقْمَة (بفتح الراء وسكون القاف) وهي قطعة بيضاء، أو شيئ مستدير لا شعر فيه (إرشاد الساري: ۵۳۴/۱۳)

(۲۱) فتح الباري: ۴۷۲/۱۱

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ، اس حدیث کو بیان کرتے وقت پڑھی۔

٤٧ - باب : قَوْلِ ٱللهِ تَعَالَى : «أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ . لِيَوْمٍ عَظِيمٍ . يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ» /المطففين : ٤ - ٦/ .

وَقَالَ ٱبْنُ عَبَّاسٍ : «وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ» /البقرة : ١٦٦/ : قَالَ : الْوُصُلَاتُ فِي ٱلدُّنْيَا .

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب کے اندر سورۃ المطففین کی آیات کریمہ ذکر فرمائی ہیں۔ان کا ترجمہ ہے: کیا خیال نہیں رکھتے وہ لوگ کہ ان کو اٹھنا ہے اس بڑے دن کے لئے، جس دن لوگ اللہ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

وقال ابن عباس: وتقطعت بهم الأسباب: قال: الوُصْلات في الدنيا

سورۃ بقرہ میں ہے: ﴿وتقطعت بهم الاسباب﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر فرمائی ہے کہ اس سے دنیا کے باہمی تعلقات اور روابط مراد ہیں کہ قیامت کے روز یہ سب منقطع ہو جائیں گے، عبد بن حمید نے اس تعلیق کو موصولاً نقل کیا ہے(١)، الـوُصُـلات (واو کے ضمہ کے ساتھ اور صاد پر ضمہ اور سکون دونوں درست ہیں)(٢)، وُصْلَة کی جمع ہے، وُصْلة باہمی تعلق اور رابطے کو کہتے ہیں۔

٦١٦٦ : حدَّثنا إِسْماعِيلُ بْنُ أَبَانَ : حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ : حَدَّثَنَا ٱبْنُ عَوْنٍ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : «يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ» . قَالَ : يَقُومُ أَحَدُهُمْ فِي رَشْحِهِ إِلَى أَنْصَافِ أُذُنَيْهِ» . [ر : ٤٦٥٤]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "یوم یقوم الناس لرب العالمین" کی تفسیر میں فرمایا کہ ان میں سے ایک اپنے پسینہ میں شرابور کھڑا ہوگا، کانوں کے آدھے حصے تک! (یعنی اس کا پسینہ اس کے کانوں کو آدھے حصے تک پہنچا ہوگا اور وہ اس میں ڈوبا ہوگا)۔

(١) فتح الباري: ١١/٤٧٧، وإرشاد الساري: ١٣/٥٣٤

(٢) فتح الباري: ١١/٤٧٧، وعمدة القاري: ٢٣/١٦٩، وإرشاد الساري: ١٣/٥٣٤

ابن عون کا نام عبداللہ ہے۔

رَشْح: پسینے کو کہتے ہیں۔

٦١٦٧ : حدّثني عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ قالَ : حَدَّثَنِي سُلَيْمانُ ، عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ ، عَنْ أَبِي الْغَيْثِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قالَ : (يَعْرَقُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيامَةِ حَتَّى يَذْهَبَ عَرَقُهُمْ فِي الْأَرْضِ سَبْعِينَ ذِرَاعًا ، وَيُلْجِمُهُمْ حَتَّى يَبْلُغَ آذَانَهُمْ) .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن لوگ پسینہ میں شرابور ہو جائیں گے اور حالت یہ ہو جائے گی کہ لوگوں کا پسینہ زمین پر ستر ہاتھ تک پھیل جائے گا اور منہ تک پہنچ کر کانوں کو چھونے لگے گا۔

يُلْجِمُهم: أَلْجمه الماءُ: جب پانی منہ تک پہنچ جائے، اس وقت کہتے ہیں (۳)۔

اس حدیث میں بعض لوگوں کی حالت بیان کی گئی ہے کہ پسینہ ان کے کانوں تک پہنچ جائے گا، کچھ لوگوں کا معاملہ اس سے ہلکا ہوگا تو پسینہ ان کے گھٹنوں تک ہوگا، کچھ لوگوں کا ٹخنوں تک ہوگا، جیسا کہ دوسری روایات میں تفصیل وتصریح ہے (۴)۔

(٣) عمدة القاري: ٢٣/١٧١، إرشاد الساري: ١٣/٥٣٥

(٤) إرشاد الساري: ١٣/٥٣٦

"أخرجه البيهقي في البعث بسند حسن عن عبدالله بن عمرو بن العاص قال: "يشتد كرب ذلك اليوم حتى يلجم الكافر العرق، قيل له: فأين المؤمنون؟ قال على الكراسي من ذهب ويظلل عليهم الغمام" وبسند قوي عن أبي موسى قال: "الشمس فوق رؤوس الناس يوم القيامة وأعمالهم تظلهم" وأخرج ابن المبارك في الزهد وابن أبي شيبة في المصنف واللفظ له بسند جيد عن سلمان قال: تعطى الشمس يوم القيامة حر عشر سنين ثم تدنى من جماجم الناس حتى تكون قاب قوسين فيعرقون حتى يرشح العرق في الأرض قامة ثم ترتفع حتى يغرغر الرجل" زاد ابن المبارك في روايته "ولا يضر حرها يومئذ مؤمناً ولا مؤمنة".

وفي حديث ابن مسعود عند الطبراني والبيهقي "إن الرجل ليفيض عرقاً حتى يسيح في الأرض قامة، ثم يرتفع حتى يبلغ أنفه" وفي رواية عنه عند أبي يعلى وصححها ابن حبان "إن الرجل ليلجمه العرق يوم القيامة حتى يقول: يا رب أرحني ولو إلى النار". (فتح الباري: ١١/٤٧٩)

٤٨ - باب : الْقِصَاصِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .

وَهِيَ الحَاقَّةُ ، لِأَنَّ فِيهَا الثَّوَابَ وَحَوَاقَّ الْأُمُورِ . الحَقَّةُ وَالحَاقَّةُ وَاحِدٌ ، وَالْقَارِعَةُ وَالْغَاشِيَةُ وَالصَّاخَّةُ ، وَالتَّغَابُنُ : غَبْنُ أَهْلِ الجَنَّةِ أَهْلَ النَّارِ .

ترجمۃ الباب کی وضاحت

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب کے اندر قیامت کے دن کا ذکر کیا ہے اور اس کی کیفیت سے متعلق احادیث بیان فرمائی ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا کے اندر کوئی بھی شخص مظلوم بن کر اپنا بدلہ نہیں لے سکا تو قیامت کے دن ظالم سے اس کا حق وصول کیا جائے گا اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ ظالم کی نیکیاں، مظلوم کو دلائی جائیں گی کہ اس دن نیکی اور عمل صالح کے سوا کوئی چیز کام کی نہیں رہے گی، اگر ظالم کے پاس نیکیاں نہیں ہوں گی تو مظلوم کی برائیاں اس سے کم کر کے ظالم کے عمل نامے میں ڈال دی جائیں گی، بلکہ جو مؤمن جہنم سے نجات پا کر جائیں گے وہ بھی جنت میں داخل ہونے سے پہلے ایک پل پر جمع ہوں گے، یہ پل جنت اور جہنم کے درمیان میں ہوگا، اس پر آپس کی زیادتیوں کی تلافی کی جائے گی اور ظالم سے مظلوم کے لئے بدلہ لیا جائے گا، جب ایک دوسرے کے تمام حقوق اتر جائیں گے تو پاک صاف ہو کر ان مؤمنین کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دی جائے گی۔

وهي الحاقة، لأن فيه الثوابَ وَحوّاقَ الأمور، الحَقَّة والحَاقَّة واحد

ھی کی ضمیر قیامت کی طرف راجع ہے، قیامت کے دن کو ''حاقہ'' کہتے ہیں، اس لئے کہ اس دن میں اعمال کا ثواب متحقق اور ثابت ہوگا اور بہت سارے امور اس میں ثابت ہو جائیں گے، حقہ اور حاقہ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، یہ درحقیقت مشہور امام فراء کی عبارت ہے جو انہوں نے ''معانی القرآن'' میں لکھی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے وہیں سے لی ہے(۱)۔

القارعة، والغاشية والصاخّة...... یہ تینوں بھی قیامت کے نام ہیں:

---

(۱) فتح الباري: ۱۱/۴۸۱

قارعة: کھٹکھٹانے والی، قیامت کا دن دلوں کو اپنی ہولنا کیوں کی وجہ سے کھٹکھٹائے گا، اس لئے اس کو قارعۃ کہتے ہیں۔

غاشية: کے معنی ہیں: چھا جانے والی، یہ دن بھی سب لوگوں پر چھا جائے گا، اس لئے اسے غاشیۃ بھی کہتے ہیں۔

صاخّة: صاخّة کے معنی ہیں: بہرا بنانے والی، دنیا کے معاملات سے یہ دن لوگوں کو بہرا بنا دے گا اور صاخہ کے معنی داهيه یعنی بڑی مصیبت کے بھی آتے ہیں اور چیخ کے بھی آتے ہیں (۲)۔

التغابنُ: غَبَن أهلُ الجنةِ أهلَ النار

قیامت کے دن کو "یوم التغابن" بھی کہتے ہیں، یہ "غَبْن" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں: اپنے حصے اور مراد سے محروم ہو جانا، اہل جہنم کے لئے جنت کے اندر جو گھر بنائے گئے ہوں گے، ان سے وہ محروم رہیں گے اور ان میں جنتی آجائیں گے، غَبَنَ أهلُ الجنة أهلَ النار کا مطلب یہی ہے کہ اہل جنت، جہنمیوں کے ان گھروں میں آجائیں گے اور ان کو محروم کر دیں گے (۳)۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں قیامت کے پانچ نام ذکر فرمائے ہیں، امام غزالی اور علامہ قرطبی نے روز قیامت کے ناموں کو جمع کیا تو اسّی ۸۰/ کے قریب، اس کے نام جمع ہوئے جن میں یوم الجمع، یوم التناد، یوم الحسرۃ اور یوم التلاق وغیرہ شامل ہیں (۴)۔

٦١٦٨ : حدّثنا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ : حَدَّثَنَا أَبِي : حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ : حَدَّثَنِي شَقِيقٌ : سَمِعْتُ عَبْدَ ٱللهِ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (أَوَّلُ ما يُقْضَى بَيْنَ النَّاسِ بِٱلدِّماءِ) . [٦٤٧١]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، سب سے پہلے جس چیز کا فیصلہ لوگوں کے درمیان ہوگا وہ خون کے بدلہ کا ہوگا۔

---

(٢) فتح الباري: ١١/٤٨١، إرشاد الساري: ١٣/٥٣٦، عمدة القاري: ٢٣/١٧٢

(٣) فتح الباري: ١١/١٨١، عمدة القاري: ٢٣/١٧٢، إرشاد الساري: ١٣/٥٣٦

(٤) فتح الباري: ١١/١٨١، عمدة القاري: ٢٣/١٧٢، إرشاد الساري: ١٣/٥٣٦

یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں پہلی بار ذکر فرمائی ہے، امام بخاری کے شیخ عمر بن حفص ہیں، وہ اپنے والد حفص بن ثابت سے روایت نقل کررہے ہیں، شقیق سے شقیق بن سلمہ مراد ہیں، ان کی کنیت ابوائل ہے اور کنیت سے یہ زیادہ مشہور ہیں، سند کے تمام راوی کوفی ہیں (٥)۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے علاوہ امام مسلم، امام ترمذی، امام ابن ماجہ اور امام نسائی نے بھی اس حدیث کی تخریج کی ہے (٦)۔

قیامت کے دن پہلے کس چیز کا فیصلہ ہوگا؟

اس حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے فیصلہ خون کا کیا جائے گا، یعنی دنیا کی خون ریزی کا محاسبہ اور فیصلہ سب سے پہلے ہوگا، اس کے بعد بقیہ اعمال ودیگر معاملات کے فیصلے ہوں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ سب سے پہلے محاسبہ نماز کا ہوگا۔

لیکن دونوں میں تطبیق یوں ہوسکتی ہے کہ حقوق اللہ میں سب سے پہلے نماز کا اور حقوق العباد میں سب سے پہلے دِماء یعنی خون کا فیصلہ اور محاسبہ ہوگا (٧)۔

٦١٦٩ : حدّثنا إسْماعِيلُ قالَ : حَدَّثَنِي مالِكٌ ، عَنْ سَعِيدٍ المَقْبُرِيِّ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ : أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قالَ : (مَنْ كانَتْ عِنْدَهُ مَظْلَمَةٌ لِأَخِيهِ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهَا ، فَإِنَّهُ لَيْسَ ثَمَّ دِينَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ ، مِنْ قَبْلِ أَنْ يُؤْخَذَ لِأَخِيهِ مِنْ حَسَنَاتِهِ ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ أَخِيهِ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ) . [ر : ٢٣١٧]

---

(٥) فتح الباري: ١١/١٨٢، عمدة القاري: ٢٣/١٧٢، إرشاد الساري: ١٣/٥٣٧

(٦) الحديث أخرجه البخاري أيضاً في كتاب الديات، باب قول الله تعالىٰ: ﴿ومن يقتل مؤمناً متعمداً فجزاؤه جهنم﴾ رقم الحديث: ٦٨٦٤، وأخرجه الإمام مسلم في كتاب الحدود، باب المجازاة بالدماء في الآخرة، وأنها أول ما يقضى فيه بين الناس يوم القيامة، رقم الحديث: ٤٣٥٧، وأخرجه الترمذي في كتاب الديات، باب الحكم في الدماء، رقم الحديث: ١٣٩٦، وأخرجه النسائي في كتاب تحريم الدم، باب تعظيم الدم، رقم الحديث: ٤٠٠٢، وأخرجه ابن ماجه في كتاب الديات، باب التغليظ في قتل مسلم ظلماً، رقم الحديث: ٢٦١٥.

(٧) فتح الباري: ١١/١٨٢، عمدة القاري: ٢٣/١٧٣، إرشاد الساري: ١٣/٥٣٧

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے اپنے کسی بھائی پر ظلم کیا ہوتو اسے چاہیے کہ اسے (اس دنیا میں) معاف کرائے، اس لئے کہ آخرت میں دینار و درہم نہیں ہوں گے، اس سے پہلے کہ اس کے بھائی کے لئے اس کی نیکیوں میں سے لیا جائے اور اگر اس کے یہاں نیکیاں نہ ہوئیں تو اس کے مظلوم بھائی کی برائیاں اس پر ڈال دی جائیں گی۔ (اس لئے بے بسی کے وقت سے پہلے پہلے دنیا میں اپنے معاملات صاف کرادینے چاہئیں)

٦١٧٠ : حَدَّثَنِي الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ : «وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ» . قالَ : حَدَّثَنَا سَعِيدٌ ، عَنْ قَتَادَةَ ، عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ النَّاجِيِّ : أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قالَ : قالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : (يَخْلُصُ الْمُؤْمِنُونَ مِنَ النَّارِ ، فَيُحْبَسُونَ عَلَى قَنْطَرَةٍ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ ، فَيُقْتَصُّ لِبَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ مَظَالِمُ كانَتْ بَيْنَهُمْ فِي الدُّنْيَا ، حَتَّى إِذَا هُذِّبُوا وَنُقُّوا أُذِنَ لَهُمْ فِي دُخُولِ الْجَنَّةِ ، فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ ، لَأَحَدُهُمْ أَهْدَى بِمَنْزِلِهِ فِي الْجَنَّةِ مِنْهُ بِمَنْزِلِهِ كانَ فِي الدُّنْيَا) . [ر : ٢٣٠٨]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، مومنین جہنم سے چھٹکارا پا جائیں گے، لیکن دوزخ و جنت کے درمیان ایک پل پر انہیں روک لیا جائے گا اور پھر ایک کے دوسرے پر ان مظالم کا بدلہ لیا جائے گا اور جب کانٹ چھانٹ کرلی جائے گی اور صفائی ہوجائے گی تو انہیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت ملے گی۔ پس اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے، جنتیوں میں ہر کوئی جنت میں اپنے گھر کو دنیا والے گھر کے مقابلہ میں زیادہ بہتر طریقہ پر پہچان لے گا۔

سند کے اندر آیت کریمہ ﴿ونزعنا مافي صدورهم......﴾ کو ذکر کرکے اس طرف اشارہ کیا کہ حدیث کا متن اس آیت کے لئے تفسیر کے درجے میں ہے۔

قَنْطَرة بين الجنة والنار

جنت اور جہنم کے درمیان یہ پل، یا کوئی الگ پل ہوگا اور یا مشہور پل صراط کا کوئی کونہ ہوگا، علامہ قرطبی نے فرمایا کہ یہ وہ مؤمنین ہوں گے جن کے بارے میں اللہ کے علم میں ہوگا کہ قصاص کی صورت میں ان کی حسنات اور نیکیاں ختم نہیں ہوں گی (۸)۔ یہ حدیث، اس سے پہلے مظالم میں گزر چکی ہے۔

٤٩ - باب : مَنْ نُوقِشَ ٱلْحِسَابَ عُذِّبَ .

قیامت کے دن مناقشۂ حساب

امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب حدیث کا ایک جملہ لے کر قائم کیا ہے، حدیث، امام نے باب میں ذکر فرمائی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے دن جس کے ساتھ حساب کا مناقشہ کیا گیا اور پوچھ گچھ شروع کی گئی کہ یہ کیوں کیا؟ کیوں نہیں کیا؟ تو وہ عذاب میں مبتلا ہو جائے گا......

قرآن کریم کی سورۃ انشقاق کی آیت کریمہ میں ہے کہ جن لوگوں کو عمل نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا ان کا حساب آسان ہوگا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس حدیث کے متعلق پوچھا کہ قرآن کریم کی درج بالا آیت میں تو حساب کا ذکر ہے اور یہ اصحاب میمنہ ہوں گے جب کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جن سے حساب کیا جائے گا، ان کو عذاب دیا جائے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آیت کریمہ میں ''حساب'' سے صرف پیشی مراد ہے، مناقشہ نہیں، حساب میں جن کا مناقشہ ہوگا، ان کی پکڑ ہوگی اور وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

٦١٧٢/٦١٧١ : حدّثنا عُبَيْدُ ٱللهِ بْنُ مُوسَى ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ ٱلْأَسْوَدِ ، عَنِ ٱبْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ ، عَنْ عائِشَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (مَنْ نُوقِشَ ٱلْحِسَابَ عُذِّبَ) . قالَتْ : قُلْتُ : أَلَيْسَ يَقُولُ ٱللهُ تَعَالَى : «فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا» . قالَ : (ذٰلِكَ الْعَرْضُ) .

---

(۸) إرشاد الساري: ۱۳/ ۵۳۹

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس کے حساب میں کھود کرید کی گئی، اس پر عذاب یقینی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اس پر میں نے پوچھا کیا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں ہے کہ "پھر عنقریب ان سے ہلکا حساب لیا جائے گا......" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حساب نجات پانے والوں سے بھی ہوگا" آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے مراد بس پیشی ہے۔

یہ روایت کتاب العلم میں گزر چکی ہے۔

حدّثني عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ : حَدَّثَنَا يَحْيَى ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ الْأَسْوَدِ : سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ : سَمِعْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ : سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ : مِثْلَهُ .

وَتَابَعَهُ ابْنُ جُرَيْجٍ ، وَمُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمٍ ، وَأَيُّوبُ ، وَصَالِحُ بْنُ رُسْتُمٍ ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ ، عَنْ عَائِشَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ .

عثمان بن الأسود کی متابعت ابن جریج (عبدالملک بن عبدالعزیز) محمد بن سُلیم، ایوب سختیانی اور صالح بن رستم نے کی ہے، ابن جریج، محمد بن سلیم اور ایوب سختیانی کی متابعت کو ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں اور صالح بن رستم کی متابعت کو اسحاق بن راہویہ نے موصولاً نقل کیا ہے (۱)۔

(٦١٧٢) : حدّثني إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ : حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ : حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ أَبِي صَغِيرَةَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ : حَدَّثَنِي الْقَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَتْنِي عَائِشَةُ : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ : (لَيْسَ أَحَدٌ يُحَاسَبُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا هَلَكَ) . فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ، أَلَيْسَ قَدْ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى : «فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا» . فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : (إِنَّمَا ذٰلِكِ الْعَرْضُ ، وَلَيْسَ أَحَدٌ يُنَاقَشُ الْحِسَابَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا عُذِّبَ) . [ر : ١٠٣]

(١) فتح الباري: ١١/٤٨٨، عمدة القاري: ٢٣/١٧٥، وإرشاد الساري: ١٣/٥٤٠

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس شخص سے بھی قیامت کے دن حساب لیا جائے گا، پس وہ ہلاک ہوا، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ نے خود نہیں فرمایا ہے کہ...... ''پس جس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو عنقریب اس سے ایک ہلکا حساب لیا جائے گا''...... اس پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تو صرف پیشی ہوگی، کہنے کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جس سے بھی حساب میں کھود کرید کی گئی، اس پر عذاب یقینی ہے۔

٦١٧٣ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قالَ : حَدَّثَنِي أَبِي ، عَنْ قَتَادَةَ ، عَنْ أَنَسٍ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ (ح) . وَحَدَّثَنِي محمدُ بْنُ مَعْمَرٍ : حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ : حَدَّثَنا سَعِيدٌ ، عَنْ قَتَادَةَ : حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مالِكٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ : أَنَّ نَبِيَّ ٱللهِ ﷺ كانَ يَقُولُ : (يُجاءُ بِالْكافِرِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ لَهُ : أَرَأَيْتَ لَوْ كانَ لَكَ مِلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا ، أَكُنْتَ تَفْتَدِي بِهِ ؟ فَيَقُولُ : نَعَمْ ، فَيُقَالُ لَهُ : قَدْ كُنْتَ سُئِلْتَ ما هُوَ أَيْسَرُ مِنْ ذٰلِكَ) . [ر : ٣١٥٦]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ قیامت کے دن کافر کو لایا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا کہ تمہارا کیا خیال ہے؟ اگر زمین بھر تمہارے پاس سونا ہو تو کیا اس کو (اپنی نجات کے لئے) فدیہ دو گے؟ وہ کہے گا، ہاں!...... لیکن اس وقت اس سے کہا جائے گا کہ تم سے اس سے بہت معمولی چیز کا (دنیا میں) مطالبہ کیا گیا تھا (اور تم نے اسے بھی پورا نہیں کیا یعنی ایمان و عمل صالح)۔

٦١٧٤ : حدّثنا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ : حَدَّثَنَا أَبِي قالَ : حَدَّثَنِي الْأَعْمَشُ قالَ : حَدَّثَنِي خَيْثَمَةُ ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ حاتِمٍ قالَ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (ما مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَسَيُكَلِّمُهُ ٱللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، لَيْسَ بَيْنَ ٱللهِ وَبَيْنَهُ تُرْجُمَانٌ ، ثُمَّ يَنْظُرُ فَلَا يَرَى شَيْئًا قُدَّامَهُ ، ثُمَّ يَنْظُرُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَتَسْتَقْبِلُهُ النَّارُ ، فَمَنِ ٱسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَّقِيَ النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ) .

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں ہر ہر فرد سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس طرح کلام کرے گا کہ اللہ کے اور اس کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا، پھر وہ بندہ دیکھے گا تو اس کے آگے کوئی چیز نہیں نظر آئے گی، پھر وہ اپنے سامنے دیکھے گا اور اس کے سامنے آگ ہوگی، پس تم میں جو شخص بھی آگ سے بچنے کی (اس دنیا میں عمل کرکے) استطاعت رکھتا ہے، خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے ہی کے ذریعہ (اسے راہ خدا میں خرچ کرکے) ممکن ہو (اس کو بچنے کا سامان کر لینا چاہیے)۔

قَالَ الْأَعْمَشُ : حَدَّثَنِي عَمْرٌو ، عَنْ خَيْثَمَةَ ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (اتَّقُوا النَّارَ) . ثُمَّ أَعْرَضَ وَأَشَاحَ ، ثُمَّ قَالَ : (اتَّقُوا النَّارَ) . ثُمَّ أَعْرَضَ وَأَشَاحَ ثَلَاثًا ، حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا ، ثُمَّ قَالَ : (اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ ، فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ) .

[ر : ۱۳۴۷]

یہ ماقبل سند کے ساتھ متصل ہے...... حضرت عدی بن حاتم فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جہنم سے بچو! پھر آپ نے اپنا چہرہ پھیر لیا، پھر فرمایا کہ جہنم سے بچو! اور پھر اس کے بعد آپ نے اپنا چہرہ مبارک پھیر لیا، تین مرتبہ آپ نے ایسا کیا، ہم سمجھے کہ آپ جہنم کو دیکھ رہے ہیں، پھر فرمایا کہ جہنم سے بچو، خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے ہی کے ذریعہ کیوں نہ ہو اور جسے یہ بھی نہ ملے تو اسے اچھی بات کے ذریعہ! (جہنم سے بچنا چاہیے)۔

اتقوا النار ولو بشق تمرة

آگ سے بچیں اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعہ ہو:

❶ اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ آگ سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے اور کھجور کے چھوٹے سے ٹکڑے میں بھی احتیاط کرنی چاہیے کہ کہیں وہ حرام اور ناجائز نہ ہو، چھوٹے سے چھوٹے گناہ کو بھی معمولی نہیں سمجھنا چاہیے۔

❷ اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ نیکی کی جس قدر توفیق ملے، نیکی کرنی چاہیے اگر کسی کو کھجور ایک ٹکڑا صدقہ کرنے کا موقع ملتا ہے تو اس کو بھی غنیمت سمجھنا چاہیے (۲)۔

اور بظاہر دونوں معنوں میں کوئی تضاد نہیں، دونوں مطلب ہوسکتے ہیں۔

أعرض وأشاح

أشاح کے معنی اعراض کرنے، دور کرنے اور پھیرنے کے آتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ آپ نے اپنا چہرہ انور پھیرا، یوں محسوس ہورہا تھا کہ آگ آپ کے سامنے ہے اور آپ اس سے دیکھ رہے ہیں اور دیکھ کر چہرۂ انور کو دوسری طرف ہٹارہے ہیں......

۵۰ - باب : يَدْخُلُ الجَنَّةَ سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ .

جنت میں ستر ہزار کا بغیر حساب داخلہ

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب کے اندر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت مسلمہ کے لئے بشارت بیان کی ہے، کہ اس امت کے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے!

''ستر ہزار'' سے عدد معین مراد ہے یا اس سے کثرت مراد ہے کہ بہت سارے لوگ جنت میں بغیر حساب کے جائیں گے کیونکہ ستر کا عدد عربی زبان میں کثرت کے لئے آتا ہے۔

راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے عدد معین نہیں، بلکہ کثرت مراد ہے کیونکہ مسند احمد اور بیہقی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ستر ہزار جنت میں جائیں گے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس میں اضافے کی دعا کی تو ہر ہزار کے ساتھ ہزار کا اضافہ کیا گیا (۱)۔

ایک دوسری روایت میں ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار کا اضافہ ہے (۲)۔

---

(۲) قال المظهري: "يعني إذا عرفتم ذلك، فاحذروامن النار، فلا تظلموا أحداً، ولو بمقدار شق تمرة، ويحتمل أن يراد أن أمامكم النار، فاجعلوا الصدقة جنة بينكم وبينها، ولو بشق تمرة". (إرشاد الساري: ۵۴۳/۱۳)

(۱) فتح الباري: ۵۰۰/۱۱، وإرشاد الساري: ۵۴۵/۱۳

(۲) فتح الباري: ۵۰۰/۱۱، وإرشاد الساري: ۵۴۵/۱۳

اور ایک تیسری روایت میں ستر ہزار سے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار کا اضافہ ہے (۳)......اس طرح یہ تعداد بہت بڑھ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دریا بے کنار ہے، امید یہی ہے کہ ان شاء اللہ، اس سے یہی کثیر تعداد ہی مراد ہوگی، اللهم اجعلنا منهم...... يا أرحم الراحمين......

٦١٧٥ : حدّثنا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ : حَدَّثَنَا ٱبْنُ فُضَيْلٍ : حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ . قالَ أَبُو عَبْدِ ٱللهِ : وَحَدَّثَنِي أَسِيدُ بْنُ زَيْدٍ : حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ ، عَنْ حُصَيْنٍ قالَ : كُنْتُ عِنْدَ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ فَقَالَ : حَدَّثَنِي ٱبْنُ عَبَّاسٍ قالَ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (عُرِضَتْ عَلَيَّ الْأُمَمُ ، فَأَجِدُ النَّبِيَّ يَمُرُّ مَعَهُ الْأُمَّةُ ، وَالنَّبِيُّ يَمُرُّ مَعَهُ النَّفَرُ ، وَالنَّبِيُّ يَمُرُّ مَعَهُ الْعَشَرَةُ ، وَالنَّبِيُّ يَمُرُّ مَعَهُ الخَمْسَةُ ، وَالنَّبِيُّ يَمُرُّ وَحْدَهُ ، فَنَظَرْتُ فَإِذَا سَوَادٌ كَثِيرٌ ، قُلْتُ : يَا جِبْرِيلُ ، هٰؤُلَاءِ أُمَّتِي ؟ قالَ : لَا ، وَلٰكِنِ ٱنْظُرْ إِلَى الْأُفُقِ ، فَنَظَرْتُ فَإِذَا سَوَادٌ كَثِيرٌ ، قالَ : هٰؤُلَاءِ أُمَّتُكَ ، وَهٰؤُلَاءِ سَبْعُونَ أَلْفًا قُدَّامَهُمْ لَا حِسَابَ عَلَيْهِمْ وَلَا عَذَابَ ، قُلْتُ : وَلِمَ ؟ قالَ : كَانُوا لَا يَكْتَوُونَ ، وَلَا يَسْتَرْقُونَ ، وَلَا يَتَطَيَّرُونَ ، وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ) . فَقَامَ إِلَيْهِ عُكَّاشَةُ بْنُ مِحْصَنٍ فَقَالَ : ٱدْعُ ٱللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ ، قالَ : (اللَّهُمَّ ٱجْعَلْهُ مِنْهُمْ) . ثُمَّ قامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ آخَرُ قالَ : ٱدْعُ ٱللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ ، قالَ : (سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ) .

[ر : ٣٢٢٩]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے سامنے امتیں پیش کی گئیں، کسی نبی کے ساتھ پوری امت گزری، کسی نبی کے ساتھ چند افراد گزرے، کسی نبی کے ساتھ دس افراد گزرے، کسی نبی کے ساتھ پانچ افراد گزرے، جو ان پر ایمان لائے تھے، اور کوئی نبی تنہا گزرے (کہ ان پر ایک بھی ایمان لانے والا نہیں تھا) پھر میں نے دیکھا تو انسانوں کی بہت بڑی جماعت دور سے نظر آئی، میں نے جبرئیل سے پوچھا، کیا یہ میری امت ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں، بلکہ افق کی طرف دیکھو، دیکھا تو بہت بڑی جماعت کی دھندلی صورتیں دکھائی دے رہی تھیں، فرمایا کہ یہ آپ

---

(٣) فتح الباري: ١١/٥٠٠، وإرشاد الساري: ١٣/٥٤٥

کی امت ہے اور یہ ان کے آگے جو لوگ ہیں، ان کی تعداد ستر ہزار ہے، ان سے نہ حساب لیا جائے گا اور نہ ان پر عذاب ہوگا۔ میں نے پوچھا، ایسا کیوں ہوگا؟ انہوں نے کہا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ داغ نہیں لگواتے تھے، چوری نہیں کرتے تھے، بدشگونی نہیں لیتے تھے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے تھے۔

پھر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ اٹھ کر بڑھے اور عرض کیا کہ حضور! دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان لوگوں میں کردے، آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا کی کہ اے اللہ! انہیں بھی ان لوگوں میں کردے۔

اس کے بعد ایک دوسرے صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ میرے لئے بھی یہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں سے کردے، آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر فرمایا کہ عکاشہ تم سے سبقت لے جاچکا ہے۔

حدیث شریف کی دو سندیں ہیں اور دونوں جا کر حصین بن عبدالرحمٰن واسطی پر جمع ہو جاتی ہیں۔

پہلی سند میں امام بخاری کے شیخ عمران ابن میسرہ اور شیخ الشیخ محمد بن فضیل ہیں اور دوسری سند میں امام بخاری کے شیخ اَسید بن زید اور شیخ الشیخ ھشیم بن بشیر واسطی ہیں۔

سبقك بها عكاشة......

اس دوسرے آدمی کے لئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا نہیں فرمائی، اس کی ایک وجہ تو یہ ہوسکتی ہے کہ یہ سلسلہ پھر لمبا ہو جاتا اور حاضرین میں سے بہت سارے دوسرے حضرات بھی کھڑے ہو کر اپنے لئے دعا کراتے۔

اور یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ حضرت عکاشہ نے جب کہا تھا، تو وہ قبولیت کی گھڑی تھی، جو بعد میں نہیں رہی، اس لئے بعد والے سے آپ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کے بارے میں وحی سے آپ نے کہا، باقی کے بارے میں وحی نہیں آئی (۴)۔

---

(٤) إرشاد الساري: ١٣/٥٤٥، وفتح الباري: ١١/٥٠١

٦١٧٦ : حدّثنا مُعَاذُ بْنُ أَسَدٍ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ ٱللهِ : أَخْبَرَنَا يُونُسُ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قالَ : حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ : أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ حَدَّثَهُ قالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ يَقُولُ : (يَدْخُلُ الجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي زُمْرَةٌ هُمْ سَبْعُونَ أَلْفًا ، تُضِيءُ وُجُوهُهُمْ إِضَاءَةَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ) . وَقالَ أَبُو هُرَيْرَةَ : فَقَامَ عُكَّاشَةُ بْنُ مِحْصَنٍ الْأَسَدِيُّ يَرْفَعُ نَمِرَةً عَلَيْهِ ، فَقَالَ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، ٱدْعُ ٱللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ ، فَقَالَ : (اللَّهُمَّ ٱجْعَلْهُ مِنْهُمْ) . ثُمَّ قامَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ ، فَقَالَ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، ٱدْعُ ٱللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ ، فَقَالَ : (سَبَقَكَ عُكَّاشَةُ) . [ر : ٥٤٧٤]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی ایک جماعت (جنت میں) داخل ہوگی، جس کی تعداد ستر ہزار ہوگی، ان کے چہرے اس طرح روشن ہوں گے جیسے چودھویں رات میں چاند روشن ہوتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس پر عکاشہ بن محصن اسدی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، اپنی چادر جو اُن کے جسم پر تھی، اٹھاتے ہوئے عرض کیا، یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ مجھے بھی اُن میں سے کردے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا کی کہ اے اللہ! انہیں بھی اُن میں کردے، اس کے بعد ایک اور صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کیا، یارسول اللہ! دعا کیجئے کہ اللہ مجھے بھی اُن میں کردے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عکاشہ تم سے سبقت لے گئے۔

٦١٧٧ : حدّثنا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ : حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قالَ : حَدَّثَنِي أَبُو حازِمٍ ، عَنْ سَهْلِ ٱبْنِ سَعْدٍ قالَ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (لَيَدْخُلَنَّ الجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا ، أَوْ سَبْعُمِائَةِ أَلْفٍ – شَكَّ فِي أَحَدِهِمَا – مُتَمَاسِكِينَ ، آخِذٌ بَعْضُهُمْ بِبَعْضٍ ، حَتَّى يَدْخُلَ أَوَّلُهُمْ وَآخِرُهُمُ الجَنَّةَ ، وَوُجُوهُهُمْ عَلَى ضَوْءِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ) . [ر : ٣٠٧٥]

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جنت میں میری امت کے ستر ہزار یا ستر لاکھ (راوی کو ان میں سے کسی ایک تعداد کی تعیین میں شک تھا) افراد داخل ہوں گے کہ بعض، بعض کو پکڑے ہوئے ہوں گے اس طرح جنت میں اول وآخر سب داخل ہوجائیں گے اور ان کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح روشن ہوں گے۔

٦١٧٨ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ : حَدَّثَنَا أَبِي ، عَنْ صَالِحٍ : حَدَّثَنَا نَافِعٌ ، عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (يَدْخُلُ أَهْلُ الجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَأَهْلُ النَّارِ النَّارَ ، ثمَّ يَقُومُ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ : يَا أَهْلَ النَّارِ لَا مَوْتَ ، وَيَا أَهْلَ الجَنَّةِ لَا مَوْتَ ، خُلُودٌ) . [٦١٨٢]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جب اہل جنت، جنت میں اور اہل جہنم، جہنم میں داخل ہوجائیں گے تو ایک آواز دینے والا ان کے درمیان میں کھڑا ہو کر پکارے گا کہ اے اہل جہنم! تمہیں موت نہیں آئے گی، اور اے اہل جنت! تمہیں بھی موت نہیں آئے گی، بلکہ ہمیشہ یہیں رہنا ہوگا۔

٦١٧٩ : حدّثنا أَبُو الْيَمَانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ : حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ ، عَنِ الْأَعْرَجِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قالَ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (يُقَالُ لِأَهْلِ الجَنَّةِ : يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ خُلُودٌ لَا مَوْتَ ، وَلِأَهْلِ النَّارِ : يَا أَهْلَ النَّارِ خُلُودٌ لَا مَوْتَ) .

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اہل جنت سے کہا جائے گا کہ اے اہل جنت! ہمیشہ (یہیں) رہنا ہے تمہیں موت نہیں آئے گی اور اہل دوزخ سے کہا جائے گا کہ اے اہل دوزخ! ہمیشہ یہیں رہنا ہے، تمہیں موت نہیں آئے گی۔

٥١ – باب : صِفَةِ الجَنَّةِ وَالنَّارِ .

وَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (أَوَّلُ طَعَامٍ يَأْكُلُهُ أَهْلُ الجَنَّةِ زِيَادَةُ كَبِدِ حُوتٍ) .
[ر : ٦١٥٥]

«عَدْنٍ» /التوبة : ٧٢/ : خُلْدٍ ، عَدَنْتُ بِأَرْضٍ : أَقَمْتُ ، وَمِنْهُ المَعْدِنُ . «فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ» /القمر : ٥٥/ : فِي مَنْبَتِ صِدْقٍ .

اس باب کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے ان احادیث کو بیان فرمایا ہے جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت اور جہنم کے اوصاف اور ان کی کیفیت بیان فرمائی ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی یہ تعلیق امام بخاری رحمہ اللہ نے چند باب پہلے "باب یقبض اللہ الأرض......" میں موصولاً نقل کی ہے!

عدن: خلد، عدنت بأرض: أقمت، ومنه المعدن

قرآن کریم میں کئی جگہ "عدن" کا لفظ جنت کے ساتھ استعمال ہوا ہے، سورۃ توبہ میں ہے: ﴿في جنت عدن﴾ یعنی ہمیشگی کے باغات میں، عدنت بأرض کے معنی ہیں میں نے زمین پر قیام کیا، وہاں رہنے لگا، اسی سے مشہور لفظ "مَعْدِن" ہے یعنی کان جہاں سے معدنیات سونا چاندی، پیتل وغیرہ نکالا جاتا ہے(۱)۔

في مَعْدِن صدق: في مَنْبِت صدق

معدن صدق لوگ بولتے ہیں، اس کا ترجمہ ہے منبت صدق اور ایک نسخہ میں "مقعد صدق" ہے، معدن کی بجائے "مقعد" کا لفظ ہے، یہ لفظ سورۂ قمر میں جنت کے تذکرے میں واقع ہے ﴿إن المتقين في جنت ونهر ٥ في مقعد صدق﴾ مقعدِ صدق سے ایسی مجلس مراد ہے جس میں کوئی لغو اور گناہ نہ ہو، یہاں چونکہ جنت کا ذکر ہو رہا ہے، اس لئے "مقعد صدق" کی مناسبت باب سے واضح ہے، البتہ ابوعبیدہ کے کلام میں "معدن صدق" کے معنی منبت صدق لکھے ہیں (۲) اور اس سے پہلے چونکہ عدن کا لفظ آیا ہے تو اس لفظ کی بھی مناسبت ہو جاتی ہے، ویسے بھی امام بخاری رحمہ اللہ معمولی مناسبتوں سے الفاظ ذکر کر لیتے ہیں، جس کا مشاہدہ آپ نے کتاب التفسیر میں کر لیا ہے۔

---

(١) فتح الباري: ١١/ ٥١٠، عمدة القاري: ٢٣/ ١٨٢، إرشاد الساري: ١٣/ ٥٤٨

(٢) فتح الباري: ١١/ ٥١٠، عمدة القاري: ٢٣/ ١٨٢، إرشاد الساري: ١٣/ ٥٤٨

٦١٨٠ : حدّثنا عُثْمانُ بْنُ الْهَيْثَمِ : حَدَّثَنَا عَوْفٌ ، عَنْ أَبِي رَجاءٍ ، عَنْ عِمْرَانَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (اَطَّلَعْتُ فِي الجَنَّةِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا الْفُقَرَاءَ ، وَاطَّلَعْتُ فِي النَّارِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ) . [ر : ٣٠٦٩]

حضرت عمران رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میں نے جنت میں جھانک کر دیکھا تو وہاں کے رہنے والے اکثر غریب لوگ تھے اور میں نے جہنم میں جھانک کر دیکھا تو وہاں کے اکثر رہنے والے عورتیں تھیں۔

ابورجاء کا نام عمران عطاردی ہے، اس حدیث کے تمام راوی بصری ہیں۔

٦١٨١ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا إِسْماعِيلُ : أَخْبَرَنَا سُلَيْمانُ التَّيْمِيُّ ، عَنْ أَبِي عُثْمانَ ، عَنْ أُسَامَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (قُمْتُ عَلَى بَابِ الجَنَّةِ ، فَكانَ عامَّةَ مَنْ دَخَلَهَا المَساكِينَ ، وَأَصْحابُ الجَدِّ مَحْبُوسُونَ ، غَيْرَ أَنَّ أَصْحابَ النَّارِ قَدْ أُمِرَ بِهِمْ إِلَى النَّارِ ، وَقُمْتُ عَلَى بَابِ النَّارِ فَإِذَا عامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا النِّسَاءُ) . [ر : ٤٩٠٠]

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا تو وہاں اکثر داخل ہونے والے مساکین تھے اور مالدار لوگ (جنت میں داخل ہونے سے) روکے گئے (حساب وقصاص وغیرہ کے لئے) البتہ جہنمیوں کو آگ میں جانے کا حکم دے دیا گیا اور میں نے جہنم کے دروازے پر کھڑے ہوکر دیکھا تو اس میں اکثر داخل ہونے والی عورتیں تھیں۔ اصحاب الجد سے مالدار لوگ مراد ہیں۔

٦١٨٢ : حدّثنا مُعَاذُ بْنُ أَسَدٍ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ : أَخْبَرَنَا عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدٍ ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ حَدَّثَهُ ، عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ قالَ : قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (إِذَا صَارَ أَهْلُ الجَنَّةِ إِلَى الجَنَّةِ ، وَأَهْلُ النَّارِ إِلَى النَّارِ ، جِيءَ بِالمَوْتِ حَتَّى يُجْعَلَ بَيْنَ الجَنَّةِ وَالنَّارِ ، ثُمَّ يُذْبَحُ ، ثُمَّ يُنَادِي مُنَادٍ :

يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ لَا مَوْتَ ، وَيَا أَهْلَ النَّارِ لَا مَوْتَ ، فَيَزْدَادُ أَهْلُ الْجَنَّةِ فَرَحًا إِلَى فَرَحِهِمْ ، وَيَزْدَادُ أَهْلُ النَّارِ حُزْنًا إِلَى حُزْنِهِمْ) . [ر : ٦١٧٨]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جب اہل جنت، جنت میں چلے جائیں گے اور اہل دوزخ، دوزخ میں چلے جائیں گے تو موت کو لایا جائے گا اور اسے جنت دوزخ کے درمیان رکھ کر ذبح کر دیا جائے گا، پھر ایک آواز دینے والا آواز دے گا کہ اے اہل جنت! تمہیں موت نہیں آئے گی، اے اہل دوزخ! تمہیں موت نہیں آئے گی، اس وقت جنتی اور زیادہ خوش ہو جائیں گے اور دوزخی اور زیادہ غمگین ہو جائیں گے۔

٦١٨٣ : حدّثنا مُعَاذُ بْنُ أَسَدٍ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ ٱللهِ : أَخْبَرَنَا مالِكُ بْنُ أَنَسٍ ، عَنْ زَيْدِ ٱبْنِ أَسْلَمَ ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ قالَ : قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (إِنَّ ٱللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ : يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ ؟ فَيَقُولُونَ : لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ ، فَيَقُولُ : هَلْ رَضِيتُمْ ؟ فَيَقُولُونَ : وَما لَنَا لَا نَرْضَى وَقَدْ أَعْطَيْتَنَا ما لَمْ تُعْطِ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ ، فَيَقُولُ : أَنَا أُعْطِيكُمْ أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ ، قالُوا : يَا رَبِّ ، وَأَيُّ شَيْءٍ أَفْضَلُ مِنْ ذٰلِكَ ؟ فَيَقُولُ : أُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِي ، فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهُ أَبَدًا) . [٧٠٨٠]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا، اے اہل جنت! جنتی کہیں گے، ہم حاضر ہیں، اے ہمارے رب! تیری فرمانبرداری کے لئے، اللہ تعالیٰ پوچھے گا، کیا اب تم لوگ خوش ہو؟......وہ کہیں گے اب بھی بھلا ہم خوش نہیں ہوں گے، اب تو تو نے ہمیں وہ سب کچھ دیا ہے جو اپنی مخلوق کے کسی فرد کو بھی نہیں دیا ہے، اللہ تعالیٰ کہے گا کہ میں تمہیں اس سے بھی بہتر چیز دوں گا، جنتی کہیں گے، اے رب! اس سے بہتر اور کیا چیز ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اب میں تمہارے لئے اپنے رضوان وخوشنودی کو اتارتا ہوں، اس کے بعد کبھی تم پر

ناراض نہیں ہوں گا (۳)۔

اللہ تعالیٰ کی رضا، جنت کی بڑی نعمت ہے، قرآن کریم کی سورۃ توبہ میں ہے: ﴿ورضوان من اللہ اکبر﴾ اور اللہ تعالیٰ کی مناسبت سے بڑھ کر ہے! (٤)۔

٦١٨٤ : حدَّثني عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو : حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحٰقَ ، عَنْ حُمَيْدٍ قالَ : سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ : أُصِيبَ حارِثَةُ يَوْمَ بَدْرٍ وَهْوَ غُلَامٌ ، فَجَاءَتْ أُمُّهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، قَدْ عَرَفْتَ مَنْزِلَةَ حارِثَةَ مِنِّي ، فَإِنْ يَكُ فِي الْجَنَّةِ أَصْبِرْ وَأَحْتَسِبْ ، وَإِنْ تَكُنِ الْأُخْرَى تَرَ مَا أَصْنَعُ ؟ فَقَالَ : (وَيْحَكِ ، أَوَ هَبِلْتِ ، أَوَ جَنَّةٌ وَاحِدَةٌ هِيَ ؟ إِنَّهَا جِنَانٌ كَثِيرَةٌ ، وَإِنَّهُ لَفِي جَنَّةِ الْفِرْدَوْسِ) . [ر : ٢٦٥٤]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ حارثہ رضی اللہ عنہ بدر کی لڑائی میں شہید ہوئے، وہ اس وقت نوعمر تھے، تو ان کی والدہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا، یارسول اللہ؟ آپ کو معلوم ہے کہ حارثہ سے مجھے کتنی محبت تھی، اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کرلوں گی، اور صبر پر اجر کی امیدوار ہوں گی، اور اگر کوئی اور بات ہے تو آپ دیکھیں گے کہ میں کیا کرتی ہوں؟ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، افسوس کیا پاگل ہوگئی ہو، جنتیں بہت سی ہیں، اور وہ (حارثہ رضی اللہ عنہ) تو جنت الفردوس میں ہے۔

اَوَ هَبِلْتِ: اس میں ہمزہ استفہام کا ہے اور واؤ عاطفہ ہے، معطوف علیہ محذوف ہے۔

هَبِلَت المرأة: بچہ گم کرنا، یہ صیغہ معروف اور مجہول دونوں طرح استعمال ہوتا ہے، ترکیبی عبارت ہے: أفقدت عقلك ووهبلت یعنی بیٹے کو مفقود پا کر کیا آپ کی عقل کھوگئی ہے کہ جنت کو نہیں سمجھ پا رہے؟

(٣) الحديث أيضاً أخرجه البخاري في صحيحه، كتاب التوحيد، باب كلام الرب مع أهل الجنة، رقم الحديث: ٧٥١٨، ومسلم في صحيحه، كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب إحلال الرضوان على أهل الجنة، فلا يسخط عليهم أبداً، رقم الحديث: ٧٠٧٠، وأخرجه الترمذي في جامعه، كتاب صفة الجنة، باب محاورة الرب أهل الجنة، وقوله: أحلّ عليكم رضواني، رقم الحديث: ٢٥٥٥

(٤) إرشاد الساري: ١٣/٥٥١

٦١٨٥ : حدّثنا مُعاذُ بْنُ أَسَدٍ : أَخْبَرَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسٰى : أَخْبَرَنَا الْفُضَيْلُ ، عَنْ أَبِي حازِمٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (مَا بَيْنَ مَنْكِبَيِ الْكافِرِ مَسِيرَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ لِلرَّاكِبِ الْمُسْرِعِ) .

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، کافر کے دونوں شانوں کے درمیان تیز چلنے والے کے لئے تین دن کی مسافت کا فاصلہ ہوگا۔

اس حدیث میں، جہنم کا ذکر نہیں، لیکن جہنمی کا ذکر ہے، اس مناسبت سے باب ''صفة النار'' کے ساتھ اس کی مطابقت ہو جاتی ہے (۵)۔

٦١٨٦ : وَقالَ إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ : أَخْبَرَنَا الْمُغِيرَةُ بْنُ سَلَمَةَ : حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ ، عَنْ أَبِي حازِمٍ ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قالَ : (إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَشَجَرَةً ، يَسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ عامٍ لَا يَقْطَعُهَا) .

یہ ماقبل سند کے ساتھ موصول ہے......اور ابن اسحاق بن ابراہیم نے بیان کیا، انہیں مغیرہ بن سلمہ نے خبر دی، ان سے وہیب نے حدیث بیان کی، ان سے ابوحازم نے، ان سے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے اور ان سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک درخت ہے جس کے سایہ میں سوار سو سال تک چلنے کے بعد بھی اسے قطع نہیں کر سکے گا۔

قالَ أَبُو حازِمٍ : فَحَدَّثْتُ بِهِ النُّعْمَانَ بْنَ أَبِي عَيَّاشٍ فَقَالَ : حَدَّثَنِي أَبُو سَعِيدٍ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَشَجَرَةً ، يَسِيرُ الرَّاكِبُ الْجَوَادُ الْمُضَمَّرُ السَّرِيعُ مِائَةَ عامٍ مَا يَقْطَعُهَا) .

یہ بھی ماقبل سند کے ساتھ متصل ہے......ابوحازم فرماتے ہیں کہ پھر میں نے یہ حدیث نعمان ابن ابی عیاش سے بیان کی تو انہوں نے کہا کہ مجھ سے ابوسعید نے حدیث

(۵) إرشاد الساري: ١٣/٥٥١

بیان کی، ان سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جنت میں ایک درخت ہوگا جس کے سایہ میں عمدہ اور تیز رفتار گھوڑے پر سوار شخص سو سال تک چلتا رہے گا اور پھر بھی اسے قطع نہیں کر سکے گا۔

٦١٨٧ : حدّثنا قُتَيْبَةُ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ ، عَنْ أَبِي حازِمٍ ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قالَ : (لَيَدْخُلَنَّ الجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا ، أَوْ سَبْعُمِائَةِ أَلْفٍ - لَا يَدْرِي أَبُو حازِمٍ أَيُّهُمَا قالَ - مُتَمَاسِكُونَ ، آخِذٌ بَعْضُهُمْ بَعْضًا ، لَا يَدْخُلُ أَوَّلُهُمْ حَتَّى يَدْخُلَ آخِرُهُمْ ، وُجُوهُهُمْ عَلَى صُورَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ) . [ر : ٣٠٧٥]

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت میں سے ستر ہزار یا ستر لاکھ افراد جنت میں جائیں گے، ابو حازم کو یقین نہیں تھا کہ روایت میں کون سا عدد بیان ہوا تھا، ستر ہزار یا ستر لاکھ...... فرماتے ہیں کہ (وہ جنت میں اس طرح داخل ہوں گے کہ) ایک دوسرے کو پکڑے ہوں گے، ایک دوسروں کو تھامے ہوں گے ان میں پہلا ابھی اندر داخل نہ ہونے پائے گا کہ آخری شخص داخل ہو جائے گا، ان کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح روشن ہوں گے۔

٦١٨٨ : حدّثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ سَهْلٍ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (إِنَّ أَهْلَ الجَنَّةِ لَيَتَرَاءَوْنَ الْغُرَفَ فِي الجَنَّةِ ، كَمَا تَتَرَاءَوْنَ الْكَوْكَبَ فِي السَّمَاءِ) . قالَ أَبِي : فَحَدَّثْتُ بِهِ النُّعْمَانَ بْنَ أَبِي عَيَّاشٍ فَقَالَ : أَشْهَدُ لَسَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ يُحَدِّثُهُ وَيَزِيدُ فِيهِ : (كَمَا تَرَاءَوْنَ الْكَوْكَبَ الْغَارِبَ فِي الْأُفُقِ : الشَّرْقِيَّ وَالْغَرْبِيَّ) .

حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، بے شک اہل جنت! (اپنے اوپر کے درجوں کے) بالا خانوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم آسمان میں ستاروں کو دیکھتے ہو۔

میرے والد نے بیان کیا کہ پھر میں نے یہ حدیث نعمان بن ابی عیاش سے بیان کی تو انہوں نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے سناوہ حدیث بیان کرتے تھے اوراس میں یہ اضافہ کرتے تھے کہ..... ''جیسے تم مشرقی یا مغربی افق میں ڈوبتے ستاروں کو دیکھتے ہو''......

قال أبي...... یہ روایت عبدالعزیز بن ابی حازم اپنے والدابوحازم سے نقل کررہے ہیں،وہ کہتے ہیں کہ میرے والدابوحازم نے کہا کہ یہ حدیث میں نے نعمان بن ابی عیاش کوسنائی تو انہوں نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے بھی یہ حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے سنی ہے اوروہ اس میں ''کما تراء ون الکوکب......'' کا اضافہ کرتے ہیں۔

٦١٨٩ : حدّثني مُحَمَّدُ بْنُ بشَّارٍ : حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ أَبِي عِمْرَانَ قالَ . سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مالِكٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (يَقُولُ ٱللهُ تَعَالَى لِأَهْوَنِ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ : لَوْ أَنَّ لَكَ ما في الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ أَكُنْتَ تَفْتَدِي بِهِ ؟ فَيَقُولُ : نَعَمْ ، فَيَقُولُ : أَرَدْتُ مِنْكَ أَهْوَنَ مِنْ هٰذَا ، وَأَنْتَ في صُلْبِ آدَمَ : أَنْ لَا تُشْرِكَ بِي شَيْئًا ، فَأَبَيْتَ إِلَّا أَنْ تُشْرِكَ بِي) . [ر : ٣١٥٦]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اہل دوزخ کے سب سے کم عذاب پانے والے سے پوچھے گا، اگر تمہیں روئے زمین پرکوئی چیز میسر ہوتو کیا تم اس کا فدیہ (اس عذاب سے چھوٹنے کے لئے) دو گے؟ وہ کہے گا کہ ہاں، اللہ تعالیٰ کہے گا کہ میں نے تم سے اس سے بھی معمولی چیز کا اس وقت مطالبہ کیا تھا، جب تم آدم کی پیٹھ میں تھے کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، لیکن تم اسی پر اصرار کرتے رہے کہ تم میرے ساتھ شریک ٹھہراؤ گے، (اس لئے اب عذاب سے تمہیں دوچار ہونا ہی ہے)

٦١٩٠ : حدّثنا أَبُو النُّعْمانِ : حَدَّثَنَا حَمَّادٌ ، عَنْ عَمْرٍو ، عَنْ جابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قالَ : (يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ بِالشَّفَاعَةِ كَأَنَّهُمُ الثَّعَارِيرُ) . قُلْتُ : وَمَا الثَّعارِيرُ ؟ قالَ : الضَّغَابِيسُ ، وَكانَ قَدْ سَقَطَ فَمُهُ ، فَقُلْتُ لِعَمْرِو بْنِ دِينَارٍ : يَا أَبَا محمَّدٍ ، سَمِعْتُ جابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُولُ : سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ : (يَخْرُجُ بِالشَّفَاعَةِ مِنَ النَّارِ) . قالَ : نَعَمْ .

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، کچھ لوگ دوزخ سے شفاعت کے ذریعہ اس طرح نکلیں گے گویا کہ "ثعاریر" ہوں گے، میں نے پوچھا ثعاریر کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد صغابیس (یعنی چھوٹے چھوٹے کھیرے مراد ہیں، کھیرے کے ساتھ تشبیہ اس لئے دی ہے کہ کھیرا بہت جلد بڑھتا ہے اور اس پر سفید روئیں بھی ہوتے ہیں تو یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے جہنم سے نکلنے والوں پر اس طرح ہلکے سفید بال ہوں گے) ہے، ان کے منہ جھڑ گئے ہوں گے۔

پھر میں نے عمرو بن دینار سے پوچھا، ابومحمد! میں نے جابر رضی اللہ عنہ سے سنا، آپ نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ جہنم سے شفاعت کی وجہ سے لوگ نکلیں گے، انہوں نے کہا کہ ہاں۔

ثعاریر: ثُعْرور (بروزن عصفور) کی جمع ہے، چھوٹے چھوٹے کھیرے کو کہتے ہیں جن پر روئیں اور چھوٹے چھوٹے بال ہوتے ہیں۔

ضغابیس: ضُغْبُوس کی جمع ہے، چھوٹا کھیرا، بعضوں نے کہا یہ ایک خاص قسم کا ساگ ہے(٦)۔

٦١٩١ : حدّثنا هُدْبَةُ بْنُ خالِدٍ : حَدَّثَنَا هَمَّامٌ ، عَنْ قَتَادَةَ : حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مالِكٍ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (يَخْرُجُ قَوْمٌ مِنَ النَّارِ بَعْدَ مَا مَسَّهُمْ مِنْهَا سَفْعٌ ، فَيَدْخُلُونَ الجَنَّةَ ، فَيُسَمِّيهِمْ أَهْلُ الجَنَّةِ : الجَهَنَّمِيِّينَ) . [٧٠١٢]

٦١٩٠ : أخرجه مسلم في الإيمان ، باب : أدنى أهل الجنة منزلا فيها ، رقم : ١٩١ .

(٦) إرشاد الساري: ١٣/٥٥٧، والنهاية لابن الأثير: ٢/٨٣، والفائق في غريب الحديث: ١/١٦٦

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ایک جماعت جہنم سے اس کے بعد نکلے گی، جب آگ انہیں چھو چکی ہوگی اور پھر وہ جنت میں داخل ہوں گے، ان لوگوں کو اہل جنت ''جہنمیین'' کہیں گے۔

سَفْع: آگ کی لپک، جھلسنے کا نشان، آگ کی تپش (۷)۔

٦١٩٢ : حدّثنا مُوسٰى : حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ : حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيٰى ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قالَ : (إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الجَنَّةِ الجَنَّةَ ، وَأَهْلُ النَّارِ النَّارَ ، يَقُولُ ٱللّٰهُ : مَنْ كانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ فَأَخْرِجُوهُ ، فَيَخْرُجُونَ قَدِ ٱمْتُحِشُوا وَعَادُوا حُمَمًا ، فَيُلْقَوْنَ فِي نَهَرِ الحَيَاةِ ، فَيَنْبُتُونَ كما تَنْبُتُ ٱلْحِبَّةُ فِي حَمِيلِ السَّيْلِ ، أَوْ قالَ : حَمِيَّةِ السَّيْلِ - وَقالَ النَّبِيُّ ﷺ - أَلَمْ تَرَوْا أَنَّهَا تَخْرُجُ صَفْرَاءَ مُلْتَوِيَةً) . [ر : ٢٢]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جب اہل جنت، جنت میں اور اہل جہنم، جہنم میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو تو، اسے دوزخ سے نکال لو، اس وقت لوگ نکالے جائیں گے تو وہ جل کر کوئلے کی طرح ہو گئے ہوں گے، اس کے بعد انہیں ''نہر حیاۃ'' (آب حیات) میں ڈالا جائے گا، تو وہ تر و تازہ ہو جائیں گے، جس طرح سیلاب کے ساتھ آنے والا کوڑا کرکٹ کا دانہ اگ آتا ہے، یا راوی نے ''حمیۃ السیل'' کہا (حمیل السیل کے بجائے) اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اس دانہ سے زرد رنگ کا سکڑا ہوا یا پودا اگتا ہے۔

امتحشوا: وہ جل چکے ہوں گے۔ امتحاش کے معنی جلنے کے ہیں۔

---

(۷) سَعَفَتْه النار: آگ اس کی طرف لپکی، دیکھئے، إرشاد الساري: ۱۳/۵۷، والنهاية: ۱/۷۸۳، وعمدة القاري: ۲۳/۱۹۱

حُمَم: حُمَمَةٌ کی جمع ہے، سیاہ کوئلہ۔

الحِبّة: (حاء کے کسرے کے ساتھ) صحرائی بیج کو کہتے ہیں، اس کی جمع "حِبَب" آتی ہے اور ایک "حَبّة" (بفتح الفاء) اس کے معنی عام دانے کے ہیں، اس کی جمع "حُبُـوب" آتی ہے، یہاں حِبّة کسرے کے ساتھ ہے، اس کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ فوراً اُگ آتا ہے!(۸)۔

في حَمِيْل السيل: سیلاب اپنے ساتھ جو مٹی اور جھاگ وغیرہ لاتا ہے اسے حمیل کہتے ہیں۔

أو قال حمية السيل، راوی کو شک ہے کہ "حَمِيّة" کا لفظ کہا، یا حَمِيل کا، حمية کا ترجمہ "معظم جري الماء واشتداده" کے ساتھ شارحین نے کیا ہے، یعنی جہاں پانی کا بہاؤ تیز اور زیادہ ہو، بعض نسخوں میں حَمِئَة ہے، جو سیاہ مٹی کو کہتے ہیں(۹)۔

صَفْراء مُلْتوية: زرد اور سکڑا ہوا، ملتویہ کے معنی ہیں: سکڑا ہوا، کمزور۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لسرعة نباته يكون ضعيفا، ولضعفه يكون أصفر ملتويا، ثم بعد ذلك تشتد قوته"(١٠).

یہ حدیث، کتاب الایمان میں، باب تفاضل اهل الایمان کے تحت گزر چکی ہے(۱۱)۔

٦١٩٣/٦١٩٤ : حدّثني مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ : حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قالَ : سَمِعْتُ أَبَا إِسْحٰقَ قالَ : سَمِعْتُ النُّعْمَانَ : سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ : (إِنَّ أَهْوَنَ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَرَجُلٌ ، تُوضَعُ فِي أَخْمَصِ قَدَمَيْهِ جَمْرَةٌ ، يَغْلِي مِنْهَا دِمَاغُهُ) .

---

(۸) علامہ قسطلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "بزر العشب أو البقلة الحمقاء؛ لأنها تنبت سريعا". (إرشاد الساري: ١٣/٥٥٨)، والنهاية: ١/٤٣٣

(٩) عمدة القاري: ٢٣/١٩١، إرشاد الساري: ١٣/٥٥٨

(١٠) إرشاد الساري: ١٣/٥٥٨

(١١) كشف الباري، كتاب الإيمان: ٢/١٠٩

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن عذاب کے اعتبار سے سب سے کم وہ شخص ہوگا جس کے دونوں قدموں کے نیچے آگ کا انگارہ رکھا جائے گا اور اس کی وجہ سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا۔

أخمص: باطن قدميه الذى لايصل إلى الأرض عند المشي(١٢) یعنی قدم کے نیچے کا وہ حصہ جو چلتے ہوئے زمین سے اوپر رہتا ہے، یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں پہلی بار ذکر فرمائی ہے۔

(٦١٩٤) : حدّثنا عَبْدُ ٱللّٰهِ بْنُ رَجاءٍ : حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ ، عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ ، عَنِ النُّعْمَانِ ٱبْنِ بَشِيرٍ قالَ : سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ : (إِنَّ أَهْوَنَ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ ، عَلَى أَخْمَصِ قَدَمَيْهِ جَمْرَتَانِ ، يَغْلِي مِنْهُمَا دِمَاغُهُ كما يَغْلِي الْمِرْجَلُ بِالْقُمْقُمِ) .

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن دوزخیوں میں عذاب کے اعتبار سے سب سے کم عذاب پانے والا وہ شخص ہوگا جس کے دونوں پیروں کے نیچے دو انگارے رکھ دیئے جائیں گے، جن کی وجہ سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا جس طرح ہانڈی یا دیگ جوش کھاتی ہے۔

قُـمْـقـم: برتن جس میں عموماً پانی گرم کیا جاتا ہے۔ مرجل اور قمقم دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، قمقم پانی گرم کرنے والے برتن کے لئے استعمال ہوتا ہے، بعض روایتوں میں واو حرف عطف کے ساتھ ہے۔ المِرْجَل والقمقم، زیادہ واضح ہے(١٣)۔

٦١٩٥ : حدّثنا سُلَيْمانُ بْنُ حَرْبٍ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ عَمْرٍو ، عَنْ خَيْثَمَةَ ، عَنْ عَدِيِّ ٱبْنِ حاتِمٍ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ذَكَرَ النَّارَ فَأَشَاحَ بِوَجْهِهِ فَتَعَوَّذَ مِنْهَا ، ثُمَّ ذَكَرَ النَّارَ فَأَشَاحَ بِوَجْهِهِ فَتَعَوَّذَ مِنْهَا ، ثُمَّ قالَ : (ٱتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ ، فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ) . [ر : ١٣٤٧]

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جہنم کا ذکر کیا اور روئے مبارک پھیر لیا، پھر اس سے پناہ مانگی، اس کے بعد فرمایا کہ دوزخ سے بچو، خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے ہی کے ذریعہ ہو سکے، جس کو یہ بھی نہ ملے اسے چاہیے کہ اچھی بات کے ذریعہ (دوزخ سے اپنے کو بچائے)۔

---

(١٢) إرشاد الساري: ١٣/٥٥٩ (١٣) النهاية: ٢/٤٩١

٦١٩٦ : حدّثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ : حَدَّثَنَا ٱبْنُ أَبِي حازِمٍ ، وَٱلدَّرَاوَرْدِيُّ ، عَنْ يَزِيدَ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ خَبَّابٍ ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ : أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ ، وَذُكِرَ عِنْدَهُ عَمُّهُ أَبُو طَالِبٍ ، فَقَالَ : (لَعَلَّهُ تَنْفَعُهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، فَيُجْعَلُ فِي ضَحْضَاحٍ مِنَ النَّارِ يَبْلُغُ كَعْبَيْهِ ، يَغْلِي مِنْهُ أُمُّ دِمَاغِهِ) . [ر : ٣٦٧٢]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے آپ کے چچا جناب ابوطالب کا ذکر کیا گیا تھا، آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ممکن ہے قیامت کے دن میری شفاعت ان کے کام آجائے اور انہیں جہنم کے کم آگ والے حصے میں رکھا جائے گا، آگ کا یہ حصہ صرف ان کے ٹخنوں تک ہوگا لیکن اس سے بھی ان کا بھیجا کھول اور ابل رہا ہوگا!

ضَحْضَاح: تھوڑا سا پانی، یہاں ہلکی آگ مراد ہے، یبلغ کی ضمیر ضحضاح کی طرف راجع ہے!

٦١٩٧ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ ، عَنْ قَتَادَةَ ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (يَجْمَعُ ٱللهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، فَيَقُولُونَ : لَوِ ٱسْتَشْفَعْنَا عَلَى رَبِّنَا حَتَّى يُرِيحَنَا مِنْ مَكَانِنَا ، فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ : أَنْتَ الَّذِي خَلَقَكَ ٱللهُ بِيَدِهِ ، وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ ، وَأَمَرَ الْمَلَائِكَةَ فَسَجَدُوا لَكَ ، فَٱشْفَعْ لَنَا عِنْدَ رَبِّنَا . فَيَقُولُ : لَسْتُ هُنَاكُمْ ، وَيَذْكُرُ خَطِيئَتَهُ ، وَيَقُولُ : ٱئْتُوا نُوحًا ، أَوَّلَ رَسُولٍ بَعَثَهُ ٱللهُ ، فَيَأْتُونَهُ فَيَقُولُ : لَسْتُ هُنَاكُمْ ، وَيَذْكُرُ خَطِيئَتَهُ ، ٱئْتُوا إِبْرَاهِيمَ الَّذِي ٱتَّخَذَهُ ٱللهُ خَلِيلاً ، فَيَأْتُونَهُ فَيَقُولُ : لَسْتُ هُنَاكُمْ ، وَيَذْكُرُ خَطِيئَتَهُ ، ٱئْتُوا مُوسَى الَّذِي كَلَّمَهُ ٱللهُ ، فَيَأْتُونَهُ فَيَقُولُ : لَسْتُ هُنَاكُمْ ، فَيَذْكُرُ خَطِيئَتَهُ ، ٱئْتُوا عِيسَى فَيَأْتُونَهُ فَيَقُولُ : لَسْتُ هُنَاكُمْ ، ٱئْتُوا مُحَمَّدًا ﷺ ، فَقَدْ غُفِرَ لَهُ ما تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَما تَأَخَّرَ ، فَيَأْتُونِي ، فَأَسْتَأْذِنُ عَلَى رَبِّي ، فَإِذَا رَأَيْتُهُ وَقَعْتُ سَاجِدًا ، فَيَدَعُنِي ما شَاءَ ٱللهُ ، ثُمَّ يُقَالُ لِي : ٱرْفَعْ رَأْسَكَ : سَلْ تُعْطَهْ ، وَقُلْ يُسْمَعْ ، وَٱشْفَعْ تُشَفَّعْ ، فَأَرْفَعُ رَأْسِي ، فَأَحْمَدُ رَبِّي بِتَحْمِيدٍ

يُعَلِّمُنِي ، ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا ، ثُمَّ أُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ ، وَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ ، ثُمَّ أَعُودُ فَأَقَعُ سَاجِدًا مِثْلَهُ فِي الثَّالِثَةِ ، أَوِ الرَّابِعَةِ ، حَتَّى مَا يَبْقَى فِي النَّارِ إِلَّا مَنْ حَبَسَهُ الْقُرْآنُ) . وَكَانَ قَتَادَةُ يَقُولُ عِنْدَ هٰذَا : أَيْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُودُ . [ر : ٤٢٠٦]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو جمع کرے گا، اس وقت لوگ کہیں گے کہ اگر ہم اپنے رب کے حضور میں کسی کی شفاعت لے جائیں تو سودمند ہوسکتی ہے، ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی اس حالت سے آرام دے دے۔

چنانچہ لوگ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے، آپ ہی وہ نہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، اور آپ کے اندر اپنی روح پھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا تو انہوں نے آپ کو سجدہ کیا، آپ ہماری ہمارے رب کے حضور شفاعت کردیں، وہ کہیں گے کہ میں اس قابل نہیں ہوں، پھر وہ اپنی لغزش کا ذکر کریں گے اور کہیں گے کہ نوح کے پاس جاؤ، وہ سب سے پہلے رسول ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے بھیجا۔

لوگ نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے، لیکن وہ بھی یہی جواب دیں گے میں اس قابل نہیں ہوں، وہ اپنی لغزش کا ذکر کریں گے اور کہیں گے کہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ، جنہیں اللہ تعالیٰ نے خلیل بنایا تھا، لوگ ان کے پاس آئیں گے، لیکن وہ بھی یہی کہیں گے کہ میں اس قابل نہیں ہوں، اپنی لغزش کا ذکر کریں گے اور کہیں گے کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا تھا۔

لوگ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے لیکن وہ بھی یہی کہیں گے کہ میں اس قابل نہیں ہوں، اپنی لغزش کا ذکر کریں گے اور کہیں گے کہ عیسیٰ کے پاس جاؤ۔

لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے، لیکن یہ بھی کہیں گے کہ میں اس قابل نہیں ہوں۔ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس جاؤ، کیونکہ ان کے تمام اگلے پچھلے گناہ

معاف کر دیئے گئے ہیں۔

چنانچہ لوگ میرے پاس آئیں گے، اس وقت میں اپنے رب سے اجازت (شفاعت کی) چاہوں گا اور سجدہ میں گر جاؤں گا، اللہ تعالیٰ جتنی دیر تک چاہے گا مجھے سجدہ میں رہنے دے گا، پھر کہا جائے گا کہ اپنا سر اٹھالو، جو مانگو، دیا جائے گا، کہو، سنا جائے گا، شفاعت کرو، شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں اپنے رب کی اس وقت حمد بیان کروں گا، ایسی حمد جو مجھے اللہ تعالیٰ سکھائے گا، پھر میں شفاعت کروں گا اور میرے لئے حد مقرر کر دی جائے گی، میں لوگوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا، پھر میں آؤں گا اور اس طرح سجدہ میں گر جاؤں گا، تیسری یا چوتھی بار......اور اب (شفاعت کے قبول کئے جانے اور جہنم سے نکال کر جنت میں لے جانے کے بعد) جہنم میں صرف وہی لوگ باقی رہ جائیں گے جنہیں قرآن نے روکا، یعنی مشرکین اور کفار و منافقین جن کے بارے میں ہے کہ ان کی مغفرت نہیں ہوگی جن کے جہنم میں ہمیشہ رہنے کا ذکر قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ ہے) قتادہ اس موقع پر کہا کرتے تھے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جن لوگوں پر جہنم میں خلود اور ہیشگی ہے۔

٦١٩٨ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا يَحْيَىٰ ، عَنِ الحَسَنِ بْنِ ذَكْوَانَ : حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ : حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (يَخْرُجُ قَوْمٌ مِنَ النَّارِ بِشَفَاعَةِ مُحمَّدٍ - ﷺ - فَيَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ ، يُسَمَّوْنَ الْجَهَنَّمِيِّينَ) .

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ایک جماعت جہنم سے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کی وجہ سے نکلے گی اور جنت میں داخل ہوگی، جن کا نام "جہنمیین" رکھا جائے گا۔

(٦١٩٨) الحديث أخرجه الإمام الترمذي في باب صفة جهنم، باب منه قصة آخر أهل النار خروجاً ...... رقم الحديث: ٣٦٠٠، وأبوداود في كتاب السنة، باب في الشفاعة، رقم الحديث: ٤٧٤٠

٦١٩٩ : حدّثنا قُتَيْبَةُ : حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ ، عَنْ حُمَيْدٍ ، عَنْ أَنَسٍ : أَنَّ أُمَّ حارِثَةَ أَتَتْ رَسُولَ ٱللّٰهِ ﷺ ، وَقَدْ هَلَكَ حارِثَةُ يَوْمَ بَدْرٍ ، أَصَابَهُ غَرْبُ سَهْمٍ ، فَقَالَتْ : يَا رَسُولَ ٱللّٰهِ ، قَدْ عَلِمْتَ مَوْقِعَ حارِثَةَ مِنْ قَلْبِي ، فَإِنْ كانَ فِي الْجَنَّةِ لَمْ أَبْكِ عَلَيْهِ ، وَإِلَّا سَوْفَ تَرَى ما أَصْنَعُ ؟ فَقَالَ لَهَا : (هَبِلْتِ ، أَجَنَّةٌ وَاحِدَةٌ هِيَ ؟ إِنَّهَا جِنَانٌ كَثِيرَةٌ ، وَإِنَّهُ لَفِي الْفِرْدَوْسِ الْأَعْلَى) .

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کی والدہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، حارثہ رضی اللہ عنہ بدر کی لڑائی میں ایک نامعلوم تیر لگ جانے کی وجہ سے شہید ہو گئے تھے انہوں نے آ کر کہا، یا رسول اللہ! آپ کو معلوم ہے کہ حارثہ سے مجھے کتنا دلی تعلق تھا، اگر وہ جنت میں ہے تو میں اس پر نہیں روؤں گی، ورنہ آپ دیکھیں گے کہ میں کیا کرتی ہوں، آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا، بے وقوف ہوتی ہو، کیا کوئی ایک ہی جنت ہے، جنتیں تو بہت سی ہیں اور حارثہ ''الفردوس الاعلیٰ'' (جنت کے اونچے درجے) میں ہے۔

وَقَالَ : (غَدْوَةٌ فِي سَبِيلِ ٱللّٰهِ أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِنَ ٱلدُّنْيَا وَما فِيهَا ، وَلَقَابُ قَوْسِ أَحَدِكُمْ ، أَوْ مَوْضِعُ قَدَمٍ مِنَ الْجَنَّةِ ، خَيْرٌ مِنَ ٱلدُّنْيَا وَما فِيهَا ، وَلَوْ أَنَّ ٱمْرَأَةً مِنْ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ ٱطَّلَعَتْ إِلَى الْأَرْضِ لَأَضَاءَتْ ما بَيْنَهُمَا ، وَلَمَلَأَتْ ما بَيْنَهُمَا رِيحًا ، وَلَنَصِيفُهَا - يَعْنِي ٱلْخِمَارَ - خَيْرٌ مِنَ ٱلدُّنْيَا وَما فِيهَا) . [ر : ٢٦٣٩ ، ٢٦٥٤]

یہ ماقبل سند کے ساتھ متصل ہے......اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے راستہ میں ایک صبح یا ایک شام دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور جنت میں تمہاری ایک کمان کے برابر جگہ یا ایک قدم کے فاصلہ کے برابر جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، اور اگر جنت کی عورتوں میں سے کوئی عورت روئے زمین کی طرف جھانک کے دیکھ لے تو تمام فضا کو منور کر دے اور تمام فضا کو خوشبو سے بھر دے اور اس کا صرف دوپٹہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

٦٢٠٠ : حدّثنا أبو اليمانِ : أخبرَنا شُعَيبٌ : حدَّثنا أبو الزِّنادِ ، عَنِ الأعرجِ ، عَنْ أبي هُريرَةَ : قالَ النَّبيُّ ﷺ : (لَا يَدْخُلُ أحَدٌ الْجَنَّةَ إلَّا أُرِيَ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ لَوْ أَسَاءَ ، لِيَزْدَادَ شُكْرًا ، وَلَا يَدْخُلُ النَّارَ أحَدٌ إلَّا أُرِيَ مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ لَوْ أَحْسَنَ ، لِيَكُونَ عَلَيْهِ حَسْرَةً) .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جنت میں جو بھی داخل ہوگا، اسے اس کے جہنم کا ٹھکانہ بھی دکھایا جائے گا، کہ اگر نافرمانی کی ہوتی (تو وہاں اسے جگہ ملتی) تاکہ وہ اور زیادہ شکر کرے اور جو بھی جہنم میں داخل ہوگا، اسے اس کا جنت کا ٹھکانہ بھی دکھایا جائے گا کہ اگر اچھے عمل کئے ہوتے (تو وہاں جگہ ملتی) تاکہ اس کے لئے یہ نظارہ حسرت وافسوس کا باعث ہو۔

٦٢٠١ : حدّثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ : حَدَّثَنَا إسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ ، عَنْ عَمْرٍو ، عَنْ سَعِيدِ ابْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قالَ : قُلْتُ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، مَنْ أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ؟ فَقَالَ : (لَقَدْ ظَنَنْتُ ، يَا أَبَا هُرَيْرَةَ ، أَنْ لَا يَسْأَلَنِي عَنْ هٰذَا الْحَدِيثِ أَحَدٌ أَوَّلُ مِنْكَ ، لِمَا رَأَيْتُ مِنْ حِرْصِكَ عَلَى الْحَدِيثِ ، أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قالَ : لَا إِلٰهَ إِلَّا ٱللهُ ، خالِصًا مِنْ قِبَلِ نَفْسِهِ) . [ر : ٩٩]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی، یا رسول اللہ! قیامت کے دن آپ کی شفاعت کی سعادت سب سے زیادہ کون حاصل کرے گا؟ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ ابو ہریرہ، میرا بھی خیال تھا کہ یہ حدیث تم سے پہلے اور کوئی مجھ سے نہیں پوچھے گا، کیونکہ حدیث کے متعلق تمہاری بہت زیادہ دلچسپی میں دیکھا کرتا ہوں، قیامت کے دن میری شفاعت کی سعادت سب سے زیادہ اسے حاصل ہوگی جس نے کلمہ لا الہ الا اللہ خلوص دل سے کہا ہوگا۔

یہ حدیث کتاب العلم میں باب الحرص علی الحدیث کے تحت گزر چکی ہے۔

شفاعت کی قسمیں

اس حدیث کے اندر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کا ذکر ہے کہ جس شخص نے بغیر کسی کے جبر واکراہ کے اپنی طرف سے، خلوص قلب کے ساتھ کلمہ طیبہ پڑھا ہو، اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کی سعادت حاصل رہے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مختلف مواقع پر، مختلف لوگوں کے لئے سفارش فرمائیں گے، قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس کی پانچ قسمیں تحریر فرمائی ہیں:

❶ پہلی شفاعت، ''شفاعت عظمیٰ'' ہے، یہ وہ بڑی سفارش ہے جس کا ذکر، حدیث باب میں گزر چکا کہ میدانِ حشر میں حساب کے لئے لوگ جمع ہوں گے اور حساب شروع نہیں ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سفارش فرمائیں گے اور آپ کی سفارش قبول کی جائے گی، امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہی ''مقام محمود'' ہے، جس کا ذکر سورہ اسراء کی آیت کریمہ میں ہے: ﴿عسى أن يبعثك ربك مقاماً محموداً﴾.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ''مقام محمود'' کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا، اس سے مراد شفاعت ہے۔

❷ بہت سارے لوگ بغیر حساب کے جنت میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سفارش سے داخل ہوں گے، یہ شفاعت کی دوسری صورت ہوگی۔

❸ کئی لوگوں کا حساب ہو چکا ہوگا اور وہ مستحق عذاب ہوں گے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش سے وہ عذاب سے بچ کر جنت میں چلے جائیں گے۔

❹ چوتھی شفاعت، ان لوگوں کے لئے ہوگی جو اپنے گناہوں کی وجہ سے جہنم میں جاچکے ہوں گے، لیکن حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت سے وہ جہنم سے نکال لئے جائیں گے۔

❺ پانچویں شفاعت، جنتیوں کے درجات سے متعلق ہے کہ بعض مومنین کے لئے، جنت میں بلند درجات والی جنت کی سفارش حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کریں گے اور آپ کی شفاعت سے ان کے درجات بڑھ جائیں گے!(۱)۔

---

(۱) دیکھئے، نسيم الرياض في شرح شفاء القاضي عياض فصل في تفضيله بالشفاعة والمقام المحمود: ۱۹۳/۳-۲۲۰، وإرشاد الساري: ۵۶۷/۱۳

٦٢٠٢ : حدّثنا عُثْمانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ : حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ، عَنْ مَنْصُورٍ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، عَنْ عَبِيدَةَ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (إِنِّي لَأَعْلَمُ آخِرَ أَهْلِ النَّارِ خُرُوجًا مِنْهَا ، وَآخِرَ أَهْلِ الجَنَّةِ دُخُولاً ، رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ حَبْوًا ، فَيَقُولُ اللّٰهُ : اذْهَبْ فَادْخُلِ الجَنَّةَ ، فَيَأْتِيهَا ، فَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهَا مَلْأَى ، فَيَرْجِعُ فَيَقُولُ : يَا رَبِّ وَجَدْتُهَا مَلْأَى ، فَيَقُولُ : اذْهَبْ فَادْخُلِ الجَنَّةَ ، فَيَأْتِيهَا فَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهَا مَلْأَى ، فَيَرْجِعُ فَيَقُولُ : يَا رَبِّ وَجَدْتُهَا مَلْأَى ، فَيَقُولُ : اذْهَبْ فَادْخُلِ الجَنَّةَ ، فَإِنَّ لَكَ مِثْلَ الدُّنْيَا وَعَشَرَةَ أَمْثَالِهَا ، أَوْ : إِنَّ لَكَ مِثْلَ عَشَرَةِ أَمْثَالِ الدُّنْيَا ، فَيَقُولُ : أَتَسْخَرُ مِنِّي ، أَوْ : تَضْحَكُ مِنِّي وَأَنْتَ المَلِكُ) . فَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ ضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ ، وَكانَ يُقَالُ : ذٰلِكَ أَدْنَى أَهْلِ الجَنَّةِ مَنْزِلَةً . [٧٠٧٣]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میں خوب جانتا ہوں کہ اہل جہنم میں سے کون سب سے آخر میں وہاں سے نکلے گا، اور اہل جنت میں کون سب سے آخر میں اس میں داخل ہوگا۔

ایک شخص جہنم سے منہ کے بل گر گر کر نکلے گا، اللہ تعالیٰ اس سے کہے گا کہ جاؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ، وہ جنت کے پاس آئے گا، لیکن اسے ایسا معلوم ہوگا کہ جنت بھری ہوئی ہے، چنانچہ وہ واپس آئے گا اور عرض کرے گا، اے میرے رب! میں نے جنت کو بھرا ہوا پایا، اللہ تعالیٰ پھر اس سے کہے گا کہ جاؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ، وہ پھر آئے گا لیکن اسے ایسا معلوم ہوگا کہ جنت بھری ہوئی ہے، وہ واپس لوٹے گا، اور عرض کرے گا، اے رب! میں نے جنت کو بھرا ہوا پایا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جاؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ، تمہیں دنیا اور اس سے دس گنا دیا جاتا ہے، وہ شخص کہے گا تو مجھ سے مذاق کر رہا ہے حالانکہ تو شہنشاہ ہے، میں نے دیکھا کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہنس دیئے اور

(٦٢٠٢) الحديث أخرجه البخاري أيضا في التوحيد، باب كلام الربّ عزّوجل يوم القيامة مع الأنبياء وغيرهم، رقم الحديث: ٧٥١١، وأخرجه مسلم في كتاب الإيمان، باب آخر أهل النار خروجاً، رقم الحديث: ٤٦١، والترمذي في أبواب جهنم، باب منه قصة آخر أهل النار خروجاً، رقم الحديث: ٢٥٩٥، وأخرجه ابن ماجه في كتاب الزهد، باب صفة الجنة، رقم الحديث: ٤٣٣٩

آپ کے آگے کے دانت ظاہر ہو گئے، اس شخص کے بارے میں کہا جائے گا کہ یہ آدمی جنتی ہے! (ادنیٰ جنتی کو بھی، دنیا سے دس گنا بڑی جنت دی جائے گی اللہ اکبر!)

٦٢٠٣ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ ابْنِ نَوْفَلٍ ، عَنِ الْعَبَّاسِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : أَنَّهُ قالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ : هَلْ نَفَعْتَ أَبَا طَالِبٍ بِشَيْءٍ .
[ر : ٣٦٧٠]

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا، کیا آپ نے ابو طالب کو کوئی نفع پہنچایا۔

اس حدیث میں صرف سوال ہے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو جواب دیا ہے وہ نہیں ہے، کتاب الادب میں یہ روایت گزری ہے، اس میں جواب ہے، پوری حدیث ہے:

"هل نفعت أبا طالب بشيء، فإنه كان يحوطك، ويغضب لك؟ قال: نعم، هو في ضحضاح من النار، لولا أنا، لكان في الدرك الاسفل من النار"(١). یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ابو طالب آپ کی حفاظت کرتا اور آپ کے لئے لوگوں سے ناراض اور غصہ ہوتا تھا تو آپ نے بھی اسے کوئی فائدہ پہنچایا؟...... حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں، وہ معمولی آگ میں ہوگا، اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے بالکل نچلے حصے میں ہوتا"۔

٥٢ - باب : الصِّرَاطُ جَسْرُ جَهَنَّمَ

پل صراط

جسر (جیم کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ) پل کو کہتے ہیں امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب کے اندر پل صراط کا ذکر کیا ہے جو جہنم کے اوپر واقع ہے اور اس کو عبور کر کے جنت میں داخلہ ہوگا، یہ پل بال سے زیادہ

(١) فتح الباري: ١١/٥٤١، وعمدة القاري: ٢٣/٢٠١، وإرشاد الساري: ١٣/٥٦٩

باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے(١)، فضیل بن عیاض نے نقل کیا ہے کہ یہ پل پندرہ ہزار سال کی مسافت پر مشتمل ہے، پانچ ہزار سال اترائی کے، پانچ ہزار سال چڑھائی کے اور پانچ ہزار سال سیدھے چلنے کی مسافت ہے(٢)۔

٦٢٠٤ : حدّثنا أَبو اليَمانِ : أَخبَرَنَا شُعَيبٌ ، عَنِ الزُّهرِيِّ : أَخبَرَنِي سَعِيدٌ وَعَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ : أَنَّ أَبَا هُرَيرَةَ أَخبَرَهُمَا : عَنِ النَّبِيِّ ﷺ .

وَحَدَّثَنِي مَحْمُودٌ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ : أَخبَرَنَا مَعْمَرٌ ، عَنِ الزُّهرِيِّ ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قالَ : قالَ أُنَاسٌ : يَا رَسُولَ اللهِ ، هَلْ نَرَى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ؟ فَقَالَ : (هَلْ تُضَارُّونَ فِي الشَّمْسِ لَيْسَ دُونَهَا سَحَابٌ) . قالُوا : لَا يَا رَسُولَ اللهِ ، قالَ : (هَلْ تُضَارُّونَ فِي الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَيْسَ دُونَهُ سَحَابٌ) . قالُوا : لَا يَا رَسُولَ اللهِ ، قالَ : (فَإِنَّكُمْ تَرَوْنَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَذٰلِكَ ، يَجْمَعُ اللهُ النَّاسَ ، فَيَقُولُ : مَنْ كانَ يَعْبُدُ شَيْئًا فَلْيَتَّبِعْهُ ، فَيَتْبَعُ مَنْ كانَ يَعْبُدُ الشَّمْسَ ، وَيَتْبَعُ مَنْ كانَ يَعْبُدُ الْقَمَرَ ، وَيَتَّبِعُ مَنْ كانَ يَعْبُدُ الطَّوَاغِيتَ ، وَتَبْقَى هٰذِهِ الْأُمَّةُ فِيهَا مُنَافِقُوهَا ، فَيَأْتِيهِمُ اللهُ فِي غَيْرِ الصُّورَةِ الَّتِي يَعْرِفُونَ ، فَيَقُولُ : أَنَا رَبُّكُمْ ، فَيَقُولُونَ : نَعُوذُ بِاللهِ مِنْكَ ، هٰذَا مَكَانُنَا حَتَّى يَأْتِيَنَا رَبُّنَا ، فَإِذَا أَتَانَا رَبُّنَا عَرَفْنَاهُ ، فَيَأْتِيهِمُ اللهُ فِي الصُّورَةِ الَّتِي يَعْرِفُونَ ، فَيَقُولُ : أَنَا رَبُّكُمْ ، فَيَقُولُونَ : أَنْتَ رَبُّنَا فَيَتْبَعُونَهُ ، وَيُضْرَبُ جِسْرُ جَهَنَّمَ ، قالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُجِيزُ ، وَدُعَاءُ الرُّسُلِ يَوْمَئِذٍ : اللَّهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ .

---

(١) إرشاد الساري: ١٣/٥٧٠

(٢) إرشاد الساري: ١٣/٥٧٠، ونسيم الرياض في شرح شفاء القاضي عياض، القسم الأول: ٣/٢١٦

٦٢٠٤ : (تضارون) تضرون أحدًا أو يضركم أحد بمنازعة ومضايقة . (يجيز) يمشي عليه ويقطعه . (به) أي بالجسر الذي على جهنم . قال النووي : مذهب أهل السنة أن رؤية المؤمنين ربهم ممكنة . ثم قال : فقد تضافرت الأدلة من الكتاب والسنة وإجماع الصحابة وسلف الأمة على إثباتها في الآخرة للمؤمنين . قال العيني : روي في إثبات الرؤية حديث الباب وعن نحو عشرين صحابيا . [١٣٣/٢٣] .

فِي الصُّورَةِ الَّتِي يَعْرِفُونَ ، فَيَقُولُ : أَنَا رَبُّكُمْ ، فَيَقُولُونَ : أَنْتَ رَبُّنَا فَيَتْبَعُونَهُ ، وَيُضْرَبُ جِسْرُ جَهَنَّمَ ، قَالَ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ : فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُجِيزُ ، وَدُعَاءُ الرُّسُلِ يَوْمَئِذٍ : اللَّهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ . وَبِهِ كَلَالِيبُ مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ ، أَمَا رَأَيْتُمْ شَوْكَ السَّعْدَانِ) . قَالُوا : بَلَى يَا رَسُولَ ٱللّٰهِ ، قَالَ : (فَإِنَّهَا مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ ، غَيْرَ أَنَّهَا لَا يَعْلَمُ قَدْرَ عِظَمِهَا إِلَّا ٱللّٰهُ ، فَتَخْطَفُ النَّاسَ بِأَعْمَالِهِمْ ، مِنْهُمُ الْمُوبَقُ بِعَمَلِهِ وَمِنْهُمُ الْمُخَرْدَلُ ، ثُمَّ يَنْجُو ، حَتَّى إِذَا فَرَغَ ٱللّٰهُ مِنَ الْقَضَاءِ بَيْنَ عِبَادِهِ ، وَأَرَادَ أَنْ يُخْرِجَ مِنَ النَّارِ مَنْ أَرَادَ أَنْ يُخْرِجَ ، مِمَّنْ كَانَ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا ٱللّٰهُ ، أَمَرَ الْمَلَائِكَةَ أَنْ يُخْرِجُوهُمْ ، فَيَعْرِفُونَهُمْ بِعَلَامَةِ آثَارِ السُّجُودِ ، وَحَرَّمَ ٱللّٰهُ عَلَى النَّارِ أَنْ تَأْكُلَ مِنِ ٱبْنِ آدَمَ أَثَرَ السُّجُودِ ، فَيُخْرِجُونَهُمْ قَدِ ٱمْتُحِشُوا ، فَيُصَبُّ عَلَيْهِمْ مَاءٌ يُقَالُ لَهُ مَاءُ الْحَيَاةِ ، فَيَنْبُتُونَ نَبَاتَ ٱلْحِبَّةِ فِي حَمِيلِ السَّيْلِ ، وَيَبْقَى رَجُلٌ مُقْبِلٌ بِوَجْهِهِ عَلَى النَّارِ ، فَيَقُولُ : يَا رَبِّ ، قَدْ قَشَبَنِي رِيحُهَا ، وَأَحْرَقَنِي ذَكَاؤُهَا ، فَٱصْرِفْ وَجْهِي عَنِ النَّارِ ، فَلَا يَزَالُ يَدْعُو ٱللّٰهَ ، فَيَقُولُ : لَعَلَّكَ إِنْ أَعْطَيْتُكَ أَنْ تَسْأَلَنِي غَيْرَهُ ، فَيَقُولُ : لَا وَعِزَّتِكَ لَا أَسْأَلُكَ غَيْرَهُ ، فَيَصْرِفُ وَجْهَهُ عَنِ النَّارِ ، ثُمَّ يَقُولُ بَعْدَ ذٰلِكَ : يَا رَبِّ قَرِّبْنِي إِلَى بَابِ الْجَنَّةِ ، فَيَقُولُ : أَلَيْسَ قَدْ زَعَمْتَ أَنْ لَا تَسْأَلَنِي غَيْرَهُ ، وَيْلَكَ ٱبْنَ آدَمَ مَا أَغْدَرَكَ ، فَلَا يَزَالُ يَدْعُو ، فَيَقُولُ : لَعَلِّي إِنْ أَعْطَيْتُكَ ذٰلِكَ تَسْأَلُنِي غَيْرَهُ ، فَيَقُولُ : لَا وَعِزَّتِكَ لَا أَسْأَلُكَ غَيْرَهُ ، فَيُعْطِي ٱللّٰهَ مِنْ عُهُودٍ وَمَوَاثِيقَ أَنْ لَا يَسْأَلَهُ غَيْرَهُ ، فَيُقَرِّبُهُ إِلَى بَابِ الْجَنَّةِ ، فَإِذَا رَأَى مَا فِيهَا سَكَتَ مَا شَاءَ ٱللّٰهُ أَنْ يَسْكُتَ ، ثُمَّ يَقُولُ : رَبِّ أَدْخِلْنِي الْجَنَّةَ ، ثُمَّ يَقُولُ : أَوَ لَيْسَ قَدْ زَعَمْتَ أَنْ لَا تَسْأَلَنِي غَيْرَهُ ، وَيْلَكَ يَا ٱبْنَ آدَمَ مَا أَغْدَرَكَ ، فَيَقُولُ : يَا رَبِّ لَا تَجْعَلْنِي أَشْقَى خَلْقِكَ ، فَلَا يَزَالُ يَدْعُو حَتَّى يَضْحَكَ ، فَإِذَا ضَحِكَ مِنْهُ أَذِنَ لَهُ بِالدُّخُولِ فِيهَا ، فَإِذَا دَخَلَ فِيهَا قِيلَ : تَمَنَّ مِنْ كَذَا ، فَيَتَمَنَّى ، ثُمَّ يُقَالُ لَهُ : تَمَنَّ مِنْ كَذَا ، فَيَتَمَنَّى ، حَتَّى تَنْقَطِعَ بِهِ الْأَمَانِيُّ ، فَيَقُولُ لَهُ : هٰذَا لَكَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ) .

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ : وَذٰلِكَ الرَّجُلُ آخِرُ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولاً .

قَالَ : وَأَبُو سَعِيدٍ الخُدْرِيُّ جَالِسٌ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ لَا يُغَيِّرُ عَلَيْهِ شَيْئًا مِنْ حَدِيثِهِ ، حَتَّى انْتَهَى إِلَى قَوْلِهِ : (هٰذَا لَكَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ) . قَالَ أَبُو سَعِيدٍ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ : (هٰذَا لَكَ وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهِ) . قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ حَفِظْتُ : (مِثْلُهُ مَعَهُ) . [ر : ۷۷۳]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا قیامت کے دن ہم اپنے رب کو دیکھ سکیں گے، آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیا سورج کے دیکھنے میں کوئی دشواری ہوتی ہے، جب کہ اس پر کوئی بادل نہ ہو؟...... صحابہ نے عرض کی نہیں، یا رسول اللہ! آنحضور نے دریافت فرمایا، کیا جب کوئی بادل نہ ہوتو تمہیں چودھویں رات میں چاند دیکھنے میں کوئی دشواری ہوتی ہے؟ صحابہ نے عرض کی کہ نہیں، یا رسول اللہ! حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تم اللہ تعالیٰ کو اس طرح قیامت کے دن دیکھو گے۔

اللہ تعالیٰ لوگوں کو جمع کرے گا اور کہے گا کہ تم میں جو شخص جس چیز کی عبادت کرتا تھا، وہ اس کے پیچھے جائے۔ چنانچہ جو لوگ سورج کی پرستش کرتے تھے، وہ اس کے پیچھے جائیں گے، جو چاند کی پرستش کرتے تھے وہ اس کے پیچھے جائیں گے، جو بتوں کی پرستش کرتے تھے، وہ ان کے پیچھے جائیں گے اور آخر میں یہ امت باقی رہ جائے گی، اس میں منافقین کی جماعت بھی ہوگی، اس وقت اللہ تعالیٰ ان کے پاس اس صورت میں آئے گا جسے وہ پہچانتے نہ ہوں گے، اور اللہ کہے گا، میں تمہارا رب ہوں، لوگ کہیں گے تجھ سے اللہ کی پناہ، ہم یہیں ہیں اور ہمارا رب ہمارے پاس آئے گا، جب ہمارا رب ہمارے پاس آئے گا تو ہم اسے پہچان لیں گے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کے پاس اس صورت میں آئے گا جسے وہ پہچان لیں گے، اور فرمائے گا کہ میں تمہارا رب ہوں، لوگ کہیں گے کہ تو ہمارا رب ہے، اور پھر اس کے پیچھے چلیں گے اور جہنم کا پل بنا دیا جائے گا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں

سب سے پہلا شخص ہوں گا جو اس پل کو پار کرے گا، اور اس دن رسولوں کی یہ دعا ہوگی کہ اے اللہ! سلامتی رکھ، سلامتی رکھ، اور اس پل کے ساتھ سعدان کے کانٹوں کی طرح کانٹے لگے ہوں گے، تم نے سعدان کے کانٹے دیکھے ہیں؟ صحابہؓ نے عرض کی، کیوں نہیں، یا رسول اللہ! حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر وہ کانٹے سعدان کے کانٹوں کی طرح ہوں گے، البتہ ان کی لمبائی چوڑائی اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ وہ لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق اچک لیں گے اور اس طرح ان میں سے بعض تو اپنے عمل کی وجہ سے ہلاک ہو جائیں گے اور بعض کے جسم رائی کے دانے کے برابر کٹ چکے ہوں گے، پھر وہ نجات پا جائے گا۔

آخر جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ سے فارغ ہو جائے گا اور جہنم سے انہیں نکالنا چاہے گا جنہیں نکالنے کی اللہ کی مشیت ہوگی، یعنی وہ جنہوں نے کلمہ لا الہ الا اللہ کی گواہی دی ہوگی، تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ وہ ایسے افراد کو جہنم سے نکال لیں، فرشتے انہیں سجدے کے نشانات سے پہچان لیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آگ پر حرام قرار دیا ہے کہ ابن آدم کے جسم میں سجدہ کے نشان کی جگہوں کو ختم کرے۔

چنانچہ فرشتے ان لوگوں کو نکالیں گے، یہ جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے، پھر ان پر پانی چھڑکا جائے گا جسے ''ماء الحیاۃ'' (زندگی کا پانی) کہتے ہیں۔ اس وقت وہ تروتازہ ہو جائیں گے۔ جیسے سیلاب کے ساتھ بہہ کر آنے والی آلائشوں میں سے دانے کا کونپل نکل آتا ہے۔

ایک شخص ایسا باقی رہ جائے گا جس کا چہرہ جہنم کی طرف ہوگا اور وہ کہے گا، اے میرے رب! اس کی لپٹ نے مجھے جھلسا دیا ہے اور اس کی تیزی نے مجھے جلا ڈالا ہے، میرا چہرہ آگ کی طرف سے کسی دوسری طرف کر دے'' وہ اسی طرح اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے گا، آخر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اگر میں تمہارا یہ مطالبہ پورا کر دوں تو پھر تم دوسری چیز مانگنی شروع

کردو گے، وہ شخص عرض کرے گا نہیں، تیری عزت کی قسم! میں اس کے سوا اور کوئی چیز نہیں مانگوں گا۔

چنانچہ اس کا چہرہ جہنم کی طرف سے دوسری طرف پھیر دیا جائے گا، اب اس کے بعد وہ کہے گا، اے میرے رب! مجھے جنت کے دروازے کے قریب کر دیجئے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تم نے ابھی یقین نہیں دلایا تھا کہ اس کے سوا اور کوئی چیز نہیں مانگے گا، افسوس! ابن آدم، تو کتنی وعدہ خلافی کرتا رہتا ہے۔

پھر وہ برابر اس طرح دعا کرتا رہے گا، اور آخر اللہ تعالیٰ کہے گا کہ اگر میں تمہاری یہ دعا قبول کرلوں تو تم پھر اس کے علاوہ اور چیز تو نہ مانگو گے، وہ شخص کہے گا کہ نہیں، تیری عزت کی قسم! میں اس کے سوا اور کوئی چیز تجھ سے نہیں مانگوں گا وہ اللہ سے عہد و میثاق کرے گا، کہ اس کے سوا کوئی اور چیز نہیں مانگے گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ اسے جنت کے دروازے سے قریب کر دے گا، جب وہ جنت کے اندر کی نعمتوں کو دیکھے گا تو جتنی دیر تک اللہ تعالیٰ چاہے گا وہ شخص بھی خاموش رہے گا، پھر کہے گا، میرے رب! مجھے جنت میں داخل کر دے، اللہ تعالیٰ خاموش رہے گا، پھر کہے گا، میرے رب! مجھے جنت میں داخل کر دے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کیا تم نے یہ یقین نہیں دلایا تھا کہ اس کے سوا تم کوئی چیز نہیں مانگو گے، افسوس! ابن آدم تم کتنے عہد شکن ہو، وہ شخص عرض کرے گا، اے میرے رب! مجھے اپنی مخلوق کا سب سے بدبخت فرد نہ بنا، وہ برابر دعا کرتا رہے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہنس دے گا، جب اللہ ہنس دے گا تو اسے جنت میں بھی داخل ہونے کی اجازت مل جائے گی۔

جب وہ اندر چلا جائے گا تو اس سے کہا جائے گا کہ فلاں چیز کی خواہش کرو، چنانچہ وہ اس کی خواہش کرے گا، اس کے بعد پھر کہا جائے گا کہ فلاں چیز کی خواہش کرو، چنانچہ وہ پھر اس کی خواہش کرے گا، یہاں تک کہ اس کی خواہشات ختم ہو جائیں گی۔

اس کے بعد اس سے کہا جائے گا کہ تمہاری یہ ساری خواہشات پوری کی جاتی ہیں

اور اتنی ہی مزید نعمتیں دی جاتی ہیں۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص جنت میں سب سے آخری داخل ہونے والا ہوگا۔

عطا بن یزید فرماتے ہیں کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بھی اس وقت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور انہوں نے آپ کی حدیث میں کسی طرح کی تصحیح وتبدیلی نہیں کی، لیکن جب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث کے اس ٹکڑے تک پہنچے کہ ''تمہاری یہ ساری خواہشات پوری کی جاتی ہیں اور اتنی ہی مزید نعمتیں دی جاتی ہیں'' تو ابوسعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''تمہاری یہ ساری خواہشات پوری کی جاتی ہیں، اس سے دس گنا مزید نعمتیں دی جاتی ہیں''۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے ومثلہ معہ (اتنی ہی مزید)...... کے الفاظ یاد ہیں۔

سند کی وضاحت

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث دو طریق سے نقل کی ہے اور دونوں طریق امام زہری رحمہ اللہ پر جا کر جمع ہو جاتے ہیں۔

❶ پہلے طریق میں امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ ابوالیمان (حکم بن نافع) ہیں، ان کے شیخ شعیب بن ابی حمزہ ہیں اور وہ امام زہری سے نقل کرتے ہیں، امام زہری کے دو شیخ ہیں، سعید بن المسیب اور عطاء بن یزید اس طریق میں امام بخاری اور امام زہری کے درمیان صرف دو واسطے ہیں۔

❷ دوسرے طریق میں امام بخاری کے شیخ محمود بن غیلان ہیں، ان کے شیخ عبدالرزاق بن ہمام اور ان کے شیخ معمر بن راشد ہیں اور معمر، امام زہری سے نقل کرتے ہیں اور امام زہری عطاء بن یزید سے روایت کرتے ہیں، اس طریق میں امام زہری کے ایک شیخ ہیں، پہلے طریق میں دو تھے، اس طرح اس طریق میں امام بخاری اور امام زہری کے درمیان تین واسطے ہیں، پہلے طریق میں دو واسطے تھے! الفاظ حدیث اسی دوسرے طریق کے ہیں (۳)۔

(۳) إرشاد الساري: ۱۳/۵۷۰، وفتح الباري: ۱۱/۵۴۳، وعمدة القاري: ۲۳/۲۰۳

وبه كلا ليب مثل شَوْك السَّعْدان

كلاليب: كَلُّوب (بروزن تنور) کی جمع ہے، زنبور، کانٹے دار، لوہا، کانٹا، به کی ضمیر ''جسر'' کی طرف راجع ہے۔ سَعْدان: (سین کے فتحہ کے ساتھ) یہ ایک خاردار پودا ہے۔ شَوْك: کانٹا، ابن عربی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ دنیا کی نفسانی خواہشات، ان کانٹوں کی صورت میں ظاہر ہوں گی جس کی طرف حدیث میں اشارہ کیا گیا: ''حفت النار بالشهوات......''(٤).

منهم المُوْبَق بعمله، ومنهم المُخَرْدَل

مُوْبَق: باب افعال سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، ہلاک کیا گیا شخص۔ المُخَرْدَل: بچھاڑا ہوا شخص جس کے اعضاء رائی کے برابر چھوٹے چھوٹے کر کے کٹے ہوئے ہوں، چنانچہ علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''المُخَرْدل: المصروع، وما تقطع أعضاؤه أي جعل كل قطعة منه بمقدار خردلة''(٥)

اس سے وہ مومن مراد ہے جو گناہ گار ہو۔

اُمْتُحِشُوا: یہ ماضی مجہول کا صیغہ ہے اور معروف بھی استعمال ہوتا ہے، جل چکے ہوں گے۔

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں: أي احترقوا، والمَحْش: احتراق الجلد، وظهور العَظْم(٦).

قَشبني ريحُها: قَشَب کے معنی تکلیف دینے اور برا لگنے کے آتے ہیں، یعنی اس کی ہوا مجھے تکلیف دے رہی ہے۔ ذَكاء: گرمی، تپش (٧)۔

فيأتيهم في الصورة التي يعرفون ...... اس حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ جل شانہ اپنی صورت میں آئیں گے، صورت جسم کے لوازم میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ جسم اور اس کے لوازم سے پاک اور منزہ ہے، یہ صفات متشابہات کہلاتی ہیں اور اہلِ علم کا اس میں اختلاف ہے، یہاں اس پر نسبتاً تفصیلی بحث کی جاتی ہے۔

---

(٤) إرشاد الساري: ٥٧٣/١٣

(٥) شرح الكرماني: ٦١/٢٣، وعمدة القاري: ٢٠٦/٢٣

(٦) النهاية: ٦٣٨/٢

(٧) لغات کی تحقیق کے لئے دیکھئے، شرح الكرماني: ٦١/٢٣-٦٢

مسئلہ صفاتِ متشابہات باری تعالیٰ

قرآن وحدیث کے اندر اللہ جل شانہ کے لئے ثابت بہت سارے اوصاف ایسے ہیں کہ ان کو اپنے حقیقی معنی میں اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرنا، صحیح نہیں کیونکہ وہ جسم اور لوازم جسم میں سے ہیں اور اللہ تعالیٰ جسم اور اس کے ہر طرح کے لوازم سے پاک ومنزہ ہے، مثلاً: ید، وجہ، ساق، ذات، استواء علی العرش، فوق، تحت...... وغیرہ، بہت سارے الفاظ قرآن وحدیث کے اندر اللہ جل شانہ کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔

ان تمام کلمات کو اپنے ظاہری اور حقیقی معنی پر محمول کر کے بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے ان کو ثابت مانا ہے اور یہ عقیدہ اختیار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی اسی طرح ید، وجہ اور ساق ہیں جس طرح مخلوق کے لئے ہیں، یہ ایک باطل عقیدہ ہے، جس کو فرقہ مجسمہ اور مشبہ نے اختیار کیا ہے (۸)۔

اس کے بالمقابل، ایک دوسرے فرقہ نے، اللہ تعالیٰ کے ان اوصاف وصفات کو مسترد کر دیا، ان کے اصل سے انکار کر کے، ان اوصاف کے مجازی معنی بیان کئے اور کہا کہ ان اوصاف کے یہی مجازی معنی یقینی طور پر مراد ہیں! اس فرقے کو معتزلہ اور معطلہ کہا جاتا ہے (۹)۔

اہل السنّت کا مسلک

اہل السنّت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ اوصاف قرآن وحدیث کے اندر ثابت ہیں اور اللہ جل شانہ جسم، لوازم جسم اور مخلوق کے ساتھ کسی بھی قسم کی مشابہت سے پاک ومنزہ ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لیس کمثله شیئ﴾ البتہ اس اجماعی عقیدے کے بعد ان نصوص وصفات کے بارے میں تعبیر وتشریح کا ایک اختلاف اہل السنّت والجماعت میں پایا جاتا ہے جسے آپ تین مسلکوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

---

(۸) دیکھئے، شرح المقاصد: ۳/۳۴، المقصد الخامس في الإلٰهيات، فصل في التنزيهات، وأصول فخر الإسلام البزدوي: ۱/۹۴، والمسامرة: ۴۴-۵۵

(۹) كشف الأسرار عن أصول فخر الإسلام: ۱/۹۴-۹۵، ومجموع فتاوىٰ ابن تيميه، كتاب الأسماء والصفات: ۵/۲۸، ۴۷، والتمهيد لابن عبدالبر: ۷/۱۴۵

❶ **پہلا مسلک**: جمہور علماء اہل السنّت کا مسلک یہ ہے کہ یہ نصوص ان متشابہات میں سے ہیں، جن کے معنی صرف اللہ کو معلوم ہیں اور ہم ان کو ثابت تسلیم کرنے کے بعد، ان کے حقیقی یا مجازی معنی بیان و متعین نہیں کر سکتے، یہ متشابہ المعنی بھی ہیں اور متشابہ الکیفیہ بھی ہیں ﴿وما یعلم تاویله إلا اللّٰه﴾ یعنی اس کی تفسیر صرف اللہ ہی کو معلوم ہے، یہ مسلک تفویض ہے اور یہی جمہور متقدمین اہل السنّت اور ائمہ اربعہ کا مسلک ہے(۱۰)۔

❷ **دوسرا مسلک** یہ ہے کہ یہ نصوص اپنی حقیقت پر ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ کے شایان شان جو حقیقی معنی اس کے ہوسکتے ہیں، وہی مراد ہیں، اس کی کیفیت، کنہ اور صورت کیا ہوگی؟...... یہ معلوم نہیں، یعنی یہ نصوص وصفات معلوم المعنی اور متشابہ الکیفیہ ہیں، اسی مسلک کی وضاحت میں مشہور مقولہ کہا گیا، "الاستواء معلوم، والکیف مجهول، والسؤال عنه بدعة...... اور......الاستواء غیر مجهول، والکیف غیر معقول، والإیمان به واجب...... امام مالک اور ان کے استاذ ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن وغیرہ کی طرف یہ مقولہ منسوب ہے(۱۱).

درحقیقت یہ مسلک بھی "مسلک تفویض" ہے، لیکن دوسرے مرحلے میں، پہلے مسلک کے قائلین ان صفات کے بارے میں شروع ہی سے تفویض کی بات کرتے ہیں کہ اس کے حقیقی یا مجازی معنی ہمیں معلوم نہیں، اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہیں، دوسرے مسلک کے قائلین کہتے ہیں کہ یہ حقیقی معنی میں ہیں، اب اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت کرتے ہوئے، اس کی کنہ اور حیثیت کیا ہوگی، وہ کہتے ہیں ہمیں معلوم نہیں، اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے(۱۲)۔

---

(۱۰) دیکھئے، تحفة الأحوذي، أبواب صفة الجنة، باب ماجاء في خلود أهل الجنة: ۳۳۷/۳

(۱۱) دیکھئے، مجموع فتاویٰ ابن تیمیه، کتاب الأسماء والصفات: ۲۳/۵

(۱۲) تفصیل کے لئے دیکھئے، مجموع فتاویٰ ابن تیمیه، کتاب الأسماء والصفات: ۵/۴۷-۵۵

قال ابن عبدالبر في التمهيد: ۱۴۵/۷، أهل السنة مجمعون علی الإقرار بالصفات الواردة کلها في القرآن والسنة، والإیمان بها، وحملها علی الحقیقة؛ لا علی المجاز، إلا أنهم لا یکیفون شیئاً من ذلك.

نیز دیکھئے، دارالعلوم دیوبند...... مدرسة فکریة، باب التوحید: ۵۴۵، (مقالة سماحة العلامة مولانا محمد تقي العثماني حفظه اللّٰه ورعاه)

❸ **تیسرا مسلک:** اہل سنت والجماعت کا تیسرا مسلک یہ ہے کہ ان صفات ونصوص کے ایسے مجازی معنی بیان کئے جائیں جو اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان ہوں اور لفظ کے اندر، اس معنی کے مراد لینے کی گنجائش ہو، مثلاً ید سے قدرت، وجہ سے ذات اور استواء سے استیلاء مراد لیا جاسکتا ہے، اس مسلک کو "مسلک تاویل" کہتے ہیں اور اکثر متاخرین اہل السنّت نے اسی مسلک کو اختیار کیا ہے، البتہ جو مجازی معنی مراد لئے جاتے ہیں وہ یقینی اور قطعی نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ ان پر جزم کا عقیدہ رکھتے ہیں، بلکہ وہ ظن اور احتمال کے درجے میں ہوتے ہیں، یعنی ید کی تاویل وہ قدرت سے کرکے کہتے ہیں کہ یہ ایک تاویل اور احتمالی تفسیر کے درجے میں ہے، ید سے یقینی اور حتمی طور پر نصوص کے اندر قدرت ہی مراد ہے، اس کا عقیدہ وہ نہیں رکھتے (۱۳)! چنانچہ علامہ ابن الہمام اپنی مشہور کتاب "المسايرة في العقائد المنْجية في الآخرة" میں لکھتے ہیں:

"أنه تعالىٰ استوى على العرش: مع الحكم بأنه ليس كاستواء الأجسام على الأجسام من التمكن والمماسة، والمحاذاة، بل بمعنى يليق به هو سبحانه أعلم به، وحاصله وجوب الإيمان بأنه استوى على العرش مع نفي التشبيه، فأما كون المراد أنه استيلاؤه على العرش فأمر جائز الإرادة، إذ لا دليل على إرادته عيناً، فالواجب عيناً ما ذكرنا، وإذا خيف على العامة عدم فهم الاستواء إذا لم يكن بمعنى الاستيلاء إلا باتصال ونحوه من لوازم الجسمية وإن لا ينفوه؛ فلا بأس بصرف فهمهم إلى الاستيلاء، فإنه قد ثبت إطلاقه وإرادته لغة...... وعلى نحو ما ذكرنا كل ما ورد مما ظاهره الجسمية في الشاهد كالإصبع، والقدم، واليد؛ فإن اليد وكذا الإصبع وغيره صفة له تعالىٰ لا بمعنى الجارحة، بل على وجه يليق به وهو سبحانه أعلم به، وقد تؤوّل اليد والإصبع بالقدرة، والقهر لما ذكرنا من صرف فهم العامة عن الجسمية وهو ممكن أن يراد، ولا يجزم بإرادته خصوصاً على قول أصحابنا

(۱۳) فتح الباري، كتاب التوحيد، باب مايذكر في الذات: ۱۳/۴۶۹

إنها من المتشابهات وحكم المتشابه انقطاع رجاء معرفة المراد منه في هذا الدار وإلا لكان قد علم"(١٤).

یعنی "ہم استواء علی العرش پر ایمان لاتے ہیں، اس بات کے حکم کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ کا استواء، جسموں کے استواء کی طرح نہیں ہے کہ کسی مکان میں بیٹھنے، چھونے یا مقابل ہونے کے معنی رکھتا ہو، بلکہ ایک ایسے معنی کے اعتبار سے ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہو، جس کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، حاصل اس کا یہ ہے کہ استواء علی العرش پر ایمان لانا نفیِ تشبیہ کے ساتھ واجب ہے، ہاں اس سے استیلاء بھی مراد لے سکتے ہیں لیکن اس پر کوئی دلیل نہیں ہے اور چونکہ عام لوگوں کے بارے میں اندیشہ تھا کہ وہ استواء سے کہیں وہ معنی مراد نہ لے لیں جو جسم کے لوازم میں سے ہے، اس لئے ان کی فکر وسوچ کو جسمیت سے پھیرنے کے لئے استواء کی تفسیر استیلاء سے کردی جاتی ہے کیونکہ لغت کے اعتبار سے استواء علی العرش کے معنی استیلاء کے آتے ہیں...... یہی مسلک ان تمام نصوص اور الفاظ کے بارے میں اختیار کیا جائے گا جو ظاہراً جسم کے لئے استعمال ہوتے ہیں، جیسے اصبع، قدم اور ید ہیں، چنانچہ ید، اللہ تعالیٰ کی صفت ہے لیکن جارحہ کے معنی میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس کے شایان شان جو معنی ہیں، وہی مراد ہوں گے، ید اور اصبع کی تاویل "قدرت" اور "قہر" سے بھی کی گئی ہے یہ امکانی معنی تو ہو سکتے ہیں لیکن یقینی اور حتمی معنی نہیں، خاص کر ہمارے اصحاب (یعنی اشاعرہ اور ماتریدیہ) کے نزدیک یہ متشابہات میں سے ہیں اور متشابہات کا حکم یہ ہے کہ اس دنیا کے اندر اس کی مراد کی یقینی طور پر معرفت کی امید نہیں کی جاسکتی، ورنہ اس کے معنی سب کو معلوم ہوتے"۔

بہرحال یہ تینوں مسلک اہل السنّت والجماعت کے ہیں:

...... یہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ یہ نصوص اور اوصاف اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں۔

...... یہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ انسانوں اور مخلوق کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان الفاظ کے جو

(١٤) المسايرة في العقائد المنجية في الآخرة: ٤٨-٤٤

معانی ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہوئے وہ معانی مراد نہیں۔

......یہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسم، لوازم جسم اور مخلوق کے ساتھ ہر قسم کی مشابہت سے بالکل پاک اور منزہ ہیں ﴿لیس کمثلہ شیئ وهو السميع البصير﴾(☆١٥).

مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے دوسرے مسلک کو اکثر علماء کا اور تیسرے مسلک کو اکثر متاخرین متکلمین کا مذہب قرار دیا، چنانچہ مولانا اپنے ایک فتوی لکھتے ہیں:

''اس باب میں علماء کے چند مسلک ہیں، ایک مسلکِ تاویل کہ استواء بمعنی استیلاء وید بمعنی قدرت و وجہ بمعنی ذات ہے، وعلی ہذا القیاس اور یہی مختار اکثر متاخرین متکلمین کا ہے۔ دوسرا مذہب: تشابہ فی المعنی وفی الکیفیہ۔ تیسرا مسلک: معلوم المعنی متشابہۃ الکیفیہ اور حق ان میں مسلک ثالث ہے اور یہی مذہب صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین ومحدثین وفقہاء واصولیین محققین ہے''(۱۵)۔

راجح اور محتاط مسلک

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اکثر علماء نے پہلا مسلک اختیار کیا ہے جو''مسلک تفویض'' سے مشہور ہے اور وہی مسلک سب سے زیادہ اسلم اور مذہب محتاط ہے:

☆......چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ ''سنن الترمذی'' میں فرماتے ہیں:

"قد روي عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم روايات كثيرة مثل هذا ما يذكر فيه أمر الرؤية أن الناس يرون ربهم، وذِكْرُ القدم، وما أشبه هذه الأشياء، والمذهب عند أهل العلم من الأئمة مثل سفيان الثوري ومالك بن أنس، وابن المبارك، وابن عيينة، ووكيع وغيرهم أنهم رووا هذه الأشياء ثم قالوا: تُرْوى هذه الأحاديث، ونؤمنُ بها. ولا يقال: كيف؟ وهذا الذي اختاره أهل الحديث أن تروى هذه الأشياء كما جاءت، ويُؤْمَن بها، ولا تُفَسَّر، ولا تتوهم، ولايقال:

(☆١٥) سورة الشورى: ١١

(١٥) مجموعه فتاوىٰ عبدالحي، ١/٣٩

كيف، وهذا أمر أهل العلم الذي اختاروه، وذهبوا إليه"(١٦).

یعنی رؤیت باری تعالیٰ کے بارے میں اس طرح کی کئی روایات آئی ہیں کہ (آخرت میں) لوگ اپنے رب کی زیارت کریں گے، اسی طرح قدم وغیرہ الفاظ بھی آئے ہیں، اس سلسلے میں سفیان ثوری، امام مالک بن انس، سفیان بن عیینہ اور وکیع وغیرہ حضرات ائمہ اہل علم کا مسلک یہ ہے کہ ان احادیث کی روایت کی جائے، ان پر ایمان لایا جائے اور کیفیت کے بارے میں نہ پوچھا جائے کہ اس کی صورت وکیفیت کیا ہوگی؟ حضرات محدثین نے اسی مسلک کو اختیار کیا ہے کہ یہ احادیث جس طرح آئی ہیں، اسی طرح ان پر ایمان لایا جائے، ان کی نہ تفسیر کی جائے نہ ان کے موہم تجسیم ظاہری معنی مراد لئے جائیں اور نہ یہ کہا جائے کہ اس کی کیفیت کیا ہوگی، اہل علم کا یہی مسلک ہے۔

☆......حضرت سفیان بن عیینہ اور امام محمد سے منقول ہے:

"ما وصف الله تبارك تعالىٰ بنفسه في كتابه، فقراء ته تفسيره، ليس لأحد أن يفسره بالعربية ولا بالفارسية"(١٧).

یعنی اللہ تعالیٰ نے (اس طرح کے الفاظ کے ساتھ) اپنے جو اوصاف بیان فرمائے ہیں، ان کو پڑھنا ہی بس ان کی تفسیر ہے، کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ ان کی عربی یا فارسی میں تفسیر کرے۔

☆......حضرت وکیع بن الجراح فرماتے ہیں:

"أدركت إسماعيل بن أبي خالد، وسفيان، ومسعرا يحدثون بهذه الأحاديث ولا يفسرون شيئاً"(١٨).

یعنی میں نے اسماعیل بن ابی خالد، سفیان ثوری اور مسعر کو دیکھا کہ وہ ان

---

(١٦) سنن الترمذي، أبواب صفة الجنة، باب ماجاء في خلود أهل الجنة، رقم الحديث: ٢٥٥٧

(١٧) كتاب الأسماء والصفات للبيهقي: ٣١٤

(١٨) التمهيد لابن عبدالبر: ١٤٩/٧

احادیث کو بیان کرتے تھے لیکن کسی چیز کی تفسیر نہیں کرتے تھے۔

☆......اس مسلک کے بارے میں علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "هذا هو المذهب المعتمد، وبه يقول السلف الصالح" (١٩). یعنی یہی مذہب قابل اعتماد ہے اور سلف صالحین اسی کے قائل ہیں!

☆......اور علامہ ابن الجوزی فرماتے ہیں:

"وأكثر السلف يمتنعون من تاويل مثل هذا، ويُمرونه كماجاء وينبغي أن يراعى في مثل هذا الإمرار؛ اعتقاد أنه لا تشبه صفات الله صفات الخلق، ومعنى الإمرار عدم العلم بالمراد منه مع اعتقاد التنزيه" (٢٠).

یعنی حضرات سلف میں سے اکثر اس طرح کی صفات میں تاویل سے گریز کرتے تھے اور جیسے یہ وارد ہیں، اسی طرح انہیں گزار لیتے تھے، اس عقیدے کی رعایت کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف، مخلوق کی صفات سے مشابہت نہیں رکھتے، امرار یعنی گزارنے کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ کا عقیدہ رکھتے ہوئے ان کی مراد کے بارے میں لاعلم ہونا۔

چند اہم باتیں

اہل حق کے ان تین مسلکوں کو سمجھنے کے بعد، اب چند باتیں صفات متشابہات کے بارے میں ذہن نشین کرلیں:

☆......ان تین مذاہب میں سے کسی بھی مسلک کو بالکلیہ غلط اور باطل نہیں کہا جاسکتا، قرآن وحدیث کے اندر ہر ایک مسلک کے لئے تعبیر کی بہر حال گنجائش ہے، البتہ پہلا مسلک اسلم اور محتاط ہے اور وہی مسلک جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کا ہے جیسا کہ واضح کردیا گیا ہے۔

☆......عالم اسلام میں، ایک طویل عرصے سے، اس مسئلے میں مناظرے اور مباحثے ہوتے رہے اور بسا اوقات طرفین سے غلو اور تجاوز بھی ہوتا رہا ہے اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے حالانکہ ذکر کردہ متفق علیہ امور

(١٩) فتح الباري، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالىٰ: ولتصنع على عيني: ١٣/ ٤٧٨

(٢٠) فتح الباري: ٦/ ٤٠، كتاب الجهاد، باب الكافر يقتل المسلم، رقم الحديث: ٢٨٢٦

کے بعد یہ اختلاف کوئی زیادہ وزنی حیثیت نہیں رکھتا اور تقریباً تعبیر کا اختلاف رہ جاتا ہے لیکن مناظرانہ رنجشوں نے اسے ایک ہوا بنا دیا ہے اور طرفین کے بعض حضرات کی طرف سے غلو ہوتا رہا ہے......

چنانچہ اکثر متاخرین متکلمین اہل سنت نے ''مسلک تاویل'' اختیار کیا ہے کہ کہیں عوام ان صفات کو عام حقیقی معنوں میں لے کر مجسمہ کا مسلک اختیار نہ کرلیں، یہاں تک تو ٹھیک ہے لیکن اس مسلک کے بعض غالی حضرات، حق صرف اسی مسلک کو سمجھتے ہیں، بلکہ متقدمین کے مسلکِ تفویض کو بھی مسلکِ تاویل میں ڈھالنے کی سعی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا مسلک ''تاویل اجمالی'' پر مشتمل ہے...... حالانکہ متقدمین مطلقاً تاویل نہیں کرتے، نہ اجمالی، نہ تفصیلی، بلکہ تفویض اختیار کرتے ہیں۔

سلفی حضرات کا تشدد

☆ ...... دوسری طرف سلفی حضرات اور غیر مقلدین تاویل کرنے والوں کو حق پر نہیں سمجھتے اور انہیں معطلہ قرار دے کر، ان کو گمراہ سمجھتے ہیں، اس سلسلے میں انہوں نے مقالوں اور مضامین کا ایک انبار لگا دیا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ تعبیری اختلاف کا یہ اجتہادی مسئلہ، عالم اسلام کا سب سے اہم مسئلہ ہے، فتح الباری کا جو نیا نسخہ آیا ہے، اس میں حافظ ابن حجر نے صفات متشابہات میں جہاں جہاں علماء اور ائمہ کے تاویلی اقوال نقل کئے ہیں، ایک سلفی اہل قلم زہیر شاویش صاحب، ان مقامات پر بڑے اہتمام کے ساتھ حاشیہ لگا دیتے ہیں کہ یہ تاویل درست نہیں اور اپنا مسلک ذکر کر دیتے ہیں، مثلاً حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہاں کتاب الرقاق میں ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا مطلب، اللہ تعالیٰ کا خیر کا ارادہ کرنا ہے اور سخط اللہ کا مطلب ارادہ شر ہے، بعض علماء نے اللہ کی رضا اور سخط کا یہ مطلب بیان کیا ہے، اس پر یہ سلفی لکھتے ہیں:

''الواجب إثبات هاتين الصفتين: الرضاء، والسخط كباقي الصفات على الحقيقة اللائقة بالله عزوجل من غير تكييف ولا تمثيل، ولا تحريف ولا تعطيل، هذا الواجب في باب الأسماء والصفات جميعا كما قال سبحانه تعالىٰ ﴿ليس كمثله شيئ وهو السميع البصير﴾ وسد باب التأويل الذي هو في

الحقيقة نفي وتعطيل"(۲۱).

تاویل کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ درحقیقت، اللہ تعالیٰ کی ثابت صفات کی نفی ہے اور صفات کو معطل کرنا ہے، یہ تشدد، غلو اور خلاف حقیقت بات ہے، اہل سنت والجماعت کے متأخرین متکلمین نے جو مسلک تاویل اختیار کیا ہے، وہ حضرات صفات کی نفی ہرگز نہیں کرتے بلکہ ان کے جو محتمل مجازی معانی ہوسکتے ہیں، ان میں ایک معنی ظنی تفسیر اور مراد کے طور پر بیان کردیتے ہیں کہ اس صفت کے یہ معنی مراد لئے جاسکتے ہیں، جیسا کہ پہلے گزر چکا......

ہاں معتزلہ اور جہمیہ تاویلی معنی پر جزم کرتے ہیں، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> ''اعتراض ہوتا ہے کہ جس طرح گروہ اشاعرہ، ماتریدیہ تاویلات کرتے ہیں، معتزلہ اور جہمیہ بھی تاویلات کرتے ہیں، اُن میں اور ان میں کیا فرق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں کی تاویلات میں فرق یہ ہے کہ اشاعرہ، ماتریدیہ تاویلات پر جزم نہیں کرتے، برخلاف معتزلہ وغیرہ کے کہ وہ تاویلات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بس یہاں یہی معنی مراد ہیں''(۲۲)۔

حضرات صحابہ اور جلیل القدر تابعین سے مختلف آیات ونصوص کے بارے میں تاویل منقول ہے۔ جس کی تفصیل آگے کتاب التوحید میں آرہی ہے، اس لئے یہ کہنا کہ مسلک تاویل، مسلک تعطیل ہے، درست نہیں۔ علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے "دفع شبه التشبيه" کے نام سے مستقل ایک کتاب لکھی ہے، جس میں ان لوگوں پر تنقید کی گئی ہے جو تاویل کا مطلق انکار کرتے ہیں، اسی صاحب نے آگے کتاب التوحید میں تفویض اور تاویل دونوں مسلکوں کو باطل قرار دیا(۲۳) ظاہر ہے، یہ غلو، افراط اور حد سے تجاوز ہے۔

---

(۲۱) فتح الباري، كتاب الرقاق، باب من نوقش الحساب عذب: ۱۱/۴۹۱،

(۲۲) معارف مدنيه: ۸۴۷

(۲۳) چنانچہ شاویش صاحب لکھتے ہیں:

"......وطريقي التفويض والتأويل في باب الصفات مسلكان باطلان، أما أهل السنة والجماعة فيقابلون نصوص الأسماء والصفات بالإيمان بها، والتسليم والإثبات والتنزيه على الكمال الائق به". (فتح الباري، كتاب التوحيد، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: لا شخص أغير من الله: ۱۳/۴۹۳)

☆......اور آخری بات یہ سمجھ لیجئے کہ اوپر جو تین مسلک بیان ہوئے ہیں، وہ تینوں صحیح ہیں، علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم اور ان کی اتباع میں عرب کے سلفی اور ہندوستان کے غیر مقلدین نے دوسرا مسلک اختیار کیا ہے، لیکن بسا اوقات وہ تفصیل میں جاتے ہوئے ایسی عبارتیں اور الفاظ لے آتے ہیں، جن سے تجسیم اور تشبیہ کی بو آتی ہے (۲۵)۔

صفات باری تعالیٰ کا مسئلہ چونکہ نازک اور حساس ہے، اس لئے کوئی ایسا لفظ، ایسا کلمہ اور عبارت نہیں استعمال کرنی چاہیے جو موہم تجسیم ہو، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"......آج کل بعض لوگ جن پر ظاہریت غالب ہے جب متشابہات کی تفسیر کرتے ہیں تو درجہ اجمال میں تو مسلک سلف پر رہتے ہیں، مگر چار غلطیاں کرتے ہیں:

❶ ایک یہ کہ تفسیر ظنی کی قطعیت کے مدعی ہو جاتے ہیں۔

❷ دوسری غلطی یہ ہے کہ جب تفصیل کرتے ہیں تو عنوانات موہمہ تکییف وتجسیم اختیار کرتے ہیں۔

❸ تیسری غلطی یہ کہ مسلک تاویل کو علی الاطلاق باطل کہہ کر ہزاروں اہل حق کی تضلیل کرتے ہیں۔ حالانکہ اہل حق کے پاس ان کے مسلک کی صحت کے لئے احادیث بھی بناء ہیں اور قواعد شرعیہ بھی......

❹ چوتھی غلطی یہ کہ تفسیر بالاستقرار کو تو سلف کے مسلک پر سمجھتے ہیں اور دوسری تفاسیر لغویہ کو تاویل خلف سمجھتے ہیں، حالانکہ سب کا مساوی ہونا اوپر ظاہر ہو چکا......" (۲۶)۔

علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم اس مسئلہ میں متشدد تھے، لیکن سلفی حضرات اور غیر مقلدین صرف اپنے مسلک کو حق سمجھتے ہیں اور اسی کو اہل السنّت کا مسلک قرار دیتے ہیں، بقیہ حضرات کو وہ گمراہ اور باطل پر سمجھتے ہیں...... جمہور اہل السنّت جن میں حضرات صحابہ، تابعین اور جلیل القدر ائمہ کرام داخل ہیں، کو گمراہ سمجھنا، خود بڑی گمراہی ہے!

اللهم أرنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وأرنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه.

(٢٥) دیکھئے، فيض الباري، كتاب استتابة المرتدين: ٤٧٣-٤٧٤

(٢٦) إمداد الفتاوى: ١١١/٦

٥٣ - باب : في الحَوْضِ .

وَقَوْلِ ٱللهِ تَعَالَى : «إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ ٱلْكَوْثَرَ» /الكوثر : ١/ .

وَقَالَ عَبْدُ ٱللهِ بْنُ زَيْدٍ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (اَصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوْنِي عَلَى الحَوْضِ) .

[ر : ٤٠٧٥]

حوض کا مفہوم......حوض کے بارے میں چند باتیں ذہن نشین کرلیں:

❶ حوض عربی زبان میں تقریباً اسی مفہوم میں استعمال ہوتا ہے جس معنی میں اردو میں مستعمل ہے، حوض سے مراد "حوضِ کوثر" ہے، جس سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے امتیوں کو میدان حشر میں پانی پلائیں گے، یہ درحقیقت میلوں پھیلا ہوا وسیع وعریض تالاب ہے، جس میں جنت کی نہر کوثر سے صاف وشیریں اور خوش ذائقہ پانی ہوگا جو دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھا اور مشک سے زیادہ خوشبودار ہوگا، جیسا کہ آگے احادیث باب میں آرہا ہے۔

حوض کوثر کا ثبوت

❷ معتزلہ وغیرہ حوض کا انکار کرتے ہیں، لیکن احادیث کے اندر اس کا ثبوت تقریباً تواتر معنوی تک پہنچا ہوا ہے، قاضی عیاض پچیس صحابہ سے حوض کی روایات نقل کی ہیں (۱)، امام نووی رحمہ اللہ نے اس پر تین کا اضافہ کیا (۲) اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے پچاس سے زیادہ صحابہ سے حوض کوثر کی روایات نقل فرمائی ہیں اور لکھا کہ بعض علماء کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے یہ تعداد بڑھا کر اسی تک پہنچائی ہے (۳)۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے انبیاء کے لئے بھی حدیث میں "حوض" کا ذکر ملتا

---

(١) فتح الباري: ١١/ ٥٧٠، وشرح مسلم للنووي، باب اثبات الحوض: ٥٣/١٥

(٢) شرح مسلم للنووي، كتاب الفضائل، باب إثبات حوض نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : ٥٣/١٥

(٣) فتح الباري: ١١/ ٥٧٠

ہے، چنانچہ سنن ترمذی میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے "إن لكل نبي حوضاً......" یعنی ہر نبی کا حوض ہے۔ امام ترمذی نے فرمایا کہ اس حدیث کے موصول اور مرسل ہونے میں اختلاف ہے اور اس کا مرسل طریق زیادہ صحیح ہے (۴)۔

ابن ابی الدنیا نے حضرت حسن بصری سے صحیح سند کے ساتھ روایت نقل کی ہے، اس میں ہے:

"إن لكل نبي حوضا، وهو قائم على حوضه، بيده عصا، يدعو من عرف من أمته، ألا وإنهم يتباهون أيهم أكثر تبعا، وإني لأرجو أن أكون أكثرهم تبعا". یعنی بے شک ہر نبی کا ایک حوض ہوگا، وہ اس حوض کے پاس کھڑا ہوگا، ہاتھ میں عصا ہوگی، اپنے امتیوں میں سے جنہیں پہچانے گا، انہی بلائے گا اور حضراتِ انبیاء اپنے امتیوں کی کثرت پر ایک دوسرے پر فخر کریں گے اور مجھے امید ہے میری امت کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔

البتہ یہ روایت بھی مرسل ہے (٥).

لیکن حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حوض کوثر سب سے ممتاز اور الگ ہوگا اور اس میں نہر جنت سے پانی آئے گا۔

حوض، صراط سے پہلے ہوگا یا بعد میں

❸ تیسری بحث یہ ہے کہ حوض کوثر سے پانی پلانے کا یہ سلسلہ کب ہوگا، پل صراط کے بعد یا اس سے پہلے؟

☆......کئی علماء کا خیال ہے کہ یہ صراط سے پہلے ہوگا، لوگ قبروں سے نکلیں گے تو ان کو میدان حشر میں پیاس لگی ہوگی اور ابھی صراط کا مرحلہ نہیں آیا ہوگا، اس وقت یہ حوض ہوگا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میدان محشر ہی میں صراط سے پہلے پہلے لوگوں کو اس کا خوش ذائقہ پانی پلائیں گے۔

---

(٤) سنن الترمذي، كتاب صفة القيامة، باب ماجاء في صفة الحوض: ٦٢٨/٤، رقم الحديث: ٢٤٤٣

(٥) إرشاد الساري: ٥٧٨/١٣

علامہ قرطبی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ کا رجحان اسی طرف ہے اور مشہور بھی یہی ہے(۸)۔

☆......لیکن دوسرے کئی علماء فرماتے ہیں کہ یہ صراط کے بعد ہوگا، امام بخاری رحمہ اللہ کی صنیع سے، بھی یہی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ''باب الصراط ....'' کے بعد ''باب فی الحوض'' قائم کیا(۹)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے، جسے امام ترمذی نے نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ میرے لئے قیامت میں سفارش کریں گے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حامی بھری، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے پوچھا میں آپ کو کہاں ڈھونڈوں؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، آپ سب سے پہلے مجھے صراط پر تلاش کریں، میں نے کہا، وہاں ملاقات نہ ہوئی تو؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میزان کے پاس، میں نے کہا، وہاں نہ ملے تو، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، حوض کے پاس......(۱۰)۔

اس حدیث میں صراحت ہے کہ حوض کے زمانے میں پل صراط موجود ہوگا!

بعض حضرات نے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دو حوض ہوں گے، ایک میدان حشر میں اور قبل الصراط اور دوسرا جنت کے اندر اور دونوں کا نام حوض کوثر ہے!

علامہ عینی رحمہ اللہ اور علامہ قرطبی رحمہ اللہ کا رجحان اسی طرف ہے(۱۱)۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

حوض قبل الصراط پر اشکال کیا گیا کہ میدان حشر اور جنت کے درمیان جہنم ہوگا جس پر پل صراط بچھایا جائے گا اور حوض کا پانی جنت کی نہر کوثر سے آئے گا، اگر حوض کو صراط سے پہلے تقسیم کیا جائے تو جنت اور حوض کے

(۸) فتح الباري: ۱۱/ ٥٦٨

(۹) إرشاد الساري: ۱۳/ ٥٧٧، وفتح الباري: ۱۱/ ٥٦٧

(۱۰) سنن الترمذي، كتاب صفة القيامة، باب ماجاء في شان الصراط: ٤/ ٦٢١، رقم الحديث: ٢٤٣٣

(۱۱) عمدة القاري: ۲۳/ ۲۰۹

درمیان جہنم ہوگا، جنت کی نہر سے پانی، حوض میں کیسے آسکے گا؟ (۱۲)

لیکن اس کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ آخرت کے امور کو نہ دنیا پر قیاس کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی ان تمام مناظر کی صحیح اور حقیقی تصویر دنیا میں ہم سمجھ سکتے ہیں، اس لئے یہ کوئی بعید نہیں کہ جہنم حائل ہونے کے باوجود نہر جنت سے حوض کوثر میں پانی آرہا ہو کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجائبات ان گنت ہیں!

ترجمۃ الباب کی وضاحت

❹ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب کے اندر تقریباً انیس احادیث ذکر فرمائی ہیں، جن میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حوض کوثر کا ذکر ہے، ترجمۃ الباب کے اندر سورہ کوثر کی پہلی آیت ﴿إنا أعطيناك الكوثر......﴾ ذکر فرمائی، اس کی تفسیر کتاب التفسیر میں گزر چکی ہے، کوثر سے خیر کثیر بھی مراد لی گئی ہے اور "حوض کوثر" سے بھی اس کی تفسیر کی گئی ہے (۱۳)، امام بخاری رحمہ اللہ نے باب الحوض میں آیت ذکر کر کے، اس دوسری تفسیر کی طرف اشارہ فرمایا۔

ترجمۃ الباب میں عبداللہ بن زید کی جو تعلیق ذکر فرمائی، اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب المغازی میں باب غزوۃ حنین کے تحت موصولاً نقل کیا ہے۔

باب کی کئی روایات میں آرہا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس حوض کوثر پر ایک جماعت آئے گی، حضور ان لوگوں کو پہنچان لیں گے اور انہیں حوض سے پلانا چاہیں گے کہ درمیان میں رکاوٹ آجائے گی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمائیں گے یہ تو میرے صحابہ اور میرے امتی ہیں، آپ سے کہا جائے گا کہ انہوں نے

---

(١٢) قال القسطلاني: "وأما قول صاحب التذكرة: والصحيح أن له صلى الله عليه وسلم حوضين: أحدهما في الموقف قبل الصراط، والآخر داخل الجنة، وكلاهما يسمى كوثراً متعقّب بأن الكوثرَ نهر داخل الجنة وماؤه يُصبُّ في الحوض، ويطلق على الحوض كوثر، لكونه يمدّ منه، وفي حديث أبي ذر عند مسلم: أن الحوض يشخب فيه ميزابان من الجنة، وقد سبق أن الصراط جسر جهنم، وأنه بين الجنة والموقف، فلو كان الحوض دونه لحالت النار بينه وبين الماء الذي يصب من الكوثر في الحوض والله أعلم. (إرشاد الساري: ٥٧٨/١٣)

(١٣) كشف الباري، كتاب التفسير: ٧٦٠

آپ کے بعد اپنا دین بدل دیا تھا۔

اس سے کون لوگ مراد ہیں؟ بعضوں نے کہا آپ کے زمانے کے منافقین مراد ہیں، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ ان سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد مرتد ہونے والے لوگ مراد ہیں جن سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جہاد کیا تھا (۱۴)۔

٦٢٠٥ : حدّثني يَحْيَىٰ بْنُ حَمَّادٍ : حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ ، عَنْ سُلَيْمانَ ، عَنْ شَقِيقٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : (أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الحَوْضِ) .

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم سے پہلے حوض پر موجود ہوں گا۔

فَـــرَط: اس شخص کو کہتے ہیں جو پانی اور مناسب پڑاؤ کی جگہ تلاش کرنے کے لئے قافلہ سے آگے جاتا ہے۔

وَحَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنِ الْمُغِيرَةِ قالَ : سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الحَوْضِ ، وَلَيُرْفَعَنَّ رِجالٌ مِنكُمْ ثُمَّ لَيُخْتَلَجُنَّ دُونِي ، فَأَقُولُ : يَا رَبِّ أَصْحَابِي ؟ فَيُقَالُ : إِنَّكَ لَا تَدْرِي ما أَحْدَثُوا بَعْدَكَ) .

تَابَعَهُ عاصِمٌ ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ .

وَقالَ حُصَيْنٌ ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ ، عَنْ حُذَيْفَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . [٦٦٤٢]

---

(١٤) فتح الباري: ١١/٤٦٩، وعمدة القاري: ٢٣/١٦٥

٦٢٠٥ : أخرجه مسلم في الفضائل ، باب : إثبات حوض نبينا ﷺ وصفاته ، رقم : ٢٢٩٧ .

(فرطكم) هو الذي يتقدم الواردين ليصلح لهم الحياض والدلاء ونحوها من أمور الاستقاء.

(ليرفعن) يظهرهم الله تعالىٰ لي حتى أراهم . (ليختلجن) يعدل بهم عن الحوض ويجذبون من عندي .

(دوني) قبل أن يصلوا إلي . (ما أحدثوا) من بدعة وفتنة ومعصية .

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میں حوض پر تم سے پہلے ہی موجود ہوں گا اور تم میں سے کچھ لوگ میرے سامنے لائے جائیں گے، پھر انہیں میرے سامنے سے ہٹا دیا جائے گا، تو میں کہوں گا کہ اے میرے رب! یہ میرے ساتھی ہیں، لیکن مجھ سے کہا جائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئی چیزیں ایجاد کر لی تھیں۔

يُخْتَلَجُنَّ: جمع مذکر مجہول کا صیغہ ہے اور آخر میں نون ثقیلہ ہے یعنی پھر مجھ سے کھینچ دیئے جائیں گے، الگ کر دیئے جائیں گے! یقال: اختلجه منه: إذا نزعه منه أو جذبه: کھینچنا، ہٹانا۔

تابعه عاصم: اعمش کی متابعت عاصم نے کی، حارث بن ابی اسامہ نے اسے موصولاً نقل کیا ہے (۱۵) اور حصین بن عبدالرحمٰن واسطی نے یہ روایت ابووائل کے واسطے سے حضرت حذیفہ سے نقل کی ہے اور مسلم نے حصین کی روایت موصولاً نقل کی ہے (۱۶)۔

٦٢٠٦ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا يَحْيىٰ ، عَنْ عُبَيْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنِي نَافِعٌ ، عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (أَمَامَكُمْ حَوْضٌ كَمَا بَيْنَ جَرْبَاءَ وَأَذْرُحَ) .

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہارے سامنے حوض ہے، (اتنے ہی فاصلہ پر جتنا) جرباء اور ازرح کے درمیان ہے۔

جَرْباء: شام کی ایک بستی کا نام ہے۔

---

(۱۵) عمدة القاري: ٢٣/٢١١، وإرشاد الساري: ١٣/٥٧٩

(١٦) عمدة القاري: ٢٣/٢١١، وإرشاد الساري: ١٣/٥٨٠

٦٢٠٦ : أخرجه مسلم في الفضائل ، باب : إثبات حوض نبينا ﷺ وصفاته ، رقم : ٢٢٩٩ .

(جرباء وأذرح) موضعان ، وقيل : هما قريتان بالشام . والمراد : ضرب المثل لبعد أقطار الحوض وسعته ، فكان ﷺ يشبه ذلك بالبلاد التي ينأى بعضها عن بعض ، ولا يراد بذلك حقيقة المسافة بين هذه البلاد .

أَذْرُح: أَذْرُح بھی شام کی ایک بستی کا نام ہے، دونوں کے درمیان تین دن کی مسافت ہے(١٧)۔

٦٢٠٧ : حدَّثني عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ : أَخْبَرَنَا أَبُو بِشْرٍ وَعَطَاءُ بْنُ السَّائِبِ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ ، عَنِ ٱبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : الْكَوْثَرُ : الْخَيْرُ الْكَثِيرُ الَّذِي أَعْطَاهُ ٱللّٰهُ إِيَّاهُ . قَالَ أَبُو بِشْرٍ : قُلْتُ لِسَعِيدٍ : إِنَّ أُنَاسًا يَزْعُمُونَ أَنَّهُ نَهَرٌ فِي الْجَنَّةِ ؟ فَقَالَ سَعِيدٌ : النَّهَرُ الَّذِي فِي الْجَنَّةِ مِنَ الْخَيْرِ الَّذِي أَعْطَاهُ ٱللّٰهُ إِيَّاهُ . [ر : ٤٦٨٢]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "الکوثر" سے مراد بہت زیادہ بھلائی (خیر کثیر) ہے، جو اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دی ہے، ابو بشر کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر سے کہا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ "کوثر" جنت میں ایک حوض ہے تو انہوں نے کہا کہ جو نہر جنت میں ہے وہ بھی اس خیر (بھلائی) کا ایک حصہ ہے، جو اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دی ہے۔

٦٢٠٨ : حدَّثنا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ : حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ ، عَنِ ٱبْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ : قَالَ عَبْدُ ٱللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (حَوْضِي مَسِيرَةُ شَهْرٍ ، مَاؤُهُ أَبْيَضُ مِنَ اللَّبَنِ ، وَرِيحُهُ أَطْيَبُ مِنَ الْمِسْكِ ، وَكِيزَانُهُ كَنُجُومِ السَّمَاءِ ، مَنْ شَرِبَ مِنْهَا فَلَا يَظْمَأُ أَبَدًا) .

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میرا حوض ایک مہینے کی مسافت پر پھیلا ہوا ہوگا، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور اس کی خوشبو مشک سے زیادہ اچھی ہوگی، اور اس کے کوزے آسمان کے ستاروں کی طرح ہوں گے، جو شخص اس میں سے ایک مرتبہ پی لے گا، پھر کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔

---

(١٧) عمدة القاري: ٢٣/٢١٢، وإرشاد الساري: ١٣/٥٨٠

٦٢٠٨ : أخرجه مسلم في الفضائل ، باب : إثبات حوض نبينا ﷺ وصفاته ، رقم ٢٢٩٢ .
(مسيرة) أي طول حافته تحتاج إلى السير هذه المدة . (كيزانه) جمع كوز ، والتشبيه بالنجوم من حيث الكثرة والضياء . (يظمأ) يعطش .

کِیزان: کوز کی جمع ہے: گلاس،کوزہ۔

٦٢٠٩ : حدّثنا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قالَ : حَدَّثَنِي ٱبْنُ وَهْبٍ ، عَنْ يُونُسَ : قالَ ٱبْنُ شِهَابٍ : حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ مالِكٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قالَ : (إِنَّ قَدْرَ حَوْضِي كما بَيْنَ أَيْلَةَ وَصَنْعَاءَ مِنَ الْيَمَنِ ، وَإِنَّ فِيهِ مِنَ الْأَبَارِيقِ كَعَدَدِ نجُومِ السَّمَاءِ) .

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے حوض کی لمبائی اتنی ہوگی جتنی ایلہ اور یمن کے شہر صنعاء کے درمیان کی مسافت ہے اور وہاں اتنی بڑی تعداد میں پیالے ہوں گے جتنے آسمان کے ستاروں کی تعداد ہے۔

أباريق: إبريق کی جمع ہے، چاندی کا پیالہ، برتن۔

٦٢١٠ : حدّثنا أَبُو الْوَلِيدِ : حَدَّثَنَا هَمَّامٌ ، عَنْ قَتَادَةَ ، عَنْ أَنَسٍ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . وَحَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خالِدٍ : حَدَّثَنَا هَمَّامٌ : حَدَّثَنَا قَتَادَةُ : حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مالِكٍ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (بَيْنَا أَنَا أَسِيرُ فِي الجَنَّةِ ، إِذَا أَنَا بِنَهَرٍ ، حافَتَاهُ قِبَابُ ٱلدُّرِّ الْمُجَوَّفِ ، قُلْتُ : ما هٰذَا يَا جِبْرِيلُ ؟ قالَ : هٰذَا الْكَوْثَرُ ، الَّذِي أَعْطَاكَ رَبُّكَ ، فَإِذَا طِينُهُ ، أَوْ طِيبُهُ ، مِسْكٌ أَذْفَرُ) . شَكَّ هُدْبَةُ . [ر : ٤٦٨٠]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جنت میں چل رہا تھا کہ میں ایک نہر پر پہنچا، اس کے دونوں کناروں پر کھوکھلے موتیوں کے گنبد بنے ہوئے تھے، میں نے پوچھا، جبرئیل یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا

٦٢٠٩ : أخرجه مسلم في الفضائل ، باب : إثبات حوض نبينا ﷺ وصفاته ، رقم : ٢٣٠٣ .

(قدر حوضي) طول شاطئه . (أيلة) مدينة كانت عامرة ، وهي بطرف البحر الأحمر من ناحية الشام . (صنعاء) البلد المعروف في اليمن . (الأباريق) جمع إبريق .

کوثر ہے، جو آپ کے رب نے آپ کو دیا ہے، میں نے دیکھا کہ اس کی مٹی یا اس کی خوشبو مشک جیسی تھی، ہدبہ کو شک تھا (کہ مٹی کہا تھا یا خوشبو)

حافتاه: حافة سے کنارہ مراد ہے۔ قِباب: قُبّة کی جمع ہے: گنبد۔

الدُر المُجَوَّف: ایسا موتی جو اندر سے خالی ہو! أذفر: تیز خوشبودار۔

ابن فارس نے فرمایا، ذفر بو کی تیزی کو کہتے ہیں (۱۸)۔

٦٢١١ : حدّثنا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ : حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ ، عَنْ أَنَسٍ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِي الحَوْضَ ، حَتَّى عَرَفْتُهُمْ اخْتُلِجُوا دُونِي ، فَأَقُولُ : أُصَيْحَابِي ؟ فَيَقُولُ : لَا تَدْرِي ما أَحْدَثُوا بَعْدَكَ) .

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے ساتھی حوض پر میرے سامنے لائے جائیں گے یہاں تک کہ جب میں انہیں پہچان لوں گا، پھر وہ میرے سامنے سے ہٹا دیئے جائیں گے، میں اس پر کہوں گا کہ یہ تو میرے صحابہ تھے، لیکن مجھ سے کہا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا نئی چیزیں ایجاد کر لی تھیں۔

٦٢١٢ : حدّثنا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُطَرِّفٍ : حَدَّثَنِي أَبُو حازِمٍ ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قالَ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (إِنِّي فَرَطُكُمْ عَلَى الحَوْضِ ، مَنْ مَرَّ عَلَيَّ شَرِبَ ، وَمَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ أَبَدًا ، لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ أَقْوَامٌ أَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُونَنِي ، ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ) .

---

(١٨) عمدة القاري: ٢١٦/٢٣

٦٢١١ : أخرجه مسلم في الفضائل ، باب : إثبات حوض نبينا ﷺ وصفاته ، رقم : ٢٣٠٤ .

(أصحابي) أي ممن كان يصاحبني . (اختلجوا) جذبوا وأبعدوا . (ما أحدثوا) من معصية توجب حرمانهم الشرب من الحوض .

٦٢١٢ : أخرجه مسلم في الفضائل ، باب : إثبات حوض نبينا ﷺ وصفاته ، رقم : ٢٢٩٠ ، ٢٢٩١ .

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میں حوض پر تم سے پہلے موجود ہوں گا، جو شخص بھی میری طرف سے گزرے گا، وہ اس کا پانی پئے گا، اور جو اس کا پانی پئے گا وہ پھر کبھی پیاسا نہیں ہوگا، اور وہاں ایسے لوگ آئیں گے جنہیں میں پہچانوں گا اور وہ مجھے پہچانیں گے، لیکن پھر میرے اور ان کے سامنے حجاب آجائے گا۔

قالَ أَبُو حازِمٍ : فَسَمِعَنِي النُّعْمانُ بْنُ أَبِي عَيَّاشٍ فَقَالَ : هٰكَذَا سَمِعْتَ مِنْ سَهْلٍ ؟ فَقُلْتُ : نَعَمْ ، فَقَالَ : أَشْهَدُ عَلَى أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ ، لَسَمِعْتُهُ وَهُوَ يَزِيدُ فِيهَا : (فَأَقُولُ : إِنَّهُمْ مِنِّي ، فَيُقَالُ : إِنَّكَ لَا تَدْرِي ما أَحْدَثُوا بَعْدَكَ ، فَأَقُولُ : سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِي) . [٦٦٤٣]

یہ تعلیق نہیں، بلکہ ماقبل کے ساتھ متصل ہے......ابو حازم (سلمہ بن دینار) فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مجھ سے نعمان بن ابی عیاش نے سنی اور کہا کہ کیا آپ نے حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے اسی طرح سنا تھا، میں نے کہا ہاں، انہوں نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث اسی طرح سنی تھی، اور وہ اس حدیث میں اضافہ کرتے تھے (یعنی یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمائیں گے کہ) میں کہوں گا کہ یہ تو مجھ میں سے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا نئی چیزیں ایجاد کر لی تھیں، اس پر میں کہوں گا کہ دور ہو وہ شخص، دور ہو جس نے میرے بعد تبدیلی کر لی تھی۔

وَقالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : «سُحْقًا» /الملك : ١١/ : بُعْدًا ، يُقَالُ : «سَحِيقٍ» /الحج : ٣١/ : بَعِيدٍ ، سَحَقَهُ وَأَسْحَقَهُ أَبْعَدَهُ .

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سُحقاً کے معنی دوری کے ہیں، یہ لفظ سورۃ الملک آیت نمبر ۱۱ میں ہے، ﴿فسُحقاً لاصحاب السعیر﴾ اور سحیق کے معنی بعید کے ہیں، یہ سورۃ حج آیت نمبر ۳۱

میں ہے:﴿او تهوى به الريح فى مكان سحيق﴾ سحقه وأسْحَقَهُ مجرد اور باب افعال دونوں سے اس کے معنی دور کرنے کے آتے ہیں! ابن ابی حاتم نے اس تعلیق کو موصولاً نقل کیا ہے(١٩)۔ یہاں حدیث میں چونکہ سحقاً کا لفظ آیا تھا، اس مناسبت سے امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ تشریح یہاں نقل فرمائی۔

٦٢١٤/٦٢١٣ : وَقالَ أَحْمَدُ بْنُ شَبِيبِ بْنِ سَعِيدٍ الْحَبَطِيُّ : حَدَّثَنَا أَبِي ، عَنْ يُونُسَ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ : أَنَّهُ كانَ يُحَدِّثُ : أَنَّ رَسُولَ ٱللَّهِ ﷺ قالَ : (يَرِدُ عَلَيَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَهْطٌ مِنْ أَصْحَابِي ، فَيُجْلَوْنَ عَنِ الحَوْضِ ، فَأَقُولُ : يَا رَبِّ أَصْحَابِي ؟ فَيَقُولُ : إِنَّكَ لَا عِلْمَ لَكَ بِمَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ ، إِنَّهُمُ ٱرْتَدُّوا عَلَى أَدْبَارِهِمُ الْقَهْقَرَى) .

حضرت سعید بن مسیّب سے روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث بیان کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن میرے صحابہ میں سے ایک جماعت مجھ پر پیش کی جائے گی، پھر وہ حوض سے دور کر دیئے جائیں گے، میں عرض کروں گا، اے میرے رب! یہ تو میرے صحابہ تھے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ انہوں نے تمہارے بعد کیا نئی چیزیں ایجاد کر لی تھیں، یہ لوگ الٹے قدموں واپس لوٹ گئے تھے۔

احمد بن شبیب کی یہ تعلیق ابوعوانہ نے موصولاً نقل کی ہے(٢٠)۔

(٦٢١٤) : حدثنا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ : حَدَّثَنَا ٱبْنُ وَهْبٍ قالَ : أَخْبَرَنِي يُونُسُ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ ، عَنِ ٱبْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّهُ كانَ يُحَدِّثُ ، عَنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قالَ : (يَرِدُ عَلَى الحَوْضِ رِجالٌ مِنْ أَصْحَابِي ، فَيُحَلَّؤُونَ عَنْهُ ، فَأَقُولُ : يَا رَبِّ أَصْحَابِي ؟ فَيَقُولُ : إِنَّكَ لَا عِلْمَ لَكَ بِمَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ ، إِنَّهُمُ ٱرْتَدُّوا عَلَى أَدْبَارِهِمُ الْقَهْقَرَى) .

---

(١٩) فتح الباري: ١١/٥٧٦، وعمدة القاري: ٢٣/٢١٧، وإرشاد الساري: ١٣/٥٨٠

(٢٠) فتح الباري: ١١/٥٧٦، وعمدة القاري: ٢٣/٢١٧، وإرشاد الساري: ١٣/٥٨٠

حضرت سعید ابن مسیب رحمہ اللہ، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ سے نقل کر کے فرماتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، حوض پر میرے صحابہ کی ایک جماعت لائی جائے گی، پھر انہیں اس سے دور کر دیا جائے گا، میں عرض کروں گا، اے میرے رب! یہ تو میرے صحابہ ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ انہوں نے تمہارے بعد کیا نئی چیزیں ایجاد کر لی تھیں، یہ الٹے پاؤں (اسلام سے) واپس لوٹ گئے تھے۔

قھقری: ایڑھیوں کے بل الٹا چلنا!

وَقالَ شُعَيْبٌ : عَنِ الزُّهْرِيِّ : كانَ أَبُو هُرَيْرَةَ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : (فَيُجْلَوْن) . وَقالَ عُقَيْلٌ : (فَيُحَلَّؤُونَ) .

شعیب نے زہری سے جو روایت نقل کی ہے، اس میں فَيُجْلَوْنَ کے الفاظ ہیں اور اسی طرح عقیل ابن خالد کی روایت میں فَيُحَلَّؤُونَ کے الفاظ ہیں۔

يُحَلَّؤُونَ: تَحْلِئة سے ہے، اس کے معنی منع کرنے اور ہٹانے کے ہیں۔ کہتے ہیں حَلَأَه عن الماء: اس کو پانی سے منع کر دیا۔ اور يُجْلَون مجہول کا صیغہ ہے، جلاء کے معنی ہیں: دور کرنا، يُجْلَون، وہ دور کر دیئے جائیں گے (۲۱)۔

شعیب کی اس تعلیق کو امام ذہلی نے موصولاً نقل کیا ہے (۲۲)۔

وَقالَ الزُّبَيْدِيُّ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ ، عَنْ عُبَيْدِ ٱللهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ .

زبیدی، زبید کی طرف منسوب ہے جو ایک قبیلہ ہے اور اس سے مراد محمد بن الولید بن عامر ہیں، ابو رافع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے، ان کا نام اسلم ہے، عبید اللہ ان کے بیٹے ہیں۔ اس سند میں

(۲۱) عمدة القاري: ۲۳/۲۱۸

(۲۲) فتح الباري: ۱۱/۵۷۷، وإرشاد الساري: ۱۳/۵۸٦

تین تابعی ہیں: امام زہری، ان کے شیخ محمد بن علی اور ان کے شیخ عبید اللہ، تینوں تابعی ہیں (۲۳)۔ دار قطنی رحمہ اللہ نے اس تعلیق کو موصولاً نقل کیا ہے (۲۴)۔

٦٢١٥ : حدثني إبراهيم بن المنذر الحزامي : حدثنا محمد بن فليح : حدثنا أبي قال : حدثني هلال ، عن عطاء بن يسار ، عن أبي هريرة ، عن النبي ﷺ قال : (بينا أنا نائم إذا زمرة ، حتى إذا عرفتهم خرج رجل من بيني وبينهم ، فقال : هلم ، فقلت : أين ؟ قال : إلى النار والله ، قلت : وما شأنهم ؟ قال : إنهم ارتدوا بعدك على أدبارهم القهقرى . ثم إذا زمرة ، حتى إذا عرفتهم خرج رجل من بيني وبينهم ، فقال : هلم ، قلت أين ؟ قال : إلى النار والله ، قلت : ما شأنهم ؟ قال : إنهم ارتدوا بعدك على أدبارهم القهقرى ، فلا أراه يخلص منهم إلا مثل همل النعم) .

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میں (حوض پر) کھڑا ہوں گا کہ ایک جماعت سامنے آئے گی اور جب میں انہیں پہچان لوں گا تو ایک شخص میرے اور ان کے درمیان میں سے نکلے گا اور کہے گا کہ ادھر آؤ اور میں کہوں گا کہ کہاں؟ وہ کہے گا، آگ کی طرف، میں پوچھوں گا، یہ کیسے لوگ ہیں؟ وہ کہے گا کہ یہ لوگ آپ کے بعد الٹے پاؤں واپس لوٹ گئے تھے، پھر ایک اور گروہ میرے سامنے آئے گا اور جب میں انہیں بھی پہچان لوں گا تو پھر ایک شخص میرے اور ان کے درمیان سے نکلے گا اور ان سے کہے گا کہ ادھر آؤ، میں پوچھوں گا کہ کدھر؟ وہ کہے گا کہ جہنم کی طرف، بخدا! میں پوچھوں گا کہ ان کے احوال کیا ہیں؟ وہ کہے گا کہ یہ لوگ آپ کے بعد الٹے پاؤں واپس لوٹ گئے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نہیں سمجھتا کہ ان میں سے ایک معمولی تعداد کے سوا باقی نجات پاسکیں گے۔

---

(٢٣) عمدة القاري: ٢٣/٢١٩، وفتح الباري: ١١/٥٧٧، وإرشاد الساري: ١٣/٥٨٦

(٢٤) عمدة القاري: ٢٣/٢١٩، وفتح الباري: ١١/٥٧٧، وإرشاد الساري: ١٣/٥٨٦

فلا أُراه يَخْلُص منهم إلا مِثْلُ هَمَل النَعَمِ

یعنی میرا خیال نہیں کہ وہ چھوٹ جائیں گے، مگر بے کار چھوڑے ہوئے اونٹ کی طرح بہت کم!

هَمَل: اس جانور اور اونٹ وغیرہ کو کہتے ہیں جسے بے کار چھوڑ دیا جائے اور اس کی کوئی نگرانی اور دیکھ بھال نہ کی جائے، جہاں جانا چاہے جائے، جہاں چرنا چاہے چرے، ایسا جانور ہلاک اور ضائع ہو جاتا ہے، عموماً ایسے جانور کم ہوتے ہیں، اس لئے یہاں اس سے قلت مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے جہنم سے بچنے والے بہت کم ہوں گے، علامہ عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "أي لا يخلص منهم من النار إلا قليل"(٢٥).

ترجمة الباب کے ساتھ مناسبت

اس حدیث میں حوض کوثر کا ذکر نہیں، البتہ مرتدین کا ذکر ہے اور پہلی جو حدیثیں گزری ہیں، ان میں حوض اور مرتدین دونوں کا ذکر ہے، اس لئے براہِ راست تو ترجمة الباب کے ساتھ اس کی مطابقت نہیں لیکن حوض والی حدیثوں کے ساتھ اس کی مطابقت ہے، تو ان کی مناسبت سے حوض کے ساتھ بھی اس کی مطابقت ہو جاتی ہے(٢٦)۔

خرج رجل: اس سے مراد فرشتہ ہے جو انسان کی صورت میں ظاہر ہوگا(٢٧)۔

٦٢١٦ : حَدَّثني إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ : حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ ، عَنْ خُبَيْبٍ ، عَنْ حَفْصِ بْنِ عاصِمٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ : أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قالَ : (ما بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِياضِ الجَنَّةِ ، وَمِنْبَرِي عَلَى حَوْضِي) . [ر : ١١٣٨]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے گھر اور منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ اور میرا منبر

(٢٥) مذکورہ تفصیل کے لئے دیکھئے: عمدة القاري: ٢١٩/٢٣

(٢٦) عمدة القاري: ٢١٩/٢٣

(٢٧) عمدة القاري: ٢١٩/٢٣، وفتح الباري: ٥٧٨/١١

میرے حوض پر ہے۔

منبری: منبر سے مراد یا تو دنیا والا منبر ہے جو مسجد نبوی میں نصب ہے اور یا آخرت کا منبر مراد ہے جو حوضِ کوثر کے پاس نصب کیا جائے گا (۲۸)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر اور مسجد نبوی میں آپ کے منبر کے درمیان کی جو جگہ ہے، اس کو "روضۃ الجنۃ" کہتے ہیں۔ یعنی جنت کا باغ! اس کو یا تو اس لئے جنت کا باغ کہتے ہیں کہ بعینہ یہی حصہ جنت کی طرف منتقل ہو جائے گا اور یا مطلب یہ ہے کہ اس میں عبادت آدمی کو جنت کی طرف منتقل کر دے گی (۲۹)۔

٦٢١٧ : حدّثنا عَبْدَانُ : أَخْبَرَنِي أَبِي ، عَنْ شُعْبَةَ ، عَنْ عَبْدِ المَلِكِ قالَ : سَمِعْتُ جُنْدَبًا قالَ : سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ : (أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الحَوْضِ) .

حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے کہ میں حوض پر تم سے پہلے سے موجود ہوں گا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ عبدان ہیں، عبدان لقب ہے اور ان کا نام عبداللہ ابن عثمان ہے۔ یہ اپنے والد سے نقل کر رہے ہیں، ان کے والد کا نام عثمان ابن جبلہ ہے (۳۰)۔

٦٢١٨ : حدّثنا عَمْرُو بْنُ خالِدٍ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ ، عَنْ يَزِيدَ ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ ، عَنْ عُقْبَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ يَوْمًا ، فَصَلَّى عَلَى أَهْلِ أُحُدٍ صَلَاتَهُ عَلَى الْمَيِّتِ ، ثُمَّ انْصَرَفَ عَلَى الْمِنْبَرِ ، فَقَالَ : (إِنِّي فَرَطٌ لَكُمْ ، وَأَنَا شَهِيدٌ عَلَيْكُمْ ، وَإِنِّي وَاللهِ لَأَنْظُرُ إِلَى حَوْضِي الآنَ ، وَإِنِّي أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ خَزَائِنِ الْأَرْضِ ، أَوْ مَفَاتِيحَ الْأَرْضِ ، وَإِنِّي وَاللهِ ما أَخافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِي ، وَلٰكِنْ أَخافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنَافَسُوا فِيهَا) . [ر : ١٢٧٩]

---

(۲۸) عمدة القاري: ۲۳/۲۲۰

(۲۹) عمدة القاري: ۲۳/۲۲۰

(۳۰) عمدة القاري: ۲۳/۲۲۰

٦٢١٧ : أخرجه مسلم في الفضائل ، باب : إثبات حوض نبينا ﷺ وصفاته ، رقم : ٢٢٨٩ .

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور شہدائے احد کے لئے اس طرح نماز پڑھی جس طرح میت پر نماز پڑھی جاتی ہے، پھر آپ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا میں تم سے آگے جاؤں گا اور تم پر گواہ رہوں گا اور میں واللہ! اپنے حوض کی طرف اس وقت بھی دیکھ رہا ہوں اور مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں، یا (فرمایا کہ) زمین کی کنجیاں دی گئی ہیں، واللہ! تمہارے بارے میں اس سے نہیں ڈرتا کہ تم میرے بعد شرک کروگے، البتہ اس سے ڈرتا ہوں کہ تم دنیا کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کروگے۔

سند کے اندر یزید سے یزید بن ابی حبیب مراد ہیں، جن کی کنیت ابورجاء ہے، ابوحبیب سوید کی کنیت ہے اور ابوالخیر کا نام مرثد بن عبداللہ ہے۔

مَرْثَد: میم کے فتحہ، راء کے سکون اور ثاء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

٦٢١٩ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا حَرَمِيُّ بْنُ عُمارَةَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ مَعْبَدِ ٱبْنِ خالِدٍ : أَنَّهُ سَمِعَ حارِثَةَ بْنَ وَهْبٍ يَقُولُ : سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَذَكَرَ الحَوْضَ فَقالَ : (كَما بَيْنَ المَدِينَةِ وَصَنْعاءَ) .

وَزادَ ٱبْنُ أَبِي عَدِيٍّ ، عَنْ شُعْبَةَ ، عَنْ مَعْبَدِ بْنِ خالِدٍ ، عَنْ حارِثَةَ : سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ قَوْلَهُ : (حَوْضُهُ مَا بَيْنَ صَنْعاءَ وَالمَدِينَةِ) .

فَقالَ لَهُ المُسْتَوْرِدُ : أَلَمْ تَسْمَعْهُ ؟ قالَ : الأَوانِي ؟ قالَ : لَا ، قالَ المُسْتَوْرِدُ : (تُرَى فِيهِ الآنِيَةُ مِثْلَ الكَواكِبِ) .

٦٢١٩ : أخرجه مسلم في الفضائل ، باب : إثبات حوض نبينا ﷺ وصفاته ، رقم : ٢٢٩٨ .

(كما بين .. ما بين) المراد بيان سعته وطول أبعاده ، كما مر في الحديث [٦٢٠٦].(الأواني) جمع آنية ، والآنية جمع إناء ، وهو الوعاء ، والمراد : الكؤوس التي يشرب بها من الحوض . (مثل الكواكب) النجوم في السماء ، كثرة وضياءً .

حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حوض کا ذکر کیا اور فرمایا کہ (وہ اتنا بڑا ہوگا) جتنی مدینہ اور صنعاء کے درمیان مسافت ہے۔

اور ابن ابی عدی نے شعبہ کے واسطے سے حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ سے یہ اضافہ نقل کیا، کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ کا یہ ارشاد سنا کہ آپ کا حوض اتنا لمبا ہوگا جتنی صنعا اور مدینہ کے درمیان مسافت ہے۔ اس پر ان سے مستورد نے کہا کہ کیا آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حوض کے برتنوں کے متعلق نہیں سنا؟ انہوں نے کہا، نہیں۔ مستورد نے کہا کہ اس میں برتن اس طرح نظر آئیں گے جس طرح آسمان میں ستارے (بکثرت اور چمک دار) نظر آتے ہیں۔

وزاد ابن أبي عدی......

ابن ابی عدی کا نام محمد بن ابراہیم ہے، ابوعدی ان کے دادا ہیں، علامہ عینی فرماتے ہیں:

"ولا يعرف اسمه، وهو بصري ثقة، كثير الحديث"، یعنی ابوعدی کا نام معلوم نہیں لیکن وہ کثیر الحدیث ثقہ محدث ہیں (۳۱)۔

ابن ابی عدی کا یہ اضافہ امام مسلم رحمہ اللہ نے موصولاً نقل کیا ہے (۳۲)۔

مستورد ابن شداد

یہاں حدیث کے اندر مستورد کا ذکر ہے، (......مستورد بروزنِ مستفعل ....) یہ صحابی ہیں اور اس کے والد بھی صحابی تھے، کوفہ میں رہتے تھے اور فتحِ مصر کے وقت حاضر تھے۔ ان کی وفات ۴۵ھ میں ہوئی ہے۔ بخاری

(۳۱) عمدة القاري: ۲۲۱/۲۳

(۳۲) صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب إثبات حوض نبينا صلى الله عليه وسلم: ۶۰/۱۵، فتح الباري: ۵۷۹/۱۱، وعمدة القاري: ۲۲۲/۲۳

میں صرف ان کی یہی ایک روایت ہے اور ان کی یہ حدیث مرفوع ہے اگرچہ انہوں نے اس کی تصریح نہیں کی (۳۳)۔

۶۲۲۰ : حدّثنا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ ، عَنْ نَافِعِ بْنِ عُمَرَ قالَ : حَدَّثَنِي ٱبْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا قالَتْ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (إِنِّي عَلَى الحَوْضِ حَتَّى أَنْظُرَ مَنْ يَرِدُ عَلَيَّ مِنْكُمْ ، وَسَيُؤْخَذُ نَاسٌ دُونِي ، فَأَقُولُ : يَا رَبِّ مِنِّي وَمِنْ أُمَّتِي ، فَيُقَالُ : هَلْ شَعَرْتَ ما عَمِلُوا بَعْدَكَ ، وَٱللهِ ما بَرِحُوا يَرْجِعُونَ عَلَى أَعْقَابِهِمْ) . فَكانَ ٱبْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ يَقُولُ : اللَّهُمَّ إِنَّا نَعُوذُ بِكَ أَنْ نَرْجِعَ عَلَى أَعْقَابِنَا ، أَوْ نُفْتَنَ عَنْ دِينِنَا . [٦٦٤١]

«أَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُونَ» /المؤمنون: ٦٦/ : تَرْجِعُونَ عَلَى الْعَقِبِ .

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میں حوض پر موجود رہوں گا اور دیکھوں گا کہ تم میں سے کون کون میرے پاس آتا ہے، پھر کچھ لوگوں کو مجھ سے الگ کر دیا جائے گا، میں عرض کروں گا کہ اے میرے رب! یہ تو میرے ہی آدمی ہیں اور میری امت کے لوگ ہیں، مجھ سے کہا جائے گا کہ تمہیں معلوم بھی ہے! انہوں نے تمہارے بعد کیا کام کیے تھے؟...... واللہ یہ مسلسل الٹے پاؤں لوٹنے لگے تھے۔

ابن ابی ملیکہ کہا کرتے تھے کہ اے اللہ! ہم اس بات سے تیری پناہ مانگتے ہیں کہ الٹے پاؤں لوٹ جائیں، یا اپنے دین کے بارے میں فتنہ میں ڈال دیئے جائیں۔

أَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُون: تَرْجِعُوْنَ عَلَى الْعَقِبِ

یہ سورۃ المومنون میں واقع ہے: ﴿قد كانت آياتي تتلى عليكم فكنتم على اعقابكم

(۳۳) فتح الباري: ١١/٥٧٩، وعمدة القاري: ٢٣/٢٢٢

(٦٢٢٠) أخرجه البخاري أيضاً في كتاب الفتن، باب ماجاء في قول الله تعالىٰ: ﴿واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة﴾ رقم الحديث: ٧٠٤٨، وأخرجه مسلم في الفضائل، باب إثبات حوض نبينا صلى الله عليه وسلم وصفاته، رقم: ٥٩٢٨: ١٥/٥٥

تنکصون﴾ یعنی میری آیتیں تم پر پڑھی جاتی تھیں، تو تم ایڑھیوں کے بل الٹے بھاگتے تھے۔

یعنی قیامت کے دن اللہ جل شانہ کفار سے فرمائیں گے کہ اب کیوں شور مچاتے ہو، وہ وقت یاد کرو جب اللہ کے پیغمبر آیات پڑھ کر سناتے تھے تو تم الٹے پاؤں بھاگتے تھے، سننا بھی گوارا نہ تھا، تمہاری شیخی اور تکبر اجازت نہیں دیتا تھا کہ حق کو قبول کرو اور پیغمبروں کی بات پر کان دھرو۔

حدیث کے اندر چونکہ "یرجعون علی أعقابهم" کے الفاظ آئے ہیں، اس مناسبت سے امام بخاری رحمہ اللہ نے قرآن کریم کی آیت کریمہ کے یہ الفاظ اور ان کی تشریح نقل فرمائی، یہ ابوعبیدہ کی تفسیر سے لی گئی ہے(۳۴)۔

وهـذا آخر ما أردنا إيراده من شرح أحاديث كتاب الاستئذان، وكتاب الدعوات وكتاب الرقاق من صحيح البخاري رحمه الله تعالىٰ للشيخ المحدث سليم الله خان حفظه الله ورعاه متعنا الله بطول حياته وقد وقع الفراغ من تسويده، وإعادة النظر فيه، ثم تصحيح ملازم الطبع بيوم الخميس ٦/صفر المظفر ١٤٢٩هـ، الموافق ١٤/ فروری ٢٠٠٨م، والحمدلله الذى بنعمته تتم الصالحات وصلى الله على النبي الأمي، وآله وصحبه وتابعيهم وسلم عليه وعليهم مادامت الأرض والسموات، رتبه وراجع نصوصه وعلق عليه ابن الحسن العباسي عضو قسم التحقيق والتصنيف والأستاذ بالجامعة الفاروقية، وفقه الله تعالىٰ لإتمام باقي الكتب، كما يحبه ويرضاه وهو على كل شيء قدير، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم، ويليه إن شاء الله شرح كتاب القدر.

(٣٤) عمدة القاري: ٢٣/٢٢٢، فتح الباري: ١١/٥٧٩.

المصادر والمراجع

(كشف الباري المجلد السادس لصحيح البخاري المجلد الثاني)

✤ **الأبواب والتراجم لصحيح البخاري/** محمد زكريا الكاندهلوي رحمه الله تعالىٰ، متوفى ١٤٠٢هـ/١٩٨٢ء، ايچ ايم سعيد كراچى.

✤ **أماني الأحبار شرح معاني الآثار/** مولانا يوسف كاندهلوى رحمه الله، ادارهٔ تاليفات اشرفيه لاهور.

✤ **أسماء الدارقطني/** حافظ أبوالحسن على بن عمر دارقطني رحمه الله، متوفى ١٣٨٥هـ.

✤ **الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف/** علاؤ الدين على بن سليمان مرداوى، دارإحياء التراث العربى بيروت.

✤ **احسن الفتاوىٰ/** مولانا رشيد احمد لدهيانوىؒ، ايچ ايم سعيد كمپنى كراچى

✤ **الإحسان بترتيب صحيح ابن حبان/** أبو حاتم محمد بن حبان بستي رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٣٥٤هـ، مؤسسة الرسالة بيروت.

✤ **أحكام القرآن/** أبوبكر أحمد بن على الرازي الجصاص -رحمه الله-، متوفى ٣٧٠هـ، دارالكتب العلمية بيروت.

✤ **أحكام القرآن /** أبوبكر محمد بن عبدالله المعروف بابن العربي المتوفى ٥٤٣هـ/ دارالمعرفة بيروت

﴿ **إمداد الفتاوىٰ/** حضرت مولانا اشرف على تهانوى رحمه الله، متوفى ١٣٦٢هـ، مكتبه دارالعلوم كراچى.

﴿ **الإكمال/** الامير الحافظ ابن ماكولا رحمه الله المتوفى ٤٧٥هـ، محمد أمين دبح، بيروت.

﴿ **إمداد الباري/** حضرت مولانا عبدالجبار أعظمى، مكتبه حرم، مراد آباد.

﴿ **إحياء علوم الدين مع إتحاف السادة المتقين/** إمام محمد بن محمد الغزالي رحمه الله، المتوفى ٥٠٥هـ، دارإحياء التراث العربى بيروت.

﴿ **الأدب المفرد مع شرح فضل الله الصمد/** أمير المؤمنين في الحديث محمد بن إسمعيل البخاري، المتوفى ٢٥٦هـ، مكتبة الإيمان المدينة المنورة.

﴿ **إرشاد الساري شرح صحيح البخاري/** أبو العباس شهاب الدين أحمد القسطلاني –رحمه الله–، متوفى ٩٢٣هـ، المطبعة الكبرىٰ الأميرية مصر / دارالكتب العلمية بيروت.

﴿ **الاستذكار/** ابن عبدالبر –رحمه الله–، المتوفى ٤٦٣هـ، دارإحياء التراث العربي بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤٢١هـ.

﴿ **الاستيعاب في أسماء الأصحاب بهامش الإصابة/** أبو عمر يوسف بن عبدالله بن محمد بن عبدالبر –رحمه الله–، متوفي ٤٦٣هـ، دارالفكر بيروت.

﴿ **أسد الغابة في معرفة الصحابة/** عز الدين أبو الحسن علي بن محمد الجزري المعروف بابن الأثير –رحمه الله–، المتوفي ٦٣٠هـ، دارالكتب العلمية بيروت.

﴿ **الإصابة في تمييز الصحابة /** شهاب الدين أبو الفضل أحمد بن علي العسقلاني المعروف بابن حجر –رحمه الله–، متوفي ٨٠٢هـ، دارالفكر بيروت.

﴿ **أنوار الباري/** مولانا سيد أحمد رضا بجنوري رحمه الله تعالىٰ، مدينه بريس بجنور.

أعلام الحديث/ أبو سليمان أحمد بن محمد الخطابي -رحمه الله-، متوفي ٣٨٨ھ، مركز إحياء التراث الإسلامي جامعة أم القرىٰ مكة المكرمة.

إعلاء السنن/ ظفر أحمد العثماني -رحمه الله-، متوفى ١٣٩٤ھ، إدارة القرآن كراچی

الأنساب/ أبو سعيد عبدالكريم بن محمد بن منصور السمعاني -رحمه الله-، متوفى ٥٦٢ھ، دارالجنان بيروت.

أوجز المسالك إلى مؤطأ مالك/ محمد زكريا الكاندهلوي -رحمه الله-، متوفى ١٤٠٢ھ، إدارة تاليفات أشرفيه ملتان/ دارالقلم، دمشق.

إيضاح البخاري/ مولانا سيد فخر الدين احمد، مكتبه مجلس قاسم المعارف ديوبند.

البحر الرائق/ علامه زين العابدين بن إبراهيم بن نجيم رحمه الله، المتوفى ٩٦٩ھ يا ٩٧٠ھ، مكتبه رشيديه كوئٹه.

بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع/ علاء الدين أبوبكر بن مسعود الكاساني -رحمه الله-، متوفي ٥٨٧ھ، ايچ، ايم سعيد كراچی

بداية المجتهد / أبو الوليد محمد بن أحمد بن رشد القرطبي، متوفى ٥٩٥ھ، مصر طبع خاص.

البداية والنهاية/ عماد الدين أبو الفداء إسماعيل بن عمر المعروف بابن كثير -رحمه الله-، متوفى ٨٨٤ھ، مكتبة المعارف بيروت.

بذل المجهود في حل أبي داود/ خليل أحمد السهارنفوري -رحمه الله-، متوفي ١٣٤٦ھ، مطبعة ندوة العلماء لكهنؤ ١٣٩٣ھ/ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي، مظفر فور، الهند، الطبعة الأولى ١٤٢٧ھ.

✤ **البناية شرح الهداية/** بدرالدين عيني محمود ابن أحمد المتوفى ٨٥٥هـ، مكتبه رشيديه كوئٹه.

✤ **البدر الساري إلى فيض الباري/** مولانا بدر عالم ميرٹهی، متوفى ١٣٨٥هـ، خضر راه بكڈپو دهلی، مطبوعه: ١٩٨٠ء.

✤ **بستان المحدثين/** حضرت شاه عبدالعزيز صاحب، متوفى ١٢٣٩هـ، ايچ ايم سعيد كمپنی كراچی.

✤ **بيان القرآن/** حكيم الامت مولانا اشرف على تهانوی، شيخ غلام على سنز، لاهور.

✤ **تعليقات الرفع والتكميل/** شيخ عبدالفتاح أبوغده، متوفى ١٤١٧هـ، مكتب المطبوعات الاسلاميه حلب.

✤ **تعليقات فتح الباري زهير شاويش/** دارالسلام رياض، ٢٠٠٠م.

✤ **ترجمان السنه/** مولانا بدر عالم ميرٹهی، ادارۂ اسلاميات لاهور.

✤ **تاج العروس من جواهر القاموس/** أبو الفيض سيد محمد بن محمد المعروف بالمرتضى الزبيدي ـ رحمه الله ـ، متوفى ١٢٠٥هـ، دارمكتبة الحياة، بيروت.

✤ **تاريخ بغداد/** أحمد بن علي المعروف بالخطيب البغدادي ـ رحمه الله ـ متوفى ٤٦٣هـ، دارالكتاب العربي بيروت.

✤ **التاريخ الكبير/** محمد بن إسماعيل البخاري ـ رحمه الله ـ، متوفى ٢٥٦هـ، دارالكتب العلمية بيروت.

✤ **تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق/** فخر الدين عثمان بن علي الزيلعي، متوفى ٧٤٣هـ، دارالكتب العلمية بيروت.

✤ **تحفة الأحوذي/** الشيخ عبدالرحمن المباركفوري رحمه الله، المتوفى ١٣٥٢هـ،

نشر السنة ملتان.

- **تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأحاديث الشنيعة الموضوعة/** أبو الحسن على بن محمد ابن عراق كناني، دارالكتب، بيروت.
- **تذهيب التهذيب/** حافظ شمس الدين الذهبي المتوفى ٧٤٨هـ، بيروت لبنان.
- **تحفة الباري بشرح صحيح البخاري/** أبويحي زكريا بن محمد الأنصاري المتوفي ٩٢٦هـ، دارالكتب العلمية بيروت، الطبعه الأولى ١٤٢٥هـ.
- **تعقليات على لامع الدراري/** محمد زكريا الكاندهلوي -رحمه الله-، متوفى ١٤٠٢هـ.
- **جامع البيان/** محمد بن جرير الطبري -رحمه الله-، متوفى ٣١٠هـ، دارالمعرفة، بيروت.
- **تفسير عثماني/** شبير أحمد العثماني -رحمه الله-، تاج كمپنى.
- **تفسير القرآن العظيم/** أبو الفداء عماد الدين إسماعبل بن عمر ابن كثير الدمشقي -رحمه الله-، متوفى ٧٧٤هـ، دارإحياء الكتب العربية.
- **التفسير الكبير/** فخر الرازي -رحمه الله- مركز النشر، مركز العلمية الإسلامي.
- **التفسير المظهري/** ثناء الله پاني پتي -رحمه الله-، دارالكتب العلمية بيروت.
- **تذكرة الخليل/** مولانا عاشق الهى ميرٹهى رحمه الله، متوفى ١٣٦٠هـ، ادارة اسلاميات لاهور.
- **تاريخ طبرى/** ابو جعفر محمد بن جرير الطبري، متوفى ٣١٠هـ، موسسة الرسالة بيروت.
- **تنوير الأبصار/** للشيخ شمس الدين محمد بن عبدالله بن أحمد الغري الحنفي المتوفى ١٠٠٤هـ، مكتبه رشيديه كوئٹه.

﴿ **تقريب التهذيب**/ ابن حجر عقلاني -رحمه الله-، متوفى ٨٥١هـ، دار الرشيد حلب.

﴿ **تكلمة فتح الملهم**/ محمد تقي العثماني حفظه الله، مكتبه دار العلوم كراتشي/ دار القلم دمشق.

﴿ **التلخيص الحبير في تخريج أحاديث الرافعي الكبير**/ حافظ ابن حجر العسقلاني رحمه الله، المتوفى ٨٥٢هـ، دار نشر الكتب الإسلاميه لاهور.

﴿ **تلخيص المستدرک (المطبوع بذيل المستدرک)**/ حافظ شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان ذهبي رحمه الله، المتوفى ٧٤٨هـ، دار الفكر بيروت.

﴿ **التمهيد لما في المؤطأ من المعاني والأسانيد**/ أبو عمر يوسف بن عبدالله بن محمد عبدالبر مالكي -رحمه الله-، متوفى ٤٦٣هـ، المكتبة التجارية مكة المكرمة.

﴿ **تهذيب الأسماء و اللغات**/ محي الدين أبو زكريا يحي بن شرف النووي -رحمه الله-، متوفى ٦٧٦هـ، إدارة الطباعة المنيرية.

﴿ **تهذيب التهذيب**/ ابن حجر عسقلاني -رحمه الله-، متوفى ٨٥٢هـ، دائرة المعاف النظامية، حيدر آباد دكن.

﴿ **تهذيب الكمال**/ جمال الدين أبو الحجاج يوسف بن عبدالرحمن مزى -رحمه الله-، متوفى ٦٤٢هـ، مؤسسة الرسالة.

﴿ **تدريب الراوي بشرح تقريب النواوي**/ حافظ جلال الدين عبدالرحمن سيوطي رحمه الله، المتوفى ٩١١هـ، المكتبة العلمية مدينه منوره.

﴿ **تذكرة الحفاظ**/ حافظ أبو عبدالله شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي رحمه الله، المتوفى ٧٤٨هـ، دائرة المعارف العثمانية، الهند.

﴿ **الترغيب والترهيب**/ إمام عبدالعظيم بن عبدالقوي المنذري رحمه الله، المتوفى ٦٥٦هـ، دار إحياء التراث العربى بيروت، الطبعة الثالثة، ١٣٨٨هـ، ١٩٦٨م.

✤ **تعليقات على تهذيب الكمال/** دكتور بشار عواد معروف حفظه الله تعالىٰ، مؤسسة الرسالة طبع أول ١٤١٣هـ.

✤ **تغليق التعليق/** حافظ أحمد بن علي المعروف بابن حجر رحمه الله، المتوفى ٨٥٢هـ، المكتب الإسلامي ودارعمار.

✤ **الثقات لابن حبان/** أبو حاتم محمد بن حبان البستي –رحمه الله–، متوفي ٣٥٤هـ، دائرة المعارف العثمانية حيدر آباد ١٣٩٣هـ.

✤ **جلاء الافهام في الصلاة على خير الأنام/** علامه ابن قيم، دارالكتب العلمية بيروت.

✤ **الجامع لأحكام القرآن/** أبو عبد الله محمد بن أحمد الأنصاري القرطبي –رحمه الله–، متوفى ٦٧١هـ، دارالفكر بيروت.

✤ **جامع الترمذي/** أبو عيسىٰ محمد بن عيسىٰ بن سورة الترمذي –رحمه الله–، متوفى ٢٧٩هـ، سعيد كراچى/دارإحياء التراث العربي بيروت.

✤ **الجرح والتعديل/** عبدالرحمن بن أبي حاتم الرازي –رحمه الله–، المتوفي ٣٢٧هـ، دارالكتب العلمية بيروت.

✤ **الجمع بين الرجال الصحيحين/** أبو الفضل محمد بن طاهر المقدسى المعروف بابن القيسراني، المتوفى ٥٠٧هـ، دارالكتب العلمية بيروت.

✤ **الجوهرة النيرة/** الشيخ العلامه أبوبكر بن على بن محمد الحداد، المتوفى ٨٠٠هـ، مكتبه حقانيه ملتان.

✤ **جامع الأصول/** مبارك بن أحمد ابن أثير الجزري، متوفى ٦٠٦هـ، دارالفكر بيروت.

✤ **حاشية السندي على البخاري/** أبو الحسن نور الدين محمد بن عبدالهادي السندي –رحمه الله–، متوفي ١١٣٨هـ، دارالمعرفة بيروت.

حاشية البخاري/ أحمد على سهارنفورى، متوفى ١٢٩٧ھ، قديمى كتب خانه كراچى.

حلية الأولياء/ حافظ أبونعيم أحمد بن عبدالله بن أحمد أصبهانى رحمه الله، المتوفى ٤٣٠ھ، دارالفكر بيروت.

خلاصة الخزرجي/ صفي الدين الخزرجي -رحمه الله-، متوفى ٩٢٣ھ، مكتب المطبوعات الإسلامية بحلب.

الدرالمختار/ علاء الدين محمد بن علي بن محمد الحصكفي -رحمه الله-، متوفى ١٠٨٨ھ، مكتبه عارفين، كراتشي.

الدرالمنثور في التفسير بالمأثور/ حافظ جلال الدين عبدالرحمن السيوطي رحمه الله، المتوفى ٩١١ھ، مؤسسةالرسالة.

دارالعلوم ديوبند...... مدرسه فكرية/ مولانا عبيدالله الأسعدى، مجلس نشريات اسلام، كراچى

دلائل النبوة/ أبوبكر أحمد بن الحسين البيهقي -رحمه الله-، المتوفى ٤٥٨ھ، دارالكتب العلمية بيروت، الطبعة الأولىٰ.

الرفع والتكميل فى الجرح والتعديل/ مولانا عبدالحي لكهنوى، متوفى: ١٣٠٤ھ، مكتب المطبوعات الاسلاميه حلب، ١٤٠٧ھ

رحمة القدوس ترجمة بهجة النفوس/ مولانا ظفر أحمد عثمانى، ادارۂ اسلاميات لاهور.

ردالمحتار على الدرالمختار/ محمد أمين بن عمر بن عبدالعزيز عابدين الشامي -رحمه الله-، متوفى ١٢٥٢ھ، مكتبه رشيديه كوئٹه/ دارالثقافة والتراث، دمشق، سورية/ دارالمعرفة بيروت.

❖ **روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني**/ أبو الفضل شهاب الدين سيد محمود آلوسي بغدادي -رحمه الله-، متوفي ١٢٧٠ھ، مكتبه إمداديه ملتان.

❖ **روائع البيان في تفسير آيات الأحكام**/ للشيخ محمد على الصابوني، مكتبة الغزالى، دمشق.

❖ **زاد المعاد في هدي خير العباد**/ أبو عبدالله محمد بن أبي بكر، ابن قيم الجوزية، تحقيق: شعيب الأرنؤوط، عبدالقادر الأرنؤوط، مؤسسة الرسالة، بيروت.

❖ **سنن ابن ماجه**/ أبو عبدالله محمد بن يزيد بن ماجه -رحمه الله-، متوفى ٢٧٣ھ، قديمي كراچى/ دارالكتاب المصري قاهره، دارالكتب العلمية بيروت، بتحقيق لمحمود محمد محمود حسن نصار.

❖ **سنن أبي داود**/ أبوداود سليمان بن الأشعث السجستاني -رحمه الله-، متوفى ٢٧٥ھ، سعيد كراچى/دارإحياء السنة النبوية.

❖ **سنن الدارقطني**/ أبو الحسن علي بن عمر الدارقطني -رحمه الله-، متوفى ٣٧٥ھ، دارنشر الكتب العلمية، بيروت.

❖ **سنن الدارمي**/ أبو محمد عبدالله بن عبدالرحمن الدارمي -رحمه الله-، متوفى ٢٥٥ھ، قديمى)

❖ **السنن الصغرى للنسائي**/ أبو عبدالرحمن أحمد بن شعيب النسائي -رحمه الله-، متوفى ٣٠٣ھ، نشر السنة ملتان/ قديمى كراتشي.

❖ **السنن الكبرى للبيهقي**/ أبوبكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي -رحمه الله-، متوفى ٤٥٧ھ، نشر السنة ملتان

❖ **سير أعلام النبلاء**/ أبو عبدالله شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي -رحمه الله-، متوفى ٧٤٧ھ، مؤسسة الرسالة.

﴾ **سيرة النبي/** مولانا شبلى نعمانى، مولانا سيد سليمان ندوى، دارالاشاعت كراچى.

﴾ **الأشباه والنظائر/** ابن نجيم الحنفي –رحمه الله–، إدارة القرآن كراتشى.

﴾ **شرح سنن الترمذى** لابن العربي المالكي، المتوفى ٥٤٣، طبعة الصاوى ١٩٣٤.

﴾ **شرح المقاصد/** الإمام مسعود بن عمر: سعد الدين التفتازاني، المتوفى: ٧٩٣هـ، دارالكتب العلمية بيروت ٢٠٠١.

﴾ **شرح نخبة الفكر/** ابن حجر عسقلانى، قديمى كتب خانه كراچى.

﴾ **شرح ابن بطال/** أبوالحسن علي بن خلف بن عبدالملك، المعروف بابن بطال –رحمه الله–، متوفى ٤٤٩هـ، مكتبه الرشد، الرياض.

﴾ **شرح الأبّي على مسلم (إكمال إكمال المعلم)/** أبو عبدالله محمد بن خلفة الأبي المالكي رحمه الله، المتوفى ٨٢٧هـ، دارإحياء التراث العربى بيروت.

﴾ **شرح الكرماني/** شمس الدين محمد بن يوسف بن علي الكرماني –رحمه الله–، متوفى ٧٨٦هـ، دارإحياء التراث العربي بيروت.

﴾ **شرح مشكل الآثار/** أبوجعفر أحمد بن محمد سَلَامة الطحاوي، المتوفى ٣٢١هـ، مؤسسة الرسالة بيروت، الطبعة الثانية ١٤٢٧هـ.

﴾ **شرح معاني الآثار/** إمام أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوي رحمه الله، المتوفى ٣٢١هـ، مير محمد كتب خانه آرام باغ كراچى.

﴾ **شرح النووي على صحيح مسلم/** أبو زكريا يحيىٰ بن شرف النووي –رحمه الله–، المتوفى ٦٧٦هـ، قديمى كراتشي/ دارالمعرفة بيروت.

﴾ **شذرات الذهب فى أخبار من ذهب/** علامه عبدالحى بن أحمد بن محمد بن العماد العكري الحنبلي رحمه الله، متوفى ١٠٨٩هـ، دارالآفاق الجديدة، بيروت.

❖ **شعب الإيمان**/ إمام حافظ أحمد بن الحسين بن علي البيهقي رحمه الله، المتوفى ٤٥٨هـ، دارالكتب العلمية بيروت، ١٤١٠هـ.

❖ **الشمائل المحمدية للترمذي**/ إمام أبو عيسى محمد بن عيسى بن سورة الترمذي رحمه الله، المتوفى ٢٧٩هـ، فاروقى كتب خانه ملتان.

❖ **الصحيح للبخاري**/ أبو عبدالله محمد بن إسمعيل البخاري –رحمه الله–، المتوفى ٢٥٢هـ، قديمى/دارالسلام رياض/ دارابن كثير، بيروت.

❖ **الصحيح لمسلم**/ مسلم بن الحجاج القشيرى النيسابوري –رحمه الله–، متوفى ٢٦١هـ، قديمى/ دارالسلام/دارالمعرفة.

❖ **الطبقات الكبرىٰ**/ أبومحمد بن سعد –رحمه الله–، متوفى ٢٣٠هـ، دارصادر بيروت.

❖ طبقات الشافعية الكبرىٰ/ علامه تاج الدين أبو نصر عبدالوهاب بن تقي الدين سبكي رحمه الله، المتوفى ٧٧١هـ، دارالمعرفة بيروت.

❖ **ظفَر الأماني**/ علامه عبدالحى لكهنوي رحمه الله، المتوفى ١٣٠٤هـ، مكتب المطبوعات الإسلامية بحلب الطبعة الثالثة ١٤١٦هـ.

❖ **عوارف المعارف**/ عمر بن محمد سهروردى، المتوفى ٦٣٢، مكتبه مكيه، مكه مكرمه ١٤٢٢هـ.

❖ **إعراب القرآن وبيانه**/ محي الدين الدرويش، داراليمامة بيروت ٢٠٠٣ء.

❖ **علوم القرآن**/ مولانا شمس الحق افغانى، اردو بازار لاهور.

❖ **عنية الطالبين**/ امام عبدالقادر جيلانيؒ، ايچ ايم سعيد كراچى.

❖ **العناية**/ علامه أكمل الدين محمد بن محمود البابرتي، متوفى ٧٨٦هـ، مكتبه رشيديه كوئٹه.

❖ **عمدة القاري**/ بدرالدين أبو محمد بن محمود أحمد العيني –رحمه الله–، متوفى

٨٥٥هـ، إدارة الطباعة المنيرية/ دارالكتب العلمية بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤٢١هـ.

❖ **عون المعبود شرح سنن أبي داود/** شمس الحق عظيم آبادي، دارالفكر بيروت.

❖ **فتاویٰ حقانيه/** مفتيان جامعه دارالعلوم حقانيه اكوڑه خٹك، مؤتمر المصنفين، اكوڑه خٹك.

❖ **الفتاویٰ التتارخانية/** عالم بن علاء الأنصاري الأندرپتي الدهلوي -رحمه الله- المتوفى ٧٨٦هـ، قديمى كتب خانه.

❖ **فتح الباري/** أحمد بن علي المعروف بابن حجر العسقلاني -رحمه الله-، متوفى ٨٥٢هـ، دارالفكر بيروت/ قديمي كراتشي/ دارالسلام.

❖ **فتح القدير/** كمال الدين محمد بن عبدالواحد السيواسي المعروف بابن الهمام -رحمه الله-، متوفى ٨٦١هـ، مكتبه رشيديه/ شركة ومطبعة مصطفىٰ البابى الحلبي مصر.

❖ **فيض الباري/** أنور شاه كشميرى -رحمه الله-، متوفى ١٤٥٢هـ، ربانى بك ڈپو دهلى.

❖ **العُدة شرح العُمدة في مذهب الإمام أحمد بن حنبل -رحمه الله-/** بهاء الدين عبدالرحمن بن إبراهيم المقدسيؒ/ مكتبة الرياض الحديثه بالرياض.

❖ **فتاویٰ رحيميه/** حضرت مولانا مفتى عبدالرحيم صاحب مدظله، دارالاشاعت كراچى.

❖ **فتاویٰ محموديه/** حضرت مولانا مفتى محمود الحسن صاحب رحمه الله، مظهرى كتب خانه كراچى.

❖ **فضل الله الصمد فى توضيح الأدب المفرد/** فضل الله جيلاني، صدف پبلشرز كراچى.

❖ **الفقه الإسلامي وأدلته/** علامه وهبه زحيلي، مكتبه حقانيه پشاور.

❖ **فتاوىٰ عالمگيريه/** جماعة من العلماء، نورانی کتب خانه پشاور.

❖ **الفائق/** علامه جار الله أبو القاسم محمود بن عمر الزمخشري، المتوفى ٥٣٨هـ، دارالمعرفة بيروت.

❖ **القاموس الوحيد/** وحيد الزمان بن مسيح الزمان قاسمي كيرانوي –رحمه الله–، متوفى ١٤١٥هـ، /١٩٩٥ء، إدارة إسلاميات لاهور.

❖ **القاموس الجديد/** مولانا وحيد الزمان قاسمى رحمه الله، ادارهٔ اسلامى لاهور.

❖ **الكاشف/** شمس الدين أبو عبدالله محمد بن أحمد بن عثمان ذهبي –رحمه الله–، متوفى ٧٤٧هـ، شركة دارالقبلة/ مؤسسة علوم القرآن.

❖ **الكاشف عن حقائق السنن (شرح الطيبى)/** شرف الدين حسين بن محمد بن عبدالله الطيبي –رحمه الله–، متوفى ٧٤٣هـ، إدارة القرآن كراچى.

❖ **اللآلي المصنوعة في الآحاديث الموضوعة/** علامه جلال الدين سيوطى، المتوفى ٩١١هـ.

❖ **كشف الأسرار عن أصول فخر الإسلام/** علاء الدين عبدالعزيز بن أحمد البخاري، المتوفي: ٧٣٠، دارالكتب العلمية بيروت.

❖ **كتاب الزهد/** الإمام أحمد بن حنبل، دارالكتاب العربى، ١٩٩٤ء

❖ **كتاب الزهد/** الإمام عبدالله بن المبارك، المتوفى ١٨١، دارالكتب العلمية، ١٤٢٥.

❖ **الكافى الشاف في تخريج أحاديث الكشاف/** الحافظ ابن حجر العسقلاني، دارالكتب العلمية بيروت.

❖ **كتاب الضعفاء الكبير/** أبو جعفر محمد بن عمر بن موسىٰ بن حماد العقيلي

المكي-رحمه الله-، متوفى ٣٢٢هـ، دارالكتب.

✤ **كنز العمال/** علامه علاء الدين على المتقي بن حسام الدين الهندي-رحمه الله-، متوفى ٩٧٥هـ، مكتبة التراث الإسلامي، حلب.

✤ **الكوكب الدري/** رشيد أحمد گنگوهي-رحمه الله-، متوفى ١٣٢٣هـ، إدارة القرآن كراچی.

✤ **الكامل فى التاريخ/** علامه أبو الحسن عز الدين على بن محمد ابن الأثير الجرزي، المتوفى ٦٣٠هـ، دارالكتاب العربى بيروت.

✤ **الكامل في ضعفاء الرجال/** أبو أحمد عبدالله بن عدي الجرجاني رحمه الله، المتوفى ٣٦٥هـ، دارالفكر بيروت.

✤ **كفايت المفتي/** حضرت مولانا مفتي كفايت الله صاحب، دارالاشاعت، كراچی.

✤ **القول البديع/** في الصلاة على خير الأنام/ علامه ابن قيم، دارالكتب العلمية بيروت.

✤ **لامع الدراري/** رشيد أحمد گنگوهي-رحمه الله-، متوفى ١٣٢٣هـ، مكتبه إمداديه مكة المكرمة.

✤ **لسان العرب/** أبوالفضل جمال الدين محمد بن مكرم ابن منظور الافريقي المصري-رحمه الله-، متوفى ٧١١هـ، نشر ادب الحوزة، قم، ايران

✤ **المؤطا/** مالك بن أنس-رحمه الله-، متوفى ١٧٩هـ، دارإحياء التراث العربي بيروت.

✤ **المؤطا/** إمام محمد بن الحسن الشيباني رحمه الله، المتوفى ١٨٣هـ، نور محمد أصح المطابع، آرام باغ كراچی.

❖ المتواري على تراجم أبواب البخاري/ ناصر الدين أحمد بن محمد المعروف بابن المنير الاسكندراني –رحمه الله–، متوفى ٦٨٣هـ، مظهري كتب خانه كراچى.

❖ مجمع بحار الأنوار/ علامه محمد طاهر پٹني –رحمه الله–، متوفى ٩٨٢هـ، دائرة المعارف العثمانيه حيدر آباد.

❖ مجمع الزوائد/ نور الدين علي بن أبي بكر الهيثمي –رحمه الله– متوفى ٨٠٧هـ، دارالفكر.

❖ المجموع شرح المهذب/ محي الدين أبو زكريا يحيىٰ بن شرف النوويؒ، متوفي ٦٧٦هـ، شركة من علماء الأزهر/ دارالفكر بيروت.

❖ مجموعة الفتاوىٰ/ أبوالحسنات عبدالحي الكهنوي، متوفى ١٣٠٤هـ، ايچ ايم سعيد كراچى.

❖ المعرفه والتاريخ/ الشيخ أبو يوسف يعقوب بن سفيان الفسوي، المتوفى ٢٧٧هـ، مؤسسة الرسالة، بيروت.

❖ المحلّى/ أبو محمد علي أحمد بن سعيد بن حزمؒ، متوفى ٤٥٦هـ، المكتب التجاري بيروت/ دارالكتب العلمية بيروت.

❖ مختار الصحاح/ محمد بن أبي بكر بن عبدالقادر الرازيؒ، متوفى ٦٦٦هـ، دارالمعارف

❖ مختصر القدورى/ أبو الحسن بن أحمد بن محمد بن جعفر البغدادي رحمه اللّٰه، المتوفى ٤٢٨هـ، ايچ ايم سعيد كمپنى كراچى.

❖ المدونة الكبرى/ مالك بن أنسؒ، متوفى ١٧٩هـ، دارصادر، بيروت/ مكتبه نزار مصطفىٰ الباز، مكة المكرمة الرياض.

❖ مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح/ نور الدين علي بن سلطان القاريؒ، متوفى

١٠١٤هـ، إمداديه ملتان/ مكتبة رشيدية كوئٹه.

◆ **المستدرك على الصحيحين/** أبو عبدالله محمد بن عبدالله الحاكم النيسابوريّ، متوفى ٤٠٥هـ، دارالفكر.

◆ **مسند أحمد/** أحمد بن حنبلؒ، متوفى ٢٤١هـ، المكتب الإسلامى، دارصادر بيروت.

◆ **مسند أبي داود الطيالسي/** حافظ سليمان بن داود بن الجارود المعروف بأبي داود الطيالسي رحمه الله، المتوفى ٢٠٤هـ، دارالمعرفة بيروت.

◆ **مصباح اللغات/** أبو الفضل عبدالحفيظ البلياويّ، متوفى ١٣٩١هـ، مكتبه برهان، دهلى.

◆ **المصنف لابن أبي شيبة/** عبدالله بن محمد بن أبي شيبة المعروف بأبي بكر بن أبى شيبةؒ، متوفى ٢٣٥هـ، دارالكتب العلمية بيروت/ دارقرطبة، بيروت.

◆ **المصنف لعبد الرزاق/** عبدالرزاق بن همام صنعانيّ، متوفى ٢١١هـ، مجلس علمى كراتشي.

◆ **مظاهر حق (جديد)/** نواب محمد قطب الدين خان دهلوى، دارالاشاعت كراچى.

◆ **معالم السنن/** الإمام أبو سليمان حمد بن محمد الخطابيّ، متوفى ٣٨٨هـ، مطبعة أنصار السنة المحمدية.

◆ **معارف القرآن/** حضرت مولانا مفتى محمد شفيع صاحب رحمه الله، متوفى ١٩٧٦هـ، ادارة المعارف كراچى.

◆ **المعجم الكبير/** سليمان بن أحمد بن أيوب الطبرانيّ، متوفى ٣٦٠هـ، دارالفكر.

◆ **مقدمه صحيح مسلم/** مولانا شبير أحمد العثماني، ادارۂ شركت علميه، ديوبند.

﴿ مقدمه كتاب الزهد لابن المبارك/ مولانا حبيب الرحمن اعظمى، دارالكتب العلمية بيروت.

﴿ معرفة علوم الحديث/ إمام أبو عبدالله محمد بن عبدالله حاكم نيسابوري رحمه الله، المتوفى ٤٠٥هـ، دارالفكر بيروت.

﴿ المغني/ موفق الدين أبو محمد عبدالله بن أحمد بن قدامةؒ، متوفى ٦٢٠هـ، دارالفكر.

﴿ مكمل إكمال الإكمال/ أبو عبدالله محمد بن محمد بن يوسف السنوسيؒ، متوفى ٨٩٥هـ، دارالكتب العلمية بيروت

﴿ الموضوعات/ للإمام أبي الفرج عبدالرحمن ابن الجوزى، المتوفى ٥٩٧هـ، قرآن محل اردو بازار كراچى.

﴿ ميزان الاعتدال في نقد الرجال/ شمس الدين محمد أحمد بن عثمان الذهبيؒ، متوفى ٨٤٨هـ، دارإحياء التراث العربية، مصر.

﴿ المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم/ الإمام الحافظ أبوالعباس أحمد بن عمر بن إبراهيم القرطبي، التموفى ٦٥٦هـ، دارابن كثير، دمشق، بيروت.

﴿ معارف الحديث/ مولانا محمد منظور نعمانى، دارالاشاعت كراچى.

﴿ معارف مدنى/ مولانا عبدالشكور ترمذىؒ، ادارهٔ تاليفات اشرفيه لاهور.

﴿ مجموع فتاوى/ تقي الدين أحمد بن عبدالحليم، ابن تيمية، المتوفى: ٧٢٨، دارالكتب العلمية بيروت، ١٤٢٦.

﴿ المسامرة شرح المسايرة/ محمد بن محمد، المتوفى ٩٠٥، دارالكتب العلمية بيروت ٢٠٠٢

﴿ المسايرة في العقايد المنجية في الآخرة/ محمد بن عبدالواحد: ابن الهمام، المتوفى

٨٦١، دارالكتب العلمية بيروت ٢٠٠١

❖ **نصب الرايه في تخريج أحاديث الهدايه/** جمال الدين أبو محمد عبدالله بن يوسف الزيلعي، المتوفى ٧٦٢هـ، مؤسسة الريّان، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤١٨هـ.

❖ **النهاية في غريب الحديث والأثر/** مجد الدين أبو السعادات المبارك بن محمد ابن الأثيرؒ، متوفى ٦٠٦هـ، دارإحياء التراث العربي بيروت/ دارالمعرفة بيروت الطبعة الأولىٰ ١٤٢٢هـ.

❖ **وفيات الأعيان/** شمس الدين أحمد بن محمد المعروف بإبن خلكانؒ، متوفى ٦٨١هـ، دارصادر بيروت.

❖ **الهداية/** برهان الدين أبو الحسن علي بن أبى بكر المرغينانيؒ، متوفى ٥٩٣هـ، مكتبه شركت علميه ملتان/ إدارة القرآن كراتشي.

❖ **هدى الساري** (مقدمه فتح الباري)/ ابن حجر عسقلانيؒ، متوفى ٥٩٣هـ، دارالفكر بيروت.

تاثرات

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم
شیخ الحدیث، جامعہ دارالعلوم، کراچی

کشف الباری

صحیح بخاری کی اردو میں ایک عظیم الشان شرح

احقر کو بفضلہ تعالیٰ اپنے استاذ معظم شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب (أطال الله بقاء ه بالعافية) سے تلمذ کا شرف پچھلے 43 سال سے حاصل ہے، ان میں سے ابتدائی تین سال تو باقاعدہ اور باضابطہ تلمذ کا موقع ملا، جس میں احقر نے درس نظامی کی متعدد اہم ترین کتابیں حضرت سے پڑھیں، جن میں ہدایہ آخرین، میبذی اور دورۂ حدیث کے سال جامع ترمذی شامل ہیں، پھر اس کے بعد بھی الحمدللہ استفادہ کا سلسلہ کسی نہ کسی جہت سے قائم رہا۔ حضرت کا دلنشین اندازِ تدریس ہم سب ساتھیوں کے درمیان یکساں طور پر مقبول اور محبوب تھا اور اس کی خصوصیت یہ تھی کہ مشکل سے مشکل مباحث حضرت کی سلجھی ہوئی تقریر کے ذریعے پانی ہو جاتے تھے، خاص طور سے جامع ترمذی کے درس میں یہ بات نمایاں طور پر نظر آئی کہ شروحِ حدیث کے وہ مباحث جو مختلف کتابوں میں غیر مرتب انداز میں پھیلے ہوئے ہوتے، وہ حضرت کے درس میں نہایت انضباط کے ساتھ اس طرح مرتب ہو جاتے کہ ان کا سمجھنا اور یاد رکھنا ہم جیسے طالب علموں کے لیے نہایت آسان ہوتا اور اس طرح حضرت نے ایک کتاب اور اس کے موضوعات ہی نہیں پڑھائے، بلکہ اس بات کی تعلیم بھی دی کہ بکھرے ہوئے مباحث کو کس طرح سمیٹا جائے اور انہیں فہم سے قریب کرنے کے لیے کیا انداز اختیار کیا جائے۔ حضرت کے اس اندازِ تدریس کا یہ احسان میرے علاوہ ان تمام طلبہ کے لیے ناقابل فراموش ہے جنہیں حضرت سے پڑھنے کے بعد کسی علمی خدمت کا موقع ملا۔

حضرت نے اپنے علمی مقام اور اپنے وسیع افادات کو ہمیشہ اپنی اس متواضع، سادہ اور بے تکلف زندگی کے پردے میں چھپائے رکھا جس کا مشاہدہ ہر شخص آج بھی ان سے ملاقات کر کے کر سکتا ہے۔

لیکن پچھلے دنوں حضرت کے بعض تلامذہ نے آپ کی تقریر بخاری کو ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے مرتب کر کے شائع کرنے کا ارادہ کیا اور اب بفضلہ تعالیٰ اس کی پانچ ضخیم جلدیں ''کشف الباری'' کے نام سے منظر عام پر آ چکی ہیں۔

جب پہلی بار ''کشف الباری'' کا ایک نسخہ میرے سامنے آیا تو حضرت سے پڑھنے کے زمانے کی جو خوشگوار یادیں ذہن پر مرتسم تھیں، انہوں نے طبعی طور پر کتاب کی طرف اشتیاق پیدا کیا۔ لیکن آج کل مجھ ناکارہ کو گوناگوں مصروفیات اور اسفار کے جس غیر متناہی سلسلے نے جکڑا ہوا ہے اس میں مجھے اپنے آپ سے یہ امید نہ تھی کہ میں ان ضخیم جلدوں سے پورا پورا

استفادہ کرسکوں گا، یوں بھی اردو زبان میں اکابر سے لے کر اصاغر تک بہت سے حضرات اساتذہ کی تقاریر بخاری معروف و متداول ہیں اوران سب کو بیک وقت مطالعے میں رکھنا مشکل ہوتا ہے۔

لیکن جب میں نے ''کشف الباری'' کی پہلی جلد سرسری مطالعے کی نیت سے اٹھائی تو اس نے مجھے خود مستقل طور پر اپنا قاری بنالیا۔ اپنے درس بخاری کے دوران جب میں ''فتح الباری، عمدۃ القاری، شرح ابن بطال، فیض الباری، لامع الدراری اور فضل الباری کا مطالعہ کرنے کے بعد ''کشف الباری'' کا مطالعہ کرتا تو ظاہر ہوتا کہ اس کتاب میں مذکورہ تمام کتابوں کے اہم مباحث دلنشین تفہیم کے ساتھ اس طرح یک جا ہو گئے ہیں جیسے ان کتابوں کا لب لباب اس میں سمٹ آیا ہو۔ اوراس کے علاوہ بھی بہت سے مسائل اور مباحث اس پر مستزاد ہیں۔ اس طرح مجھے بفضلہ تعالیٰ ''کشف الباری'' کی ابتدائی دوجلدوں کا تقریباً بالاستیعاب مطالعہ کرنے کا شرف حاصل ہوا اور کتاب المغازی والی جلد کے بیشتر حصے سے استفادہ نصیب ہوا اوراگر میں یہ کہوں تو شاید یہ مبالغہ نہیں ہوگا کہ اس وقت صحیح بخاری کی جتنی تقاریر اردو میں دستیاب ہیں ان میں **یہ تقریر اپنی نافعیت اور جامعیت کے لحاظ سے سب پر فائق ہے۔** اور یہ صرف طلبہ ہی کے لیے نہیں، بلکہ صحیح بخاری کے اساتذہ کے لیے بھی نہایت مفید ہے۔ مباحث کے انتخاب، تطویل اور اختصار میں ہر پڑھانے والے کا مذاق جدا ہوسکتا ہے۔ لیکن اس میں صحیح بخاری کے طالب علم اور استاذ کے لیے تقریباً تمام ضروری مسائل کا احاطہ کرلیا گیا ہے۔ پہلی دو جلدیں تقریباً 14 سو صفحات پر مشتمل ہیں۔ اوران میں صرف کتاب الایمان مکمل ہوئی ہے۔ جب کہ شروع میں علم حدیث اور صحیح بخاری کے بارے میں نہایت مفید مقدمہ بھی شامل ہے دوسری دو جلدیں کتاب المغازی اور کتاب التفسیر پر مشتمل ہیں۔ اوران کی ضخامت بھی قریب قریب اتنی ہی ہے۔

اس تقریر کی ترتیب اور تدوین میں مولانا نورالبشر اور مولانا ابن الحسن عباسی صاحبان (فاضلین دارالعلوم کراچی) نے اپنی صلاحیت اور قابلیت کا بہترین مظاہرہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جزائے خیر عطا فرمائیں، وفقهما الله تعالىٰ لأمثال أمثاله، دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرمائیں اور تقریر کے باقی ماندہ حصے بھی اسی معیار کے ساتھ مرتب ہوکر شائع ہوں۔ انشاء اللہ یہ کتاب اپنی تکمیل کے بعد اردو میں صحیح بخاری کی جامع ترین شرح ثابت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ حضرت صاحبِ تقریر کا سایۂ عاطفت ہمارے سروں پر تادیر بعافیتِ تامہ قائم رکھیں، ہمیں اور پوری امت کو ان کے فیوض سے مستفید ہونے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین۔

احقر اس لائق نہیں تھا کہ حضرتِ والا کی تقریر کے بارے میں کچھ لکھتا، لیکن تعمیل حکم میں یہ چند بے ربط اور بے ساختہ تاثرات قلمبند ہوگئے۔ حضرت صاحبِ تقریر اور اس عظیم الشان کتاب کا مرتبہ یقیناً اس سے کہیں زیادہ بلند ہے۔

☆☆☆☆